التماس

معزز ناظرین۔ یہ کتاب بنام معجزات مسیح آپ کے سامنے حاضر ہے تھوڑی دیر کے لئے اسکی تالیف کا قصہ آپ کو سنانا چاہتاہوں تاکہ آپ اسے نظر عنائت سے دیکھیں اورجس کے لئے معجزات کا تذکرہ اس میں قلمبند ہے اسے قبول کریں۔

جو اعتراضات آج کل سائنس کے ہوخوا ہوں اور قوانین قدرت کے وفاداروں کی طرف سے فوق العادت اظہارات کے امکان اور وجود پر عموماً کئے جاتے ہیں انہیں سن کر بارہا احقر مولف کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا یا یوں کہیں کہ یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اردو زبان میں کوئی نہ کوئی ایسی کتاب ہونی چاہیے جو موجودہ اعتراضوں کو مد نظر رکھ کریہ دکھانے کی کوشش کرے کہ مسیح کے معجزے قبول کرنے کے لائق ہیں اب اس سے یہ مطلب نہیں کہ زبان اردو میں کوئی ایسی کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی کیونکہ اس قسم کی کتابیں اشاعت پاچکی ہیں اوران میں سے بعض اپنے مصنفوں کی لیاقت اوروسع علم کو بخوبی ظاہر کرتی ہیں۔ مگر کتاب زیر ریویو نے یہ

خدمت اپنے ذمہ لی ہے کہ نہ صرف ان اہم سوالات پر بحث کرے جو معجزات کے امکان سے متعلق ہیں۔ یا ان اعتراضوں کا جواب دے جو معجزات اور قوانین قدرت کے باہمی تعلق سے پیدا ہوتے ہیں یا وہ دلائل پیش کرے جو معجزات مسیح کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں ۔ بلکہ ماسوائے ان باتوں کے یہ خدمت بھی بہم پہنچائے کہ مسیح کے ان معجزات کی جو انجیل شریف میں قلم بند ہیں مشترح تفسیر ناظرین کے مطالعہ اورملاحظہ کے لئے پیشکش کرے۔

مولف کی رائے میں شائقین کو صرف فلسفانہ حصہ کے ملاحظہ پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ مسیح کے معجزات کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے ۔ کیونکہ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوجاتا ہے ۔ کہ مسیح کے معجزات محبت اور ہمدردی ۔ حکمت اور قدرت ۔ اعتدال اوراختیار سے پرُ ہیں ان کی تلاوت فوراً ظاہر کردیتی ہے کہ ان میں اوران اچنبھوں میں جو دنیا میں مشہوراورمروج ہیں کیا فرق پایا جاتاہے۔ علاوہ بریں پڑھنے والا یہ فائدہ بھی اٹھاتا ہے کہ خود بخود مسیح کے نمونہ سے محبت اور ہمدردی کی طرف مائل ہوتا جاتاہے۔ ماسوائے اس کے وہ یہ بھی دیکھ لیتا ہے کہ مختلف معجزات کے متعلق مسیح نے اپنی ذات، اپنی شخصیت اوراپنے مشن کی نسبت کیا کیا دعوے کئے ہیں ۔ پس پڑھنے والوں کا فرض ہے کہ وہ صرف اسی حصہ کو سب کچھ نہ سمجھیں جس میں عقلی بحث کو دخل ہے۔ بلکہ اس حصہ کو بھی پڑھیں جس میں اس کے ایک ایک معجزے کی تشریح پیش کی گئی ہے۔

جیسا سطور مرقومہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے ۔ یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے پہلے حصے میں جسے مقدمہ کہا ہے۔ چھ باب شامل ہیں۔ جن میں ذیل کے مضامین پر بحث کی گئی ہے۔

۱۔ معجزات کی غرض اورامکان۔

۲۔ معجزات اورقوانین قدرت

۳۔ معجزات اورگواہی

۴۔ مسیح کے معجزات اوران پر انجیلی گواہی ۔

۵۔ سچے اورجھوٹے معجزات وغیرہ۔

۶۔ مسیح کا مردوں میں سے جی اٹھنا۔

اس مقدمہ کے تیارکرنے میں ذیل کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ اور بیچدان مولف بڑی شکرگزاری سے اقرارکرتا ہے کہ اس نے صرف اتنا ہی کام کیا ہے ۔ کہ ان کتابوں میں سے جن کے مصنفوں کے نام نامی نہایت عزت اور تعظیم کے لائق ہیں ان مقامات کو جو

مضامین زیر بحث کے ساتھ علاقہ رکھتے ہوئے معلوم ہوئے لے کر اوران میں اپنی تجویز کے مطابق کمی بیشی کرکے ایک جگہ جمع کردیا ہے وہ کتابیں یہ ہیں:

نوٹس آف دی مرے کلز۔ ٹرنچ

دی ٹرتھ آف دی کرسچین رلیجن ۔ رامچندربوس

مارڈن ڈاؤٹ اینڈ کرسچن بلیف۔ کرسلب

ایوی ڈنسسر آف کرسچینیٹی ۔ ملوین

اپالوجیٹکس ۔ اے ۔ بی ۔ بروس

سیریکیوس ایلمنٹ انڈی گاسپلز ے ۔ بی بروس ۔

مقدمہ

(جس میں معجزات کی حقیقت اورامکان ومقاصد پر بحث کی گئی اوراعلٰے ثبوت دئے گئے ہیں)

پہلا باب

معجزہ اوراس کا امکان اورغرض

اکثرلوگ معجزہ کو نا ممکن سمجھتے ہیں

ایک ایسا زمانہ تھا۔کہ لوگوں کو معجزات گھڑنے پڑتے تھے۔ لیکن آج کل اکثرلوگ معجزہ کے نام سے ڈرتے ہیں۔ چنانچہ ہر طرف سے یہ صد آتی ہے۔ کہ معجزہ ناممکن ہے کیونکہ وہ قوانین قدرت کے خلاف ہے۔ اہل ہنود خصوصاً برہمو سماج اورآریا سماج ان سے ہاتھ دھوبیٹھے۔ اورمسلمانوں میں بھی ایسے فلاسفر برپا ہوگئے ہیں جو موجودہ سائینس اورفلسفہ کی بیعت اختیارکرکے معجزات سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔

معجزہ مسیحی مذہب کے ساتھ ایسا تعلق رکھتا ہے کہ ایک دوسرے سے جدانہیں کرسکتے

لیکن مسیحی مذہب ان سے پیچھا نہیں چھڑاسکتا۔ کیونکہ اس کے رگ وریشے میں اعجازکا عنصر دوران خون کی مانند حرکت کررہا

ہے۔ اورجس طرح بند خون کے نکل جانے سے مردہ ہوجاتا ہے ۔ اسی طرح مسیحی مذہب بھی اعجازی عنصر کے بغیر مردہ سا رہ جاتا ہے۔ اگر کوئی اورمذہب قائم رہے تو رہے لیکن مسیحی مذہب معجزات کے انکار سے قائم نہیں رہ سکتا۔ مسیحی مذہب قیاسی دعووں یا محض تعلیمی مسئلوں کا نام نہیں۔ مسیحی مذہب وہ سلك واقعات ہے جس کا ہر واقعہ کم وبیش قوت اعجاز پر مبنی ہے۔ مسیح جو اس کا مرکز ہے خود ہزار معجزوں کا معجزہ ہے۔ چنانچہ اس کی تمام زندگی اول سے آخر تك عجیب باتوں کا سلسلہ ہے۔مثلاً اس کا غیر معمولی طورپر بطنِ مریم میں آنا ایك معجزہ ہے اس کی معصوم زندگی ایك معجزہ ہے ۔ اس کی بےنظیر قدرت جس سے اس نے اندھوں کو بینا کیا۔ بہروں کو قوت سمع عطا فرمائی ۔ مردوں کو زندہ کیا ایك معجزہ ہے۔ وہ حکمت جواس کے کلام سے مترشح ہے۔ وہ صبر اور استقلال جو آزمائشوں اور تکلیفوں کے درمیان اس کی صابر اور مطمئن زندگی سے ظاہر ہوا۔ وہ دعا جو اس نے مخالفوں کے لئے صلیب پر مانگی یہ سب باتیں معجزہ ہیں۔ اوراس کا مردوں میں سے جی اٹھنا اورآسمان پر تشریف لے جانا معراج اعجاز کا اعلیٰ زینہ ہے۔

مسیحی مذہب کی تاثیرات بجائے خود ایک معجزہ ہے

قطع نظر ان حقیقتوں کے مسیحی مذہب ان فوق العادت تاثیرات کے اعتبار سے جن سے وہ مختلف قوموں اور مختلف شخصوں کو مغلوب کرتا اور دنیا کی حکومتوں پر فتح پاتا ہے ایك دائمی معجزہ ہے ۔ پس اس کی ہستی ایك طرح معجزہ کے اقرار پر منحصر ہے ۔ اور مخالفوں نے اس نکتہ کو خوب پہچانا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ دین عیسوی اور فوق العادت میں ایسا گہرا تعلق پایا جاتا ہے اوردونو اس طرح شیروشکر کی طرح آپس میں ملے ہوئے ہی نکہ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ معجزہ ناممکن ہے تو اس بنیاد کے ہل جانے سے مسیحی مذہب بھی عمارت بوسیدہ کی طرح گرکر پاش ہوجائیگا۔

لیکن انکار معجزہ سے ہر طرح کے مذہب کا انکار کرنا پڑتا ہے

لیکن ہمیں کمرسلب صاحب اور مسٹر رامچند بوس کا نادرخیال اس موقعہ پر یادآتا ہے اوروہ یہ ہے کہ انکاراعجاز سے نہ صرف مسیحی مذہب کو زک پہنچیگی بلکہ ہمیں ہر مذہب کی جان پر فاتحہ پڑھنا پڑیگا۔ مذہب کیا ہے ؟ کیا مذہب اِس امکان کا نام نہیں کہ آسمانی طاقتیں انسانی زندگی میں اس کی رفاہ اورفلاح کے لئے داخل

کراپنا اثر دکھاسکتی ہیں۔ اگریہ ممکن نہیں۔ یعنی اگر خدا قوانین قدرت کی چاردیواری کے اندرقید ہے یا اُن سے ایسا خارج ہے کہ قصر فطرت میں داخل ہونے کے لئے اسے کوئی دروازہ نہیں ملتا اوروہ انسانی معاملات میں کس طرح کی دلچسپی دکھانے کو دستاندازی نہیں کرسکتا تو مذہب عبث بلکہ حماقت کا ڈھکوسلا ہے ۔

مذہب کے دوپہلو

مذہب کے دوپہلو ہیں جن کے وسیلے وہ بنی آدم کو اپنے فیض سے مالا مال کرتاہے انہیں اصطلاح فلسفہ میں (Objective) اور (Subjective) کہتے ہیں ۔ مقدم الذکر سے وہ امدادِ الہیٰ مراد ہے جو ہماری مشکلات اور مصائب کےو قت ہماری دست گیری کرتی ہے۔چنانچہ اسی فوق لعادت مدد کے لئے دعاومناجات کی جاتی ہے۔ بیوہ آنسو بہاتی ہے ،یتیم نالہ بلند کرتا ہے ۔ غمزدہ آہیں بھرتا ہے اوریہی وہ مدد ہے جو مصیبت زدوں کوتسلی سے مالا مال فرماتی ہے اوراس کے دوسرے پہلو سے دل کی وہ فوق العادت تبدیلی مردا ہے ۔ یعنی وہ الہیٰ تاثیر جس کی وجہ سے نئی پیدائش یا نئی زندگی حاصل ہوتی ہے جس کی طفیل سے پُرانی خواہشوں ، پرُانے ارادوں اور پرُانے جذبات میں ایسا انقلاب وارد ہوتا ہے ۔ کہ انسان نیا مخلوق بن جاتا ہے۔

ایک پہلو کو ماننا اوردوسرے کا انکارکرنا درست نہیں

اس جگہ یہ خیال پیش کرنا خالی ازفائدہ نہ ہوگا کہ ان لوگوں کے اصول اوراعتقادات کیسے متناقص ہیں جو اس بات کے تو قائل ہیں کہ خدا انسان کی روح کے اندربذات خود کام کرتا ہے۔ اسے تبدیل کرتا اوراسے نیا بناتا ہے ۔ مگرخارجی فطرت میں اس کے درآنے اورکام کرنیکے منکر ہیں۔لیکن اظہر ہے کہ اگر وہ دعاؤں کے جواب میں دائرہ فطرت میں حاضر نہیں ہوسکتا۔ تواسی طرح روحانی دائرہ میں بھی داخل نہیں ہوسکتا۔

اعجاز کے انکار سے کسی طرح کی دعا کے لئے جگہ نہیں رہتی

پس دعا کے لئے کوئی جگہ نہیں رہتی۔ نہ جسمانی ضروریات کے لئے اورنہ روحانی حاجات کے متعلق درگاہ باری تعالیٰ میں جبہ سائی کرسکتے ہ یں ۔ بلکہ یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ مکالمہ الہیٰ کے معانی بھی دعا کے لئے جگہ نہیں رہتی ۔ کیونکہ اگر ایمان خدا کو قوانین نیچر سے جدا اورمسہودات فطرت سے الگ اورتمام اشیاء دیدنی ونادیدنی پر فائق اوربرکت دینے پر قادراورتمام صفات شخصیت کے ساتھ دعا

کی کوٹھری میں موجودہ نہ دیکھے تو ایک فرضی شخص کی طرف مخاطب ہوکر کبھی عجز وانکسار کے ساتھ سرنیاز اس کے آستانہ پر جھکانا اور کبھی اسے محبوب حقیقی جان کر اس پر تصدق ہوجانا۔کبھی تکلف کے ساتھ اورکبھی فرزندانہ بے تکلفی سے اس کے ساتھ ہم کلام ہونا گویا ہوا کے ساتھ باتیں کرنا ہے۔ دعا الہیٰ حضوری اورالہیٰ قدرت پر دلالت کرتی ہے۔ اورنیز اسبات پر شہادت دیتی ہے کہ وہ حاضر اورقادر ہے ہماری مدد کے لئے رضا مند بھی ہے۔ اوریہی اصول معجزہ کی جڑ ہے۔

انکار معجزہ خدا کی شخصیت کا انکار ہے

ہماری رائے میں معجزہ کا انکارخدا کی شخصیت کا انکار ہے۔ پر اگرہم خدا کی شخصیت سے منکر ہوجائیں تو ہماری شخصیت کہاں رہیگی؟ اورجب ہماری اور خدا کی شخصیت جاتی رہی تو ہماری اخلاقی ذمہ واری کہاں رہی ؟ یہ انکارایسا انکار ہے۔ جو ہمیں دوسری دنیا سے علیٰحدہ کرکے اسی دنیاوی زندگی کا قیدی بنادیگا۔

اس کے نتائج

اورپھر یہ الفاظ جوکسی خدا رسیدہ شخص نے تحریر کئے ہیں ہم پر صادق آئینگے"۔ اگر تیرا یہ اعتقاد ہے کہ تو اپنی تاریخ میں خدا کے رہنما ہاتھ کا سراغ لگاسکتا ہے تو یہ تیرا وہم ہے۔۔۔۔ کیا تو اپنے لخت جگر کی شفا کے لئے جو قریب المرگ پڑا ہے دعا مانگ رہا ہے ؟ یہ بے فائدہ تکلیف ہے کیونکہ لازم ہے کہ تیرا کا نپتا ہوا دل نیچر کے بہرے اوراندھے عمل سے سوائے اپنے لازمی مقدر کے اورکسی بات کی تمنا نہ رکھے۔اے غمزدہ خاتون کیا تو اپنے باپ یا اپنے شوہر کے کفن کے پاس روتی ہوئی یہ کہہ رہی ہے کہ رشتہ محبت ہمیشہ کے لئے ٹوٹ نہیں سکتا ؟ یہ بھی ایک خام خیال ہے کیونکہ قیامت کوئی شے نہیں ہے۔ کیا تم اس لئے آہیں بھرتے ہوکہ اگر خدا مدد کرے تو بدی پر غالب آؤ؟ یہ بھی ایک موہوم اُمید ہے ۔ کیونکہ اگر تم نئی زندگی پاؤ تو یہ گویا تمہاری ذاتی گناہ آلودہ طبیعت کی ترقی کوایک غیر جبلی رخنہ اندازی سے روکنا ہوگا۔ کیا تو یہ کہتا ہے کہ تو نے اس معجزہ کا تجربہ کیا ہے ؟ دیکھو منکر جواب دیتے ہیں کہ یہ تیری فریب خوردگی ہے۔۔۔۔ پس آؤ ہم کھائیں پئیں اورخوشی کریں کیونکہ کل ہمیں مرنا ہے" ۔ انکار معجزات کا یہی منطقی اورلازمی نتیجہ ہے۔

معجزات کا مقصد خلاف عقل نہیں

اب ہم تھوڑی دیر کے لئے اسبات پر غورکرینگے کہ آیا معجزات کے مقصد اورمعانی میں درحقیقت کوئی ایسی بات پائی جاتی ہے جسے ہم خلاف عقل کہہ سکیں یا اُن کی مخالفت کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ وہ مسیحی مذہب کے مطابق عقلی اُصول کے موافق ہیں۔ اس جگہ ہم اُن اعتراضات میں نہیں گھسنا چاہتے جو لوگوں نے معجزوں پر کئے ہیں۔ اُن کا بیان اورتردید آگے چل کر قید کتابت میں لائینگے ۔ یہاں مختصر طورپر ناظرین کو فقط یہ دکھانا چاہتےہیں کہ مسیحی مذہب کے نزدیک معجزہ کیا مطلب رکھتاہے اورکہ اس مطلب کے متعلق کوئی بات عقل سلیم کے برخلاف نہیں پائی جاتی۔

معجزہ کی تعریف

مسیحی مذہب کے نزدیک معجزہ ان فوق العادت اظہارات کا نام ہے جو اس غرض سے منصہ شہود پر جلوہ نما ہوتے ہیں کہ خدا کے فرستادہ کی رسالت ثابت کی جائے۔ معجزہ کے لغوی معنی عاجز کرنے کے ہیں اورجب کوئی کام فطرت کے معمول سے مختلف انسان کے مشاہدے سے گذرتا ہے تو وہ عاجز ہوکراس غیر مرئی قدرت کا قائل ہوجاتاہے جس کا تجربہ اس نے تاہنوز نیچر(فطرت) کے معمولی سلسلہ میں نہیں کیا تھا۔ پس معجزہ خدا کے نبی یا رسول کی رسالت کا نشان یا ثبوت ہوتا ہے۔

ایک نظیر

اوریہ اصول مسلمہ ہے کہ بڑے بڑے پیغاموں کے ثابت کرنے کے لئے بڑی بڑی شہادتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص عہدہ سفارت پر مامور ہوکر کسی بادشاہ کے دربارمیں جاتا ہے تو پہلے اسے اس بات کو ثابت کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کا مقرر کردہ ہے۔ اورجب یہ بات ثابت ہوجاتی ہے توایک ایک لفظ جو اس کی زبان سے نکلتا ہے بمنزلہ بادشاہ کے کلام کے سمجھا جاتا ہے۔

مسیحی مذہب کا دعوٰی یہ ہے ۔ کہ میں الہامی ہوں

اب مسیحی مذہب کا یہ دعوٰی ہے کہ مسیح اس دنیا میں خدا کا ایلچی بن کر آئے اوراپنے ساتھ کئی الہٰی پیغام اوراپنی رسالت کے ثبوت میں اس نے معجزے کر دکھائے جو انجیل شریف میں قلمبند ہیں۔

یہ انسان کا جبلی خاصہ ہے کہ وہ الہامی پیغام کے ثبوت میں معجزہ طلب کرتا ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بات انسان کی ذات میں مخلوط ہے کہ جب کوئی شخص اس کے پاس آکر منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ بے ساختہ یہ درخواست کرتا ہے تو اس دعویٰ کی تصدیق میں خدا کی طرف سے کونسا نشان اپنے ساتھ لایا ہے۔ یہی سبب تھا۔ کہ یہودیوں نے مسیح سے کہا " تو کونسا نشان دکھاتا ہے۔ تاکہ ہم دیکھ کر تیرا یقین کریں تو کونسا کام کرتا ہے"۔ (انجیل شریف : راوی حضرت یوحنا ۶: ۳۰) اوراس نے ان کے اس سوال کو غیرواجب جان کر نظر انداز نہیں کیا۔ بلکہ وہ اپنے جواب سے ثابت کرتا ہے کہ ان کا سوال جائز ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے " جو کام میں اپنے باپ کے نام سے کرتا ہوں وہی میرے گواہ ہیں"۔(انجیل شریف: راوی حضرت یوحنا ۱۰: ۲۵) پھر ایك اورجگہ اپنے معجزات کو اپنے مشن کے ثبوت میں اس طرح پیش کرتے ہیں "۔ اندھے دیکھتے اورلنگڑے چلتے ہیں کوڑھی پاك صاف کئے جاتے ہیں اوربہرے سنتے ہیں اورمردے زندہ کئے جاتے ہیں"۔ (انجیل شریف : راوی حضرت متی ۱۱: ۵) یہودیوں کا سردارنقودیمس بھی اس اصول کا قائل تھا۔ چنانچہ اس کے کلام سے ٹپکتا ہے کہ وہ مانتاتھا کہ غیر معمولی قدرت کے اظہارنبی کی رسالت کا پختہ ثبوت ہیں۔ اسی لئے اس نے کہا " اے ربی ہم جانتے ہیں کہ تو خدا کی طرف سے استاد ہوکرآیا ہے کیونکہ معجزے (یونانی نشان) تو دکھاتا ہے کوئی شخص نہیں دکھاسکتا ہے جب تك خدا اس کے ساتھ نہ ہو"(انجیل شریف : راوی حضرت یوحنا ۳: ۲) پھر رسولوں کی رسالت کی نسبت بھی جو کہ مسیح کے فرستادہ تھے یہی ثبوت پیش کیا گیا ہے لکھا ہے " ۔ ساتھ ہی خدا بھی اپنی مرضی کے موافق نشانوں اورعجیب کاموں اورطرح طرح کے معجزوں اورروح القدس کی نعمتوں کے ذریعے سے اس کی گواہی دیتا رہا"۔

منکر بھی اس بات کے قائل ہیں کہ معجزہ من جانب اللہ ہونے کا عمدہ ثبوت ہے

(خطِ عبرانیوں ۲: ۴)اورملحد بھی اس بارے میں معجزے کے زور کو خوب محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً ملوین صاحب اپسکوپل چرچ کےبشپ اپنی کتاب ایوی ڈن سیزآف کرسچینٹی میں یوں ایک کی رائے قلمبند کرتے ہیں۔" مجھے یقین ہے کہ سب لوگ اس بات کو قبول کرینگے ۔ کہ جو شخص فی الحقیقت مرگیا ہواسے پھر زندہ کرنا

بہت بڑا معجزہ ہے۔ اگر اسی قسم کے دوتین معجزے جن کی سچائی پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہو اورجن کو معتبر اشخاص نے بیان کیا ہو پیش کئے جائیں تو وہ اسبات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہونگے کہ جو ان کا دکھانے والا ہے وہ واقعی خدا کی طرف سے ہے اوراس کی قدرت سے معمور ہے"۔

پس اگرالہام ناممکن ہے تو معجزہ بھی ناممکن ہے پر اگرالہام ناممکن نہیں تو معجزہ بھی ناممکن نہیں

پس اگریہ ممکن ہے کہ خدا اپنی مرضی کے اظہار سے انسان کو بہرہ ورفرمائے تو یہ ضروری ہے امر ہے کہ وہ اُسے جو اُس کا پیغام پہنچانے والا ہے ایسے اسباب ووسائل بھی عطا فرمائے جن کے ذریعہ وہ بندگان خدا کو قائل کرسکے۔ کہ میں خدا کا قاصد ہوں۔ یہاں اسبات کو ثابت کرناکہ الہام ناممکن نہیں مضمون زیر بحث کے حدود سے تجاوزکرنا ہوگا لہذا ہم اس بحث کو یہاں نہیں چھیڑینگے۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ کون کہہ سکتا ہے کہ خدا کے لئے جو رحم وفضل کا منبع ہے گم گشتہ انسان کو راہ راست پر لانا اوراسے نورہدایت سے منور فرمانا ناممکن ہے ایسا وہی کہہ سکتا ہے جو کشف الہیٰ اور الہام زبانی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اوروہی معجزہ کا بھی انکار کرسکتا ہے پر وہ جو ہدایت ایزدی کے قائل اورجویان ہیں وہ اپنے اعتقاد کے مطابق معجزے پر حملہ نہیں کرسکتے جب تک اس اعتقاد سے دست بردار نہ ہوں۔ الہام یامکاشفہ کے تصورہی میں رنگ اعجازجلوہ گری کررہا ہے ۔کیونکہ کسی طرح کا مکاشفہ الہیٰ قدرت کی مداخلت کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہوسکتا۔ اورخدا کی قدرت کے ظہورکا نام معجزہ ہے۔ پس اگر خدا کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی مرضی کا کشف انسان کو مرحمت فرمائے توپھر یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ معجزہ دکھائے۔ پر اگر وہ نا ممکن نہیں تویہ بھی ناممکن نہیں ہے۔

الہامی صداقتیں عقل کی رسائی سے بعید ہیں۔ لہذا ان کے ثبوت کے لئے معجزہ ضروری ہے

ہم اوپر بیان کرآئے ہیں کہ کشف اورالہام کو معجزہ سے علیٰحدہ نہیں کرسکتے ۔ جہاں الہام ہے وہاں معجزہ بھی ضرورہوتا ہے الہام سے کیا مراد ہے ؟ الہام سے اُن صداقتوں کا اظہارمراد ہے جنہیں ہم اپنی عقل کے وسیلے دریافت نہیں کرسکتے۔ پر خدا اپنی رحمت اورفضل سے ان کوہم پر ظاہر فرماتا ہے پرسوال یہ ہے کہ ہم کس طرح جانیں کہ جو بات ہمارے سامنے الہیٰ صداقت کے طورپر پیش کی جاتی ہے

وہ راست اوربرحق ہے ؟ کیونکہ کئی تعلیمات اورکئی مسائل ایسے ہوتے ہیں اورہیں جن کے منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ مگر وہ عقلی تحقیق کے دائرہ سے باہر ہیں ۔ لہذا ایسے نشان کے محتاج ہیں جو ان کی تصدیق کرے اور وہ نشان معجزہ ہے۔ اس موقعہ پر معجزہ کے متعلق دو تین باتوں پرغورکرنا انسب معلوم ہوتا ہے۔

کوئی معمولی واقعہ معجزہ کا کام نہیں دے سکتا

(۱) معجزہ کے منشاء سے صاف ظاہر ہے کہ وہ فطرت کے اظہارات کی طرح باربارواقع نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگرہو تو اس مقصد کوپورا نہیں کریگا جس کے پورا کرنے کے لئے وہ دکھایا گیا ۔بلکہ عام واقعات کی طرح وہ بھی ایک عام واقعہ ہوجائیگا۔لیکن اگر کسی شخص کے اشارے سے معینہ وقت اور مقرری صورت میں ظاہر ہوتو اپنے مقصد کو پورا کریگا۔ فطرت کے کسی عام واقعہ یا حادثہ کو پیغام الہیٰ کے ثبوت میں پیش نہیں کرسکتے ۔ کیونکہ وہ سلسلہ موجودات میں اپنے اسباب ماقبل اورنتائج مابعد کے ساتھ گندھا ہوا ہوتا ہے اورجس مقصد کو وہ اس سلسلہ میں انجام دیتا ہے وہ بھی معلوم ہوتا ہے ۔ پس دیکھنے والے کی نظر میں وہ الہامی پیغام کے ساتھ کوئی ربط نہیں نہیں رکھتا اس میں شک نہیں کہ ہم ان تمام واقعات میں خدا کی قدرت کو معائنہ کرتے ہیں ۔ تاہم فطرت کی کوئی عجیب یا حیرت افزابات اُس شخص کے الہامی پیغام کے ثبوت میں پیش نہیں کی جاسکتی جو نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

الہامی صداقتیں اگرلوگوں کے دلوں میں خود بخود پیدا ہوں تو ہمیشہ ثبوت کی محتاج رہینگی

پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کیا خدا معجزے کے بغیر انسان کے دل میں الہامی خیالا ت پیدا نہیں کرسکتا ؟ ہاں وہ قادر خدا ہے اوراس کے لئے ایسے خیالات پیدا کرنا ناممکن نہیں۔ پر سوال یہ ہے کہ اگر اورخیالات کی طرح وہ نئی اوراہم صداقتوں کے تصورات انسان کے دل میں پیدا کرے تو اس کا کیا ثبوت ہوگا کہ وہ سچ ہیں اورقبول کرنے کے قابل ؟ مثلاً اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ کفارہ ضروری ہے اوروہ ہوچکا ہے۔ کیونکہ یہ خیال میرے دل میں پیدا ہوا ہے تو ہم ضرورپوچھینگے کہ اس کا ثبوت کیا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص مسیح کے سے دعوےٰ یا وعدے پیش کرے اورکہے کہ انہیں باور کروکیونکہ ان کا خیال میرے دل میں پیدا ہوا ہے توہم اس کی باتوں کی تصدیق میں نشان طلب کرینگے ۔ اوراگر اپنے دعاوی کے اثبات میں

وہ کوئی نشان پیش نہ کریگا توہم اسے پاگل یا سڑی کہینگے ۔ اورجو نشان پیش کریگا وہی معجزہ ہوگا۔

رسالت کے ثبوت میں تین باتیں پیش کی جاسکتی ہیں

اب اگرہم تھوڑی دیر کے لئے غورکریں تو قائل ہوجائینگے ۔ کہ رسالت کے ثبوت میں معجزات سے بڑھ کر اورکوئی ثبوت فیصلہ کن نہیں ہے ۔ کیونکہ وہ جو رسالت کا مدعی ہے وہ اپنے دعویٰ کی تصدیق میں تین باتیں پیش کرسکتا ہے۔

(الف) اپنا چال وچلن

(ب)اپنے پیغام کی ذاتی خوبی اورمناسبت

(س)ایسے کام جو انسان کی معمولی طاقت سے بعید ہوں ۔۔۔۔ مسیحی علماء کا یہ دعویٰ غلط نہیں کہ پہلی دوباتوں سے خاطر خواہ ثبوت بہم نہیں پہنچتا۔ اب ہم دیکھینگے کہ یہ دعویٰ صحیح ہے یا نہیں۔

چال وچلن اس کو ثابت نہیں کرسکتا

(الف) چال وچلن ۔ اس بارے میں ہم معصومیت سے بڑھ کر اورکوئی بڑی صفت کسی شخص کو منسوب نہیں کرسکتے ۔ لیکن بیگناہی بھی شہادت کا پورا پورا کام نہیں دے سکتی ۔ کیونکہ ظاہری سیرت یعنی بیرونی افعال اندرونی نیت کی صفائی اورکاملیت کا ثبوت نہیں ہوسکتے اورانسان دوسرے انسان کے دل کا حال نہیں جانتا۔ اس علم کے لئے ایک عرصہ کی ضرورت ہے اورپھر بھی ہم کامل طورپر علم حاصل نہیں کرسکتے کہ آیا فلاں شخص ظاہر وباطن میں یکساں ہے یا نہیں۔

پیغام کی ذاتی خوبی بھی اس کو ثابت نہیں کرسکتی

(ب)پھر پیغام کی ذاتی خوبی اورمناسبت بھی پختہ ثبوت نہیں سمجھی جاسکتی۔ گو اس کی خوبی عقل کو مرغوب ہواوراس کی مناسبت قرین قیاس معلوم ہو۔ مثال کے طورپر خدا کے مجسم ہونے کا مسئلہ لی جیئے۔یہ مسئلہ کیسا عظیم الشان مسئلہ ہے۔ اس سے خدا کی شان میں سرموفرق نہیں آتا۔ اورانسانیت کی شان بڑھ جاتی ہے ۔ ہماری ذات عجیب قسم کی سرفرازی حاصل کرتی ہے اورخدائے تعالیٰ سے ایک گہرا رشتہ پیدا کرتی ہے۔ اورہمارے دل اس بات پر غورکرنے سے خدا کی محبت سے بھر جاتے ہیں غرضیکہ یہ مسئلہ ہرگز عقل کے برخلاف نہیں بلکہ ہماری اعلیٰ خواہشوں اورضرورتوں کے مطابق معلوم ہوتا ہے ۔ تاہم اس سے یہ ثابت نہیں ہوجاتاکہ خدا نے ازل سے یہ ٹھان رکھا تھا کہ میں اس ارادے کو پورا

کرونگا۔ کیاہم خدا کے کام کے متعلق انسان کے خیالات سے صحیح نتائج نکال سکتے ہیں؟ اگرہم ایسا کرسکتے ہیں تویہ بجائے خود ایک معجزہ ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتاہے ۔ کہ گویا ہم خدا کی مرضی کاکامل علم رکھتے ہیں۔

مسیحی مذہب کےپھلوں سے جو دلیل لائی جاتی ہے وہ بھی معجزہ کی جگہ نہیں لے سکتی ۔ اس میں شک نہیں کہ مذہب کےپھل اس کے ثبوت میں اعلیٰ جگہ رکھتے ہیں ۔ تاہم وہ جگہ معجزوں کی جگہ نہیں ۔ معجزات ڈائرکٹ ثبوت ہیں۔ پھل ڈائرکٹ ثبوت نہیں ہوتے۔ معجزات وہ دیدہ فوق العادت اظہارات ہیں جو نادیدہ فوق العادت صداقتوں کے ثبوت ہیں۔

چال وچلن اورپیغام کی ذاتی خوبی اپنی اپنی جگہ پرضروری ہے

ہم اس بات کا انکارنہیں کرتے کہ نبی کی نیک چلنی اورتعلیم کی باطنی خوبی اپنے اپنے موقعہ پرنہایت ضروری ہے اورنبی کے کلام اور دعوےٰ کی تصدیق میں اس کی معاونت کرتی ہیں۔ تاہم تمام بارثبوت انہیں پرپرنہیں ڈالا جاسکتا ۔ قبل اس کے کہ کوئی شخص صادق اور دیانتدار ثابت ہوایک مدت چاہیے جس میں اس کی سچائی اور دیانت داری اس کی زندگی کے ہرپہلو کے ملاحظہ سے ثابت ہو۔ اسی طرح اس کے پیغام کی سچائی کو پرکھنے کے لئے ایسی دقیقہ سنج اورنکتہ رس لیاقت تحقیق اورقوتِ امتیاز کی ضرورت ہوگی جو اس شخص کی تعلیمات اور مروجہ اعتقادات کا مقابلہ کرکے اوربغیر دھوکا کھائے یہ فیصلہ کرسکے کہ پہلے اعتقاد اورعقیدے چھوڑنےکےاور اس کی تعلیم ترجیح کے قابل ہے۔

معجزہ تمام مشکلات کو حل کردیتا ہے

لیکن معجزہ ان مشکلات کو فوراً حل کردیتا ہے ۔ جو نظیر ہم پہلے رقم کرچکے ہیں وہی اس نکتہ کی توضیح کے لئے کافی ہے فرض کرو کہ کوئی ایلچی یا سفیرکسی شاہی دربارمیں جائے اوربادشاہ کی طرف مخاطب ہوکر یہ کہے کہ اے شہریا نامدارمیں اپنے شاہ عالیجاہ کی طرف سے ایک ایسا پیغام لایا ہوں جسے قبول کرنا اورجس کے مطابق عمل کرنا طرفین کی بہبودی کے لئے ضروری ہے اورجب اس سے یہ پوچھا جائے کہ تیرے پاس اس بات کی کیا سند ہے کہ توفلاں بادشاہ کا فرستادہ ہے تواس کے جواب میں وہ یہ کہے کہ اس کی سند میرا نیک چلن اورمیرے پیغام کی باطنی خوبی ہے۔ توکہئے کون اس کے پیغام کو سنیگا؟ کیونکہ اوربہت سے لوگ ہیں جو شاید اس سے کم دیانتدار نہیں اوربہتیرے ایسے پیغام ہیں جواپنی ذات میں اچھے ہوتےہیں۔ پس

مناسب ہے کہ وہ کوئی اورنشان پیش کرے۔ مثلاً اپنے بادشاہ کی مہرپیش کرے جسے دیکھتے ہی سب کے منہ بند ہوجائیں۔ اسی طرح خدا کے نبی یا رسول کے لئے لازم ہے کہ وہ بھی کوئی ایسا نشان دکھائے جسے دیکھتے ہی سب قائل ہوجائیں کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ معجزہ سے بڑھ کر اورکوئی مہر ایسی نہیں ہے۔

اب ہم ذرا خصوصیت کے ساتھ اس بات پر غور کرینگے کہ معجزہ کے تصورمیں کون کون سی باتیں شامل ہیں۔

معجزات الہیٰ قدرت کی مہر ہیں

جیسا ہم ابھی ذکر کرچکے ہیں کہ معجزات خدا کی قدرت کی مہر ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ خدا کی خاص قدرت سے ظہورپذیر ہوتے ہیں۔ چیدہ اشخاص کو یہ اختیار دیا جاتاہے کہ وہ خدا کے نام سے (جیسا موسیٰ نے کیا) یا سیدنا مسیح کا نام لے کر (جیسا رسولوں نے کیا اعمال ۳: ۶، ۴: ۱۰) اس خاص الہیٰ قدرت کو کام میں لائیں اورپاک نتائج پیدا کرنے کے لئے معجزات کی شہادت پیش کریں۔ چونکہ پروردگار میں اورمسیح دوئی نہیں پائی جاتی بلکہ وہ ذات اورقدرت کے اعتبار سے ایک ہیں لہذا مسیح خود اس قدرت کا سرچشمہ ہے۔

مسیح اس قدرت کا سرچشمہ ہیں

سو وہ اپنے معجزات کے وسیلے نہ صرف باپ کا جلال ظاہر کرتا ہے بلکہ اپنا جلال بھی ظاہر کرتا ہے یوحنا ۲: ۱۱ یعنی اس شخصی میل کے سبب سے جو پیدا کرنے والے ازلی کلمہ اورانسانی ذات میں پایا جاتاہے۔ اوراس الہیٰ بھرپوری کے باعث جو اس میں مجسم ہورہی تھی (انجیل شریف خطِ کلسیوں ۲: ۹)اورنیز اس بیگناہی کی وجہ سے جو اس کی ذات کے ساتھ خاص تھی اس کا خالقانہ اورقادرانہ تعلق اس دنیا کے ساتھ اورلوگوں کی نسبت بالکل مختلف تھا۔

یہ الہیٰ قدرت فوق العادت قدرت ہے

یہ الہیٰ قدرت جس کے وسیلے معجزات سرزد ہوتے ہیں فوق العادت قدرت ہوتی ہے۔ یعنی ان کو وجود میں لانے والے اسباب نیچر کے معمولی سلسلے میں نہیں ملتے بلکہ وہ معمولی وسائل کی وساطت کے بغیر اورفقط خدا کی فوق العادت قدرت کے ذریعے واقع ہوتے ہیں ۔ ان میں " خدا کا ہاتھ" (صحیفہ حضرت حزقیل ۸: ۱۹) صریح نظر آتا ہے ۔ یایوں کہیں کہ معجزات ایک معنی میں خالقانہ قدرت کے نتائج ہوتے ہیں۔

یہ قدرت دنیا کی حفاظت اورانسان کی نجات کا موجب ہے

وہ نہ صرف خدا کی خالقانہ قدرت کے اظہار ہوتے ہیں بلکہ دنیا کی حفاظت پربھی دلالت کرتے ہیں ۔ اس دنیا میں گناہ کی خرابی آگھسی ہے جو اسے برباد کررہی ہے۔ اورمعجزات خدا کی اس نجات بخش قدرت کے نشان ہیں جو دنیا کو اس خرابی اوربربادی سے رہا کرسکتی ہے۔ اورگنہگاروں کو پاکیزگی عطا کرسکتی ہے۔ اس معانی میں معجزات الہٰی بادشاہت کی ترقی کا باعث ہیں اوردنیا کے کمال اورنجات کی طرف راجع ہیں۔

اگر ان الفاظ پر غور کیا جائے جو کلام الہٰی میں معجزے کےلئے آئے ہیں تو ہم پرظاہر ہوجائیگا کہ جو خیالات ہم اوپر ہدیہ ناظرین کرچکے ہیں وہ بالکل صحیح اوردرست ہیں ۔ ان کے ملاحظہ سے ہم دیکھینگے کہ وہ قوت اعجازجو نبیوں کو اوررسولوں کو مرحمت کی گئی اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ کشف کرامات سے معجزہ دکھانے والے کی تعریف ہو اورنہ یہ کہ وہ اس عجیب طاقت سے اپنے مخالفوں سے انتقام لے ۔

مختلف الفاظ جو معجزے کے لئے نئے عہد نامے میں آئے ہیں اورجو اس کی مختلف خاصیتوں کو ظاہر کرتے ہیں

بائبل کے معجزے خدا کی قدرت اوررحمت اورنجات بخش محبت کا نشان ہیں۔ ٹرنچ صاحب نے اپنی مشہورکتاب نوٹس آف دی مرےکلس (Notes of The Miraculous) میں تفصیل وار اس دلچسپ مضمون پر بحث کی ہے ۔ مگرہم خوف طوالت سے مختصر طورپر ان لفظوں کو پیش کرتے ہیں جو نئے عہد نامہ میں معجزے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

(الف) بعض مقامات میں لفظ اچنبھا آیا ہے اورہمارے نئے ترجمہ میں " عجیب کام" استعمال ہوا ہے ۔

ٹیرالس اچنبھا

یہ یونانی لفظ ٹیرالس (τερας) کا ترجمہ ہے۔ اوراس لفظ سے معجزہ کا وہ پہلو عیاں ہوتا ہے جو دیکھنے والوں کو حیرت کا پتلا بناتا ہے۔ جب لوگ اس عجیب قدرت کو معائنہ کرتے جو خدا کے رسول کے وسیلے جلوہ گرہوتی ہے تو وہ حیرت سے بھر جاتے ہیں اورخواہ مخواہ معجزے دکھانے والے کے کلام کی طرف متوجہ ہوتےہیں۔ مفصلہ ذیل مقامات کے مطالعہ سے معلوم ہوجائیگاکہ دیکھنے والوں پریہی

اثرپیدا ہوا (انجیل شریف : راوی حضرت مرقس ۲: ۱۲، ۴: ۴۱، ۶: ۵۱ واعمال ۳: ۱۰،۱۱)۔

پس معجزے کی حیرت خیز خاصیت کا فقط یہی مقصد تھا کہ وہ ان کو جو خواب غفلت میں مبتلا تھے اپنی تعجب انگیز تاثیر سے جگائے تاکہ وہ اس پیغام کو جونبی سنانے پر تھا توجہ سے سنیں یا اگر پہلے سن چکے تھے تو معجزہ کے معائنہ کے بعد اس پر زیادہ غورکریں۔ یادرہے کہ معجزہ کا صرف یہی مقصد نہیں ہوتا کہ وہ حیرت پیدا کرے اوربس۔ لوگ اکثر معجزات کی طرف یہی اکیلا مقصد منسوب کرتے ہیں۔ پر یہ سخت غلطی ہے۔ اورکلام الہیٰ نے اس غلطی سے ہمیں بچانے کے لئے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے ۔ چنانچہ یہ لفظ جو معجزات کی حیرت افزا خصوصیت پر دلالت کرتا ہے۔ کبھی اکیلا نہیں آتا۔ بلکہ اورالفاظ کے ساتھ یا یوں کہیں کہ معجزے کے دیگر فماء کےساتھ استعمال کیا گیا ہے تاکہ کوئی نہ سمجھے کہ معجزہ صرف تخیر یا تعجب پیدا کرنے کے لئے دکھایا جاتا ہے ۔(دیکھو اعمال ۲: ۲۲، ۲کرنتھیوں ۱۲: ۱۲)۔

ڈونا مائس یا قدرتیں

ایک اورلفظ جو معجزے کے لئے استعمال ہوا ہے ڈونا مائس ہے جس کا لفظی ترجمہ" قدرتیں" ہے۔ لیکن اردو انجیل میں کہیں اس کا ترجمہ کرامات (متی ۷: ۲۲) اورکہیں معجزہ کیا گیا ہے ذیل کے مقامات میں یہ لفظ آیا ہے (متی ۱۱: ۲، مرقس ۱۶: ۱۴، لوقا ۱۰: ۱۳، اعمال ۲: ۲۲اور۱۹: ۱۱۔ ۱کرنتھیوں ۱۲: ۱۰، ۲۸ ، گلتیوں ۳: ۵)۔ اصل میں یہ نام اس قدرت کا تھا جو موجد معجزانہ اظہارات کی تھی۔ یا یوں کہیں کہ معجزات نتائج اس قدرت کے عمل کے تھے۔ مگر جیسا اکثر ہوا کرتا ہے۔ موجد کا کا نام نتائج پر منتقل ہوگیا اورمعجزات خود قدرتیں کہلانے لگے۔ جو خاص بات اس لفظ سے ٹپکتی ہے وہ یہی ہے کہ جس قدرت سے معجزہ سرزد ہوتا ہے وہ خدا کی خاص قدرت ہے جوبے وساطت کام کرتی ہے ۔

سمائی آن یا نشان

تیسرا لفظ نشان یا" نشانیاں" ہے۔ یونانی " میں سمائی آن"آیا ہے۔ اوریہ نام نہایت پُرمطلب ہے۔بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس سے معجزہ کا خاص مطلب ہویدا ہوتا ہے اوروہ یہ کہ معجزہ خدا کی حضوری اور قدرت کا نشان ہے ۔ اور ثابت کرتا ہے کہ جو شخص

معجزہ دکھاتا ہے وہ خدا کی حضوری اور قدرت سے گہرا تعلق رکھتا ہے ۔ یہودیوں کے کلام اورسوالات سے معجزے کی یہ خاصیت بخوبی ٹپکتی ہے ۔(دیکھو یوحنا ۲: ۱۸، متی ۱۲: ۳۸، متی ۱:۶) یہ لفظ ذیل کے مقاموں میں استعمال ہوا ہے گو بعض ترجموں میں نشان کی جگہ معجزہ بھی مستعمل ہے (یوحنا ۲:۳، ۳۱:۷، ۴۱:۱۰)۔

کام

پھر یوحنا کی انجیل میں ایک اورلفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب نہایت عمیق ہے اوروہ لفظ "کام" ہے (دیکھو یوحنا ۵: ۳۶، ۷: ۲۱، ۱۰: ۲۵، ۲۳، ۳۸، نیز ۱۴: ۱۱، ۱۲: نیز ۱۵: ۳۴ نیز متی ۱۱: ۲)۔ یوحنا کے نزدیک الہیٰ قدرت کے وہ اظہارات جو سیدنا مسیح کے وسیلے سرزد ہوئے وہ مسیح کے لئے گویا معمولی کام تھے۔ کیونکہ اس میں خدا کی بھرپوری موجود تھی۔ ایسے کاموں کو انجام دینا گویا اس کے لئے عین نیچرل تھا۔ جیسی اس کی حیثیت عظیم اوربلند تھی ویسے ہی اس کے کام عظیم اوربلند پایہ تھے۔ تعجب اس میں نہیں کہ اس نے ایسے معجزات دکھائے تعجب اس وقت ہوتا جبکہ وہ یہ معجزات نہ دکھاتا۔

اس عظیم مقصد پر غورکرنے سے معجزہ ناممکن معلوم نہیں ہوتا

اب جب ہم اس عظیم مقصد پر غورکرتے ہیں جس کا پورا کرنا اورمعجزات کے وسیلے پورا کرنا خدا کو مد نظر تھا تو معجزات کا واقع ہونا ناممکن نظر نہیں آتا۔ اورجو لوگ معجزوں پر اعتراض کرتےہیں وہ اس بات پر کماحقہ غورنہیں کرتے کہ تدبیر نجات میں ان کا کیا رتبہ ہے۔ ان خاصیتوں سے جو ہم اوپر بیان کرآئے ہیں کیا یہی ثابت نہیں ہوتاکہ خدا ہے اورہر جگہ حاضر ہے۔ اور لا محدود قدرت سے ملبس ہے۔ اورکہ اس کے دل میں انسان کی بہبودی کا خیال جوش مارتا ہے اوروہ اس کی ہدایت اوررہنمائی کے لئے اوراسے گم گشتگی کی افسوسناک حالت سے صراط مستقیم پر لانے کے واسطے اپنی مرضی کا کشف اسے مرحمت فرماتا ہے ۔ اوراس مکاشفہ کو اپنی قدرت کے عجیب نشانوں سے ثابت کرتا ہے۔

پس جیسا ہم اوپر بیان کرآئے معجزات پر اعتراض کرنا گویا امکان الہام پر اعتراض کرنا ہے۔ پر کیا سیدنا مسیح کے وسیلے نئے مکاشفے ، نئی برکتیں ، نئے تصورات ، نئے مسئلے دنیا میں نہیں آئے اور کیا ان چیزوں کی دنیا کو ضرورت نہ تھی؟ اس کا انکار وہی شخص کرسکتا ہے جو اس زمانہ کی تاریخ سے ناواقف ہے۔ اس کا انکار کرنا

گویا یہ کہنا ہے کہ جو روشنی اس کے وسیلے ہم کو نصیب ہوئی وہ فضول اور غیر ضروری تھی اور دنیا اس کے بغیر گزارہ کرسکتی تھی اورانجیل کی تعلیم سے پہلے خدا کا پورا علم اوراس کی مرضی کا کامل مکاشفہ اورآنے والی دنیا کی سزا وجزا کی کل خبر رکھتی تھی۔ مگر یہ ایسا لغو دعویٰ ہے کہ اہل تحقیق اس کی تسلیم نہیں کرسکتے۔

دوسرا باب

قوانین قدرت اورمعجزات

ہمارے ملک میں معجزے کی مخالفت ایک نیا واقعہ ہے کیونکہ سب قومیں کسی نہ کسی طرح کے معجزے مانتی آئی ہیں

ہمارے ملک میں معجزات کی مخالفت ایک نیا شگوفہ ہے۔ کیونکہ کوئی اس بات کا انکارنہیں کرسکتا۔کہ ابھی تھوڑا عرصہ گذرا کہ ہر طرح کی زوداعتقادی اورباطل پرستی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ اوراب بھی ملک بطالت سے پورے طورپر آزاد نہیں ہوا۔ بعض بعض فرقوں کا قوت اعجاز سے انکارکرنا واقعی ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں ایک نیا واقعہ ہے۔ ہندوؤں کی دینی کتابیں عجیب قصوں اورکہانیوں سے بھری پڑی ہیں۔ اوراگر ہم ان کو بھی معجزات کے نام سے موسوم کریں تو وہ اس قدرہیں کہ ان کا شمار کرنا آسان کام نہیں۔ اور ہزاروں بلکہ لاکھوں سناتن دھرم کے ماننے والے ہندوباوجود ویدانتی عقائد کے جو معجزانہ اظہارات کے سخت مخالف ہیں پرانوں کے قصوں اورکہانیوں کو اب بھی برابر مان رہے ہیں۔ یہی حال اسلا م کا ہے ۔ وہاں بھی یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ انہوں نے نہ

صرف انبیاء کی معجزانہ قدرت پر اکتفا کی بلکہ اپنے ولیوں اورغوثوں اورقطبوں کی کرامات کے بھی قائل ہوئے اورادنیٰ درجہ کی قوموں اورفرقوں میں تو اس زوداعتقادی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ پیروں اور فقیروں کی عبادت۔ قبروں اورخانقاہوں کی زیارت اورپرستش کا رواج اب تک چلا جاتا ہے۔ اوراس کا سبب یہ ہے کہ لوگ یہ مانتے ہیں کہ ان وسائل سے ہماری مرادیں برآئینگی۔

پر یہ سریع الاعتقادی علم کے سامنے قائم نہیں رہ سکتی تھی

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں ۔ کہ وہ لاریب قوت اعجاز کے اظہاروں کے قائل ہیں ۔ لیکن یہ بیڈھنگی زوداعتقادی علم کے سامنے قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ لہذا جب سائنس کی روشنی چمکی اورتعلیم یافتہ لوگوں نے دیکھا کہ جن واقعات کو ہمارے آباواجداد کرامات مانتے چلے آئے ہیں وہ ایسے بے بنیاد ، ایسے بے ربط ، ایسے عجیب الخلقت اورحقیقی تاریخ کی خاصیتوں سے اس قدر بے بہرہ ہیں کہ ارباب علم وفضل ان کو ہرگز قبول نہیں کرسکتے توانہوں نے ولایتی نیچیریوں کی تقلید اختیارکی اورکہا کہ معجزہ بالکل نا ممکن ہے۔ کیونکہ وہ قوانین قدرت کے برخلاف ہے۔ ان لوگوں میں ہمارے بھائی برھموجن کی صدق دلی اورنیک ذاتی کے ہم تہ دل سے قائل ہیں اورآریہ سماج اوربعض ویدانتی ۔ اورکئی نیچری شامل ہیں۔ مگر چونکہ ان لوگوں نے ہماری رائے میں اہل یورپ سے معجزوں کی مخالفت کرنا سیکھا ہے لہذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم اصل مخالفوں کی طرف متوجہ ہوں جن کی تصنیفات سے ہمارے مخالفانِ اعجاز نے خوشہ چینی کی ہے۔ جہاں تک ہم کو علم ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جوکچھ ہم نے اپنے ہم وطن بھائیوں سے معجزے کی تردید میں سنا ہے وہ نئی باتیں نہیں بلکہ وہی باتیں وہی اعتراض ، وہی مخالفتیں ہیں جویورپ کے رشینلسٹوں اورڈی اسٹون اورتھی اسٹون اورمنیتھی اسٹون کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

معجزانہ مخالفت کا ماخذ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس جگہ اس بات پر غورکریں کہ اس مخالفت کا اصل ماخذ کیا ہے ۔ کیا سائنس معجزوں کی مخالفت میں علم اٹھائے ہے یا کوئی اوربات ہے جس کے سبب سے لوگ مخالفت کررہے ہیں۔

سائنس نہیں بلکہ اپنے اپنے فلسفانہ عقیدے

ہمیں پروفیسر بروس صاحب کا خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے جوانہوں نے اپنی کتاب" دی مرے کیولس ایلیمنٹ ان دی

گاسپلز" (The Miraculous element in the Gospels) میں ظاہر فرمایا ہے کہ فوق العادت کی نسبت جو بے اعتقادی پائی جاتی ہے اس کی ماسائنس نہیں بلکہ اس کا اصل سبب فلسفیانہ میلان ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جس خیال کی طرف طبعیت مائل ہوتی ہے وہی درست معلوم ہوتا ہے۔ اورممکن ہے کہ ایسا فلسفانہ میلان اختیار کیا جائے جس کی مخالفت کوکسی طرح کا ثبوت بھی دورنہ کرسکے۔

دہریہ اورہمہ اوستی اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق مخالفت کرتے ہیں

مثلاً دہریوں کے اعتقادات اورہمہ اوستیوں (پنتھی اسٹوں) کے اعتقائد ہیں یہ سختی میلان کی صاف نظر آتی ہے ان دونو میں سے کوئی بھی انتظام نیچر کی متواتر بے تبدیلی میں معجزانہ رخنہ اندازی کا قائل نہیں ہوسکتا ۔کیونکہ دہرئیے کے نزدیک جو صرف مادے کی ہستی کا قائل ہے فوق العادت کچھ چیز نہیں ہے مگر اپنتھی ایسٹ کے نزدیک فوق العادت خالی ازمطلب نہیں۔ وہ ایک صورت میں فوق العادت کا قائل ہے ۔ پر جسے وہ فوق العادت کہتا ہے وہ نیچر سے جدا نہیں۔ بلکہ نیچری ہی میں ظاہر ہوتا ہے۔ یا یوں کہیں کہ نیچر کا روحانی تصور اس کے نزدیک فوق العادت ہے۔ ایک کے نزدیک اگر کوئی حقیقت ہے تو وہ نیچر ہے۔ اورخدا ایک مہمل اوربے معنی شے ہے۔ دوسرے کے نزدیک نیچر بصورت خیال خدا ہے۔ اورخدا کی حقیقت نیچر ہے۔ اب دونو عقیدوں میں سے خواہ کوئی عقیدہ اختیار کیا جائے معجزہ ہر حالت میں نا ممکن ٹھیریگا۔

اب اس سے یہ دعویٰ نہیں کیا جاتا کہ معجزہ کے انکاری فقط دہریہ اورنپھتی ایسٹ ہی ہوتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ بہت سے لوگ ہیں جو خدا کی ہستی کے قائل ہیں اورپھربھی معجزہ کے انکاری ہیں۔

مقابلہ سائنس اورفلسفیانہ عقیدوں کا

اورنہ ہی اس بات سے انکار ہے کہ سائنس اس مخالفت کی معاون ہے مگرتاہم یہ درست ہے کہ سائنس اتنی مخالفت نہیں کرتی جتنی وہ طریقے کرتے ہیں جنہیں لوگ مان رہے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس معاملے میں کئی باتوں کے متعلق سائنس کا رخ کسی اورطرف ہے۔

سائنس تین باتوں پر گواہی دیتی ہے اوریہ عقیدے اس گواہی کی مخالفت کرتے ہیں

اور میٹریل اسٹک فلسفہ (The Materialistic Philosophy) کا رخ کسی اورطرف ہے یعنی دونوں میں اتحاد اوراتفاق نہیں پایا جاتا ۔ مثلاً موجودہ سائنس نیچر کے اظہارات سے یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ دنیا

حادث تو ہے مگر اسے وجود میں آئے کئی لاکھ برس گذرگئے ہیں اور ایماندارلوگ اس نتیجہ کو بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں۔

دنیا کے آغاز کے بارے میں

مگر دہریئے اورویدانتی باوجود اس گواہی کے مادہ کی ازلیت کو مانتے چلے جاتے ہیں ۔ اورسائنس کی بات کو نہیں سنتے۔ اورسبب اس کا یہ ہے کہ اگرمادہ کو حادث مان لیں تو یہ لازم آئیگا کہ خدا کو بھی مانیں جو اس کا موجد ہے۔

زندگی کی اصل کے بارے میں

اسی طرح زندگی کی اصلی کی نسبت کچھ اسی قسم کا تخالف نظر آتا ہے ۔ مثلاً سائنس بڑی گہری تحقیقات کے بعد یہ فیصلہ کرتی ہے کہ زندگی خود بخود پیدا نہیں ہوتی ۔ خوردبین پکارپکار شہادت دے رہی ہے کہ جہاں زندگی پہلے موجود نہیں وہاں کسی طرح کی زندگی برآمد نہیں ہوتی۔ اب اگر یہ بات مان لی جائے تو یہ نتیجہ صاف ظاہر ہے ۔ یعنی اگر زندگی خود بخود پیدا نہیں ہوتی تو سب سے پہلی زندگی کہاں سے آئی۔ کیا وہ آپ ہی آپ پیدا ہوگئی یا خدا کی خالقانہ قدرت سے وجود میں آئی ؟ اب دہریہ باوجودیکہ کوئی شہادت اس کے برخلاف پیش نہیں کرسکتا ۔ پھر بھی یہی کہے چلا جاتا ہے کہ زندگی آپ ہی آپ پیدا ہوگئی یا خدا کی خالقانہ قدرت سے وجود میں آئی ؟ اب دہریہ باوجودیکہ کوئی شہادت اس کے برخلاف پیش نہیں کرسکتا۔ پھر بھی یہی کہے چلا جاتا ہے کہ زندگی آپ ہی آپ پیدا ہوئی ہے۔ مثلاً ہکسلے صاحب جن کے کلام کو مفصل طورپر اقتباس کرکے بروس صاحب نے اپنی کتاب متذکرہ بالا میں بحث کی ہے ۔ کہتے ہیں کہ اگرمجھے یہ طاقت ملتی کہ میں اس دوردراز زمانہ کو دیکھتا جس میں دنیا طبعی اورکیمیائی حالتوں سے گذررہی تھی تو مجھے یقین ہے کہ میں بے جان مادہ جس سے جاندار پروٹو پلازم(Protoplasm) کو نکلتے دیکھتا۔ اوربروس صاحب فرماتے ہیں کہ ہکسلے صاحب آپ ہی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ میری یہ رائے فلسفانہ خیال سے بڑھکر نہیں۔

علم النفس کے بارے میں

یہی حال علم النفس کی بابت پایا جاتا ہے ۔ یعنی دہرئیے اپنے انکاری دعوےٰ سائینس کی گواہی کے برخلاف پیش کر رہے ہیں حالانکہ بڑے بڑے اہل سائنس یہ گواہی دیتے ہیں کہ خیال (Thought) کو حرکت (Motion) نہیں کہہ سکتے مگر سٹراس باوجود اس گواہی کے خیال یعنی قوت متخیلہ کو فقط حرکت کی ایک صورت مانتا ہے ۔

وہ فرقے جو خدا کی ہستی کو مانتے مگر پھر بھی معجزات کے مخالف ہیں

اب ہم تھوڑی دیر کے لئے ان فرقوں کی طرف متوجہ ہونگے جو خدا کی ہستی کے تو قائل ہیں مگر معجزانہ اظہارات کے قائل نہیں ہیں ہم شروع میں اُن فرقوں کی طرف اشارہ کرآئے ہیں جو ہمارے ملک میں پائے جاتے ہیں ۔ جو خدا کو مانتے ہیں ۔لیکن معجزات کو قابل تسلیم نہیں سمجھتے۔ یہاں ہم ان یورپین فرقوں کا ذکر کرینگے جو باوجود خدا کی ہستی کے اقرار کے معجزات کے انکار پر جمے کھڑے ہیں۔ اوران کا ذکر کرنا بہت ضروری معلوم ہوتاہے۔ کیونکہ زبان انگریزی کے وسیلے ان کے خیالات اوراعتراضات ہمارے ملک میں داخل ہوتے جاتے ہیں اورہماری تھیالوجی (علم الہیات) اور سوسائٹی وغیرہ پر اپنا اثر ڈال رہے ہیں۔

ان کے خیالات اس رشتہ کی نسبت جو خدا کی حضوری فطرت سے رکھتی ہے

یوروپ میں جو لوگ خدا کی ہستی کومانتے اورمعجزوں کو ناممکن گردانتے ہیں دو حصوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں اوریہ تقسیم ایک خاص مسئلہ پر مبنی ہے ۔ اوروہ یہ کہ خدا اس دنیا سے یا عالم موجودات سے کیسا اورکیا علاقہ رکھتا ہے۔ یہ رشتہ دو لفظوں سے ظاہر کیا جاتا ہے ان میں سے ایک لفظ ایک فرقے کی اوردوسرا لفظ دوسرے فرقہ کی جان ہے۔

دولفظ (۱۔) ٹرن سنڈنس

ایک لفظ " ٹرن سندنس" ہے اوردوسرا لفظ" اےفی نیننس" ہے۔ ٹرین سنڈنس کا یہ مطلب ہے کہ خدا جس نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے دنیا سے برتر اوربلند ہے۔ یعنی اس سے الگ ہے یا یوں کہیں کہ وہ اس دنیا کی کل کو بناکر اس سے جدا ہوگیا ہے اوراب اس سے کچھ سروکار نہیں رکھتا اوراس کی قدرت براہ راست یعنی معمولی قوانین سے جدا ہوکر دائرہ فطرت میں کچھ کام نہیں کرتی ہے۔ جو قوانین اورقواعد اس نے مقرر کردئیے ہیں۔ جو طاقتیں اس مشین میں بھردی ہیں وہی اس سلسلہ موجودات کو قائم رکھتی ہیں۔ لہذا خدا کواس سلسلہ میں آنے اوردخل دینے کی کچھ ضرورت نہیں۔

ایمے فیننس

اے فیننس سے اس کی وہ اندرونی موجودگی یا حضوری مراد ہے۔ جو قوانین قدرت میں ہوکر کام کرتی ہے۔ وہ فطرتی اظہارات میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے ۔ لیکن ان سے الگ ہوکر کسی طرح کی فوق العادت

دست اندازی نہیں کرسکتی ۔ اب ہم نے دیکھا کہ ایک خیال کے مطابق خدا نیچر میں بذات خود حاضر نہیں ہے بلکہ وہ طاقتیں جو اس نے ابتدا میں پیدا کردیں خود بخود کام کررہی ہیں اوردوسرے کے مطابق وہ حاضرتو ہے ۔ مگراس کی قدرت فقط قوانین مقررہ کے ذریعہ کام کرتی ہے۔

ڈی اسٹ اورتھی اسٹ

پہلے خیال کے ماننے والے ڈی اسٹ اوردوسرے خیال کے ماننے والے تھی اسٹ کہلاتے ہیں ۔ ڈی اسٹ اورتھی اسٹ میں معنی کے لحاظ سے توکچھ فرق نہیں کیونکہ ڈی اسٹ لاطینی ڈی آس (خدا) سے مشتق ہے اورتھی اسٹ یونانی تھیاس (خدا) سے نکلا ہے ۔ مگر تاہم جو تھی اسٹ ہیں وہ ڈی اسٹ کہلانا نہیں چاہتے ہیں۔ وہ کلام الہیٰ کی عزت کرتے اورسیدنا مسیح کی تعظیم کرتے ہیں ۔لیکن دونو معجزے کے انکاری ہیں۔ اورہم نے دیکھا کہ ان رشتوں کے سبب سے جو وہ اپنی اپنی رائے کے مطابق خدا اورخلقت کے درمیان مانتے ہیں معجزہ کا انکارلازمی ہے۔ البتہ وہ معجزے کے امکان کے اکاری نہیں کیونکہ وہ مانتے ہیں کہ خدا معجزہ دکھانے کی قدرت رکھتا ہے اور اس بات کے بھی معترف ہیں کہ اس کا دنیا کو ہست کرنا اورموجودہ ترتیب سے مرتب کرنا بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ مگراس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں ۔ کہ جب یہ ترتیب اورانتظام سے مرتب کرنا بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ مگراس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب یہ ترتیب اورانتظام ایک مرتبہ قائم ہوچکا توپھر معجزے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ جوکچھ خدا نے بنادیا وہ انسان کی خوشی اورآرام کے لئے کافی ہے بلکہ یہی سلسلہ ضرورت ہے تو اس میں رخنہ پردازی کرنے سے کوئی اس سے بہتر صورت انسان کی خوشی اور آرام کی پیدا نہ ہوگی بلکہ قوانین قدرت درہم برہم ہوجائینگے۔

اگناسٹسزم

ایک اورعقیدہ ہے جس کی روسے خدا کی ہستی کا کسی قدراقرار کیا جاتا ہے ۔ مگر وہ نہایت نامکمل اورناقص ہونے کی وجہ سے مسیحی مذہب کے معجزوں کا سخت مخالف ہے وہ اگناسٹسزم کہلاتا ہے۔ اس کامطلب یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں ایک قدرت کو معائنہ کرتے ہیں ۔ جو تمام فطری اظہارات کی جڑاورموجد ہے مگر ہم نہیں جانتے اورنہ جان سکتے ہیں وہ کیا ہے۔ جن جن باتوں میں اس نے اپنے تئیں فطرت کے اظہارات کے وسیلے ہمارے اوپر آشکارا نہیں کیا وہ نا معلوم ہے اورجہاں تک آشکارا کیا ہے وہاں تک معلوم

ہے جہاں تک لا محدود اور بے بیان ہے وہ نا معلوم ہے۔ اور جہاں تک اپنے اظہاروں کی ترتیب سے ظاہر ہے وہاں تک معلوم ہے۔ یہ خیال اس مسئلہ کے ساتھ وابستہ ہیں جسے ایوولیوشن کہتے ہیں ۔ جو یہ مانتا ہے کہ شروع میں متعدد اشیاء موجود تھیں۔ اور جو کچھ اب نظر آتا ہے وہ انہیں سے بڑھتے بڑھتے پھیلا ہے۔

ہم جو کچھ اوپر بیان کرچکے ہیں اس سے ناظرین پر بخوبی ظاہر ہوگیا ہوگا کہ کس کس جانب سے معجزے کی مخالفت برپا ہوتی ہے۔ پر ہم آسانی کے لئے ان خیالات کو جو مخالفت کی گویا جڑ ہیں بطور خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

خیالات مذکورہ بالا کا خلاصہ اور تردید

دہریوں کا خیال جو خدا کی ہستی کا مطلق قائل نہیں۔ اس جگہ ہم خدا کی ہستی کے ثبوت پیش نہیں کرسکتے۔ کیونکہ یہ مضمون معجزے کے مضمون سے تعلق نہیں رکھتا تمام علماء متفق ہیں کہ معجزہ انہیں لوگوں کے نزدیک وقعت رکھتا ہے جو خدا کی ہستی کے قائل ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ معجزہ خدا کی ہستی کو پہلے ہی سے مانتا ہے "۔ معجزہ دکھانے والا لوگوں پر یہ ثابت نہیں کرتا کہ خدا ہے۔ بلکہ وہ ان لوگوں کے پاس جاتا ہے جو خدا کی ہستی کو تسلیم کرتے ہیں اوران کے پا سجاکر کہتا ہے کہ جس خدا کو تم مانتے ہو اسی نے مجھے اس پیغام کے ساتھ تمہارے پاس بھیجا ہے ۔ پس جو ملحد ہیں ان کے قائل کرنے کے لئے ان دلائل کی ضرورت ہے جو خدا کی ہستی کو ثابت کرتے ہیں۔

خدا کے رشتہ کی نسبت ہم ڈی اسٹوں اورتھی اسٹوں کے خیال کو نہیں مان سکتے کیونکہ وہ صحیح نہیں

وہ مسلئہ جو متعلق اس رشتہ کے ہے جو خدا اس عالم موجودات کے ساتھ رکھتا ہے ۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا ہمہ اوستی کے خیال کے مطابق دنیا کی مانند ہے اورنہ اس سے کسی طرح کی مشابہت رکھتا ہے اورنہ وہ ڈی اسٹوں کے خیال کے مطابق نیچر سے ایسا جدا ہے کہ اس میں کسی طرح کا دخل نہیں رکھتا اورنہ ہی اسٹوں کی رائے کے بموجب وہ قوانین فطرت کے اندربند ہے ہم کرسلب کے ساتھ متفق ہیں کہ جو رائے ان خیالات کے بیچ بیچ میں ہے وہ درست ہے یعنی یہ رائے کہ خدا ہر شے کے اندر موجود ہے تاہم اس سے جدا اورآزاد ہے ۔ وہ ہر شے سے برتر اور بلند ہے تاہم اس میں موجود ہے ۔ وہ نیچر سے الگ ہے توبھی نیچر کے اندر حاضر ہے ۔ اسی صحیح اور سچ رشتہ الہیٰ میں جو وہ

کائینات سے تعلق رکھتا ہے ۔ معجزے کا امکان نہیں کرسکتا۔ اگرہم خدا کو صاحب مرضی مانتے ہیں یعنی اس بات کے قائل ہیں کہ وہ قوت ارادی سے متحلےٰ ہے اورقوت ارادی محدود محکوم نہیں ہے تو اس کا سلسلہ نیچر میں دخیل ہونا ناممکن نہیں۔ لیکن اس کی مداخلت ہی کا نام معجزہ ہے۔

دنیا بہ ہئیت موجودہ کامل نہیں کیونکہ اس میں گناہ نے رخنے ڈال رکھے ہیں

تیسرا یہ خیال ہے کہ دنیا بہ ہئیت موجودہ بالکل درست اورکامل ہے اورمعجزات کی ضرورت نہیں رکھتی۔ بلکہ ایک شخص نے جس کا اوپر ذکر ہوچکا ہے معجزات کو شگاف سے تشبیہ دی ہے۔ گویا اس کے نزدیک معجزات کا واقع ہونا قوانین فطرت کی بے تبدیلی میں شگاف پڑ جانا ہے۔ لیکن اگر ہم غور سے دیکھیں تو یہ دنیا شگافوں سے پرُ نظر آئیگی۔ گناہ نے اس کو پرُزے پرُزے کردیا ہے کیا کوئی صاحب نظر گناہ کی بربادی دکھ اورغم کی گربازاری سے جو گناہ سے پیدا ہوتی ہے اوراسی طرح کی اوربہت سی باتیں دیکھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ دنیا اس موجودہ حالت میں کمائی کے درجہ کو پہنچی ہے؟ معجزہ گناہ کے رخنوں کو دورکرنے کے لئے دکھایا جاتا ہے ۔ اور اگر خداوند وہ ہدائتیں جو معجزے کی شہادت پر سچی مانی گئی ہیں عطا نہ فرماتااورہم ان کواپنی تاریک مسافت میں اپنا بدرقہ نہ بناتے اورزندگی کے روزمرہ فرائض کی انجام دہی میں دستورالعمل نہ ٹھیراتے تو ہمارا کیا حال ہوتا ؟ یہ خیال کہ دنیا موجودہ صورت میں ہماری خوشی اورآرام کے لئے کافی ہے بڑا سنہرا خیال ہے۔ پر جو ایسا مانتے ہیں وہ شائد ان آہوں سے واقف نہیں جو مصیبت زدوں کی کلیۃً اخران سے ہر روز اٹھتی ہیں۔

معجزات اورقوانین فطرت

چوتھا خیال جس پر بڑا زوردیا جاتا ہے یہ ہے کہ معجزات سے قوانین فطرت درہم برہم ہوجاتے ہیں۔ اس باب کا باقی حصہ اس اہم سوال کے حل کرنے میں صرف کیا جائیگا کہ کیا سچ مچ معجزات قوانین فطرت کو کوئی ایسا صدمہ پہنچاتے ہیں جس سے اس مشین کا ایک ایک پرزہ جدا ہوجاتا ہے یا یہ خیال صرف وہم کا فساد ہے ؟

قانون کی تعریف

قبل ازیں کہ ہم اس بحث کو شروع کریں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ قوانین فطرت یا نوایلیس قدرت کسے کہتے ہیں۔ جب ہم لفظ قانون نیچر کے متعلق استعمال کرتے ہیں توہماری

مراد ان نتائج یااظہارات سے ہوتی ہے جو ہمیشہ ان اسباب کی پیروی کرتے ہیں یا ان کے وسیلے برآمد ہوتےہیں جو موجداُن کے وجود کے ہوتے ہیں۔ یعنی جب ہم دیکھتے ہیں کہ فلاں اسباب کے وجود ہونے سے فلاں نتائج ہمیشہ پیدا ہوتے ہیں۔ توہم اس باہمی رشتہ کو خاص اسباب اوران کے نتائج میں پایا جاتا ہے قانون کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اورچونکہ ہم اس عالم میں یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ مقرری اسباب سے مقرری نتائج پیدا ہوتے ہیں ۔ لہذا ہم کہتے ہیں عالم موجودات میں وہ قوانین پائے جاتے ہیں جوکبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ اوراسی بنا پر معجزے کی مخالفت کی جاتی ہے۔ چنانچہ مخالف کہتاہے کہ ہمارا تجربہ ان قوانین کی نسبت بے تبدیل ہے ۔ یعنی ہم کبھی ان قوانین کو بدلتے نہیں دیکھتے لیکن معجزہ ان میں رخنہ اندازی کرتا ہے لہذا وہ ماننے کے لائق نہیں۔

چند دلائل جو معجزے کے امکانات کوثابت کرتے ہں

اب ہم وہ دلائل پیش کرتے ہیں جو مسیحی علماء نے اس بارے میں دی ہے کہ معجزات کے وقوع سے نہ قوانین قدرت کو ضرب پہنچتی ہے اورنہ کسی عقلی اصول کو ضررآتا ہے۔

معجزات برخلاف عقل نہیں ہیں

مارے صاحب نے اپنی کتاب ایٹ لیکچرزآن مرے کلز (Eight Lectures on Miraculous) میں عالمانہ طرز پر یہ بات ثابت کی ہے کہ نیچر کے انتظام کی بے تبدیلی اورقوانین قدرت کی دائمی بے انقلابی کا اعتقاد جو ہمارے درمیان پایا جاتا ہے ہم اس کا عقلی ثبوت نہیں دے سکتے ہیں ۔ لہذا معجزات کو عقل کے خلاف نہیں کہہ سکتے۔ وہ کہتےہیں کہ ہم سب یہ مانتے ہیں کہ جوکچھ آئندہ ہوگا وہ اس کی مانند ہوگا جو ہوچکا ہے۔

ہم قوانین فطرت کی دائمی بے تبدیلی کا کوئی ثبوت یا دلیل نہیں دے سکتے

لیکن سوال برپا ہوتا ہے کہ کیوں ایسا ہوگا؟ اب اگراس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ یہ امر بدیہی ہے وہ ثبوت کا محتاج نہیں۔تو یہ جواب تسلی بخش نہیں کیونکہ جوبات بدیہی ہوتی ہے اورثبوت کے محتاج نہیں ہوتی ۔ اس کا عکس یا نقیض درست نہیں ہوتا۔ مگر قوانین کی بے تبدیلی کا عکس ذہن میں آسکتا ہے یعنی جو کچھ اب ہورہا ہے اگرا سکی نسبت یہ کہیں کہ وہ کل نہیں ہوگا تو عقل اس دعوےٰ کو متناقص نہیں سمجھتی۔ مثلاً یہ کہناکہ " آج سورج نکلا،

مگر کل نہیں نکلیگا" ۔ نادرست نہیں پر یہ کہنا غلط ہے۔ کہ " آج سورج نکلا اورآج سورج نہیں نکلا" ۔

موجدات کی مدائمت بھی ثابت نہیں ہوسکتی

پھر قوانین قدرت کی بے اعتدالی کی نسبت یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب کوئی واقعہ بارہا سرزد ہوتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ وہاں کوئی دائمی سبب موجود ہے جو موجد اُس کے وقوع کا ہے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ یہ بات کہاں سے نکالی کہ وہ سبب دائمی سبب ہے اورجیسا کہ وہ کل اورپرسوں تھا ویسا ہی آئندہ رہیگا۔

تجربہ بھی مدائمت کی دلیل نہیں

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہم اس بات کے کہ قوانین قدرت جیسے پہلے بے تبدیل تھے ویسے ہی آئندہ بھی بے تبدیل رہینگے اس لئے قائل ہیں کہ ہمارا تجربہ شہادت دیتا ہے کہ آئندہ ویسا ہی ہوگا جیسا گذشتہ تھا۔ لیکن اگر یہ سچ ہو۔ تو آئندہ ماضی بن جائیگا۔ کیونکہ تجربہ ہمیشہ ماضی کا ہوتا ہے نہ کہ آئندہ کا اورجو یہ کہا جائے کہ جواب ماضی ہے وہ کسی وقت آئندہ تھا اس جواب سے بھی سوال حل نہیں ہوتا کیونکہ گویہ سچ ہے کہ جواب ماضی ہے وہ کسی وقت آئندہ تھا۔ تاہم اس میں بھی شک نہیں کہ جواب آئندہ ہے وہ آئندہ ہی ہے وہ ماضی نہیں۔ لہذا اس کا تجربہ ہم کو نہیں ہے۔ پس ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ جیسا پہلے ہوچکا ہے ویسا ہی آگے ہوگا؟

نہ یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ یہ یقین جبلی ہے۔ اس لئے ثبوت کا محتاج نہیں ۔ کیونکہ جبلی اور غیر جبلی میں یہ فرق ہوتا ہے کہ جو اعتقادات مخلوط بالطبع ہوتے ہیں ان کی ضد کا تصور قائم نہیں ہوسکتا۔ مثلاً کوئی اصول متعارفہ لو اورسوچو کہ آیا اس کی ضد قیاس میں آسکتی ہے یا نہیں ۔

نہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ یقین جبلی ہے

ہم جانتے ہیں کہ اس کی ضد کبھی درست نہیں ہوگی۔ مگر ترتیب فطرت کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ جوکچھ ہوتا آیا ہے اگر ویسا کل نہ ہوا تو تضاد واقع ہوگا۔ فلاسفر اوراہل سائنس گواہی دے رہے ہیں کہ دنیا کا یہ موجودہ سلسلہ ایک دن ختم ہوجائیگا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس دن تجربہ کی دلیل پرزورنہ ہوگی؟ لازم تو یہ ہے کہ اس وقت آگے کی نسبت بہت ہی پُرزورہو کیونکہ اس وقت تو تجربہ زیادہ زمانوں کے گذرجانے اورسلسلہ موجودات کے برابر قائم رہنے سے اوربھی

بڑھ جائیگا۔ پر اگر فلاسفروں کا یہ خیال صحیح ہے کہ یہ سلسلہ ایک دن ٹوٹ جائیگا۔ توپھر تجربہ کا کیا حال ہوگا؟

اس بے تبدیلی کے ماننے میں انسان اورحیوان میں فرق نہیں۔ پس یہ یقین عقلی ثبوت پر مبنی نہیں

علاوہ بریں ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح ہم قوانین نیچر کے کی تبدیلی کے قائل ہیں اسی طرح حیوانات بھی ان قوانین کی بے تبدیلی کے قائل ہیں جو اُن سے علاقہ رکھتے ہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ اُن میں عقل نہیں ہےبلکہ وہ صرف وہ طاقت رکھتے ہیں جسے ان سٹنکٹ یعنی عقل حیوانی کہتےہیں وہ نیچر کی تبدیلی کی کوئی دلیل نہیں دے سکتے اوران کی مانند ہم بھی کوئی عقلی ثبوت یا برہان نہیں دے سکتے کہ کیوں مستقبل ماضی کی مانند ہوگا بجز اس کے کہ ہمیشہ ایسا ہوا آیا ہے مگر اسے دلیل نہیں کہتے۔اب اس بحث کا تعلق معجزآت سے یہ ہے کہ چونکہ ہمارا یقین کہ سلسلہ موجودات ہمیشہ یکساں رہیگا کسی عقلی ثبوت کی بنیاد پریعنی کسی دلیل پرمبنی نہیں لہذا وہ بات کٹ گئی جس کی بنا پر یہ اعتراض کیا جاتاہے کہ معجزات سلسلہ موجودات سے برخلاف ہونے کی وجہ سے عقل کے برخلاف ہیں۔

جب یہ تبدیلی دلیل سے ثابت نہیں ہوسکتی تو معجزات خلاف عقل کیوں ہوئے

عقل کے برخلاف وہ اس وقت مانے جاتے جب عقل کسی طریق استدلال سے یہ ثابت کردیتی کہ جو پیچھے ہوچکا ہے وہی آگے ہوگا۔اگران دودعوں میں کہ " جوکچھ پہلے واقع ہوا ویسا ہی آئندہ واقع ہوگا"۔ ہم کوئی عقلی ربط دیکھتے توہم کہہ سکتے کہ واقعہ ماضی کی مانند وقوع میں نہ آئے وہ ناممکن ہے ۔ پر اگر ہم کوئی ثبوت یا دلیل نہیں دے سکتے کہ کیوں ایسا ہوگا توہم غیر معمولی واقعہ کو عقل کے خلاف نہیں کہہ سکتے ۔

تنبیہ۔ یہ سمجھنا ضروری امر ہے کہ ترتیب نیچر کے کس پہلو پر بحث ہوتی رہی ہے

اس موقعہ پر ایک بات یادرکھنے کے قابل ہے اوروہ یہ ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ترتیب فطرت میں جو مطابقت اورمناسبت پائی جاتی ہے اس کا کوئی عقلی ثبوت نہیں دیا جاسکتا ۔ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ جہاں جو مقدمات ہونگے وہاں وہی تالیات پیدا ہونگے جو اُن مقدمات سے خاص ہیں اوراس بات کو ہم نے عقل ہی سے دریافت کیا ہے۔ پر ہماری بحث اُس اعتقاد سے جو اس بات کا قائل ہے کہ

جیسا گذشتہ میں ہوا ویسا ہی آئندہ میں بھی ہوگا۔اس کا کوئی عقلی ثبوت نہیں دیا جاسکتا ۔ پس یہ کہنا کہ معجزات خلاف عقل ہیں درست نہیں۔

معجزات کا اعلیٰ مطلب اُن کے امکان پر دلالت کرتا ہے

معجزات کے مقصد سے ظاہر ہے کہ وہ ان نیچرل نہیں ہیں وہ ایک اعلیٰ اورافضل نیچر سے علاقہ رکھتے ہیں ۔ پس وہ اس نظم قدرت کے جو ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے برخلاف نہیں گو اس سے برتر اوربلند ہیں اورانہیں ان نیچرل یعنی فطرت کا مخالف کہنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ کہنا اس وقت درست اورواجب ہوتا جب معجزات ترتیب عالم کو بگاڑتے ۔ پر وہ تو اسی لئے اس دنیا میں قدم رکھتے ہیں کہ جس کمال کو انتظام موجودات نے کھودیا ہے اس کمال کی طرف اُسے پھر رجوع کریں۔ وہ ایک اعلیٰ فطرت سے علاقہ رکھتے ہیں اوراس دنیا سے آتے ہیں جس کی ترتیب اورانتظام میں کسی طرح کا فرق نہیں آیا تاکہ ہماری دنیا میں داخل ہوکر ان ناموافقتوں اور خرابیوں کودورکریں جنہوں نے اس کے انتظام میں ابتری پیدا کررکھی ہے اوراسے الٰہیٰ منشا کے مطابق بنا کر اس میں اوراعلیٰ دنیا میں اتحاد اورتطبیق پیدا کریں ۔ کسی بیمار کو چنگا کرنا نیچر کے خلاف نہیں۔ کیونکہ صحت اصل منشائے نیچر کے موافق ہے۔ چنگا کرنا نیچر کے برخلاف نہیں۔ بیماری برخلاف ہے لہذا بخشنا اصلی ترتیب کوپھر قائم کرنا ہے۔

قوانین قدرت ازل سے آزاد اورمختارکل نہیں ہیں

ہم اس بات کے دل وجان سے قائل ہیں کہ جہاں تک ہمارا علم کام کرتا ہے ہم نیچر کی کارروائی میں ایک قسم کی مناسبت اور پائداری دیکھتے ہیں۔ ہم اسباب ونتائج ، مقدمات وتالیات ، علت اور معلول میں ایک قسم کا محکم رشتہ معائنہ کرتے ہیں۔ مگراس کے ساتھ ہی ہم اس بات کا بھی انکارنہیں کرسکتے ۔ کہ یہ قوانین اوران کا عمل ایک اعلیٰ قانون اورایک اعلیٰ قدرت کے تابع ہیں ہم نہیں مان سکتے کہ وہ آزاد ہیں اور ایسی شاہانہ قدرتیں ہیں جو قائم بالذات اوربے تبدیل ازلی اوبدی ہیں۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ اگر خدا ہے تو اس نے ان قوانین کو تجویز کیا ہے اوراگر وہ ان کا مجوز ہے تو وہ ان پر مقدم بھی ہے۔ اوراپنی حکمت کے مطابق جیسا چاہتا ہے ویسا کرتا ہے سیدنا مسیح نے فرمایا" میرا باپ اب تک کام کرتا ہے"۔ اورجب ہم ان الفاظ کے عمیق مطلب کو سمجھ لیتے ہیں اوراس بات کو مان لیتے ہیں کہ دنیا اپنی ہستی اورموجودگی کے لئے خدا کی

قادر مرضی پر منحصر ہے اورخدا اپنے کام سے علیحدہٰ نہیں ہوگیا بلکہ اسے جاری رکھتا ہے اوراحاطہ نیچر میں داخل ہونے کے لئے ہر جگہ ایک مدخل اس کے لئے موجود ہے تو یہ اعتراض خاک میں مل جاتا ہے کہ خدا کے لئے معجزات دکھانا ناممکن ہے۔ سب معجزوں سے بڑا معجزہ خدا آپ ہے اورجب ہم نے اسے مان لیا اوراس کی تمام صفات کو قبول کرلیا تو پھر چھوٹے معجزوں کو ماننا کچھ مشکل نہیں۔

یہ اعتراض کہ معجزات رخنہ اندازی کرتے ہیں

پر اعتراض یہ ہے کہ اس مقررترتیب میں رخنہ ڈالتا ہے جس کی بے تبدیلی اس بات کی سند ہے کہ دنیا ہمیشہ قائم رہیگی۔اورکہ یہ ترتیب ایسی خاصیت رکھتی ہے کہ ذرا سی مداخلت بھی اس کو برباد کردیتی ہے ۔ سٹراس اس مداخلت کو شگاف کہتا ہے ۔ اس کے جواب میں اول تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے قائل نہیں کہ دنیا میں ہمیشہ موجودہ اسباب ونتائج کا علاقہ ہمیشہ اسی طرح چلاآیا ہے ۔ اورکہ اس میں کبھی مداخلت نہیں ہوئی ۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ قوانین فطرت کی وہ بے تبدیلی جو اکثر معجزات کی مخالفت میں پیش کی جاتی ہے خود فطرت ہی کے حدود میں ٹوٹی ہوئی نظر آتی ہے ۔اب اگرہم مادہ کی ازلیت کونہیں مانتے بلکہ تخلیق عالم کے قائل ہیں یعنی اس بات کے قائل ہیں کہ عالم نیست سے ہست ہوا تو یہ سلسلہ شروع ہی میں موجود نہ تھا۔ اب چونکہ مخلوق دنیا سے خلق کرنے کا قانون مستنبط نہیں ہوسکتا اس لئے جس قدر خدا کا وجود معجزہ ہے اسی قدردنیا کا ہست ہونا ایک معجزہ ہے۔

دنیا کی پیدائش یا زندگی کا نمودارہونا ایک رخنہ ہے

پر اگر مادہ کو بھی ازلی مان لیں توبھی اس بات کا انکارنہیں ہوسکتاکہ موجودہ سائنس کی رو سے ایک ایسا زمانہ تھا جب کسی طرح کی زندگی دنیا کے طبقہ پرنہیں پائی جاتی تھی ۔ اورقائم نہیں رہ سکتی تھی کیونکہ زمین کی حد اس درجہ تک تھی کہ کوئی جاندار مخلوق زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ حتےٰ کہ ادنےٰ قسم کی زندگی بھی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ ایک فاضل کا خیال بالکل صحیح ہے کہ اس وقت فقط معجزانہ مداخلت بے جان مادہ سے جاندارمخلوق پیدا کرسکتی تھی۔

(ملر) اگریہ دعویٰ صحیح ہے (اوراس کی تردید کرنا سائنس کو جھٹلانا ہے)توایک آغاز، ایک ابتدا قائم ہوتی ہے جس کی شرح

صرف خالقانہ معجزے سے ہوسکتی ہے ۔ اوراس کے ساتھ یہ سوال بھی برپا ہوتا ہے کہ روح کس طرح اس دنیا میں داخل ہوئی؟

روح کا نمودار ہونا بھی ایک رخنہ ہے

پہلے تو اس کا خلق ہونا ہی ایک معجزہ ہے ۔ پر اگر ہم اس کو بھی ازلی تسلیم کرلیں توبھی اس کا بے جان مادہ کے ساتھ وصل ہوجانا اور ضمیر کے قوانین سے مزین ہونا جو کہ تمام قوانین فطرت سے نرالے اوربرتر ہیں ایک تیسرا معجزہ ہے ۔

معجزات ایسی تجاویز نہیں جو خدا کو بعد میں سوجھیں

پھر عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ معجزہ گویا ایسی تجویز ہے جو خدا کو بعد میں سوجھی تاکہ اخلاقی ابتری کو اس کے وسیلے دورکرے۔ اوراس سے یہ اعتراض قائم کیا جاتا ہے کہ اس سے انتظام موجودات کا نقص لازم آتا ہے ۔ مگر یاد رہے کہ جو معجزات کے قائل ہیں ان کا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ معجزات ایسی تجویزیں ہیں جو خدا کو پیچھے سوجھیں۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ معجزات خدا کے ازلی ارادہ میں شامل تھے اورجس ازلی مرضی نے اورمرضی کے ازلی قانون نے قوانین فطرت کو تجویز کیا۔ اسی نے معجزات کو بھی اس سلسلے میں داخل کیا۔ پس معجزات علیحدہٰ اورتنہا واقعات نہیں ہیں بلکہ عام انتظام موجودات کے حصے ہیں ۔ اب اگر اس کے جواب میں کہ کہا جائے کہ جو تعریف شروع میں قوانین فطرت کی تم پیش کرچکے ہو اس کے مطابق معجزات قوانین فطرت میں داخل نہیں ہوسکتے توہمارا جواب الجواب یہ ہے۔ کہ وہ باربار واقعہ نہیں ہوتے کیونکہ اگر ہوں تو اپنے اصل مطلب کو پورا نہ کرینگے ۔ تاہم وہ بے قانون نہیں ہیں۔ بلکہ اس قانون کے مطابق سرزد ہوتے ہیں جو الہیٰ مرضی اور ارادے سے وابستہ ہے۔ اورہم ذرا آگے بڑھ کر دیکھینگے کہ وہ قانون کس طرح بدون اورقوانین کو توڑنے کے اپنا عمل دکھاسکتا ہے ۔

وہ نظایر جو معجزہ پر دلالت کرتی ہیں

خلقت کے مشاہدہ سے کئی نظیرین اسیی ملتی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ فوق العات یعنی معجزہ ناممکن نہیں۔ مثلاً اس دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ ادنیٰ درجہ کے قانون اعلیٰ درجہ کے قوانین سے روکے جاتے ہیں ۔ جمادات اورنباتات اورحیوانات کے طبقوں میں درجہ بدرجہ یہ تصرف ملاحظہ سے گذرتا ہے ۔ کیمیائی قوانین پر زندگی کے اصول غالب آتے ہیں اورجسمانی قوانین پر روحانی اوراخلاقی مسلط ہیں۔ کیمیائی اصول یہ ہے کہ جب کوئی مرکب تحلیل ہوجائے تو

اس میں سراہٹ پیدا ہو لیکن وہ قوانین بعض بعض حالتوں میں بیکار ہوجاتے ہیں مثلاً بعض حالتوں میں ان کو نمک کی ذاتی خاصیتیں بگڑنے نہیں دیتی ہیں۔اب اس عمل سے کیمیائی قانون فنانہیں ہوجاتے بلکہ نمک کے ذاتی قوانین کے تابع ہوجاتے ہیں ۔ انسان کی ساری طاقت اس بات میں صرف ہوجاتی ہے کہ وہ نیچر سے وہ پھل اورنتائج پیدا کرے جو وہ خود بخود پیدا نہیں کرسکتی ۔ جب ہم اپنا بازواوپر اٹھاتے ہیں توہم قانون ثقل کو معطل کرتے ۔ جب کوئی پودا اپنی چوٹی اوپر کی طرف اٹھاتا ہے ۔ تو وہ اس قانون کو توڑتا ہے۔ وہ طریقہ جس سے پمپوں کے وسیلے پانی اوپر چڑھایا جاتا ہے ۔ اس قانون کا مقابلہ کرتا ہے مگرپھر بھی کوئی نہیں کہتا کہ یہ کیا غضب ہوا قانون ثقل ٹوٹ گیا۔ اب تو دنیا فنا ہوجائیگی ۔ پر اگریہ کہا جائے تو ایک ڈوبی ہوئی کلہاڑی کو خدا کا ہاتھ اٹھالایا اوروہ اس ہاتھ کے سہارے سے پانی کی سطح پر اس طرح پھرتی تھی کہ گویا تیررہی ہے تواس شور سے قیامت بپا ہوجاتی ہے کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ اس سے کشش ثقل کا قانون ٹوٹ جاتا ہے ۔ اگرآدمی ایک لوہے کے ٹکڑے کو اپنے ہاتھ میں لے کر پانی میں ڈوبنے سے بچاسکتا ہے تو کیا خدا نہیں ایسا کرسکتا ؟

انبیا زادوں کی کلہاڑی کا تیرنا

فرق صرف اتنا ہے کہ اگر میں ایسا کروں تو میرا ہاتھ نظر آئیگا۔لیکن خدا کا ہاتھ یعنی اس کی وہ قدرت جس نے انبیا زادوں کی کلہاڑی کو توہ سے نکال کر سطح آپ پر رکھ دیا نظر نہ آئی۔ اس موقعہ پر بشنل صاحب کا خیال یادآتا ہے کہ جوایک مرتبہ ہماری نظر سے گذرا اور وہ یہ ہے کہ آدمی کی مرضی بھی ایک صورت میں فوق العادت ہے اورنیچر پر حکمران ۔ نیچر ہمارے لئے اشیاء پیدا کردیتی ہے ۔ سن اگادیتی ہے اورسینکڑوں چیزیں ہمارے لئے پیدا کرتی اورجمع رکھتی ہے۔ لیکن ان سے نازک اورمہین کپڑے بنانا اورطرح طرح کے عجائبات کو پیدا کرنا انسان کا کام ہے۔ اب ہم خواہ یہ مانیں یا نہ مانیں کہ انسان کی مرضی فوق النیچر ہے تاہم اس سے اتنا سراغ ملتا ہے ۔ کہ جو اس سے بڑی اورلا محدود مرضی ہے وہ بھی اس قابل ہے کہ اگر چاہے تو سلسلہ فطرت میں اپنا جلوہ دکھائے ۔

نیچر ہم پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ جہاں خاص خاص اسباب موجود ہونگے ۔ وہاں خاص نتائج پیدا ہونگے اورمعجزہ اس قانون کے برخلاف نہیں اورنہ اس کوتوڑتا ہے۔ مثلاً کلہاڑی کے تیرنے کے معجزے سے یہ بات بخوبی روشن ہے کہ لوہے کو ڈوبنے سے بچانے

کے لئے اتنی قدرت یا طاقت کی ضرورت ہے جو اسے غرق ہونے سے روکے۔ خواہ وہ طاقت خدا کی ہو۔ خواہ انسان کی خواہ اس پتھر کی جو دریا میں پڑا ہے۔ اگر یہ روك موجود ہو۔ تو اس لوہے کا پانی میں ڈوبنا اتنا نیچر کے برخلاف نہیں جتنا ڈوب جانا اس کے برخلاف ہے۔

نتائج

جوریماکس ہم نے دلیل چہارم کے ضمن میں پیش کئے ہیں ان سے دونتیجہ برآمد ہوتے ہیں جو ہمیشہ یادرکھنے چاہئیں۔

(الف) اول یہ کہ ادنیٰ درجہ کی طاقتوں کے عمل سے اعلیٰ درجہ کی طاقتوں کی مداخلت کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ اوراس مداخلت کے انکارکو معجزات کے خلاف بطورثبوت پیش کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ بات تو خود ثبوت طلب کرتی ہے کہ قوانین قدرت میں مداخلت نہیں ہوسکتی۔ یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ ان قوانین کی بنا پر اعلیٰ قدرتوں کی مداخلت ناممکن ہے تو گویا وہ یہ مانتا ہے کہ یہ قانون ہر جگہ اورہر حال میں غیرمتبدل ہیں پر یہی وہ بات ہے جو ثبوت کی محتاج ہے۔

(ب) کہ اعلیٰ درجہ کی قدرتوں کی مداخلت سے قوانین قدرت زائل یا ساقط نہیں ہوتے بلکہ اپنے عمل کو جاری رکھتے ہیں اورکہ یہی بات خدا کی مداخلت پر صادق آتی ہے۔ اس کی مداخلت سے بھی قوانین نیچر معطل نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کی پائداری برابر قائم رہتی ہے۔ اورکیوں؟ اس لئے کہ نیچر کی طاقتوں کو معجزے کے پیدا کرنے میں کچھ دخل نہیں اورنہ معجزات اپنے وقوع کے بعد ایسے علیحدٰہ رہتے ہیں کہ گویا تنہا واقعات ہیں بلکہ وہ واقع ہونے کے بعد نیچر کے عام سلسلہ میں داخل ہوجاتے ہیں اس جگہ ایك ضروری فرق پر غورکرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ضروری فرق

اوروہ یہ ہے کہ ایك قسم کے وہ معجزے ہیں جو اپنے وقوع کے لئے محض خدا کی خالقانہ قدرت پر منحصر ہوتے ہیں اوردوسری قسم کے وہ ہیں جن کے وقوع میں نیچر کی طاقتیں اپنے معمولی عمل میں بڑھ جاتی ہیں۔ یعنی خدا کے حکم سے اپنے معمولی زور سے زیادہ کام کرتی ہیں۔ اوراس معنی میں دوسری قسم کے معجزات ایك طرح نیچر سے مربوط ہوتے ہیں۔ مسیح کا بطن مریم میں آنا اورروٹیوں اورمچھلیوں کا بڑھ جانا پہلی قسم سے علاقہ رکھتے ہیں۔ اوران میں ہم

کو خدا کی قدرت کا وہ عمل نظر آتا ہے جو دنیا کے خلق کرنے سے مشابہت رکھتا ہے۔ خدا بلاواسطہ دیگر وسائل کے اس قسم کے معجزات کو انجام دیتا اورایک نئے واقعہ کو جو پہلے فطرت میں موجود نہ تھا اس کے سلسلہ میں داخل کردیتا ہے۔ اب جو کچھ اس نے ابتدا میں تمام عالم محسوسات کے متعلق کیا۔ اگروہی پھر اس کے کسی خاص حصہ کے متعلق کرے تویہ اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔

مسیح کی پیدائش کا معجزہ

کرسلب صاحب جن کی نادر کتاب سے ہم نے اس باب میں بہت مدد لی ہے بڑی خوبصورتی سے دکھاتے ہیں کہ یہی حال اس وقت سرزد ہوتا ہے جب کسی اچھے درخت کی قلم اورادنیٰ قسم کے درخت میں پیوند کی جاتی ہے۔ وہ قلم بالکل اجنبی ہوتی ہے پر تاہم آئندہ زمانہ میں نئی حالتوں کے مطابق زندگی بسر کرتی ہے۔ اسی طرح مسیح بھی ایک قلم ہے جو خدا کی خالقانہ قدرت کے مطابق انسانی نیچر کے درخت میں پیوند کیاگیا (انجیل شریف : راوی حضرت یوحنا ۱: ۱۳)۔ اس نے اس نیچر کی شرائط اورخصوصیات کورد نہیں کیا بلکہ ہر حال میں ان کی حفاظت کی مثلاً اس کے آنے میں تاریخ کے لازمی قوانین زائل نہیں ہوئے ۔ تاریخ بھی بچوں کی طرح بڑھتی ہے۔ پس مسیح اس وقت ظاہر ہوا ۔ جو اس کے لئے موزون تھا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ وہ جو سانپ کے سرکو کچلنے والا تھا اس وقت تک ظاہر نہ ہوا جب تک کہ وہ تمام شرائط پوری نہ ہوئیں جواس کے ظہور سے پہلے لازمی تھیں۔ چنانچہ لکھا ہے ۔ کہ " جب وقت پورا ہوا تو خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا ۔ (خطِ اہلِ گلتیوں ۴: ۴) اسی طرح قوانین نیچر کی بھی رعایت کی گئی مثلاً وہ تیس برس کا جوان اورکل طاقتوں کی نشوونما کے ساتھ آسمان سے یک بیک نہیں اترا۔ بلکہ جب وہ خدا کی خالقانہ قدرت سے ما کے شکم میں درآیا اسی وقت سے پیدائش اورنمو کے معمولی قوانین کے بھی تابع رہا۔ اس کی نسبت لکھا ہے کہ اس نے ساری راستبازی پوری کی۔ وہ اپنے باپ کا فرمانبردار تھا۔ اوراس نے اپنی فرمانبرداری کوآزمائشوں اورمصیبتوں میں ثابت قدم رہ کر ثابت کیا۔ اب کون شخص کہہ سکتا ہے کہ نیچر ایسے واقعہ سے تباہ ہوجاتی ہے ۔ جس کے متعلق نہ اسے اچھ کرنا اورنہ کچھ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

وہ معجزات جن میں نیچر کی طاقتوں کا عمل معمول سے زیادہ تیز
کیا جاتا ہے

لیکن جن معجزات میں خدا کی نیچر کی طاقتوں کو معمول سے زیادہ منجمد کرکے فوق العادت اظہار نمایاں فرماتا ہے (مثلاً طوفان اور مصر کی بعض آفتیں وغیرہ) ان کی خصوصیت یہ ہے کہ جو کام وہ طاقتیں بہت عرصہ کے بعد کرتیں اسے اپنے مزید عمل کے وسیلے فوراً وقوع میں لاتی ہیں اوریہ بھی کوئی ایسی بات نہیں جو خدا کے لئے ناممکن ہو بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بھی ایسا کرتا ہے ۔ وہ بھی نیچر کی طاقتوں کواپنے قابو میں لاکر ایسے نتائج اورایسے واقعات پیدا کرلیتا ہے جو نیچر خود بخود پیدا نہ کرتی۔ ولایت میں طرفتہ العین میں انڈوں سے چوزے نکالے جاتے ہیں۔اب ان انسانی واقعات اور الٰہی معجزوں میں یہ فرق ہے کہ معجزات خدا کی قدرت سے اوراس کے نبی کے کہنے کے بموجب سرزد ہوتے ہیں اورکسی طرح کی معمولی وسائل ان کے وقوع میں استعمال نہیں کئے جاتے تھے۔

منکران اعجاز پرکیا فرض ہے

اب وہ جو اعجاز کے منکر ہیں ان پر فرض ہے کہ وہ ہمیں دکھائیں کہ جسے وہ نیچر کہتے ہیں اس میں کیا کچھ شامل ہے اورنیچر کی طاقتیں کہاں تک تیز کی جاسکتی ہیں۔ اوراگر وہ یہ کہیں کہ وہ تیزنہیں ہوسکتی ہیں تو یہ ثابت کریں کہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ نیچرل جو فوق النیچر سے ہمیشہ برآمد ہوتا ہے اس کی مداخلت قبول کرنے کےلئے تیارنہیں کیا خدا ہی جو تمام قوانین کا سرچشمہ ہے اس لائق نہیں کہ اپنے گھر میں آنے جانےکا مختارہو۔

(۵۔) پرس دلائل کی سرتاج دلیل یہ ہے کہ خدا ایک ایسی شخصی مرضی ہے جو لا محدود اورمختارکل ہے۔

خدا ایک مختاراورآزاد مرضی ہے۔ لہذا معجزہ نیچرکے عین مطابق
ہے

چونکہ پہلی دلیل کے ضمن میں اس پر اشارہ ہوچکا ہے لہذا اس جگہ اس پر زیادہ نہیں کہا جائیگا۔اورہم اس بات کو انہیں الفاظ کے ساتھ بند کرینگے جن الفاظ کے ساتھ مارے صاحب نے اپنی کتاب کا وہ باب بند کیا جس میں انہوں نے " نامعلوم قانون" پر بحث کی ہے "۔ کیا فعل مختاری انسان پر ختم ہوجاتی ہے یا انسان کے اوپر بھی آزاد مرضی کا کوئی دائرہ ہے جس میں انسانی مرضی کی طرح طبعی قانون نہیں بلکہ روح مادہ کو حرکت میں لاتی ہے؟ اورکیا وہ آزاد مرضی نامعلوم صورت میں تمام فطرت کے دائرہ میں داخل ہوتی

ہے؟ اگرایسا ہوتا ہے تو بائبل کا ہر معجزہ ایسا ہی نیچرل ہے جیسا کوئی کیمیائی تجربہ جسمانی دنیا میں ہوا کرتا ہے ۔ اوراگر ایسا نہیں ہوتا تو اس فرمانروا مرضی کا تخت خالی پڑا ہے۔ اور فطرت کوئی ایسا سردار نہیں رکھتی جو شخصیت کی صفات سے موصوف ہو۔ فقط انسان اس حالت میں نردبان نیچر کا اعلیٰ زینہ ہے پر وہ بھی خود اس عظمت کے پایہ سے گرجاتا ہے کیونکہ وہ خود ہونہار باتوں کے ہاتھ سے آزاد نہیں۔ یا تو تمام نیچر خدا کی طرف اوپر کو اٹھتی ہے۔یا قانون کی طرف نیچے گرتی ہے۔ پر اگر مادی اسباب کے اوپر خدا کی رزاقی اورپروردگاری کے لئے کوئی جگہ موجود ہے تو ظاہر ہے کہ نیچر کو حرکت میں لانے والی ایک عظیم ہستی موجود ہے جو آزاد مطلق ہے اورمعجزات کا وقوع میں آنا عین نیچر کے مطابق ہے۔

تیسرا باب

معجزات اورگواہی

دوسرا سوال غور طلب یہ ہے کہ بائبل کے معجزات کی نسبت جو گواہی پیش کی جاتی ہے وہ قابل تسلیم ہے یا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان تین طرح حقائق اشیاء کو دریافت کرتا ہے یا یوں کہیں کہ تین طرح کی شہادتیں موجود ہیں اوران میں سے کسی نہ کسی کے مطابق ہر شے کی حقیقت اورصداقت ثابت کی جاتی ہے۔ اوروہ یہ ہیں۔

(۱۔)حواس کی گواہی

(۲۔)وہ ثبوت جوعلوم ریاضی کے اصول کے وسیلے بہم پہنچتا ہے ۔

(۳۔) انسان کی گواہی

ہر قسم کی شہادت اپنے اپنے دائرے میں کام کرتی ہے

اب ان تینوں میں سے ہر شہادت یا ثبوت اپنے اپنے خاص دائرہ میں کام کرتا ہے اوراپنے خاص دائرہ میں کافی سمجھا جاتا ہے۔ کسی زاویہ کی مقدار کہ آیا وہ قائمہ ہے یا منفرجہ۔ یا یہ دعویٰ کہ ہر

مثلث کے دوضلع تیسرے ضلع سے بڑے ہوتے ہیں ۔ علم ریاضی کے مقرری اصول سے ثابت ہوتے ہیں۔ پراگرہم یہ ثابت کرنا چاہیں کہ جس گھر میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں وہ موجود ہے یا نہیں تو اس ثبوت میں اقلیدس کے اصولوں کی ضرورت نہ پڑیگی۔ یہاں ہمارے حواس کی گواہی کام دیگی۔ اوراسی طرح جب ہم یہ کہتےہیں کہ سنکھیا مہلک ہے۔ یا یہ کہتےہیں کہ لندن سب شہروں سے بڑا ہے تواس کے ثبوت میں بیان کرنے والے سے نہ ثبوت اقلیدس اورنہ شہادت حسی طلب کی جاتی ہے ۔ بلکہ اس کی گواہی فوراً قبول کی جاتی ہے۔

یقینی اورامکانی شہادت

پہلی دوقسم کی شہادت کویقینی (Certain) اورتیسری قسم کی شہادت کو اہل فلسفہ امکانی (Probable) کہتے ہیں ان لفظوں کے استعمال سے اکثر یہ مغالطہ پڑجاتاہے کہ امکانی یقینی گواہی کے مقابلے میں کمزورمعلوم ہوتی ہے۔ لیکن یادرہے کہ یہ فرق صرف اصطلاحی ہے۔ امکانی گواہی رد کرنے کے لائق نہیں۔ وہ اپنے حدود میں معتبر اورمستند ہوتی ہے۔ مثلاً یہ دعویٰ کہ ہم اس دنیائے فانی سے کوچ کرجائینگے۔ امکانی گواہی پرمبنی ہے تاہم کوئی شخص اس کی سچائی پرشک نہیں لاتا بلکہ سب اس کی صداقت کے معترف ہیں۔

معجزات پرانسانی گواہی کی قدر

اب وہ معجزات جو بائبل میں مرقوم ہیں۔ اگرثابت ہوسکتے ہیں ۔ توانسانی گواہی سے (جسے تواریخی گواہی بھی کہتےہیں) ثابت ہوسکتے ہیں۔ان کے ثبوت میں نہ ہمارے حواس کی گواہی کام آئیگی کیونکہ ہم ان واقعات سے کئی صدیاں دورنکل آئے ہیں ۔ اورنہ ان کو ریاضی کے اصول سے ثابت کرسکتے ہیں۔ کیونکہ ان واقعات کا اس علم سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اورمخالفوں نے بھی اس بات کو خوب پہچان لیا ہے۔ کہ معجزات کی صداقت پرلغویت تواریخی گواہی پر منحصرہے ۔ لہذا انہوں نے یہ دیکھا نیکی کوشش کی ہے کہ انسانی یا تواریخی گواہی اس بارے میں قبول کرنے کے لائق نہیں۔ اس قسم کے مخالفتوں کے پیر اوراستاد ڈیوڈ ہیوم ہیں اوراگر ان کے اعتراض کا جواب دیدیا جائے توان کے شاگردوں کےاعتراضوں کو رد کرنا مشکل نہ ہوگا۔

ڈیوڈ ہیوم کا اعتراض

مازے صاحب نے اپنے مشہور لیکچر زآن مرے کلز Lectures on Miraculous میں ڈیوڈ ہیوم کے اعتراضوں کو اسی کے الفاظ میں نقل کرکے اس پربحث کی ہے اس کا اعتراض یہ ہے کہ فطرت کی بے تبدیلی کی نسبت جو اعتقاد ہم رکھتے ہیں ۔ اس کی جڑ ہمارا تجربہ ہے جو ہمیشہ یکساں رہتا ہے۔(یا یوں کہیں ۔ کہ غیر متبدل ہے ۔ مترجم) اوروہ اعتقاد جو ہم انسانی گواہی کی نسبت رکھتے ہیں۔ اس کی جڑبھی ہمارا تجربہ ہی ہے۔ لیکن یہ تجربہ تبدل پذیر ہوتا ہے کیونکہ انسانی گواہی نے بعض اوقات ہم کو دھوکا دیا ہے۔ لہذا ہم اس غیر متبدل تجربہ کو جومعجزے کے برخلاف ہے۔تبدل پذیر تجربہ پرجو معجزے کے ثبوت میں (بصورت گواہی) پیش کیا جاتا ہے ترجیح دیتے ہیں"۔ ایک اورشخص اس کی دلیل کا خلاصہ مطلب (Encyclopedia Britannica) سے اس طرح نقل کرتا ہے۔کسی " شے کی حقیقت کی نسبت جو ثبوت ہمیں چشم دید گواہوں کی گواہی سے حاصل ہوتا ہے ۔ وہ کسی اوراصول پر مبنی نہیں۔ سوائے اس تجربہ کے جو ہم انسانی گواہی کی صداقت کے بارے میں رکھتے ہیں۔ پر اگر وہ حقیقت جس پر گواہی دی جاتی ہے ۔ معجزہ ہے۔ تو اس سے دو متفرق تجربوں میں فساد برپا ہوتا ہے۔ یایوں کہیں کہ ایک قسم کی شہادت دوسری قسم کی شہادت کے برخلاف برپا ہوتی ہے۔اب معجزہ قوانین فطرت کے توڑنے کا نام ہے ۔ مگر چونکہ ایک مضبوط اورغیرمتبدل تجربہ نے ان قوانین کو بے تبدیل ثابت کردیا ہے ۔ لہذا ان قوانین کا استحکام بجائے خود معجزوں کے برخلاف ایک ایسا کامل ثبوت ہے کہ کوئی اوردلیل اس سے بڑھ کر معجزہ کے برخلاف قیاس میں نہیں آسکتی ۔ اوراگریہ دعویٰ ٹھیک ہے۔ تو پھر یہ نتیجہ بھی ناگزیز ہے۔ کہ وہ ثبوت جو انسانی گواہی پر مبنی ہے۔ اس ثبوت کو رد نہیں کرسکتا "۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ہمارا تجربہ یہ ظاہرکرتا ہے ۔ کہ قوانین قدرت کبھی نہیں بدلتے۔ لیکن انسان کی گواہی ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی۔ بلکہ بدلتی رہتی ہے۔ لہذا ہم اپنے اس تجربہ کو سچا سمجھتے ہیں ۔ جو کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔پس معجزے ناممکن ہیں۔ کیونکہ ان کے ثبوت میں صرف انسانی گواہی پیش کی جاتی ہے ۔ مگرانسانی گواہی ہمیشہ معتبرنہیں ہوتی۔

تجربہ ہر حالت میں گواہی کا مصدریہ معیارنہیں ہوسکتا

اب ان اقتباسوں سے ظاہرہے ۔ کہ ہیوم نے گواہی کا ماخذاور مصدرتجربہ کو قراردیا ہے۔ اوریہ ثابت کرنا چاہا ہے ۔ کہ گواہی کا

کذب اس قدر تجربہ کے برخلاف نہیں۔ جس قدر معجزوں کی صداقت تجربہ کے برعکس ہے۔ وہ دلیل متذکرہ بالا تحریر کرکے اپنے زعم میں معجزوں کا فاتحہ پڑھ بیٹھا۔ کیونکہ اس نے اپنی دانست میں اصول اسقتراء کی بناء پر معجزوں کو دائرہ امکان سے خارج کردیا۔ جبکہ یہ دکھادیا۔ کہ وہ ہمارے غیر متبدل تجربہ کے برخلاف ہیں اوراسی طرح انہیں گواہی کے احاطہ سے بھی نکال دیا۔ جبکہ یہ ثابت کردیا۔ کہ ہمارا تجربہ گواہی کی حیثیت کے بارے میں بدلتا رہتا ہے۔ یعنی گواہی کبھی سچی ہوتی ہے۔اورکبھی جھوٹی۔

لیکن یہ دعویٰ صرف اسی وقت قابل تسلیم سمجھا جاسکتا ہے۔ جب وہ قضیۓ جن سے یہ دعویٰ بطور نتیجہ کے مستنبط کیا گیا ہے۔ صحیح تسلیم کئے جائیں۔ اول تو یہ امر مسلمہ نہیں ہے کہ گواہی کی حیثیت ہمیشہ تجربہ پرمبنی ہوتی ہے۔ اورکہ گواہی کا اعتباریا عدم اعتبارتجربہ پرمنحصر ہے۔

بچے بغیر تجربہ ہماری گواہی قبول کرتے ہیں

کیونکہ اس حالت میں کوئی تازہ خبر اورنئی بات گواہی کی شہادت پر قبول نہ کی جائیگی۔ لیکن برعکس اس کے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ جو تجربہ کے سرمایہ سے بے بہرہ ہیں۔ وہ گواہی کی صداقت پر زیادہ تر انحصار کرتے ہیں۔ مثلاً بچے گواہی کی صداقت کو بے چوں وچرا قبول کرلیتے ہیں۔ جب ہم اُن کو زہر کی خبردیتے ہیں تو وہ ہماری گواہی کورد نہیں کرتے۔ اگر وہ ہم کو یہ جواب دیں کہ ہم نے ابھی سنکھایا کو اپنے تجربہ سے نہیں آزمایا۔ اورچونکہ انسانی گواہی کا تجربہ تبدیل پذیر ہوتا ہے۔ اس لئے ہم آپ کی بات کو قبول نہیں کرسکتے۔ لہذا ہم پہلے سنکھیا کو آزمائینگے۔ اورپھر آپ کی بات کو تسلیم کرینگے۔ ہاں اگر ہمارے بچے ہمارے ساتھ اس طرح حجت کریں۔ اوربات بات پر ہیوم کے اصول کو پیش کریں۔ تو اُن کا مال کارکیا ہو؟ یہ کہ نہ وہ جیئں۔ نہ وہ ترقی کریں۔ اورنہ دولت علم سے بہرہ اندوزہوں۔

انسانی گواہی کو بلاتجربہ قبول کرنا انسانی ذات کا جبلی خاصہ ہے۔

گواہی کا اصل معیارگواہ کی صداقت اورلیاقت ہے

اب اس سے کیا ثابت ہوتا ہے ؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔کہ انسانی گواہی کی بلا تجربہ قبول کرنا ہماری ذات کا جبلی خاصہ ہے۔ اورہم اس بات کو جو انسانی گواہی کے زور پر ہمارے سامنے رکھی جاتی ہے۔ بدوں ملاحظہ اورامتحان کے قبول کرلیتے ہیں۔ ہمارے رائے میں ہیوم کا اصول انسانی تجربہ کے برخلاف ہے۔

پس معتبر گواہی کی پہچان کے لئے تجربہ کوئی معیار نہیں ہے۔ اس کی سچائی اور کھوٹ کو پرکھنے کی کسوٹی کوئی اور ہی ہونی چاہیے ۔ اب وہ کیا ہے ؟ گواہی کے جھوٹ اور سچ پہچاننے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں صدق اور لیات یعنی علم اگر وہ گواہ جو کسی بات کی خبر ہم کو دیتا ہے صادق اور دیانتدار ہے۔ اور نیز اس بات کے ہر پہلو کو سمجھنے کی لیاقت کافی رکھتا ہے۔ اور اس کا علم رکھتا ہے۔ تو اس کی گواہی قبول کرنے کے لائق ہے۔

معجزانہ واقعات کی بیرونی صورت اور اُن کے اصل موجد میں امتیاز کرنا ضروری امر ہے

البتہ یہ ہم مانتے ہیں۔ کہ معجزانہ واقعہ اور اس کے موجد یا سبب میں امتیاز کرنا لازم ہے۔ اور مازے صاحب نے بڑی خوبصورتی سے اس فرق کو ظاہر کیا ہے ۔ چنانچہ صاحب موصوف اس اعتراض کا کہ "انسانی گواہی فوق العادت کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی یا یوں کہیں کہ انسانی عقل فوق العادت باتوں کو سمجھ نہیں سکتی"۔ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس سے یہ مراد ہے۔ کہ انسانی گواہی اُس موجد کو ثابت نہیں کرتی۔ جو معجزہ کا سبب ہے۔ تو ہم اس کو مان لیتے ہیں۔ کیونکہ گواہی کا یہ کام نہیں کہ وہ فوق العادت کو ثابت کرے۔

پر معجزانہ واقعات کے وقوع کے متعلق جو گواہی ملتی ہے وہ رد نہیں کی جاسکتی

اس کا ثبوت دوسری قسم کی شہادت سے بہم پہنچتا ہے۔ مگر گواہی جو معجزانہ واقعہ کے وقوع کے متعلق پیش کی جاتی ہے اس کو غیر معتبر سمجھ کر رد نہیں کرسکتے۔ یعنی اگر اس دعویٰ سے یہ مراد ہے۔ کہ جن واقعات کی خبر گواہ دیتے ہیں وہ اس طرح جس طرح وہ بیان کرتے ہیں ۔ سرزد نہیں ہوئے ۔ لہذا ان کی گواہی ان کے وقوع کے متعلق تسلیم کرنے کے لائق نہیں۔ تو یہ دعویٰ فلسفہ اور مذہب اور ہر دو صورتوں سے ناقص ہے۔ کیونکہ اگر کوئی حادثہ قوانین قدرت سے مختلف ہے ۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے ۔ کہ وہ عقل کے بھی برخلاف ہے ۔ اور جو شے برخلاف نہیں۔ وہ گواہی کے حدود سے خارج نہیں ۔ مثلاً گواہی صرف اتنی بات بتاتی ہے ۔ کہ ایک شخص چار دن کا مردہ تا وہ مسیح کے کہنے سے قبر میں سے نکل آیا۔ اور یہ عجیب واقعہ کئی گواہوں کی آنکھوں کے سامنے سرزد ہوا۔ وہ یہ دعویٰ نہیں کرتی ہے ۔ کہ خدا کی قدرت سے سرزد ہوا۔ اس بات کا

ثبوت دوسری شہادت پر موقوف ہے۔ اوروہ یہ کہ ہم اس واقعہ کا معجزہ ہونا اس ایمان کی بنیاد پر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ خدا موجود ہے۔ اوروہ عجیب کام کرنے والا ہے۔ اورسوائے اس کے اورکوئی معجزوں کی مانند عجیب کام نہیں کرسکتا۔ مگر وہ اپنے سارے کام کسی نہ کسی علت غائی کو مدنظر رکھ کرکرتا ہے اور معجزہ دکھانے میں اسے یہ مقصد زیر نظر ہے۔ کہ اپنے بندوں کو راہ راست پر لائے۔ پر اس کے جواب میں یہ کہاجاتا ہے ۔ کہ ہم معجزانہ واقعات کو گواہی کی حدود سے خارج نہیں کرتے ہیں بلکہ اس شرح کو رد کرتے ہیں۔ جو ان واقعات پر چسپاں کی جاتی ہے اورجو انتظام موجودات کے برخلاف ہے۔ پر یہ بات ثابت ہوچکی ہے ۔ کہ جو تشریح ان واقعات کی کی جاتی ہے وہ اورہی قسم کی شہادت پر مبنی ہے۔

معترض کی نئی تاویل کہ واقعہ کچھ اورتھا مگر اس کی تاثیر رسولوں پر کچھ اورہوئی

اصل غرض معترض کی یہ ہے کہ اعجازی خاصیت کو نئی تاویل پیش کرکے دورکردے۔ معترض معجزانہ واقعہ کی جگہ جو انتظام موجودات سے بظاہر مختلف معلوم ہوتا ہے ایک عجیب تاثیر فرض کرتا ہے جو دیکھنے والوں کے دل اوردماغ پر طاری ہوئی۔ اب اس کودوسرے لفظوں میں یوں ادا کرسکتے ہیں۔ کہ معترض یہ دعویٰ کرتا ہے کہ انہوں نے دیکھا کچھ اورسمجھا کچھ اور۔ اب اگر یہ صحیح ہے ۔ توہمیں یہ ماننا پڑیگا۔ کہ گواہی کے معاملہ میں انسانی فطرت کے اندر کوئی شے ہے جو نامعلوم اورنہایت تاریک اورغیر معمولی قسم کی ہے ۔ یعنی اس میں دھوکے کی جڑ مخفی ہے۔

یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ کیا جائے کہ ان کی عقلی طاقتوں میں فتور ہے

یا عقلی کی متانت میں کسی طرح کی بدنظمی یا نقص چھپا ہوا ہے۔ یا اس ربط میں جو عقل اورحواس میں موجود ہے ۔ کسی قسم کا عیب نہاں ہے جس کی وجہ سے یہ عجیب بات وارد ہوئی ۔ کہ جنہوں نے درحقیقت کوئی واقعات نہ دیکھے تھے۔ انہوں نے ایسا کہا۔ کہ ہم نے انہیں دیکھا ہے۔

ایک نظیر جس سے تاویل کا صنعت ظاہر ہوتا ہے

پر یہ تاویلیں کیسی لچر ہیں۔ کیونکہ ان کے وسیلہ ہمارے حواس جھٹلائے جاتے ہیں۔ فرض کی جئیے۔ کہ ہمارے سامنے ایک شخص کی بصارت انسانی حکمت اوروسائل کے استعمال سے بحال کی جائے۔ کیا ہم اسے معجزہ کہینگے ؟ اگر ہم دوا کا استعمال اورحکیم کا

علاج اپنی آنکھوں سے دیکھیں ۔ توہم کبھی ایسا نہیں کہینگے ۔ پر اگر کوئی شخص ہمارے سامنے آئے ۔ اوراپنی قدرت کے کلام سے بلاوساطت معمولی وسائل کے کسی اندھے کی کھوئی ہوئی بینائی کو فے الفور واپس کردے توکون اس کے معجزہ ہونے پر شک لائیگا۔ اورکون یہ کہیگا کہ میں نے دیکھا کچھ اورتھا۔ مگر میرے حواس پر تاثیر کچھ اور ہوئی۔

ایک اورسوال اوراس کا جواب

پھر ہمیں یہ بھی کہا جاتا ہے ۔ کہ فرض کرو۔ کہ کوئی شخص تمہارے پاس آکر ایک عجیب الخلقت جانور یا فرضی حادثہ کی خبردے۔ جس کا وجود اس کی قوت واہمہ نے مختلف تصورات کی ترکیب سے گھڑلیا ہے ۔ کیا تم اسے مان لوگے؟ اب اس سے انکارنہیں ہوسکتا۔ کہ انسان کی قوت اورواہمہ دوردورتک پروازکرسکتی ہے اوراس میں یہ طاقت ہے۔ کہ وہ مختلف خیالات کو باہم ترکیب دے کر ایسا نیا مخلوق پیدا کرے جو اعتبار کے لائق نہ ہو۔ لیکن معجزہ میں اوراس وہمی مثال میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔اول تو یہ بالکل نا ممکن ہے ۔ کہ معتبر گواہی ایسی لغو باتوں کے ثبوت میں پیش کی جائے کیونکہ جو لوگ صادق صاحب عقل ہیں۔وہ کب ایسی باتوں کو قبول کرینگے۔ یا اوروں کو ایسی باتوں کے قبول کرنے کی ترغیب دینگے؟ اورپھر ان لغو باتوں کا ماخذ انسان کی قوت متخیلہ ہے۔ مگر معجزہ کی طاقت کا سرچشمہ خدا ہے۔ اورجب ہم معجزوں پر غور کرتے ہیں ۔ توہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ ایسی صورت اورایسی شرائط کے ساتھ وارد ہوئے کہ ان شرائط نے ان کی رفتار کو فطرت کی راہ کے قریب قریب رکھا۔ اوراسی قدر اسے علیحدہٰ ہونے دیا۔ جتنا کہ الہیٰ غرض کو پورا کرنے کے لئے کافی اور ضرورت تھا۔

گواہی کو گواہی ہی کاٹ سکتی ہے

البتہ ایک صورت ہے۔ جس میں معجزوں کی نسبت رسولوں کی گواہی قبول نہیں ہوسکتی ہے۔ اوروہ یہ کہ کوئی ایسا شخص پیدا ہوجو آکر ان کی گواہی کے برخلاف یہ کہے ۔ کہ لعزر کبھی نہیں جلایا گیا کیونکہ میں وہاں موجود تھا۔ میں نے اس کے مردہ بدن کو دیکھا۔ میں نے اس کو دفن ہوتے دیکھا۔اورپھر کئی مدت تک قبر میں سڑتے اورگلتے دیکھا۔ معجزوں کے بارے میں جو انسانی گواہی پیش کی جاتی ہے اس کی صداقت میں اگر کوئی بات خلاف تجربہ پیش کی جاسکتی ہے تو صرف اسی صورت میں پیش کی جاسکتی ہے۔

اگرہم انسانی گواہی کو بے تبدیل تجربے کی بنا پر ردکریں تو پھر کوئی نئی بات قبول نہیں کرسکینگے

پس معجزہ نہ شخصی تجربہ کے خلاف ہے۔ (اگر مخالف کا مطلب شخصی تجربہ سے ہے) کیونکہ اس حالت میں یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ کوئی بات گواہی کی بنا پر قبول کرنے کے لائق نہیں۔جب تک کہ اس کا ذاتی تجربہ حاصل نہ ہو۔ ملوین صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ اس اصول کے مطابق کوئی شخص جو منطقہ حارہ میں رہتا ہے ۔ کبھی اس بات کا یقین نہ کریگا۔ کہ امریکہ میں بعض حصص میں سردی کے ایام میں پانی جم کر ایسا یخ ہوجاتا ہے کہ اس پر گاڑیاں چل سکتی ہیں ۔ اوراگر تجربہ سے سب بنی آدم کا تجربہ مراد ہے تواس کے جواب میں ہماری عرض یہ ہے ۔ کہ یہی معاملہ تو زیر بحث ہے ۔ کیونکہ ہمارا یہی دعویٰ ہے کہ بہت لوگوں نے مختلف جگہوں اورمختلف زمانوں میں معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اوران کا تجربہ کیا۔ بشپ ملوین صاحب نے اپنی کتاب میں جس کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں۔ بشپ وائسن صاحب کی تصنیفات سے ایک مقام اقتباس کیا ہے جس سے ظاہرہوتا ہے کہ اس اصول کو ماننا نہایت مشکل ہے ۔

ایک مثال اس بات کی کہ گواہی کا بلاتجربہ قبول نہ کرنا ایک امرنا ممکن التعمیل ہے

وہ خیال مازے صاحب کے اس خیال کی گویا تشریح ہے کہ گواہی بلا تجربہ قبول نہ کرنا۔ ایک امر ناممکن التعمیل ہے۔ پشب وائسن صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ ایک ایسا وقت تھا ۔ جبکہ کوئی شخص مقناطیس کی خاصیتوں سے واقف نہ تھا۔ مقناطیس کی خاصیتیں کئی صورتوں میں قوانین ثقل کو روکتی ہیں۔ اب اگر تجربہ کے ثبوت پر فیصلہ مبنی ہوتا توان کی بات کبھی نہ مانی جاتی جنہوں نے قوانین مقناطیس کی خصائیص کو پہلے پہل دریافت کیا۔ مگران کو ردکرنا صداقت کورد کرنا ہوتا۔ اب یہ تو ہم مانتے ہیں کہ لوہے کے ایک ٹکڑے کا زمین پر سے اٹھنا اورہوا میں سے بسرعت تمام اڑتے ہوئے ایک آہن میں جالگنا۔ اوروہاں بخلاف قانون ثقل معلق رہنا قوانین قدرت کے خلاف نہیں ہے مگر ایک ایسا وقت تھا۔جبکہ یہ واقعہ گو قوانین قدرت کے برعکس نہ تھا۔ مگراس وقت تمام زمانوں اورملکوں کو تجربہ عامہ کے مخالف تھا۔ اس وقت ہیوم کی دلیل کے مطابق اس آدمی یا آدمیوں کی گواہی کو روکر دینا چاہیے تھا۔ جنہوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ہم نے اس حادثہ کو بچشم خود یکھا

ہے اور وہ کونسے قوانین نیچر ہیں۔ جو اس مصنف (ہیوم) کی رائے کے مطابق ٹوٹ جاتے ہیں؟ کیا وہ مختلف لوگوں کے نزدیک ان کی سمجھ اور لیاقت کے مطابق مختلف نہیں ہوتے؟ مثلاً اگر مقناطیس اور برقی قوانین فقط چند لوگوں کو معلوم ہوتے اور باقی ساری دنیا اُن سے بے خبر ہوتی تو اُن کے نتائج دنیا کی تاریخ میں نئے اور انسانی تجربہ کے خلاف ہوتے۔ اس لئے چاہیے تھا۔ کہ کوئی ان کو قبول نہ کرتا"۔ اب خواہ وہ واقعات جو نیچر سے بلند اور بالا ہیں اور جنہیں معجزات کہتے ہیں تجربہ کی مخالفت کریں خواہ وہ واقعات اس کی مخالفت کریں جوگو قوانین نیچر کے خلاف تو نہیں مگر نئے ہونے کے سبب سے اس وقت تک کے قوانین معلومہ کے برخلاف ہیں۔ بہر کیف تجربہ مخالفت ضرور ثابت ہوجاتی ہے۔ کیونکہ ہر دو حالت میں مخالفت تجربہ کی ہوگئی۔ لہذا کسی نئے واقعہ کو گواہی کے زور پر قبول نہیں کرنا چاہیے۔

البتہ گواہی کبھی کبھی جھوٹی بھی ہوتی ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ گواہی ہمیشہ نادرست ہو۔ جھوٹی گواہی میں ہمیشہ فریب ودغا کی آمیزش ہوتی ہے۔

جھوٹی اور سچی گواہی میں فرق

اُس میں عمداً اور قصداً دروغ کا عنصر ملایا جاتا ہے۔ حواس کے سہو اور امتیاز کی غلطی کو اس سے کسی طرح کا سروکار نہیں ہوتا۔ اور جب حواس کی غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ تو راستباز گواہ اپنے بیان کو بڑی ہچکچاٹ سے پیش کرتا ہے اور کبھی پختہ دعویٰ کے ساتھ اپنے خیال کو بیان نہیں کرتا اور اگر یہ لازم آتا ہے۔ کہ ہم تمام انسانی گواہی کو اسلئے رد کردیں۔ کہ ہم نے بعض اوقات گواہی سے فریب کھایا ہے تو مسٹر لوس کے خیال کے مطابق یہ بھی لازم ہے۔ کہ ہم اپنی آنکھوں کو نکال پھینکیں۔ کیونکہ وہ بھی کبھی کبھی جھوٹی گواہی دیتی ہیں وہ ستارے جو آسمان پر درخشاں لفظوں کی طرح بکھے پڑے ہیں۔ ہماری آنکھوں کو کبھی اس قدوقامت کے ساتھ نظر نہیں آتے۔ جو وہ درحقیقت رکھتے ہیں۔

با ت یہ ہے۔ کہ ہیوم کی اور اس کے پیرووں کی جو معجزے پر حملہ کرتے ہیں۔ اصل غرض کچھ اور ہی ہے۔

معجزات کے بعض مخالفوں کا اصل مقصد یہ ہے کہ خدا کا وجود ثابت نہ ہو

وہ معجزے کے اتنے مخالف نہیں جتنے مذہب کے ہیں۔ وہ خدا کے منکر ہیں۔ اور اس لئے فوق العادت اظہاروں کے بھی منکر ہیں اور ان کے

اعتقاد اوراغراض میں ایک قسم کی مطابقت پائی جاتی ہے ۔ لیکن جو لوگ خدا کی ہستی کو مانتے ہیں نہ معلوم وہ کیوں معجزہ کے نام سے گھبراتے ہیں ۔ شاید اسلئے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ اگر انہیں مانیں توہمیں اپنے پرانے مذہبوں کو چھوڑکر مسیحی مذہب کو قبول کرنا پڑیگا۔ کیونکہ وہی ایک مذہب ایسا ہے جو اپنی تعلیم کی تصدیق میں معجزات کی گواہی پیش کرتا ہے اوراسی کے معجزے قرین قیاس اور عقل کے موافق ثابت ہوسکتے ہیں۔ یادرکھنا چاہیے ۔ کہ خدا کی ہستی کی نسبت صرف ایک ہی خیال ایسا ہے ۔ جواپنے اعتقاد ومسائل کی مخالفت کئے بغیر فوق العادت کا انکارکرسکتا ہے اوروہ ویدانتی خیال ہے ۔ جو خدا کو ہمہ اورہمہ کو خدا مانتا ہے۔ کیا یہ خیال درست نہیں کہ جو لوگ شخصیت کے قائل ہیں وہ خدا کی معجزانہ قدرت کے امکان کاانکار نہیں کرسکتے تاوقتیکہ اس کی لامحدود محبت اورقدرت کا بھی انکارنہ کریں۔

اب دیکھئے کہ ہیوم کیا کہتا ہے ۔ جو الفاظ ہم اس وقت نقل کرنے پرہیں ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگرمذہب کا یہ مطلب ہے کہ ایک قادراور پرُمحبت خدا موجود ہے جو واجب الوجود اور عبادت اوربندگی کے لائق ہے تو معجزہ کا انکارنہیں ہوسکتا ۔ پر ہیوم نہیں چاہتا کہ ایسا خدا مانا جائے اوراسی لئے وہ معجزے کی مخالفت کرتا ہے۔

ہیوم کے اُن الفاظ سے یہی بات ثابت ہے

چنانچہ وہ کہتا ہے " میری گذارش یہ ہے ۔ کہ جب میں دعویٰ کرتاہوں کہ معجزات کبھی ایسی صورت میں ثابت نہیں کئے جاسکتے کہ کسی طریق مذہب کی بنیاد ٹھیریں۔ تواس دعویٰ کے ساتھ جو قیودلازم ہیں انہیں بھی اس موقعہ پر سمجھادینا چاہتاہوں میں مانتاہوں کہ مذہب کو چھوڑکر اورصورت میں معجزات یعنی فطرت کے معمولی سلسلہ کا ٹوٹ جانا ممکن ہے اورایسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کا ثبوت انسانی گواہی سے دیا جائے۔ مثلاً فرض کروکہ تمام زبانوں کے سب مصنف متفق ہوکر کہیں کہ یکم جنوری ۱۶۰۰ء سے لے کرآٹھ دن تک تمام دنیا پر اندھیرا چھایا گیا۔ اورفرض کرو کہ اس عجیب واقعہ کی روایت اب تک متداول اورزندہ ہو۔ ایسی کے تمام سیاح جو غیرممالک سےلوٹ کرآئیں۔ ہمارے پاس اس روایت کی ایسی خبرلائیں۔ جس میں کسی کا فرق اوراختلافات نہ پایا جائے۔ اگرایسا ہو، تو اظہر ہے کہ ہمارے موجودہ فلاسفروں کو بجائے اس بات پر شک لانے کے اسے یقینی سمجھ کر قبول کرلینا

چاہیے "۔ اب اس عبارت کے ساتھ ان الفاظ کو بھی پڑھنا چاہیے ۔جو وہ ایک اور قیاسی معجزہ کی نسبت بیان کرتا ہے کہ " پر اگر یہ معجزہ کسی نئے طریق مذہب کے ساتھ منسوب کیا جائے۔ تو یہی واقعہ فریب کا پورا پورا ثبوت ٹھیریگا۔ اورسب سمجھ دارلوگوں کے نزدیک آپ ہی اس بات کا کافی ثبوت ہوگا کہ وہ اس کو رد کردیں اوربغیر امتحان کئے رد کریں۔کیونکہ اس قسم کی فضول باتوں نے ہر زمانہ میں لوگوں کو دھوکا دیا ہے"۔ غورکیجئے ۔ کہ ان دعوؤں میں کیسا تناقص پایا جاتا ہے ۔ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معجزات اس وقت انسانی گواہی سے ثابت ہوسکتے ہیں۔ جبکہ کوئی خاص دینی مقصد ان سے منسوب نہ کیا جائے ۔ پر جب وہ مذہب کے ثبوت میں دکھائے جائیں ۔ تب گواہی سے ثابت نہیں ہوسکتے اوریہی حال معجزات کے تمام مخالفوں کا ہے کیونکہ وہ ان کی مخالفت چنداں اس لئے نہیں کرتے کہ وہ غیرمتبدل فطرت سے مختلف ہوتے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ الہامی تعلیم اورمسیحی مذہب کا ثبوت ہیں۔

ہم ہیوم کی رام کہانی کو چھوڑنہیں سکتے۔ جب تک یہ نہ دکھائیں کہ جو لوگ اپنی عقل اور فکر پر بھروسہ کرتے ہیں اورخدا کی ہدایت کے متلاشی نہیں ہوتے ۔ وہ خود اپنے خیالات اور تصورات سے خاطر خواہ اطمینان حاصل نہیں کرتے ۔ ملوین صاحب اس کے الفاظ کوایک جگہ اس طرح نقل کرتے ہیں " انہوں نے (یعنی فلسفانہ خیالات نے) اس قدرمجھ پر اثر کیا ہے اورمیرے دماغ کو ایسا جلارکھا ہے کہ اس ہر طرح اعتقاد اوربرہان کو ترک کرنے کے لئے تیار ہوں۔میں کسی رائے کو زیادہ مضبوط اورممکن سمجھ کر ترجیح دینے کوتیارنہیں ۔ میں کہاں ہوں اورکیا ہوں؟ کونے اسباب پر میری زندگی مبنی ہے؟ اورمیں کونسی حالت کی طرف راجع ہوں ؟ کس کی خوشی اور رضا کا جویاں ہوں ۔ اورکس کی خفگی اورناراضگی سے خائف ہوں؟کونسی ہستیاں مجھے گھیرے ہیں۔ اورکن پر میں اپنا اثر ڈال رہاہوں اورکون مجھ پر اثر ڈال رہے ہیں؟ میں ان سوالات سے حیرن ہورہا ہوں۔ اوراپنے تئیں سخت افسوسناک حالت میں متبلا سمجھنے لگ گیا ہوں۔ میں اپنے تئیں ایک گہری تاریکی سےمحیط اور اورہر عضو اورلیاقت کے استعمال میں عاجز پاتا ہوں"۔ پھر آگے چل کریوں کہتا ہے ۔ کہ " میری خوش نصیبی سے ایسا ہوتا ہے کہ جب عقلی خیالات ان بادلوں کو دورنہیں کرسکتے ۔ تو نیچر خود ان کو دورکرنے میں کافی ثابت ہوتی ہے ۔ اورمجھے اس فلسفانہ خبط اور سردردی سے چھڑاتی ہے "۔ اورپھر بتاتا ہے ۔ کہ نیچر کیونکر اسے زندگی

کے مشغلوں اوردوستوں کی صحبت کے وسیلہ اس مصیبت سے رہا کرتی ہے۔

دلی آرام کا منبع فلسفہ نہیں بلکہ الہامی مذہب ہے

اب اس سے دوباتیں ظاہر ہوتی ہیں ۔ ایک یہ کہ حیقیقی دلی آرام کا منبع فلسفہ نہیں بلکہ مذہب ہے ۔ دوئم یہ کہ جب یہ فلاسفر خوداپنے خیالات کو سردردی اورخبط سمجھتا ہے ۔ توہم کس طرح اس کی دلائل اوربراہین پر تکیہ کرسکتے ہیں ؟ بلکہ اگرہم بھی اس کے فضول خیالات کو سردردی اورخبط تصورکریں۔ توہمیں گستاخی کے قصورکا مرتکب نہ سمجھنا چاہیے ۔ یہاں معجزانہ مذہب کی خوبی اور فلسفانہ طریقوں کی کمزوری اور سقم صاف ظاہر ہوجاتا ہے۔ وہ تعلیم جومعجزانہ شہادت پر مبنی ہوتی ہے ۔ وہ ایسے زوراوراختیار کے ساتھ پہنچائی جاتی ہے۔ کہ اس کی سچائی پرکسی طرح کا ظن نہیں رہتا اورہم اسے سر تسلیم خم کرکے قبول کرلیتے اوراپنی زندگی کا دستورالعمل سمجھ کر اس کے مطابق چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔لیکن یہ خاصیت ان طریقوں میں غیرحاضرہوتی ہے۔ جوالہام ربانی کے منکرہوتے ہیں ۔یا اگراس کے قائل ہوتےہیں ۔ تو صرف اس صورت میں کہ وہ ہر فرد بشر کو براہ راست اس کی ضمیر کو وسیلے پہنچتا ہے۔ اورضمیر سے جدا اورکوئی راہ الہام کے لئے ممکن نہیں ہے۔ ڈیوڈ ہیوم کا ایک گہرادوست (Lord Chartemont) کہتا ہے ۔ کہ ہیوم کی طبعیت میں ہر قسم کی بات پر شک لانے کا افسوسناک عنصر عجیب طرح پر مخلوط تھا۔ اورمجھے پورا پورا یقین ہے کہ میں نے اس سے بڑھ کر سچا اوربے ریا منکر اورکوئی نہیں دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے ۔ کہ وہ اپنی موجودہ ہستی کا بھی قائل نہ تھا ۔ اوریقین ہے کہ نہ اپنی آئندہ حالت کی نسبت کوئی پختہ رائے رکھتا ہوگا۔ ہو خواہانِ عقل پر واجب ہے۔ کہ ان باتوں سے عبرت پکڑیں اورہدایت ایزدی کے جویاں ہوں۔

اب ہم آخر میں یہ دکھائینگے کہ جوگواہی معجزات کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے زمانہ کے گذرنے سے اپنے زور میں کم نہیں ہوتی۔

وہ گواہی جومعجزات پر ملتی ہے اب تک کمزورنہیں ہوئی کیونکہ روایت کی صورت میں متدادل نہیں رہی بلکہ تحریر کی صورت میں آکرہمیشہ محفوظ رہی ہے

عموماً یہ گمان کیا جاتا ہے ۔ کہ گواہی وقت کی رفتار کے ساتھ ضعیف ہوجاتی ہے ۔ لیکن یہ خیال درست نہیں۔ البتہ اگر گواہی

زبانی روایت کی صورت میں مروج ہو۔ تو اس میں ضعف آجائے یا اس کے تبدیل ہوجانے کا احتمال واجب ہے۔ پر اگر گواہی قلمبند ہوکر تغیر وتبدل کے آسیب سے محفوظ رکھی جائے۔ توپھر شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

اسکی حفاظت کی ایک نظیر

ملوین صاحب نے جس نظیر سے نکتہ کو ثابت کیا ہے وہ نہایت دلکش اورموثر اور فیصلہ کن ہے۔ اس کا خلاصہ مطلب یوں ادا کیا جاسکتا ہے ۔ فرض کرو کہ یہ باب ینگ منس کرسچن ایسوسی ایشن میں پڑھ کر سنایا جائے اوراسی ایسوسی ایشن کی روئیداد(منٹوں) میں داخل کیا جائے۔ اوروہاں اس کی حفاظت کی جائے اگرسو سال کے بعدایسوسی ایشن کا کوئی ممبر روئیداد کی کتاب کو نکالے ۔ اورس میں یہ تذکرہ پڑھے۔ کہ فلاں سال فلاں تاریخ فلاں مضمون پر یہ درس اس سوسائٹی کے سامنے دیا گیا تھا۔تو وہ اس پر شک نہ لائیگا۔ اورنہ کوئی اوراس کی سچائی پر حجت کریگا۔ اسی طرح مسیحی کلیسیا کی سوسائٹی بھی اس وقت موجود تھی۔ جب یہ معجزانہ واقعات قلمبند کئے گئے۔ نئے عہد نامہ کی کتابیں وہ منٹ وہ روئیدار ہے ۔ جس میں اس سوسائٹی کا کانشٹیچیوشن (قانونی انتظام) اوراس کی ابتدا اورقدیم تاریخ کا تذکرہ درج ہے اورپشت بہ پشت محفوظ چلاآیا ہے۔ البتہ اس کے مختلف ممبر کوچ کرگئے ہیں مگر ان کے کوچ کرجانے سے سوسائٹی پر کوئی نقص عاید نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ تو برابر موجود رہی ہے ۔ وہی ان کتابوں کی محافظ اوران نوشتوں کی لائبریرین ہے۔ ہمارے جسم کا ہر ذرہ کچھ عرصہ بعد بدل جاتا ہے مگر اس کے ساتھ ہماری خودشناسی اورہمارا وجود کالعدم نہیں ہوتا۔ ہمارا یہ یقین موجود رہتا ہے کہ ہم وہی ہیں جو پہلے تھے۔ اسی طرح کو اس سوسائٹی کو قائم ہوئے بہت عرصہ گذرگیا ہے ۔ تاہم وہ ہی ہے جو شروع میں تھی اوراسے اپنے بچپن کے ایام کے وہ جلیل القدرواقعات جو اس کے موجود اوربانی کی ذات بابرکات سے صادرہوئے اب تک یاد ہیں۔ جوباتیں اس کے ممبروں نے بیان کی تھیں۔ ان کو اس نے بڑی خبرداری سے محفوظ رکھا ہے ۔ اس کے شرکاء انہیں اپنے معبدوں میں ہر جگہ اورہر زمانہ میناس وقت سے لے کر جبکہ رسولوں نے انہیں قلمبند کیا۔ آج تک برابر پڑھتے رہے ہیں۔ پس ان کی گواہی آجبھی ویسی ہی یقینی ہے۔

جس طرح دیگر تاریخی کتابوں کو قبول کرتے ہیں چاہیے کہ اس طرح ہم انجیل شریف کی تاریخ کو بھی قبول کریں

جیسی اس وقت تھی جس وقت اسے پہلے پہل چشم دید گواہوں نے رقم کیا۔ کیا یہی اصول نہیں۔ جس کی بنا پر اب یہ بات مانی جاتی ہے کہ جولیس قیصر نے انگلستان پر حملہ کیا۔ اور ہینیبا نے ملک اٹلی پر۔ کلائیو نے ہندوستان کو فتح کیا۔ اوربونا پارٹ نے تمام دنیا کو ہلادیا ۔ اورکیا اسی اصول کی بنیاد پر یہ پرانی باتیں تاقیامت سچی نہیں مانی جائینگی؟ لوگ اس اصول کے منکر نہیں۔ اگرہیں تو بائبل کے واقعات کے متعلق ہیں مگر یہ ہٹ دھرمی ہے۔ اگر یہ اصول صحیح اوردرست ہے۔ تو اس کا پابند ہر جگہ ہونا چاہیے۔ جہاں سچی تاریخ کی شرائط موجودہوں۔ خواہ واقعات دینوی تاریخ سے تعلق رکھتے ہوں خواہ دینی تاریخ سے وابستہ ہوں۔ ہر دوحالت میں ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم تواریخی گواہی کو قبول کریں۔

چوتھا باب

چند خیالات جو معجزات کی گواہی کی تواریخی صحت کی تائید کرتے ہیں

معجزات کی گواہی کے متعلق دو سوال ۔ عقلی اورتواریخی

معجزات کی گواہی کے متعلق دو سوال برپا ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک عقلی اور دوسرا تواریخی ہے۔ ہم پہلے سوال کا جواب گذشتہ باب میں دے چکے ہیں ۔ ہم نے وہاں دکھادیا ہے کہ معجزات کے بارے میں جو گواہی انجیل شریف میں درج ہے۔ وہ اس سبب سے کہ بعض اشخاص معجزات کو تجربہ کے برخلاف سمجھتے ہیں ردنہیں کی جاسکتی ۔

انجیلی معجزات کی تواریخی گواہی ردنہیں کی جاسکتی

اس باب میں ہم دوسرے سوال پر غورکرنے کے لئے تیار ہیں اوریہاں ہم دکھائینگے کہ مسیح کے معجزات کے متعلق جو گواہی انجیل شریف سے دستیاب ہوتی ہے اس میں ایسی خاصیتیں موجودہیں جو اس کی تواریخی صحت پر دلالت کرتی ہیں۔

اس تواریخی گواہی کے متعلق انجیل شریف میں اصلیت اورمعتبری پر غورکرنا ضروری ہے

معجزات پر لکھنے والے اس موقعہ پر عموماً انجیل کی اصلیت اورقدامت اورمعتبری ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیا جن کتابوں میں مسیحی معجزات درج ہیں وہ انہیں اشخاص کی لکھی ہوئی ہیں جن سے ان کی تصنیف منسوب کی جاتی ہے یا نہیں ؟ ہم اس چھوٹے سے رسالے میں اس وسیع مضمون کا ذمہ نہیں لے سکتے تاہم اتنا کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ قدیم زمانوں میں کبھی کسی نے انجیل کی قدامت اورمعتبری پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ بلکہ مخالف اورمعاون سب ان کتابوں کو رسولوں کی تصنیف سمجھتے تھے۔مگر متاخرین نے جب فوق العادت اظہارات اورمعجزانہ واقعات کے امکان کا انکارکرنا شروع کیا تو یہ سوال برپاہوا کہ انجیل کےساتھ جن میں مسیح کے معجزات پر تواریخی گواہی موجود ہے کیا کیاجائے ؟ انہوں نے دیکھا کہ اگر ہم انجیل کو اصلی مانتے ہیں تو ہم کو یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ مسیح کے معجزات برحق ہیں ۔ پریہ ہم نہیں کرسکتے ۔ پس اس دقت کو رفع کرنے کے لئے انہوں نے انجیل کی اصلیت اورقدامت ہی کا انکارکردیااور کہا کہ وہ متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا کی تصنیف ہی نہیں ہیں۔ بلکہ دوسری صدی کے آخری حصے میں کسی وقت لکھی گئیں۔ اوران کے مصنفوں نے مسیح کی شان اورنام بڑھانے کے لئے معجزانہ قصے اورکہانیاں بھی اُن میں شامل کردیں۔ پروفیسر بروس صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ اگر وہ معجزانہ عنصر جو انجیل میں پایا جاتاہے نکال دیا جائے تو پھر وہ لوگ جو اب انجیل کی اصلیت پر حملہ کرتے ہیں کبھی نہ کریں۔ بیشک انجیل کی اصلیت میں توکسی طرح کا نقص نہیں پایا جاتا ۔ پر وہ لوگ جو معجزات کے منکر ہیں مجبورہیں کہ ان کی اصلیت اورقدامت پر نقص چسپاں کریں۔

گوہم اس جگہ انجیل کی قدامت اوراصلیت اورمعتبری پر بہت کچھ لکھنے کو تیارنہیں۔ تاہم اتنا کہے بغیر خاموش بھی نہیں رہ سکتے ۔ کہ مسیحی علماء نے مخالفوں کے اعتراضوں کے جوجواب دئیے ہیں وہ نہایت زبردست بلکہ فیصلہ کن ہیں۔

انجیل کی اصلیت کے ثبوت میں جو دلیلیں مختصر طورپر پیش کی جاتی ہیں

انجیل کی اصلیت کے دو طرح کے ثبوت پیش کئے جاتے ہیں جو بیرونی اورباطنی کہلاتے ہیں۔ بیرونی ثبوتوں سے وہ گواہیاں مراد ہیں جو قدیم مسیحی بزرگوں اوربدعیتوں اورمعترضوں کی تصنیفات اوردیگر خارجی اسباب سے بہم پہنچتی ہیں ۔ مثلاً اگرہم قدیم مسیحی بزرگوں کی تصانیف کو لیں اورسلسلہ تحقیقات شروع کریں توہم دیکھینگے کہ تیسری چوتھی صدی سے لے کر رسولی زمانہ تک ان بزرگوں کی گواہی برابر چلی جاتی ہے اوروہ اس طرح کہ وہ اپنی تصانیف میں ہماری موجودہ انجیل کے بے شمار مقام اقتباس کرتے ہیں۔ اورنیز ہم یہ دیکھینگے کہ وہ اس انجیل کو انہیں مصنفوں سے منسوب کرتے ہیں ۔ جن سے ہم منسبو کرتے ہیں ۔ زمانہ حال کے معترض اس ثبوت کے زورکو محسوس کرتے ہیں۔ پر اُسے نظر اندازکرنا چاہتے ہیں مگر کون بآسانی کو رد کرسکتا ہے ؟ اگرہمارے ناظرین اس مضمون کے متعلق کتاب " زندہ مسیح اورانجیل اربعہ" کا مطالعہ فرمائیں تو اُن پر واضح ہوجائیگا کہ انجیل شریف کی اصلیت کے ثبوت میں یہ دلیل لاجواب ہے۔

مسیحی مذہب کے قدیم مخالف انجیل کی اصلیت کے قائل

ماسوائے اس کے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جو لوگ ان مسیحی بزرگوں کےمخالف تھے اوران سے مذہبی بحث کیا کرتے تھے وہ بھی اس انجیل کی اصلیت اور معتبری پر شک نہیں لاتے ۔ البتہ وہ مسیحی تعلیمات اورمسائل پر حملہ کیا کرتے تھے۔ مگر اس کا انکار نہیں کرتے تھے کہ متی کی انجیل کو متی نے اورمرقس کی انجیل کو مرقس نے اورلوقا کی انجیل کو لوقا نے اوریوحنا کی انجیل کو یوحنا نے تحریر کیا ہے۔

انجیل کی باطنی خاصیت بھی اُن کی اصلیت اورقدامت کو ثابت کرتی ہے

لیکن زمانہ حال کے مخالفوں نے بیرونی شہادتوں سے کسی قدرروگردانی اختیار کی ہے اورانجیل کی باطنی خاصیتوں کی نکتہ چینی پر زیادہ زور دیا ہے۔ چنانچہ طرز تحریر کے تفاوتوں۔ عبارت کی خاصیتوں اورلفظوں کی بحثوں اوراسی طرح کی کئی اورباتوں پر یہ دعویٰ قائم کیا ہے کہ یہ انجیل دوسری صدی میں تصنیف کی گئی تھیں ۔ لیکن مسیحی علماء نے انجیل کی عبارتوں اورلفظوں اورلوکل واقعات اورخصوصیات سے ثابت کردیا ہے کہ یہ انجیل اصلی ہے۔ انگریزی زبان میں بے شمار کتابیں اسی دلچسپ بحث کے متعلق

موجود ہیں وہ یا توخاص اسی مضمون پر لکھی گئیں ہیں یا علم انٹرودکشن سے علاقہ رکھتی ہیں ۔ شائقین ان کتابوں کودیکھ کراس مضمون کی نسبت خود فیصلہ کرسکتے ہیں ۔

نتیجہ

اب نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جن کتابوں میں مسیح کے معجزات مندرج ہیں وہ انہیں لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں جو ان معجزات کو بچشم خود دیکھنے والے تھے۔ اب ہم ان باتوں پر غورکرینگے جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ مسیح کے معجزات جو انجیل میں قلمبند ہیں وہ چشم دید گواہوں کی بنا پر قبول کرنے کے لائق ہیں۔مگران کا شمارپیش کرنے سے پیشتر ایک اوربات یادرکھنے کے قابل ہے اوروہ یہ ہے کہ مسیحی مذہب کے سوائے اورکوئی مذہب ایسا نہیں جس نے اپنے دعووں اورتعلیموں کے ثبوت میں معجزات کی شہادت پیش کی ہو۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ شاذہی کوئی ایسا مذہب ہوگا جس کے پیروؤں نے اپنے رہبریا بانی سے کسی نہ کسی طرح کے عجیب کام منسوب نہ کئے ہوں مگر فرق یہ ہے کہ وہ اپنے بانیوں کے من جانب اللہ ہونے کے ثبوت میں معجزات کو اسطرح پیش نہیں کرتے جس طرح مسیح مذہب کرتا ہے ۔ یا یوں کہیں کہ ان کےبانیوں نے کوئی ایسا معجزہ اپنے دعووں کے اشتہار کے ساتھ نہیں دکھایا جس کو لوگ اپنے حواس سے محسوس کرتے اورنقودیمس کی طرح بول اٹھتے"۔ اے ربی ہم جانتے ہیں کہ تو خدا کی طرف سے استاد ہوکر آیا ہے۔ کیونکہ کوئی یہ معجزے نہیں دکھاسکتا جب تک خدا اس کے ساتھ نہ ہو"۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ مختلف مذاہب نے کبھی معجزوں کا دعویٰ نہیں کیا۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بت پرست قوموں کی تاریخ جھوٹے معجزوں کے قصوں سے بھری پڑی ہے۔ پس جو ہمارا مطلب ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کے مذاہب نے کبھی اپنے دعووں کی تصدیق کے لئے معجزات کو پیش نہیں کیا۔ بلکہ ان کے معجزات ان کے قائم ہوجانے کے بعد شہرت پذیر ہوئے۔ یا یوں کہیں کہ ان مذہبوں کا وجود اُن کے بانیوں کے معجزات پر مبنی نہیں۔ بلکہ ان کے معجزات کا وجود اُن مذہبوں کے وجود پر مبنی ہے۔ یعنی جب وہ مذہب قائم ہوگئے اورلوگوں نے ان کو قبول کرلیا تب معجزات نےبھی ان مذہبوں کے متعلق رواج پایا۔نہ کہ ان مذہبوں نے معجزات کے وسیلے ہستی کی صورت دیکھی۔ چند معجزانہ واقعات محمد صاحب سے بھی منسوب کئے جاتے ہیں۔ مگرانہوں نے اپنی رسالت کے ثبوت میں کسی طرح کے معجزوں کا

دعویٰ نہیں کیا بلکہ اُن لوگوں کو جو اُن سے نشانات طلب کرتے تھے ۔ صاحب کہہ دیا کہ خدا کہتا ہے کہ ہم نے تجھے اس واسطے معجزانہ نشانات نہیں دئے کہ اگلی قوموں نے ایسے نشانات کو فریب سمجھا۔ ایک اورواقعہ پر لوگ ان سے یہ کہتے ہیں کہ جب تک توہم کو کوئی نشان نہیں دکھائیگا ہم تجھ پر ایمان نہیں لائینگے۔ اس کے جواب میں آنحضرت نے یہ کہا کہ اس قسم کے نشان دکھانا خدا کی قدرت میں ہے۔ اوروہ فرماتا ہے کہ کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں کہ میں نے تم کو قرآن دیدیا ہے۔ تاکہ تم اسے پڑھا کرو۔ ہم جانتے ہیں کہ محمد صاحب نے بعض فوق العادت باتوں کا دعویٰ کیا۔ مثلاً معراج کے وسیلے عرش معلیٰ کی سیرکرنا، جبرئیل کی مخفی اورپوشیدہ ملاقاتوں کا خط اٹھانا اورغیر مخلوق فرقان کا وقت بوقوت نازل ہونا ان کے دعووں میں شامل ہے مگر ہم ان کو ایسے معجزات نہیں کہہ سکتے کہ جن کی درستی یا نادرستی حواس کے وسیلے دریافت کی جائے۔ کیا آنحضرت اس بات سے واقف نہ تھے کہ معجزات کے سبب سے گذرے زمانہ میں مسیحی مذہب کو بڑی اقبالمندی حاصل ہوئی ؟ ہاں وہ اس سے واقف تھے کہ معجزات کے سبب اس نے ترقی پائی ۔ کیا لوگ ان سے معجزانہ نشانات طلب نہیں کیا کرتے تھے؟ ہاں کیا کرتے تھے ۔ کیا وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اگر معجزانہ نشانات دکھائے جائیں توایسا اثر ہوگاکہ بہت لوگ میرے دعووں کو قبول کرینگے۔ کیا انہوں نے فوق العادت سے بالکل کنارہ کشی کرنا مناسب سمجھا؟ نہیں انہوں نے کئی فوق العادت باتوں کا دعویٰ کیا۔ مثلاً جبرئیل کی ملاقاتیں ، معجراج اورغیر مخلوق قرآن کا نزول یہ سب باتیں خرق عادت پر دلالت کرتی ہیں اوروہ جانتے تھے کہ اگر یہ دعوے قبول ہوگئے تو عجیب قسم کی کامیابی نصیب ہوگی۔ یہ سب باتیں وہ جانتے تھے مگر پھربھی انہوں نے کبھی ایسے معجزوں کا دعویٰ نہ کیا۔ اورنہ کوئی ایسا معجزہ دکھایا جس کے وقوع اوروجود کی تواریخی صحت چشم دید گواہوں کی گواہی پر مبنی ہوتی۔ گو محمد صاحب کے عجیب دعووں کو معجزانہ نشانات کی شہادت کی ضرورت تھی۔ گو انہوں نے بعض بعض فوق العادت واقعات کا جن کا گواہ سوائے اُن کے اورکوئی نہ تھا دعویٰ بھی کیا ۔ اورگو ان کے معاصرین علم وتہذیب کے اعتبار سے ایسی لیاقت نہیں رکھتے تھے کہ حقیقی اورغیر حقیقی معجزات میں امتیاز نہ کرسکتے۔ کیونکہ ملک عرب اس وقت عجیب تاریکی میں مفلون تھا۔ تاہم باوجود ان اسباب کے آنحضرت نے کبھی کوئی ایسا معجزہ نہ دکھایا جسے غیر لوگ دیکھتے اوراپنے حواس سے محسوس

کرتے اورپھر اس کی صحت پر گواہی دینے کے لئے جان پر کھیل جانے کو تیار ہوجاتے ۔ ہم بڑی عجزاور انکسار سے عرض کرتے ہیں کہ کیا اس کا یہ سبب نہیں کہ آنحضرت جانتے تھے کہ جبرئیل کی ملاقات اور معراج کی سیر اورقرآن کے فوق العادت نزول کا دعویٰ کرنا آسنان ہے بہ نسبت ایسے معجزات دکھانے کے جن کی حقیقت سے عرب کے جاہل اورغیر مہذب باشندے بھی بوسیلے اپنے حواس کے بخوبی واقفف ہوسکتے ہیں۔ پس بائبل ہی کا مذہب اکیلا وہ مذہب ہے جو اپنے دعووں کی تصدیق وتائید میں معجزات کی شہادت پیش کرتا ہے ہم ذراآگے چل کر اس بات پر غورکرینگے۔ کہ جھوٹے معجزے کس طرح پیدا ہوتے ہیں۔ اوراُن میں اورمسیح کے معجزوں میں کیافرق ہے ۔ یہاں ہم اُن خاصیتوں کو ہدیہ ناظرین کرنا چاہتے ہیں جن کے ملاحظہ سے مسیح کی معجزانہ قدرت کی حقیقت ظاہرہوتی اوراس کے معجزانہ کاموں پر روشنی گرتی ہے۔ مسیحی علما نے ذیل کی باتیں اس خصوص میں پیش کی ہیں۔

مسیح کے بہت سے معجزے ایسے ہیں جن کے وقوع کو فطرت کی طاقتوں سے منسوب نہیں کرسکتے

(۱۔) جو معجزانہ واقعات مسیح سے منسوب کئے جاتے ہیں ان میں سے کئی ایسے ہیں جن کوکسی طرح فطری اسباب سے منسوب نہیں کرسکتے ۔ یعنی ان کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سوپرنیچرل (فوق العادت) قدرت صرف نہیں ہوئی ۔بلکہ انہیں نیچر کی طاقتوں نے پیدا کیا اورمسیحیوں نے سہو سے ان کو معجزہ مان لیا۔ مثلاً اگریہ درست ہوکر پانچ ہزار اشخاص کوآسودہ کرنے سے پہلے واقعی سوائے پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں کے اور کچھ موجود نہ تھا۔ اگریہ درست ہوکہ صوبہ دار کا خادم مسیح کے اس کلمہ جاں بخش سے اچھا ہوگیا جو اُس کی زبان مبارک سے اس وقت نکلا جبکہ وہ صوبہ دار کے گھر سے بہت دورکھڑا تھا۔ اگریہ سچ ہو کہ ایک جنم کا اندھا فقط مٹی لگانے اورشیلوخ کے حوض میں نہانے سے بینا ہوگیا۔ اگریہ صحیح ہو کہ لعزر جو چاردن سے قبرمیں مدفون تھا۔ مسیح کے کلام سے مردوں میں سے جی اٹھا تو یہ سب واقعات ایسے واقعات ہیں جو معجزانہ قدرت کے سوائے اورکسی طرح وجود میں نہیں آسکتے تھے۔ کیونکہ ان کی شرح اورکسی بناپر نہیں ہوسکتی۔ پس ہم دونتیجوں میں سے ایک نتیجہ کو قبول کرنے کے لئے مجبور ہیں یا توہم رسولوں کی گواہی کو رد کرکے ان واقعات کی معجزانہ

خاصیت کا انکارکریں۔ یا یہ مانیں کہ یہ واقعات حقیقت میں معجزے ہیں۔

مسیح کے معجزات حواس خمسہ سے پہچانے جاتے تھے

(۲۔) مسیح کے معجزات اس قسم کے تھے ۔ کہ دیکھنے والے اپنے حواس کے وسیلے ان کی حقیقت اور درستی پر رائے زنی کرسکتے تھے۔ معجزات کے لئے یہ لازمی امر ہے کہ دیکھنے والوں کو ان کے وجود پرکسی طرح کا شک وشبہ نہ رہے۔ اوراس شناخت کے لئے علم اورتہذیب کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ عالم اورجاہل سب اپنے حواس کے وسیلے اس بات کا فیصلہ کرسکتے ہیں کہ آیا وہ واقعہ جو ہم دیکھ رہے ہیں درحقیقت واقع ہورہا ہے یا نہیں۔ مثلاً جب نائین کی بیوہ کے مردہ فرزند کا جنازہ قبرستان کی طرف جارہا تھا اس وقت عالم اورجاہل مرد اورعورت ،دوست اورمخالف سب دیکھ رہے تھے کہ وہ مرگیا اورلوگ اسے دفن کرنے کو لئے جارہے ہیں۔ اُنہوں نے بیوہ اوراس کے ہمدرد دوستوں کو ماتم کرتے دیکھا۔انہوں نے مسیح کو جنازہ ٹھیراتے اوراس مردہ نوجوان کو اپنے کلام سے زندہ کرتے دیکھا۔ اورپھر اس کے بعد اس کو ایک مدت تک نائن شہر میں بودوباش کرتے دیکھا۔ انہونن ے اپنے حواس سے اس معجزے اور دیگر معجزات کی سچائی کو مسحوس کیا۔

ان معجزوں کو نہ صرف دوست بلکہ غیربھی دیکھتے تھے

(۳۔)مسیح کے معجزات برملا طورپر دکھائے گئے ۔ ان کے دیکھنے والے نہ صرف مسیح کے شاگرد ہی تھے۔ بلکہ اغیاربھی تھے۔ اس کے دشمن جواس کی اوراس کےدعووں کی بیخ کنی کرنا چاہتے تھے ان کودیکھتے تھے۔ ارباب علم وفضل اورناخواندہ اوراجہل صاحب مال ومنال اوربے برگ وبے کنگال ۔ فریسی اورکاہن صوبہ دار اورمحصول لینے والے سب اس کے معجزوں کو دیکھتے تھے۔

ہر جگہ دکھائے جاتے تھے

وہ اپنے معجزے کونے میں گھس کرنہیں دکھایا کرتا تھا۔ اس کی قدرت کے کرشمے جابجا جلوہ گر ہوتے تھے۔ وہ عبادت خانوں اوربازاوں ، کھلے میدانوں اورلوگوں کے گھروں میں سرزد ہوتے تھے۔ بارہا یروشلیم میں عیدوں کی تقریب پر جبکہ ہزارہا یہودی وہاں موجودتھے مسیح کے معجزات وقوع میں آتے تھے ۔ تعداد میں بے شمارتھے جن کا مفصل ذکر انجیل میں درج ہے

پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس کے معجزات بے شمار تھے ۔ کیونکہ اس نے صرف وہی معجزات نہیں دکھائے جن کا تذکرہ انجیل میں قلمبند ہے ۔ وہ مشتے نمونہ ازخروارے کا کام دیتے ہیں۔ کیونکہ ہم انجیل کے کئی مقامات سے سیکھتے ہیں کہ ان نے ماسوائے ان معجزات کے جن کا مفصل ذکر انجیل میں درج ہے اوربہت سے معجزات دکھائے۔ وہ شخص جو فریب سے کام لیتا ہے وہ صرف دو یا تین ہتھکنڈوں پر اکتفا کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جس قدر ان کا شمار زیادہ ہوگا اسی قدر میری شرارت کے فاش ہوجانے کا اندیشہ زیادہ ہے۔ ہندوستان میں زوداعتقاد لوگوں کے درمیان بارہا ایسے لوگ نمودار ہوتے ہیں جو اپنی کرامات سے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں مگر ان کی کامیابی تھوڑے سے عرصے میں کافور ہوجاتی ہے ۔ کیونکہ وہ اپنی غداری کو بہت دیر تک چھپا نہیں سکتے ۔ اگر مسیح بھی فریبی ہوتا اورنادانی سے بہت سی کراماتیں دکھانے کے لئے چالا کی کو کام میں لاتا تو اس کا نام اس کے مرنے سے پہلے مٹ جاتا ۔ اوراگر وہ بہت ہوشیاری سے کام لیتا تو صرف دو تین اچنبھوں پر اکتفا کرتا۔ ماسٹر رام چندر بوس کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ " مسیح کا بے شمار معجزات دکھانا اس بات کو بخوبی ثابت کرتا ہے کہ وہ نہ کوتہ اندیش دھوکے بازاورنہ چالاک فریبی تھا ۔ بلکہ خدا کا بھیجا ہوا تھا۔ وہ اپنی فوق العادت قدرت سے بخوبی واقف تھا۔ اور اس عظیم الشان کام جن سے اس نے اپنی رسالت کو ثابت کیا حقیقی معجزات تھے"۔

اوروہ موقعے بھی جن پر وہ اپنے معجزات دکھاتا تھا۔ مختلف اقسام کے ہوتے تھے۔ پس کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کے لئے پہلے سے تیاری یا سازش کی جاتی تھی۔ مثلاً جو کوئی بیماری سے شفا پانے کو آتا تھا ۔ لوگ اس کی حالت سے پہلے ہی واقف ہوتے تھے۔ اورپھر اس کے شفا پانے کے بعد اس کے حالات سے بخوبی آگاہ ہوسکتے تھے۔ جو لوگ مردوں سے زندہ کئے جاتے تھے وہ زندہ ہوتے ہی مرنہیں جاتے تھے۔ اورنہ کسی ایسی جگہ چھپ جاتے تھے کہ ان سے ملنا ناممکن ہوتا۔ بلکہ وہ جینے کے بعد اپنے رشتے داروں اورجان پہچانوں کے ساتھ برابر اٹھتے بیٹھتے تھے۔ وہ مسیح کی قدرت کی ایک زندہ مثال تھے۔ مثلاً لعزر کی قبر کے ارد گرد کئی یہودی جو سیدنا مسیح کی مسیحائی کے قائل نہ تھے موجود تھے۔ وہ دریافت کرسکتے تھے کہ کیا وہ زندہ ہوا ہے یا جھوٹ موٹ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہوگیا ہے ؟ ہم دیکھتے ہیں کہ زندہ ہونے کے بعد وہ ان کی نظروں سے

غائب نہیں ہوا بلکہ تھوڑی دیر کے بعد بیت عینا میں ضیافت کے موقعہ پر ان کے ساتھ شامل ہوا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ کئی اوریہودی اس جگہ آئے تاکہ اسے جو مردوں میں سے زندہ ہوا تھادیکھیں۔علاوہ بریں ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ کاہنوں نے مل کر یہ منصوبہ باندھا کہ اسے جان سے مارڈالیں کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ بہت سے یہودی اسی کے سبب سے مسیح پر ایمان لائے ہیں۔

مسیح کے معجزے مختلف قسم کے تھے

(۴۔) لیکن ایک اورصفت مسیح کے معجزوں کی ہے کہ وہ طرح طرح کے تھے ۔ اس نے فقط دو یا تین قسموں کی بیماریوں کو چنگا نہیں بلکہ مختلف قسم کے امراض کو دورکیا۔ اس کے کلام معجز نظام سے طرح طرح کے مریضوں نے شفا پائی ۔ بلکہ مردے بھی اپنے قبروں سے جی اٹھے جنم کے اندھے بے اُمید کوڑھی ،اوروہ جو ما کے شکم سے لنگڑے پیدا ہوئے تھے اوروہ جو سوکھ کر کانٹا ہوگئے تھے۔ وہ جو فالج کے پنجہ میں گرفتاراوردیوانہ پن کے شکار ہوگئے تھے سب اس کے کلمہ اعجازسے شفا یاب ہوئے دو مرتبہ اس نے ہزارہا اشخاص کو معجزانہ طورپر کھانا کھلاکر سیروآسودہ کیا۔ تین مردوں کو زندہ کیا۔ سمندراس کا مغلوب اورفطرت کی قوتیں اس کی محکوم تھیں۔

فی الفوروجود میں آتے تھے

اس موقعہ پر یہ بھی جتادینا ضروری ہے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا مسیح کے معجزوں کی ایک یہ عجیب خصوصیت تھی کہ جوں ہی کلام اس کے منہ سے نکلتا تھا اسی وقت مریض فائز المرام ہوجاتا تھا۔ نہ کبھی دیر لگتی اورنہ شفا میں نقص رہتا تھا۔ بلکہ شفا اعلیٰ طورپر اورعلے الفورنمودارہوتی تھی۔

مسیح کبھی کسی معجزے کے قصد میں ناکام نہیں رہا

علاوہ بریں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ایک دفعہ بھی معجزہ دکھانے کے قصد میں ناکام نہیں رہا ۔ جس معجزے کا ارادہ اس نے کیا وہی وجود میں آیا۔ کیا ان فقیروں اوررمالوں میں یہی بڑا نقص نہیں ہوتا کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ کبھی کبھی پورا ہوتا ہے۔ لوگ منتیں مانتے اورمرادیں مانگتے ہیں اوراگر اتفاق سے کوئی بات پوری ہوجاتی تو زود اعتقاد لوگوں کا اعتقاد اوربھی مضبوط ہوجاتا ہے۔ پر وہ اس بات کو بھی جانتے ہیں کہ اگر ان لوگوں میں سچ مچ مرادیں عطا ہونے کی قدرت ہوتو ان کی بات رائگاں نہ جائے بلکہ ایک ایک وعدہ تیر

برہدف کا کام دے ۔ اب اگر مسیح معجزانہ اظہاروں کے متعلق کبھی کبھی کامیاب ہوتا تو لوگ فوراً اس بات کو جان لیتے اوراس کے فریب کا بھانڈا پھوڑدیتے ۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ مسیح کے مخالف اس سے اکثر بحث کیا کرتے تھے۔اوراس کے بعداس کے شاگردوں اورشاگردوں کے شاگردوں کے ساتھ بحث کرتے تھے۔ اس بحث اورمناظرے کی کتابیں اب تک موجود ہیں۔ مگر کبھی کسی نے یہ الزام نہ لگایا کہ تمہارے ہادی نے فلاں وقت فلاں معجزہ دکھانے کی کوشش کی پروہ کامیاب نہ ہوا۔

اب اگریہ بفرض محال مان لیا جائے کہ وہ تمام معجزات جو کہ انجیل میں درج ہیں سب کے سب فریب پر مبنی ہیں توہماری رائے میں یہ بات بجائے خودایک عجیب معجزہ ہوگی کہ باوجودیکہ مسیح کے تمام معجزات فریب پر مبنی تھے مگرپھر بھی وہ اس فریب دہی میں ایسا کامیاب نکلا کہ کبھی کسی شخص نے ایک دفعہ بھی اس کی ناکامیابی اور فریب کو نہ پکڑا۔ تعجب ہے کہ جن فریب آمیز اسباب کو وہ کام لایا کرتا تھا ان کی کل پرُزے ایسے کا رکن اورکارگر تھے کہ کبھی ان میں نقص نہیں آتا تھا اوراس کے فریب کا سکہ ایسا جم گیا تھا کہ عالم اورعاقل ، نادان اورجاہل ، دیندار اوربے دین سب کے سب اس کے جل میں آجایا کرتے تھے ۔ ہم پوچھتے ہیں کہ زود اعتقاد کون ہے ؟ کیا وہ شخص جو مسیح کے معجزوں کا قائل ہے یا وہ شخص جو اُن کا انکارکرتا ہے ۔

انجیلی معجزات کی گواہی کا فیصلہ کرتے وقت یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ وہ کتنے عرصہ میں دکھائے گئے

اسی کے ضمن میں ایک اوربات غورطلب ہے اوروہ یہ ہے کہ ہمیں مسیح اوراس کے شاگردوں کے معجزات کی سچائی کا موازنہ کرتے وقت یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے اوراس کے شاگردوں کے معجزے کتنے عرصے میں سرزد ہوئے ۔ مسیح کے زمانہ سے لے کر اس کے آخری شاگردوں کی موت تک ستر سال کا عرصہ حائل ہے اورہمیں انجیل کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام عرصہ میں معجزانہ صحت کا چشمہ فیض برابر جارہا۔ اورہم اوپر عرض کرچکے ہیں کہ جس قدر جو فروشی اور گندم نمائی زیادہ دیر تک اختیار کی جاتی ہے اسی قدرشرارت کی پردہ دری کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے ۔ اب کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ ستر برس تک مسیح اوراس کے شاگرداس مکاری اورعیاری کے کام میں مصروف رہے۔ پر کسی نے ان کا منہ بند نہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی

توجه طلب ہے کہ وہ سب کے سب ایک ہی جگہ اکٹھے نہیں رہے بلکہ مسیح کی وفات کے چند دن بعد اِدھر اُدھر تتر بتر ہوگئے۔ نیز یہ یاد رکھیں کہ یہ معجزات چھوٹے چھوٹے گاؤں میں نہیں دکھائے گئے جہاں لوگ چالاکی اور شرارت کو دریافت کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ رومی سلطنت کے اُن بڑے بڑے شہروں میں دکھائے گئے جہاں علم وہنر کی روشنی خوب چمکتی تھی۔ کیا ایسے ایسے شہروں میں بھی مسیح اور شاگرد اپنی چالاکی یا مکاری سے باز نہ آئے واضح ہو کہ فریب دینے والے ایسا نہیں کرتے۔ کوئی بے وقوف ایسے کوتہ اندیش کام کرے تو کرے مگر بے وقوفوں کی بے وقوفی فوراً فاش ہوجاتی ہے۔

لوگ ان معجزوں کی حقیقت کو بخوبی جان سکتے تھے

(۵۔) ایک اوربات جو ہم ناظرین کے غور کے لئے پیش کرتے ہیں یہ ہے کہ لوگ مسیح کے معجزوں کی حقیقت سے اسی وقت جبکہ وہ وقوع میں آتے تھے۔ بلکہ وقوع سے بہت مدت بعد بھی ان کی حقیقت سے بخوبی واقف ہوسکتے تھے۔ یادرہے کہ جھوٹے معجزے اسی وقت بازارخریداری میں قیمت پاتے ہیں۔ جبکہ حاکم وقت اوراصحب اقتدار اشخاص کی رائے اورعام لوگوں کا خیال اُن کے حق میں نیک ہو پر اگرحکام کا سایہ سرپر نہ ہو اورلوگ مخالفانہ پہلو اختیار کریں اور فریبی اتنے معجزے دکھائے جتنے مسیح نے دکھائے تو تھوڑے ہی دنوں میں فریب کی قلعی کھل جائے۔ اب اگر آپ تاریخ کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ مسیح کے زمانہ میں بعینہ یہی حال تھا۔ اس کی انجیل کو حاکم وقت کا سایہ عاطفت کبھی نصیب نہ ہوا۔ لوگوں نے کبھی ہمدردی نہ دکھائی تمام دنیا اس کی مخالف تھی تاہم اس نے اپنے معجزات اپنی مسیحائی کے ثبوت میں پیش کئے۔ اورایسی جگہوں میں قوت اعجاز کے کرشمے ظاہر فرمائے جہاں خاص وعام جمع ہوتے تھے اورچونکہ انجیل کا مقصد یہ تھاکہ یہودی مذہب کی دینی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے اور مسیحی مذہب کا پھریرا غیروں قوموں کے بوسیدہ مذاہب کے کھنڈرات پر لہرائے۔ لہذا اس کے ان دعووں کو دیکھ کر دنیا کی حکومت کی عداوت۔ یہودی اوربت پرست کاہنوں کی مخالفت۔ تمام لوگوں کے تعصبات کی روک سارے زور سے اس کی انجیل کی مخالفت پر ڈٹی ہوئی تھیں۔ خصوصاً یہودی کاہنوں اور فریسیوں اور فقہیوں کے عناد اوربغض اورکینے کی توکوئی حدہی نہ تھی جوں جوں اس کے معجزات کودیکھ کر لوگ اس کی

پیروی اختیاکرتے جاتے تھے اسی قدران کی آتش حسد زیادہ بڑھتی جاتی تھی۔ کیا آپ قیاس کرسکتے ہیں کہ ان لوگوں نے جو اس کے مخالف تھے ان معجزات کی سچائی اورجھوٹ کے دریافت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھا ہوگا۔

دشمنوں کے پاس ان معجزوں کو دیکھنے واسطے کافی موقعہ موجود تھا

واضح ہو کہ اس کے دشمنوں کے پاس معجزات کے سچ اور جھوٹ کو جاننے کے لئے عمدہ اور موزون موقعے موجود تھے اور لوگوں نے اکثر اپنے بزرگوں سے معجزات منسوب کئے ہیں مگر وہ دائرہ تحقیقات سے ہمیشہ باہر پائے گئے ہیں مثلاً فرانسیس زیویر سے بھی کئی معجزات منسوب کئے گئے ہیں پر اگر پوچھا جائے کہ کہاں اورکب سرزد ہوئے توان سوالوں کے جواب اس صورت میں دئے جاتے ہیں کہ ان کی نسبت تحقیق کرنا نہایت مشکل بلکہ محال معلوم ہوتا ہے کون اُن مشرقی ممالک میں گھومے جہاں جہاں زیویر گھوما۔ کون ان لوگوں کو جمع کرے جو اس وقت ان جگہوں میں رہتے تھے ۔ کون اُن سے پوچھے کہ تم زیویر کے معجزوں کی نسبت کیا کہتے ہو۔کیا زیویر نے کبھی تمہارے سامنے معجزہ دکھانے کا دعویٰ کیا ؟ پر مسیح کے معجزوں کی نسبت ایسا نہیں کہا جاسکتا رسولوں نے اُن معجزوں کی اُنہیں جگہوں میں منادی کی جہاں وہ دکھائے گئے تھے۔ بلکہ برعکس اس کے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کاہن اورفقیہہ اورفریسی اس کے معجزات کے متعلق مشورہ کرتے تھے اورجب دیکھتے تھے کہ ہم ان کا انکارنہیں کرسکتے توآخر کاربعل زبول سے منسوب کرتے تھے۔ مگر ان کے وقوع کا انکار ہرگز نہیں کرسکتے تھے اس کے شاگرد بڑی دلیری اوربیباکی سے مسیح کے معجزات کی منادی سب لوگوں کے سامنے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ دیکھئے کس طرح پطرس نے پنتیکوست کے موقعہ پر ہزارہا لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر جو جگہ جگہ سے یروشلیم میں آئے ہوئے تھے یہ کہا" ۔ اے اسرائیلی مردو یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک مرد تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم ثابت ہوا۔ان معجزوں اوراچنبھوں اورنشانیوں سے جو خدا نے اس کی معرفت تمہارے بیچ میں دکھائیں"۔ اعمال ۲: ۲۲ وہ لوگ اسی قسم کی باربارمنادی کیا کرتے تھے۔ کیا آپ خیال کرسکتے ہیں کہ کیا ایسے دعویٰ سن کر لوگ خاموش بیٹھتے رہتے تھے کسی طرح کی تحقیقات نہیں کیا کرتے تھے ؟

اس کے ساتھ ساتھ اس خیال کی طرف بھی توجہ فرمائیے کہ وہ شخص کون تھے جن کے معجزانہ کاموں کا امتحان اورملاحظہ اس طرح کیا جاسکتا تھا۔ اگروہ لوگ زیورعلم سے آراستہ ہوتے۔ اگر دولت کے سازوسامان سے مالا مال ہوتے یا یوں کہیں کہ اگران کے پاس فریب وہی کے سب سامان اوراسباب مہیا ہوتے تو شاید اُن کی فتنہ پر دازیوں کی پوست برکندہ کرنا مشکل ہوتا۔ پر مسیح اوراس کے شاگرد کیا تھے جو فریب کاری میں بے روکے ٹوکے کامیاب ہوتے چلے جاتے ان کو نہ اپنی سوسائٹی میں اورنہ علم وہنرکی دنیا میں ایسا رتبہ حاصل تھا کہ اُن کے فریب کی پردہ دری نہ ہوتی ۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی معجزہ ہوسکتا ہے کہ ایک نوازبڑھئی جس نے کبھی کسی مدرسے یا سکول میں تعلیم نہیں پائی تھی۔ اپنے شاگردوں کے ساتھ جوگمنام اوراَن پڑھ سے مچھوے تھے اورسوائے ماہی گیری کے اورکچھ نہیں جانتے تھے مل کر ایک ایسا عجیب منصوبہ فریب کا باندھا کہ ہزارہا دشمنوں میں سے جوبخوبی اس کی اوراس کے شاگردوں کی شرارت کو دریافت کرسکتے تھے ایک بھی ایسا نہ نکلا جواُن کے بھید سے واقف ہوکران کی سازش کو طشت ازبام کردیتا۔

(۶۔) پھر ایک اورقابل یادبات ہے ۔ کہ تاریخ بتاتی ہے کہ قدیم مسیحیوں کو لوگوں نے بہت پھسلایا اوردھمکایا کہ وہ اُس عقیدے کوجسے انہوں نے معجزوں کی شہادت کے زور پر قبول کیا تھا چھوڑدیں لیکن انہوں نے اپنی جان دیدی مگریہ نہیں کہا کہ ہم نے معجزے نہیں دیکھے بلکہ بڑا دھوکا کھایا ہے۔ ہاں ان میں سے کبھی کسی نے یہ نہ کہا کہ جن فوق العادت اظہارات کو درست سمجھ کر ہم نے انجیل کی تعلیمات کو قبول کیا تھا۔ وہ جھوٹ نکلے۔ دعوے یہ نہیں کہ کبھی کسی شخص نے قدیم زمانہ میں مسیحی عقیدے کو ترک نہیں کیا۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ کئی ضعیف ایمان لوگوں نے شکنجوں اورآگ کے شعلوں اورتلوارکی دھارکےڈرسے مسیح کے نام کا انکارکیا۔ مگر دعویٰ یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے یہ نہ کہا کہ وہ معجزے جن کوہم نے صحیح جانا تھا جھوٹے تھے وہ مسیح پر ایمان لاتے تھے ان کو رسولوں کے پوشیدہ حال سے بخوبی واقفیت ہوجاتی تھی کیونکہ وہ مسیحی ہونے کے بعد مسیحی مذہب کے ہمدرد سمجھتے جاتے تھے لہذا ان سے کسی طرح کا پردہ نہیں تھا۔ اگر مسیح اوراس کے شاگرد اپنے معجزات کے معاملے میں جھوٹے

ہوتے اوراگر وہ کسی طرح چالاکی کوکام میں لاتے تو وہ لوگ جواُن سے آملے تھے ضروراُن کی چالاکی کو جان لیتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اوران میں سے وہ جنہوں نے پھر مسیح کا انکارکیا ضروراگر کوئی چالاکی یا فریب ہوتا۔ توانشاء رازکردیتے اول تو وہ خود ہی عیسائیوں کے دھوکے سے تنگ آکر ایسا کرتے ، دوئم مسیح کے دشمنوں کے سامنے ایسا کرنے سے بہت سا انعام بھی پاتے۔ اب یہ بات یہودا اسکریوطی کے حال سے بخوبی کھل جاتی ہے۔ وہ اُن بارہ شاگردوں میں سے تھا جو ہمیشہ مسیح کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ وہ روپیہ پیسے کا حساب رکھا کرتا تھا ۔ اگر مسیح کے کاموں پرکسی طرح کا پردہ پڑا ہوا تھا تو یہودا اس سے بخوبی واقف تھا۔ اگر سیدنا مسیح کسی فریب سےکام لیا کرتا تھا تو یہوداہ جانتا تھا ۔ کہ وہ فریب کیا ہے۔ اوراس فریب کو طشت ازبام کرنا بھی اس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ کیونکہ جب اس نے خود معجزے دکھانے والے (یعنی یسوع) کو پکڑا وادیا تواس کے فریب کو (اگر فریب اس کے کاموں میں داخل ہوتا)فاش کرنا اس کے لئے ناممکن کام نہ تھا ماسوائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے لئے ہر طرح کی ترغیب موجود تھی کہ چھپے ہوئے رازوں کو فاش کرڈالے۔ چنانچہ اگر کوئی فریب ہوتا۔ اگر کوئی

چالاکی ہوتی اوروہ اسے ظاہر کردیتا تو ایسا کرنے سے اُسے زیادہ روپے اپنی خدمت کے صلے میں دستیاب ہوتے۔ پر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس نے کوئی ایسی بات مسیح کے دشمنوں کوبتائی جس سے یہ ثابت ہوتا ۔ کہ مسیح کے معجزے چالاکی یا فریب کے ہتھکنڈے تھے؟ برعکس اس کے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مسیح کے بدن کو تو مصلوب ہونے کے لئے پکڑوادیتا ہے ۔ مگراس کی سیرت پرکسی طرح کا عیب نہیں لگا۔ وہ اس کے کاموں کو فریب سے منسوب نہیں کرتا۔ اورنہ اُن کی حقیقت کا منکر ہے ۔ آپ ذرا کائفا کے دربارکا ملاحظہ فرمائیں۔مسیح وہاں بصورت مجرم موجو دہے۔ گواہ طلب کئے جاتے ہیں ۔ کیا یہودا ان گواہوں کے درمیان موجود ہے ؟ جھوٹے گواہ تو حاضر ہیں ۔ پر یہوداہ کہاں ہے ؟ کیا وہ شخص جس نے اُس کے بدن کو تیس روپیہ کو بیچ ڈالا۔ اب اُس کے برخلاف کچھ نہیں کہیگا؟ کیا کائفا اور دیگر مخالف اس نکتے کو نہیں سمجھتے کہ اس موقعہ پر یہواد کی گواہی اکسیر ہوگی؟ کیا یہودا نہیں جانتا کہ اگرایک لفظ بھی اس موقعہ پر اپنی زبان سے کہہ دوں تو حبیب دِرموں سے پرُہوجائیگی ؟ ہاں یہودا کی گواہی جو وقعت اس وقت ہوسکتی تھی اسے یہودی اوریہودا بخوبی جانتے تھے۔ تاہم یہودا نے کوئی الزام

مسیح پرنہ لگایا ۔بلکہ اس نے بڑے عجیب طور پر مسیح کی راستبازی اوراس کے کاموں کی سچائی پر گواہی دی۔ یہودا بڑالا لالچی اورطامع شخص تھا۔ اُس نے اپنی طمع کے سبب سے مسیح کو پکڑوایا مگر بعد میں جب ضمیر کی کاوش نے ستانا شروع کیا تو اس نے وہ روپے جو مسیح کے دشمنوں سے ملے تھے پھینک دئیے۔ اورکاہنوں اوربزرگوں کے روبر اقرارکیا کہ " میں نے گناہ کیا کہ بے قصورکو قتل کے لئے پکڑوایا "۔ یاد رہے ۔ کہ یہودا جانتا تھا۔ کہ میری اس حرکت سے ان لوگوں کا نائیرہ غضب مشتعل ہوجائیگا۔ مگرپھربھی اس نے مسیح کی بے گناہی کا اقرارکیا۔ پراُس نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ ضمیر کی ملامت سے تنگ آکر اپنے تئیں قتل کر ڈالا ۔ چنانچہ لکھا ہے کہ وہ روپیوں کو مقدس میں پھینک کر چلا گیا اورجاکر اپنے آپ کوپھانسی دی"۔ اگرہم کسی بات کی صداقت اورراستی کی گواہی چاہتے ہیں ۔ توہمیں اس سے بڑھ کر اورکوئی مضبوط گواہی نہیں مل سکتی۔

اگرانجیلی معجزات فی الحقیقت وجود میں نہ آئے تو مسیح اوراس کے شاگردوں نے جان بوجھ کرجھوٹ بولا

(۷۔) واضح ہوکہ ان معجزات کے متعلق دوباتوں میں سے ایک بات ضرورماننی پڑتی ہے۔ یعنی یا تو ہم یہ مانیں کہ وہ معجزات جن کا ذکر انجیل میں درج ہے فی الحقیقت وجود میں آئے اوریا ہم نہ یہ مانیں کہ کوئی معجزہ سرزد نہیں ہوا بلکہ لوگوں نے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ معجزہ وقوع میں آیا ہے ۔ اب اگر مسیح کے معجزات حقیقی معجزات نہ تھے۔ اگراس کے رسولوں کے معجزات حقیقی معجزات نہ تھے تو وہ لوگ جو معجزہ دکھانے کا دعویٰ کرتے تھے ۔ یعنی مسیح اوراس کے رسول جانتے تھے کہ جب ہم ان کاموں کو معجزہ کہتے ہیں تو ہم جھوٹ بولتے ہیں ۔ پس وہ جانتے تھے کہ ہمیں خدا نے مقررنہیں کیا اورنہ اس نے ہم کو بھیجا ہے۔ مگرپھر بھی ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں خدا نے اپنا پیغام دیکر بھیجا ہے۔ اب اگر یہ بات صحیح ہے تو وہ دیانت داریا خدا پرست یا دیندار لوگ نہ تھے ۔ کیونکہ اگروہ دیانت داراوردیندارلوگ ہوتے۔ اگر وہ صادق اورراستی پسند آدمی ہوتے تو ایسی جلعسازی کوکام میں نہ لاتے ۔ پھر سوال برپا ہوتا ہے کہ انہوں نے اس جعلسازی کو کس مقصد سے اختیارکیا؟ کیا فائدہ نظر تھا ۔ کہ جو کام معجزے نہ تھے انہوں نے لوگوں کی نظروں میں انہیں معجزے بنادیا ؟ کیونکہ دغاباز اور دروغ گو لوگوں سے بھلائی کی توقع نہیں ہوسکتی اورنہ ہم اسے بھلائی کہہ سکتے ہیں جس کی بناد غابازی اورجعلسازی پر قائم ہے۔

پس اُن کا مقصد سوائے اپنی حرص اورلالچ کوپورا کرنے کے اورکچھ نہ تھا۔ اگراب یہ دعویٰ درست ہوتو ہمیں یہ کہنا پڑیگا کہ انہوں نے اپنے لالچ کو پورا کرنے کے لئے ایک ایسا طریقہ اختیارکیا جس سے سوائے حماقت اور نقصان کے اور کچھ نہیں ٹپکتا کیونکہ ایسے طریقوں کے اختیارکرنے سے دنیاوی غرض کبھی پوری نہیں ہوسکتی اب آپ تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کریں کہ وہ جھوٹے اور جعلسازآدمی تھے۔ کہ وہ اپنی مطلب براری کے لئے معجزوں کا دعویٰ کیا کرتے تھے اوراُن کے معجزات کو نظر تعمق سے دیکھتے ہوئے ان میں کسی دینوی غرض کا سراغ لگائیں۔ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ اُن میں یہ سراغ لگاسکینگے۔ کہ مسیح اوراس کے شاگرد حریص اوردنیادارآدمی تھے؟ اگرآپ ان معجزات کا اورمختلف موقعوں اورحالتوں میں دکھائے گئے تھے تاہم اُن سے کوئی دنیاوی غرض نہیں ٹپکتی ہے۔ اگر ہم اُنہیں جھوٹے معجزے تصورکریں تو اوربھی حیرت آتی ہے کہ اُن پر ایسی عجیب حکمت سے روغن کیا گیا ہے کہ دیکھنے والوں میں سے ایک نے بھی ان کے اصل مطلب کو نہ پہچانا ۔ اب کسی ملک یا کسی زمانہ کے جھوٹے معجزوں کو لیجئے اورتاریخی حالات دریافت کیجئے ۔ آپ کو فوراً معلوم ہوجائے گا کہ

ان کے مدعیوں کا اصل مطلب کیا تھا۔ پر اگر مسیح اوراس کے شاگردوں کے معجزے جھوٹے معجزے تھے تو یہ ماننا پڑیگا ۔ کہ انہوں نے سب معجزوں سے انوکھا معجزہ یہ دکھایا کہ اپنی اصل غرض کو ایسی حکمت سے چھپایا کہ کوئی شخص اُسے نہ جان سکا۔ بات اصل یہ ہے کہ اُن سے کسی طرح کی دینوی غرض ، کوئی ادنے مقصد متشریح نہیں ہوتا بلکہ ان کی خاصیت سے خدائے تعالیٰ کی الٰہی شوکت اُس کی پاکیزگی ۔ اُس کا انصاف ، اس کا فضل، اُس کا رحم اوراس کی محبت ظاہر ہوتی ہے ۔ ہاں مسیح کے معجزات اُس کی جلیل سیرت اورعالیشان عہدے سے مطابقت رکھتے ہیں۔ وہ اس کے عہدے کو ثابت کرتے اوراس کی محبت بھری زندگی کو روشن کرتے ہیں۔ یا یوں کہیں کہ اُن پر الٰہیٰ تجلی اوربے غرضی اورمحبت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اُن سے کوئی ایسی بات نہیں ٹپکتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ مسیح اوراس کے شاگردوں نے یہ ساری کارستانی اپنی کسی مخفی غرض کوپورا کرنے کے واسطے اختیارکی دیکھئے کہ وہ جا بجا دشمنوں سے گھر جاتا ہے ۔ وہ کبھی اسے پتھراؤ کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی پہاڑ پر سے گرانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں ۔ کبھی اسے ٹھٹھوں میں اڑاتے ہیں اورآخر کار بصد تحقیر وتکفیر اُسے صلیب پر چڑھا

دی ـتے ہیں ۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ گو وہ عجیب طرح کی قدرت رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے تاہم اس سے کبھی کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوتی جس سے انتقام کی بوآئے۔لوگا سے حقارت کی نظر سے دیکھتے اوررد کرتے ہیں مگر اس کے معجزات سے نہ اشتیاق ناموری نہ حصولِ دولت اورنہ تمنائے عزت کی خواہش ظاہر ہوتی ہے۔ گوہزاروں کوسیر کرتا ہے ۔ مگر خود بے زراوربے گھر ہے۔ وہ نیک گڈریے کی طرح دوسروں کی جانوں کی سلامتی ڈھونڈتا ہے ۔ مگر اپنی جان کی پروا نہیں کرتا ۔ اُنہیں دکھ اورمحتاجی سے رہائی دینے کوتیار ہے۔ مگر اپنی فکر مطلق نہیں کرتا۔ ان باتوں کودیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ اگر مسیح کے معجزات جھوٹے تھے تواُن کے جھوٹ کے سامنے سچائی ماند ہے اوریہ بھی ایک معجزہ ہے۔

مسیحی مذہب کے قدیم مخالف ان معجزوں کے وقوع کے قائل ہیں

(۸۔) پھر آپ دیکھئے کہ مسیح کے مخالف اوردشمن صاف اقرارکرتے ہیں کہ اس کے معجزے فی الحقیقت وقوع میں آئے اوراس کا یہ اقرار پہلے اس صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے کہ اس زمانہ کے تمام یہودی اورغیر قوم ایک لفظ بھی ان معجزات کے وقوع کے برخلاف نہیں کہتے اورنہ ان میں سے کوئی کبھی کسی شخص نہ یہ دعویٰ کیا کہ جو معجزات مسیح سے منسوب کئے جاتے ہیں وہ فریب کا ڈھکوسلا ہیں۔ ہم پھر منت کرتے ہیں کہ آپ اس بات کو نہ بھولیں کہ یہ معجزات حواس خمسہ سے محسوس کئے جاتے تھے اورروز روشن میں واقع ہوتے تھے اورجا بجا اُن کی شہرت ہوجاتی تھی۔ اب اگر آپ روح پاک کے معجزانہ نزول کا معجزہ لیں جو پینتیکوست کے دن وقوع میں آیا توآپ دیکھینگے کہ اس روزمسیح کے شاگردوں کو جو بالکل ان پڑھ تھے اورجن کو سب لوگ جانتے تھے کہ ان پڑھ ہیں مختلف زبانیں بولنے کی طاقت بخشی گئی اورلوگوں نے جوکریت ، عرب ،مسوپتامیہ اوردیگر ممالک سے آئے ہوئے تھے مسیح کے شاگردوں کو اپنی اپنی بولی میں خدا کے عجیب کاموں کی منادی کرتے سنا۔ اب آپ دیکھیں کہ یہ واقعہ نزدیک ودور مشہور ہوگیا تھا۔ اس کی منادی کی گئی تھی اورآخر کاراعمال کی کتاب کے وسیلے شائع بھی ہوا یوں اس کی سچائی اورجھوٹ کے پرکھنے کا موقعہ لوگوں کو ہر طرح سے حاصل تھا۔گویا اس معجزے کا اشتہار اس بات کا اشتہار تھا کہ اگرکوئی اس کی سچائی جو جھٹلاسکتا ہے توجھٹلائے ۔اگراس معجزے میں کوئی کھوٹ ہوتا اوروہ اسے چھپایا چاہتے تو اس کام کے لئے بھی معجزے کی ضرورت پڑتی۔ بیشک

اگرانجیلی معجزات میں سے کسی میں بھی جھوٹ یا فریب کی آمیزش ہوتی تو تمام یہودیہ اوریونان نکتہ چینی سے گونج اٹھتا اوریہودیوں اور غیر قوموں کی کتابوں میں جلی قلم سے وہ کھوٹ یا جھوٹ شائع کیا جاتا اورمابعد زمانہ کے مخالفان دین عیسوی اس کو بڑی قدر کے ساتھ اپنی کتابوں میں اقتباس کرتے۔ پر کیا ایسا کیا گیا ؟ یہودی اوریونانی اوررومی تاریخ کے ورق گردانی کیجئے اوردیکھئے کہ کہیں اس قسم کا اعتراض مسیح یا اس کے شاگردوں کے معجزات کی نسبت نظرآتا ہے ۔

تاریخ کہتی ہے کہ نہیں۔ اگر سچ پوچھا جائے تو مسیحی معجزوں کی صداقت کا یہ خاموش اقرار دشمنوں کی جانب سے اُن کے وقوع کا کافی اقرار ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر ہم اُن لوگوں سے اس بارہ میں اورکوئی گواہی طلب نہیں کرسکتے ۔ واقعی یہودیوں اورغیر قوموں اوربت پرست رہبانوں اورموسوی کاہنوں اوریروشلیم کے فقہیوں اورفریسیوں کارنتھ اورروم اورافسس کے فلاسفروں کا اس معاملہ میں خاموش رہنا اورعیسوی معجزات کی صداقت کے برخلاف کچھ نہ کہنا اُن کی صداقت اورحقیقت کا ایک عمدہ ثبوت ہے۔ پر اگر یہ دیکھ کر بھی لوگ یہ کہیں کہ نہیں ہم کو مخالفوں کی گواہی انہیں کے الفاظ میں چاہیے ۔ توہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں گو آپ کی یہ درخواست ایک ناجائز درخواست ہے ۔ پر آپ کو خوش کرنے کے لئے ہم اس تقاضے کو بھی دورکرنے کو تیارہیں۔ اب اگر آپ پہلے مسیح کے ہمعصر مخالفوں یعنی یہودیوں کی طرف متوجہ ہوں تو آپ دیکھینگے کہ وہ اس کے معجزوں کی حقیققت کے مقر ہیں۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ انجیل کی تواریخی اصلیت اورمعتبری کا انکارکوئی شخص نہیں کرسکتا لہذا جو تواریخی بیانات اُن میں درج ہیں وہ ہماری توجہ کے لائق ہیں۔ اب دیکھئے کہ وہ یہودی جو مسیح اوراس کے شاگردوں کے مخالف تھے۔ ان کے معجزوں کے حق میں کیا کہتے ہیں۔ مسیح کے معجزوں کی نسبت سردار کاہنوں اور فریسیوں کی گواہی اس طرح مرقوم ہے "۔ پس سردار کاہنوں اور فریسیوں نے صدر عدالت کے لوگوں کو جمع کرکے کہا ہم کیا کریں؟ یہ آدمی بہت معجزے دکھاتا ہے"۔ (یوحنا ۱۱: ۴۷)اسی طرح اس کے شاگردوں کے معجزے کی نسبت لکھا ہے کہ انہوں نے کہا"۔ کہ ہم ان آدمیوں کے ساتھ کیا کریں کیونکہ یروشلیم کے سب رہنے والوں پر روشن ہے کہ ان سے ایک صریح معجزہ ظاہر ہوا اورہم اس کا انکار نہیں کرسکتے "۔(اعمال ۴: ۱۶) پھرپطرس نے پینتیکوست کے روز

دعوےٰ کیا کہ تمام اسرائیلی جماعت جو اُس کے سامنے حاضر تھی اسی بات سے واقف تھی کہ سیدنا مسیح ایک ایسا شخص تھا۔ جس نے اپنا خدا کی طرف سے ہونا معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت کیا ۔ (اعمال ۲: ۲۲) یہودیوں نے کبھی مسیح کے معجزوں کے وقوع کا انکار نہیں کیا۔ وہ اگر حجت کرتے تھے تو یہ کہ اس کے معجزے بعل زبول کی مدد سے وقوع میں آتے ہیں ۔ اس اعتراض کو ہم ذرا آگے چل کر رفع کرینگے ۔ فی الحال ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہودی ان کے وقوع کے قائل تھے اب اگر ہم نوشتوں کو چھوڑ کر یہودیوں کی غیر الہامی کتابوں کی طرف رخ کریں تو وہاں بھی ہم اس اقرار کو اُن کے منہ سے سنینگے۔ مثلاف تالمود میں وہ ان معجزوں کے وقوع کو تسلیم کرتے ہیں گو وہاں بھی وہ یہی حجت قائم کرتے ہیں کہ یہ معجزات جادو کے وسیلے یا یہوداہ کے نام کو ایک خاص طورپر استعمال کرنے کے سبب سے وقوع میں آئے۔ ہم نے دیکھا کہ تمام یہودی انجیلی معجزات کے وجود اور وقوع کے مقرر تھے۔

غیر قوم قائل ہیں

پر علاوہ یہودیوں کے غیر قوموں کے فاضل، اور علماء بھی ان معجزات کے قائل تھے۔ مثلاً سیلس جو دوسری صدی کے آخری حصہ میں موجود تھا اور جس نے مسیحی مذہب کے برخلاف اپنے قلم سے بہت سا کام کیا نہ صرف انجیل کے بڑے بڑے تواریخی واقعات کو صحیح سمجھتا تھا بلکہ اس بات کا بھی اقرار کرتا ہے کہ مسیح نے بہت سے معجزات دکھائے جن کے وسیلے اُس نے بہت سے لوگوں کو اپنا پیرو بنایا وہ اپنی تحریر میں ان کے وجود یا وقوع کا انکار نہیں کرتا گو ان کو حقیقی واقعات تسلیم کرکے یہ دکھانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ جادو سے (جو اس کے زعم میں سیدنا مسیح نے مصر میں سیکھا تھا) دکھائے گئے۔

ہائیر اقلیز

ہائیر اقلیز جو تنبھنیا میں حاکم تھا اور مسیحیوں کو سخت ایذائیں پہنچایا کرتا تھا ایک کتاب میں جو اُس نے مسیحی مذہب کے برخلاف لکھی تھی مسیح کے معجزوں کو مانا ہے البتہ وہ اس کتاب میں مسیح کے معجزوں کو ایک شخص کے معجزوں کے ساتھ جس کا نام اپالونی اس تھا اور جو غیر قوموں میں سے تھا اور ٹیناکا رہنے والا تھا مقابلہ کرتا ہے۔ تاکہ یہ ثابت کرے کہ اور لوگوں نے بھی کرامتیں دکھائی ہیں اور یوں مسیحیوں کا منہ بند کرے اور انہیں مسیح کو خدا کہنے اور ماننے سے روکے لیکن اس شخص اپالونی اس کے تاریخی

حالات پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ ہم اس کے معجزوں کی صداقت کی نسبت کچھ نہیں جان سکتے اسی طرح شہنشاہ جولین جو مسیحیوں کا جانی دشمن اورجو چوتھی صدی میں موجود تھا مسیح کے معجزوں کو مانتا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے " ۔ مسیح نے کوئی کام شہرت کے لائق نہیں کیا اگرکیا ہے توان کے لئے کیا ہے جو ماننے کو تیار ہوں کہ لنگڑوں کو چنگا کرنا اوراندھوں کو آنکھیں دینا اوربیت صیدا کے گاؤں میں دیوں کو نکالنا بڑے بڑے کاموں میں داخل ہیں"۔ وہ مانتا ہے ۔ کہ مسیح ناپاک روحوں پر بڑا اختیار رکھتا اورسمندرکی سطح پر چلتا تھا۔

تعجب ہے کہ ان لوگوں نے ان معجزوں میں کوئی انہونی بات نہ دیکھی مگر آج کل ایسے بال کی کھال اُتارنے والے نکتہ چین پیدا ہوگئے ہیں جنہوں نے دریافت کرلیا ہے کہ مسیح اوراس کے شاگردوں نے کبھی اپنے دعووں اورتعلیموں کو معجزوں کے وسیلے ثابت نہیں کیا حالانکہ اُن لوگوں نے جواُن کے زمانہ میں اُسی زمانہ کے آس پاس موجود تھے ۔ اورجوان کے مذہب سے سخت مخالفت رکھتے تھے اور جو صاحب علم بھی تھے اورسچ اورجھوٹ کو پرکھنے کی کافی لیاقت رکھتے تھے کبھی ان معجزوں کا انکارنہ کیا۔ تعجب ہے کہ سیلس اور پارفری اورہایلر اقلیز اورجولین اور فقیہ اور فریسی مسیحی معجزوں کے اصل بھید سے واقف نہ ہوئے حالانکہ وہ بڑے عالم اورپُرجوش مخالف تھے مگر ہمارے ہم عصر بھائیوں نے جو مسیح کے زمانہ سے بیس صدی دورنکل آئے ہیں اُس بھید کو پالیا۔

قدیم مسیحیوں نے انہیں قبول کیا ہے اوران کی گواہی زیادہ وقعت رکھتی ہے

(۹۔) لیکن ہم آخر میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس مخالفوں کی گواہی کی نسبت بہتر گواہی موجود ہے اور وہ ایمانداروں کی گواہی ہے۔ فرض کیجئے کہ یہی سیلس جس کا ذکر ہم اوپر کرچکے ہیں اگر نہ صرف ان معجزات کے وقوع کااقرار ہی کرتا بلکہ ان کی گواہی کی صداقت کے زورکو محسوس کرکے بت پرستی چھوڑدیتا ہے اورطرح طرح کی اذیتیں سہکر اورموت کے خطروں میں پڑکر مسیح کی پیروی قبول کرتا اوراس کی خدمت میں مصروف ہوتا۔ توکیا اس کی گواہی کا زورکم ہوجاتا یا اس کی گواہی اوربھی زیادہ اعتبار کے لائق ٹھیرتی ؟

جو دشمن مطیع ہوجاتا ہے اُس کی گواہی زیادہ معتبرہوتی ہے

ہم پوچھتے ہیں کہ اگروہ مسیحی معجزات کی گواہی کے زورکو محسوس کرکے مسیح کی پیروی قبول کرلیتا توکیا ہم اُس کی گواہی کو یہ سمجھ کرکہ وہ مسیح کے ایک دوست کی گواہی ہے ناقص سمجھتے یا یہ جان کرکہ وہ ایک ایسے شخص کی گواہی ہے جوپہلے دشمن تھا زیادہ معتبر گردانتے ؟

عقل اورانسانی دستورتویہ کہتے ہیں کہ ہم اس کی گواہی کو بڑا زورآور سمجھتے ۔ اب اگرہم اس قسم کی ہزارہا لوگوں کی نظیریں پیش کریں توکیاآپ اس بات کو تسلیم نہ کرینگے۔ کہ اُن کی گواہی اُن مخالفوں کی گواہی سے جن کا ذکر اوپرکیا گیا زیادہ اعتبارکے لائق ہے؟آپ اگرذرا غورکریں توآپ دیکھینگے کہ مسیح کے رسول ایسے ہی آدمی تھے۔

مسیح کے رسول اورقدیم پیرواسی قسم کے لوگ تھے۔

مگرجو لوگ اُن کی گواہی کو بے ریا گواہی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ کہتے ہیں ۔ کہ وہ تو مسیح کے دوست تھے۔ مگرہم پوچھتے ہیں کہ آپ بتائیے کہ وہ کیا بات تھی جس نے انہیں مسیح کا دوست بنایا؟ کیا وہ اورآدمیوں کی مانند آدمی نہ تھے؟ کیا وہ اوریہودیوں کی طرح یہودی نہ تھے؟ پولوس کی طرف دیکھئے کہ وہ کسی زمانہ میں عیسائیوں کے خون کا پیاسا تھا۔ اُسے کس بات نے مسیح کا دوست بنایا؟ ان تین ہزار لوگوں کی طرف متوجہ ہوجئے جو پینتیکوست کے دن عیسائی ہوئے جو ایذارساں یہودیوں میں سے تھے۔ اُنہیں کس بات نے مسیح کا دوست اورپیرو بنایا ؟ کیا اس بات نے کہ وہ مصلوب مسیح کی پیروی سے دنیاوی عزت یا فائدہ کی توقع رکھتے تھے ؟ یا کیا اس بات نے کہ وہ لوگوں کی ملامت کو پسند کرتے اور دکھ سے خط اٹھاتے اور موت کو عزیز جانتے تھے؟

یہ لوگ مسیح کے دوست کس طرح بنے

یا اس بات نے انہیں اس کا دوست بنایاکہ جب اُنہوں نے مسیح کے معجزات پراورخصوصاً اس کے جی اٹھنے پرغورکیا توان معجزوں کو ایسابرحق پایا کہ ایذاؤں کا خوف اورمال ودولت اورخویش واقارب کی جدائی کا خیال اُن کو مسیح کی پیروی سے روک نہ سکا۔ پھر اُن ہزارہا لوگوں پر غورکیجئے جو یہودیوں اورغیر اقوام میں سے رسولوں کے ایام خدمت میں مسیح پرایمان لائے کہ وہ بھی کام اورکلام سے سخت عذاب اورموت کی حالت میں مسیح کے کاموں پرگواہی دیتے ہیں اب آپ بتائیے کہ ان لوگوں کی گواہی کیسی وقعت رکھتی ہے ؟ آپ کیا وجہ اس کی تبدیلی کی بتاسکتے ہیں جواُن کی

عادات وجذبات اوراوضاع واطوار میں مسیحی ہونے کے بعد وارد ہوئی ؟

ان کی تبدیلی کی اصل وجہ

کیا اُس تبدیلی کی وجہ درحقیقت یہ نہیں تھی۔ کہ اُنہوں نے بڑی سنجیدگی سے مسیح کےکام اورکلام کو راست اوربرحق قبول کیا؟ اوراگرکوئی یہ کہے کہ نہیں وہ دل سے ان باتوں کے قائل نہ تھے تو اس کا یہ کہنا گویا یہ دعویٰ کرنا ہے کہ انہوں نے بڑی بڑی خود انکاریاں بغیر کسی غرض یا ضرورت کے سہیں حالانکہ اُن کو بے ضرورت سہنا انسانی طبعیت کے سراسر برخلاف تھا۔ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ مسیحی ہوکر ہمارا مال ہم سے چھن جائیگا۔ دکھ سہنا اورموت کا شکارہونا پڑیگا؟ پھر وہ کیوں عیسائی ہوئے ؟ اورکیوں اُس وقت جبکہ عیسائی ہونے کے بعد لوگوں نے اُن کو ناچیز سمجھنا شروع کیا۔ جب وہ کوڑے کرکٹ سے بدتر سمجھے جانے لگے جب عیسائی نام سے بڑھ کرلوگوں کے نزدیک اورکوئی ذلیل نام نہ تھا۔ جب اس نام کے لوگوں کو عذاب دینا ہر جگہ ثواب کا باعث سمجھا جاتا تھا اورسپاہی ان کو عذاب دینے کے لئے نئے طریقوں اورتدبیروں کی سوچ میں لگے ہوئے تھے اورطرح طرح کی اذیتیں اُن کو پہنچاتے تھے۔ جب ہزارہا اشخاص مسیح کے نام پر گواہی دینے کے لئے قتل کئے جاتے تھے۔ ہم پوچھتے ہیں انہوں نے کیوں اس وقت ثابت قدمی دکھلائی اورموت کا پیالہ پیا حالانکہ وہ خدا سے انکار سے اپنے تئیں بچاسکتے تھے؟ اس کا جواب اورکوئی نہیں سوائے اس کے کہ جس بات کی گواہی دیتے تھے۔ اُس کے دل وجان سے قائل تھے۔ پر کیا وہ مسیحی معجزات کے سچ یا جھوٹ سے ناواقف تھے؟ وہ تو معجزے دکھانے والوں کے زمانہ میں موجود تھے اورانہیں جگہوں میں رہتے تھے جہاں معجزات دکھائے گئے۔ پس اگرکوئی ان معجزات کی سچائی کو دریافت کرسکتا تھا تویہ لوگ کرسکتے تھے۔ لہذا ان لوگوں پر ہر طرح ثابت ہوگیا تھا کہ جو معجزات مسیح سے منسوب کئے جاتے ہیں وہ فی الحقیقت وقوع میں آئے اوربہت سے ان میں سے ایسے بھی تھے جنہوں نے ان کو واقع ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اب پہلی صدی میں ہزارہا اشخاص اس قسم کے موجود تھے۔ وہ پہلے مسیحیوں کو دکھ دیا کرتے تھے وہ عیسائی مذہب کی بیخ کنی کے درپے رہتے تھے مگرجب انہوں نے انجیلی معجزوں اوردیگر حقیقتوں کو دریافت کرکے مسیحی مذہب کو قبول کرلیا تو اپنی جانیں سچائی پر تصدق کردیں۔ عزیزو اگرایسے لوگوں کی گواہی قابل اعتبارنہیں تواس

سے بہتر اور مضبوط تر اور گواہی پیش نہیں کی جاسکتی۔ پر اگریہ گواہی رد کی جائے توپھر تمام تاریخ علم پر فاتحہ پڑھنا ایک لازمی امر ٹھیریگا۔

جو دلائل اس بات میں پیش کی گئی ہیں اُن کی نظر ثانی

اس بات کے ثبوت میں کہ انجیلی معجزوں کی گواہی ردنہیں کی جاسکتی کیونکہ اس میں سچائی کا ہر ایک عنصر کامل انداز کے ساتھ موجود تھے۔ ہم کئی خیالات پیش کرچکے ہیں ۔ مگر اس بات کو ختم کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ جو دلائل پیش کی گئی ہیں اُن پر آپ ایک مرتبہ پھر نظر ڈالیں تاکہ آپ اُن کے سارے زور کوایک دم محسوس کرسکیں اورایسا کرنے کے لئے آپ تھوڑی دیر کے لئے ان معجزوں کووہمی افسانے اوراُن کے مدعیوں کو فریبی اشخاص تصورکریں اوردیکھیں کہ اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

اگریہ معجزے جھوٹے تھے تو مسیح اوراس کے شاگردوں نے ایسے کام کا بیڑا اٹھایا جو ناممکن تھا تاہم اس میں کامیاب نکلے

واضح ہو کہ اگرہم یہ مانیں کہ یہ معجزے جھوٹے تھے تو ہم کو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ سیدنا مسیح اوراس کے شاگردوں نے ایسے کام کا بیڑا اٹھایا جو سراسر ناممکن تھا۔ ہاں ہم کو یہ ماننا پڑیگا کہ ان نادان اوردیوانوں نے جوبالکل اَن پڑھ اورادنیٰ حیثیت کے یہودی اوربے اختیار اشخاص تھے ایک ایسا مذہب قائم کرنے کی کوشش کی جودنیا کی عادات اور دستورات ، قواعد اورتعصباب کے بالکل برعکس تھا اوریہ اُمید رکھی کہ ان کا نوساختہ مذہب دنیا کے مذاہب کو مسمار کرکے اُن کی جگہ لے لیگا اوراس پر طرہ یہ ہواکہ اس ناممکن الوقوع تجویز کو جاری کرنے کےلئے انہوں نے یہ پیچ کھیلا کہ ان کاموں کے وسیلے جنہیں وہ معجزات کہتے تھے جن کو وہ اپنے دعووں کے ثبوت میں پیش کیا کرتے تھے اپنے دعووں کو ایسا آخر تک نبھایا کہ کوئی ان کی چالا کی سے واقف نہ ہوسکا۔ بلکہ انہوں نے جھوٹے معجزوں کے وسیلے اپنے رسولی عہدہ کی سچائی اورتبہ کو پایہ ثبوت تک پہنچادیا اورساتھ ہی خدا کے جلال اورپاکیزگی پر بھی بٹہ نہ لگنے دیا۔

علاوہ بریں یہ ماننا پڑیگا کہ گو وہ فریبی تھے مگر بڑے بڑے دانا بھی اُن کے فریب کو دریافت نہ کرسکے

ماسوائے اس کے ہمیں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ مسیح اوراُس کے شاگرد ایسے بد تھے کہ اُنہوں نے دیدہ دانستہ فریب کا سلسلہ قائم کیا جس کے سبب سے انہیں ہمیشہ بددیانتی کے دلدل میں مبتلا رہنا اورخدا کی متواتر تحقیر اورتکفیر کا مرتکب ہونا پڑا اوریہ اس

مقصد سے کہ یا روپیہ ہاتھ آئے یا نام حاصل ہو۔ پر اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑیگا کہ ستر سال کے عرصہ تک انہوں نے اپنے چال وچلن سے ایسی بیغرضی اور بے ریائی ، ایسی نیکی اورپاکیزگی ظاہر کی ان کی خود غرضی اوربد نیتی کاکچھ پتہ نہ لگا بلکہ برعکس اس کے لوگ ان کی کمال درجہ کی خود انکاری اور دیندارانہ علم اورپستی اورپاکیزگی اوررحم اور فیاضی کے قائل ہوگئے اوریہ باتیں اس درجہ کمال تک ظاہر ہوئیں کہ ان کے دشمن بھی جو اُن کی کمزوریوں اورعیبوں کے کھوج میں برابرلگے رہتے تھے۔ ان کے فریب اوردغابازی کوپہچان نہ سکے۔

پھر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ گواس سے کوئی دینوی فائدہ ان کو میسرا نہ ہوا تاہم وہ اس فریب کو ایسا پیارکرتے تھے کہ اس کے سبب سے موت اورذلت جھیلتے رہے

ماسوائے اس کے ہمیں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ سیدنا مسیح کے رسول دولت یا عزت یا اختیاریاکسی اورچیز کے ایسے عاشق تھے کہ وہ اسے اول توایک ناممکن سی تدبیر کو اختیارکرکے ڈھونڈنے لگے۔ اور جب عزت حاصل کرنے کا موقعہ آیا توانہوں نے عزت کو رد کردیا۔ اورپھر جب انہوں نے دیکھاکہ ہمارے دشمنوں نے مسیح کو مصلوب کرکے ایک قسم کی فتح مندی حاصل کی اوراب ہمارے حصہ میں بجز نثر مساری اورافلاس اورایذاؤں کے اورکچھ نہیں آئیگاتواس وقت بھی اپنے شکست خوردہ رہبر کی پیروی میں ثابت قدم رہے اوراس کی تعلیموں کو سچا بتاتے رہے۔ اورپھر جب ایذارسانیوں کے طوفان دن بدن زیادہ گھرے ہوتے جاتے تھے اورانہیں معلوم ہوتا جاتا تھا کہ ہماری ثابت قدمی ہمیں ضرور طعمہ زاغ وزغن بنائیگی۔ اوراس کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھتے تھے ۔ کہ اگر ہم اس راہ سے پھر جائیں توہماری جانوں کو کچھ آسیب نہ پہنچیگا۔ مگر پھر بھی وہ اپنی کسی نامعلوم مجذوبانہ خواہش کی پیروی میں ایسے لگے رہے کہ دکھ پر دکھ سہتے رہے ۔ شرمندگی پر شرمندگی اٹھاتے رہے ۔ حتیٰ کہ انجام کا رنہنگ موت کا لقمہ بن گئے اورپھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ وہ یہودی ہونے کے سبب سے اس عقیدے کے بھی متعقد تھے کہ ہمیں اس فریب اور سختی کے سبب سے ابد الآباد دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہونا پڑیگا۔

اسی طرح ہمیں اورناممکن باتیں بھی ماننی پڑینگی

ہمیں علاوہ اس کے یہ بھی ماننا پڑیگا کہ مسیح اوراس کے رسول ایسے کم سمجھ تھے کہ انہوں نے اپنے دعووں کو رواج دینے کے لئے ایسے معجزانہ ثبوت پیش کئے جن کو جعلسازی سے پیدا کرنا سراسر ناممکن تھا۔ پھر اس سے بڑھ کر بیعقلی یہ کی کہ جس طرح اورفریبی اپنی فریب کاری کو چھپاتے ہیں اُنہوں نے کبھی اپنے جھوٹے معجزوں کو چھپانے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ کھلے میدانوں اوربڑے بڑے شہروں اور ہرقسم کے لوگوں کے سامنے طرح طرح کے معجزے دکھاتے رہے اورپھر چند ایک میں کامیاب ہونے کی غنیمت نہ سمجھا بلکہ بڑی بے باکی سے سالہسال تک دکھاتے رہے۔ معززناظرین ہم منت کرتے ہیں ۔ کہ آپ انصاف کیجئے اوربتائیے کہ کیا درحقیقت ہم کو یہ نہیں ماننا پڑیگا ۔ کہ مسیح اوراس کے شاگردوں میں متضاد صفات کا اجتماع نظرآتا ہے کہ ایک طرف تو ناممکن تدبیروں کو ہاتھ لگانے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایسے چالاک ایسے غدار اورفریب دہی میں ایسے مشاق اوربے مثال تھے کہ دنیا کو ان کا لوہا ماننا پڑا؟ کیاہم کو یہ نہیں ماننا پڑتاکہ یہ کوتہ اندیش مگرنہایت ہشیارفریبی انسانی فطرت کو ایسی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ دنیا کے حالات سے ایسے واقفکار تھے۔ یہودیہ اوریونان اور روم کے عالموں اورحاکموں کے مقابلے کے لئے ایسے عجیب طورپر مسلح تھے۔ اوراپنی تجویزوں کو پورا کرنے کے فن میں ایسے ماہر۔ اپنی حرکتوں کو عجیب لباس پہنانے کے ہنر میں ایسے استاد کار، اوراپنے بھیدوں کو مخفی رکھنے کے علم میں ایسے بے نظیر تھے کہ گو ان کے مخالفوں اورنکتہ چینوں کی آنکھ ہر دم اُن پر لگی رہتی تھی تاہم کوئی شخص اُن کی کارروائی میں سرمونقص نہ پاسکا۔ کوئی یہ نہ کہہ سکا لوگو تم کیا غضب کرتے ہو جو ان فریبیوں کی بات کو سچ مانتے چلے جاتے ہو۔ یہ جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ ان کے معجزوں سے نہ کوئی اندھا دیکھتا ہے۔ نہ کوئی لنگڑا چلتا ہے اورنہ کوئی مردہ جی اٹھتا ہے؟ بلکہ برعکس اس کے بیت عنیا کے باشندوں نے ایسا دھوکا کھایا کہ وہ اس بات کے قائل ہوگئے کہ ہمارے گاؤں کا رہنے والا لعزر جو مرگیا تھا واقعی زندہ ہوگیا ہے۔ اوراسی طرح یروشلیم کے باشندے بھی مسیح کے جل میں ایسے آگئے کہ یہ ماننے لگ گئے کہ جو شخص جنم سے اندھا تھا اورہمارے پاس رہا کرتا تھا ۔ وہ اب مسیح کے طفیل سے بینا ہوگیا ہے اوراسی طرح پانچ ہزار اشخاص بھی دھوکے سے اس بات کے معتقد ہوگئے کہ عیسیٰ مسیح نے ہم بھوگوں کو ایک اجاڑ پربت میں اپنی معجزانہ قدرت اور فیاضی سے سیر کیا ہے۔ اوریونہی سریا کے باشندے بھی

اس فریب میں آگئے کہ وہ بھیڑ جیسے وہ عیسیٰ مسیح کے پاس لائے تھے ۔ جس میں طرح طرح کے مریض اوربیمار شامل تھے اپنے دکھوں اوربیماریوں سے رہا ہوکر واپس گئی۔ قصہ کوتاہ یہ کہ تمام یہودی اور بُت پرست دنیا ان بے علم اورسادہ لوح اورحقیر اورستائے ہوئے چند یہودیوں کے جُل میں اسی طرح آگئی کہ اُسے اُن کے معجزوں کی سچائی کا اقرارکرنا پڑا۔ایسا کہ گویا فلاسفروں اورربیوں نے مسیح کے مذہب پر حملہ کیا مگر معجزوں کا انکارنہ کیا۔ بلکہ اُن میں سے کئی ایک نے اپنی کتابوں میں انہیں تسلیم کیا اورہزارہا ہزار اشخاص نے جوبڑے بڑے خاندانوں اورمہذب شہروں سے علاقہ رکھتے تھے رسولوں کے ایام میں ان غریب اورکمزولوگوں کی تعلیم سے مسخر ہوکرسب کچھ چھوڑنا گوارا کیا۔ اپنے تن من دھن کو قربان کردیا۔ اپنے جسموں کوآگ اورتلوار اورخونخواروں کے سپرد کیا۔ تاکہ معجزات دکھانے والے مسیح مصلوب کی پیروی اختیارکریں۔

پیارے ناظرین مسیح کے معجزات کے متعلق ہمارے پاس یہ گواہی ہے ۔ جوہم نے آپ کے سامنے رکھ دی ہے۔ اب آپ اس گواہی کی خصائص کو پرکھ کرخود بتائیں کہ زوراعتقاد کون ہے۔ کیا وہ جواس گواہی کوردکرتا ہے یا وہ جو اسے قبول کرتا ہے۔

پانچواں باب

جھوٹے اورسچے معجزے ۔ آج کل معجزے کیوں نہیں ہوتے

دو سوال غورطلب

اس باب میں ان دو سوالوں پر بحث کی جائیگی جو عنوان میں درج ہیں ۔ ان میں پہلا سوال یہ ہے کہ جھوٹے اورسچے معجزا میں کیونکر امتیاز ہوسکتا ہے ؟

پہلے سوال کے جواب دینے کی ضرورت

ہم اس سوال کا جواب دینے کی ضرورت اس لئے محسوس کرتے ہیں کہ یہ سوال اکثر ہمارے اُن بھائیوں کی طرف سے کیا جاتا ہے جو معجزات کے قائل نہیں۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ اگر معجزات مذہب کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت ہیں تو وہ تمام مذہب یا طریقے جو کسی نہ کسی طرح کے معجزات یا فوق العادت اظہارات کا دعویٰ کرتے ہیں خدا کی طرف سے ہیں۔ لہذا مسیحی مذہب اُن پر کسی طرح کی فوقیت نہیں رکھتا۔

واقعی اگر دوسرے مذہبوں میں سچے معجزات پائے جاتے ہیں تو وہ بھی ماننے کے لائق ہیں

یہ سوال واقعی غور طلب ہے کیونکہ فوق العادت قدرت کے اظہاروں کا دعویٰ دنیا کے لوگوں نے طرح بطرح کیا ہے ۔ یونان اور روم اور مصر اور ہند کی متھالوجی (علم الاصنام) اگر دیکھیں تو ہم وہاں نبوت کا دعویٰ بیماروں کو شفا بخشنے کا دعوے اوربدروحوں سے آزاد کرنے کا دعویٰ بافراط پائینگے۔ اسی طرح مسیح اوررسولوں کے زمانہ کے بعد مسیحی کلیسیا میں بھی بعض لوگوں نے معجزوں کا دعویٰ کیا اورزمانہ حال میں بعض لوگوں نے مذہب سے قطع تعلق کرکے ایک نئی راہ نکالی ہے۔ اورفلسفانہ بنیاد پر ایک عجیب قسم کی سوپر نیچرل ازقائم کرکے اندیکھی دنیا کے ساتھ راہ اوررابطہ پیدا کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اگریہ سب باتیں صحیح ہیں تو پھر مسیحی مذہب کے لئے خصوصیت نہیں رہتی۔

انجیلی معجزات کو چھوڑکر باقی فوق العادت اظہارات کس طرح پیدا ہوئے

اب سوال یہ برپا ہوتا ہے کہ وہ کثیر معجزے اورکراماتیں جن کا دعویٰ اس دنیا میں کیا جاتا ہے کس طرح پیدا ہوئے ؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان طبعاً اس بات کا خواہشمند ہے کہ اسے فوق العادت قدرت کا نظارہ نصیب ہو اوراس کے ساتھ ہی وہ یہ امید رکھتا ہے کہ جو تکلیفیں اسے دنیا کی طاقتوں سے پہنچتی ہیں ان سے رہا کرنے کے لئے خدا قوانین قدرت کے عمل میں دست اندازی کرتا ہے۔ پس کچھ توجلوہ الہیٰ کی دیدکا شوق اورکچھ دکھ اور بیماری سے چھوٹنے اورغیب کی باتوں کو جاننے کی خواہش وغیرہ باتیں قوت متخیلہ کی مدد سے قسم قسم کے معجزے اورطرح طرح کے فوق العادت اظہار پیدا کرلیتی ہیں ۔ اوران معجزوں یا فوق العادت اظہاروں کی موجودہ وقت کے اعتقادوں اورخیالوں اورعلموں سے تقویت دیتی ہیں ۔ یعنی کبھی مذہبی صداقتوں اورکبھی فطرت کے عجیب اظہاروں اورکبھی بعض بعض علوم کے مسئلوں کی آڑ میں فوق العادت کے لئے راہ کھول لیتی ہیں ۔

معجزات اورپروردگاری کے عجیب کاموں میں فرق ہے

مسیحی مذہب کا یہ عقیدہ ہے کہ گو خدا اپنے بندوں کی دعا سنتا ہے اوراُن کے دکھ اورسکھ میں اُن کے ساتھ رہتا اوراپنے عجیب پر اوی ڈینس (پروردگاری) سے اُن کی مشکلات حل کرتا اوراُن کی حاجات رفع فرماتا ہے تاہم معجزہ اپنے اصطلاحی معنوں کے مطابق

صرف اسی وقت وقوع میں آتا ہے جب خدا کو اپنے وہ ارادے ظاہر کرنے منظور ہوتے ہیں۔ جنہیں انسان محض نیچر کی روشنی سے دریافت نہیں کرسکتا۔لہذا معجزہ اُن فوق العادت اظہاروں سے جو اس غرض کے لئے واقع نہیں ہوتے فرق رکھتا ہے۔ اوروہ فرق مقابلہ سے فوراً ظاہر ہوجاتا ہے اورعقل سلیم کو ماننا پڑتا ہے کہ انجیلی معجزات پر سچائی کی مہرلگی ہوئی ہے ۔ ایک عالم نے خوب کہا ہے کہ حقیقی معجزات کو ایسا ہونا چاہیے کہ اگرانہیں بناوٹی معجزوں کے انباروں اورڈھیروں میں پھینک دیں تواُن میں مل جل کر غائب نہ ہوجائیں بلکہ ان کے درمیان بھی اپنی صداقت کو ظاہر کریں اوربتائیں کہ وہ کس چشمہ سے برآمد ہوئے ہیں۔ اگرمسیحی معجزات ایسا نہیں کرسکتے تو وہ اپنے مقصد میں قاصر نکلینگے۔ پر جب ہم انجیلی معجزات کا مقابلہ ان معجزانہ اظہاروں کے ساتھ کرتے ہیں جنکا دعویٰ دنیا میں مختلف صورتوں میں کیا جاتا ہے تو دونو میں زمین وآسمان کا فرق نظرآتا ہے ۔

اس فرق کو دریافت کرنے کےلئے مقابلہ کی ضرورت ہے

آؤ ہم تھوڑی دیر کے لئے بائبل کے سوپر نیچرل اظہاروں کا باقی سوپر نیچرل اظہاروں کے ساتھ مقابلہ کریں اوردیکھیں کہ حق کس طرف ہے۔

اس مقابلے میں پہلے یہ بات نظر سے گذرتی ہے کہ حالانکہ لوگ طرح طرح کی معجزانہ قدرتوں کے خود قائل ہیں۔ تاہم انجیلی معجزوں میں اوراپنے یہاں کے معجزوں میں فرق کرتے ہیں

(۱۔)مقابلے میں جو بات پہلے نظر گذرتی ہے وہ یہ ہے کہ جولوگ فوق العادت اظہاروں اورطرح طرح کی کرامتوں کے وجود کے قائل ہیں وہ خود اس بات کا اقبال کرتے ہیں کہ مسیح کے معجزوں اوردنیا کے باقی فوق العادت اظہاروں میں بڑا فرق پایا جاتاہے۔ مثلاً جب قدیم زمانہ میں لوگوں نے مسیح کے مردوں میں سے جی اٹھنے کا حال سنا تواُنہوں نے فوراً کہا کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ اُن کے یہاں خود کرامتوں اورمعجزوں کادعویٰ مسیحی معجزوں کےپہلو بہ پہلو جاری تھا۔ کیا وہ مسیح کے جی اٹھنے کا انکارکرتے اوراسے ناممکن ٹھیراتے اگر واقعی اُن کے درمیان فوق العادت طاقتوں کا عمل جاری ہوتا اس کے ساتھ یہ بات بھی یادرکھنے کے قابل ہے کہ بت پرست یہ دعویٰ نہیں کرتے تھے کہ سوائے ہمارے اورکسی کو

فوق العادت قدرتوں کا نظارہ نصیب نہیں ہوتا۔ پھر کیوں انہوں نے مسیح کے جی اٹھنے اور دیگر معجزات کو اپنی کراماتوں سے مختلف سمجھا؟ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ ایک قسم کے معجزات حقیقی اور دوسری قسم کے معجزات غیر حقیقی ہیں۔

یہودیوں کا یہی حال تھا

اسی طرح یہودیوں کے درمیان بھی فوق العادت اظہاروں کا اعتقاد پایا جاتا تھا۔ مگر وہ بھی اپنے معجزوں اورمسیح کے معجزوں میں ایک قسم کا فرق مانتے تھے۔ مثلاً جب مسیح نے ایک جنم کے اندھے کی آنکھوں کو روشن کیا توانہوں نے ایسا ظاہر کیاکہ گویا وہ معجزہ اُن اچنبھوں سے جو وہ دکھایا کرتے تھے بالکل مختلف تھا۔ اورانہوں نے اُس معجزے کی مخالفت اُسی زورشور سے کی جیسی معجزے کے منکر ہونے کی حالت میں کرتے۔

مسیح کے جی اٹھنے پر انہوں نے حجت کی

پھر انہوں نے یہی مخالفت اُس وقت کی جبکہ سیدنا مسیح نے اپنے جی اٹھنے کی نسبت نبوت کی چنانچہ اس کے مصلوب ہونے کے بعدانہوں نے حاکم سے کہا۔" اے خداوند ہمیں یاد ہے۔ کہ اس دھوکے باز نے اپنی زندگی میں کہا تھا کہ میں تین دن کے بعد جی اٹھونگا"۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اُنہوں نے مسیح کو دھوکے بازکیوں کہا؟ اگر وہ اس بات کو سچ جانتے تھے کہ سوائے انبیاء کے اورلوگ بھی معجزات دکھاسکتے ہیں۔ تو مسیح کے جی اٹھنے کی پیشینگوئی کودھوکابازی کہنے سے اُن کوکچھ فائدہ نہ تھا۔ بلکہ ہماری رائے میں اُن کو زیادہ فائدہ اس وقت پہنچتا جبکہ وہ یہ دعویٰ کرتے کہ مردوں میں سے جی اٹھنا کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ۔یہ توایک معمولی سی بات ہے ۔ لہذا مسیحی مذہب کو مسیح کے جی اٹھنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچیگا۔پس چاہئیے تھا ۔ کہ وہ مسیح کے جی اٹھنے کی پیشین گوئی یا دعویٰ کو قبول کرتے مگراس نتیجے کو جو اس کے جی اٹھنے سے نکل سکتا تھا رد کرتے یعنی اس نتیجہ کو کہ وہ خداکا بیٹا ہے۔مگرانہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اورایسا نہ کرنے کے وسیلے اس بات کا اقرار کیاکہ اگر وہ فی الحقیقت جی اٹھا ہے۔ تو وہ خدا کا بیٹا ہے۔ اب کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اس بات کے قائل تھے ۔ کہ جو فوق العادت عنصر خدا کے رسولوں اورنبیوں کے کاموں میں ہوتا ہے ۔ وہ ان کراماتوں اوراچنبھوں میں نہیں پایا جاتا جن کا دعویٰ عام لوگ کرتے ہیں۔

قدیم کلیسیا کے بزرگ گو خدا کی پروردگاری کے عجیب کاموں کے قائل ہیں ۔ مگر حقیقی معجزوں کے بارے میں اقرار کرتے ہیں کہ وہ رسولی زمانہ میں ختم ہوگئے

پھر جب ہم مسیحی کلیسیا کے قدیم زمانہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں توہم دیکھتے ہیں کہ مسیحی بزرگ بھی اس فرق کو مانتے ہیں۔ اس بات پر غور کرتے وقت ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ قدیم مسیحی جو سچائی اورراستبازی کے عاشق تھے یہ مانتے تھے کہ ان کے زمانہ میں معجزانہ قدرت اپنا کام کرتی تھی۔ اورہم اُن کی نیکی اورراستبازی اور سچائی کو دیکھ کر ان کی بات کو جھوٹ نہیں کہہ سکتے ۔ مگر تاہم جوبات یادرکھنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ جسے وہ معجزانہ قدرت کہتےہیں وہ معجزانہ قدرت نہ تھی بلکہ وہ خدا کی وہ قدرت تھی جو اس کے عجیب پروردگاری کے کاموں کے وسیلے جلوہ نما ہوتی ہے۔ اوروہ خود اقرار کرتے ہیں کہ گو خدا کی عجیب قدرت کے کام جو مساوی معجزات کے تھے ان کے زمانہ میں واقع ہوتے تھے مگر اصل معجزے رسولوں پر ختم ہوگئے تھے۔

ہمارے ہندوستانی بھائی بھی مختلف صورتوں میں فوق العادت کے قائل ہیں ۔ مگر انجیلی معجزوں کو قبول کرنے کو تیارنہیں

اور اگر آپ آج ہندوستان کے عام لوگوں کودیکھیں اوران کی حالت پر غورکریں تو آپ فوراً معلوم کرلینگے ۔ کہ وہ کیسے زود اعتقاد ہیں۔ جادو ٹونے گنڈے تعویذ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ پتھروں سے مرادیں مانگتے ہیں ۔ قبروں سے حصول مدعا کی اُمید رکھتے ہیں۔ پرندوں اور چرندوں کے آگے گر کر سجدہ کرتے ہیں ۔ تاکہ اُن کے وسیلے اُن کی مرادیں برآئیں پر اگر اُن سے مسیح کے معجزوں یا جی اٹھنے کا ذکر کیا جائے تو اُس پر لاکھ اعتراض کرتے ہیں۔ اس کا یہی باعث ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ جس قسم کی فوق العادت قدرت کے ہم ماننے والے ہیں وہ ناقص ہے۔ اورجس فوق العادت قدرت کے معجزوں کا مسیحی ذکر کرتے ہیں اورجس کے ثبوت میں وہ معقول گواہی بھی پیش کرتے ہیں اگر صحیح مانے جائیں تولازمی نتیجہ پھر یہی ہوگا کہ ان کا مذہب برحق سمجھا جائے ۔ اب ہم نے دیکھا کہ جب ہم مسیحی معجزوں کو مقابلہ اُن کراماتوں یا اچنبھوں کے ساتھ کرتے ہیں جو دنیا میں مانے جاتے ہیں توپہلا فرق جو ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے یہ ہے کہ دوسرے اقسام کے اچنبھے یاکرامات خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے اورمسیحی معجزوں کے درمیان بڑا فرق ہے ۔

(۲۔) اب اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے خاص اُن واقعات پر جنہیں لوگ کراماتیں کہتے ہیں غور کریں ۔ توانہیں دیکھ کر بھی آپ کو ماننا پڑے گا کہ واقعی مسیحی معجزوں میں اوراُن میں ایک گہرا فرق پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھینگے کہ ان واقعات میں ایمان کی کمی نظر آتی ہے بلکہ اکثر الحاد اپنارنگ دکھاتا ہے ۔ اورکہ وہ کبھی ادنیٰ درجہ کے طبقے سے اوپر نہیں اٹھتے۔ اورعموماً ذومعنی اورایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ اب ان باتوں سے اُن کا نقص صاف ثابت ہوجاتا ہے ۔ مثلاً وہ جو چھوٹی سی میز پر ہاتھ دھرواکر دوسری دنیا کے باشندوں سے باتیں کرواتے ہیں۔ وہ سوائے اس کے اورکوئی معجزانہ کام نہیں دکھاسکتے ۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم کیا کرسکتے ہیں لہذا اپنے حدود کے اندر اندر ہمیشہ کام کرتے ہیں ۔ یا جو ہندوستان میں گنڈے تعویذوں سے بیماروں کو چنگا کرنے یا بدروحوں کو نکالنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ ہمیشہ اسی قسم کے کام کیا کرتے ہیں اوراُن کو چھوڑکر اورکسی طرح کا معجزہ دکھانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اب ان حرکتوں کو معجزہ ثابت کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ایسے کام کبھی فی الفور واقع نہیں ہوتے اورنہ ایسے دعویٰ کرنے والے سب کے سب فائیر المرام ہوتےہیں۔ اوراگر پوچھا جائے کہ تم نے الحاد کی بوانِ کاموں میں کہاں سے پائی تو اس کاجواب یہ ہے کہ جو کام خدا کی عزت نہیں دیتے وہ سراسر الحاد پر مبنی ہیں۔ کیا وہ لوگ جو دوسری دنیا کی روحوں سے باتیں کرواتے ہیں ۔ اپنے کاموں اورحرکتوں کو خدا کی قدرت سے منسوب کرتے ہیں یا کسی اپنے مقررکردہ طریقے سے ؟ کیا وہ جو قبروں اور منتروں اور گنڈے تعویذوں سے اپنا کام لیتے ہیں فی الحقیقت خدا کی عزت کرتے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ہم کس طرح مانیں کہ یہ کام خدا کی طرف سے ہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ اس قسم کی باتوں میں اول تو خود ہی مبالغہ کا عنصر موجود ہوتا ہے اورپھر بیان کرنے والے بھی اپنی مبالغہ آمیز تشریحوں سے اُن پر اعجاز کا روغن پھیر دیتے ہیں ۔ مگر جب وہ ان باتوں کو مسیحی معجزات کے ساتھ امتحان کی کسوٹی پر کستے ہیں تو اُنہیں ماننا پڑتا ہے ۔ کہ ان میں اورانجیلی معجزات میں بڑا فرق ہے۔ چنانچہ پرانے زمانہ کے بت پرستوں نے اس بات کو خوب محسوس کیا کہ اگر عیسیٰ مسیح فی الحققیت مردوں میں سے خدا کی قدرت کے وسیلے جی اٹھا ہے تو یہ واقعہ لا ریب ایک سچا معجزہ ہے کیونکہ اس میں اوران معجزوں میں اسقولیپس کے مندر میں واقع ہوتے ہیں بڑافرق ہے۔ اسقیو لیپس کے مندر میں ہزاروں بیمار آتے تھے مگر شفایاب فقط

معدودے چند ہی ہوتے تھے۔ اب پرانے بت پرست دیکھتے تھے کہ اس میں کچھ بھید ہے کیونکہ سب بیمار شفا نہیں پاتے۔ اب ہزاروں میں سے چند ایک کو چنگا کرنے کا معجزہ تو ہر شخص دکھاسکتا ہے بشرطیکہ اس کو یہ اختیار دیا جائے کہ جب اس کا جی چاہے تب اُن میں سے بعض کو چنگا کردے۔ پر کبھی کوئی صاحب عقل اس قسم کی شفاؤں کو معجزہ نہیں کہیگا۔ رومن کیتھولک کلیسیا کے لوگوں نے بھی معجزانہ اظہاروں کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر جو کام وہ بطور معجزات پیش کرتے ہیں اُن پر بھی یہی حجت قائم ہوتی ہے۔ اس موقعہ پر یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات جھوٹ موٹ معجزانہ دعویٰ دوباتوں کے سبب سے کیا جاتا ہے۔

دوباتوں سے پیدا ہوئے

(الف) کسی تعلیم کو رواج دینے کے مقصد سے

(ب) کسی شخص کی بزرگی کو ثابت کرنے کی غرض سے

پہلی بات کی نسبت ہم یہ عرض کرتےہیں ۔ کہ اگر تعلیم عقل اوراخلاقی اصول کے برخلاف ہے توہم اسے خدا کی طرف سے نہیں مان سکتے ۔ اوراگر وہ منجانب اللہ نہیں۔ تو خدا کی معجزانہ قدرت سے مدد نہیں پاسکتی۔ یادرکھنا چاہیے ۔ کہ ممکن ہے کہ کوئی مسئلہ یا تعلیم ہماری سمجھ سے بالا یا باہر ہو مثلاً ثالوث یا الوہیت مسیح یا کفارہ مسیح اوغیر مگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی تعلیم جو خدا کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کرتی ہے نیکی یعنی (Morality) کے برخلاف ہو۔ اس کا ذکر ہم ذرا آگے بڑھ کر مفصل طورپر کرینگے۔ یہاں ہم اس کا اشارہ فقط اس بات کے لئے کرتے ہیں کہ معلوم ہوجائے۔ کہ اکثر اوقات دھوکابازوں نے خواہ وہ عیسائی ہوں یا کسی اورمذہب کے ہوں اپنی مطلب براری کےلئے جھوٹی تعلیموں کو رواج دینے کےواسطے معجزات کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر ان کی تعلیموں کا نقص ظاہر کرتا ہے کہ ان کی امداد میں الہیٰ قدرت استعمال نہیں کی گئی۔ کیونکہ خدا ایسی گندی یا ناقص تعلیموں کا بانی نہیں ہوسکتا۔

کسی شخص کی اخلاقی خوبی یا بزرگی کے ثبوت کے لئے بھی معجزات کی ضرورت نہیں

اورپھر جیسا ہم نے اوپر کہا یہ بھی دیکھا جاتا ہے ۔ کہ بعض اوقات کسی شخص کی عزت یاشان بڑھانے کےلئے یااس کی پاک زندگی کے ثبوت میں معجزانہ دعوے کئے گئے ہیں۔ پر جب ہم اس بات پر غورکرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سیرت کی خوبی یا پاکیزگی کے ثبوت کے لئے معجزانہ اظہاروں کی تائید کی ضرورت نہیں

کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم ہزاروں اشخاص کو عزت دیتے ہیں اوراُن کی نیکی اوربزرگی کے قائل ہیں ۔ حالانکہ انہوں نے کبھی کوئی معجزہ ہم کو نہیں دکھایا۔ سیرت کی خوبی معجزانہ کسوٹی سے نہیں پرکھی جاتی اس کے پرکھنے کا معیاراورہی ہے۔ پس اکثراوقات لوگوں نے دھوکا کھاکر یادھوکا دینے کے لئے گذرے ہوئے لوگوں کےساتھ معجزانہ قدرت کو مربوط کیا ہے۔ مگروہ اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکتے ۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے رومن کیتھولک بھائیوں پر شاید اور فرقوں کے لوگوں پر بھی یہ دونوں باتیں بہت درجہ تک صادق آتی ہیں ۔

جن معجزوں کوہم نے ذومعنی کہا ہے اسی قسم کے معجزے مسیح نے بھی دکھائے ہیں کیا اُن پروہی اعتراض نہیں ہوسکتے جو دوسروں کے معجزوں پرکئے گئے ہیں

پر قبل ازیں کہ ہم اس خاص پوائنٹ کو چھوڑکرآگے بڑھیں ہم ایک اوراعتراض کا جواب دینا چاہتےہیں جو اس موقع پر کیا جاسکتا ہے ۔اوروہ یہ ہے کہ شاید کوئی ہم سے کہے کہ تم نے شفا دینے اوربدروحوں کے نکالنے اورآنے والی باتوں کو خبریں دینے کو ذومعنی اورملحدانہ واقعات کہا ہے۔ اب اگریہ صحیح ہے توکیا یہی اعتراض مسیح کے معجزوں پرنہیں کیا جاسکتا ۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں ۔ کہ اگرمسیح بھی شفا دیتے وقت یا بدروحیں نکالتے وقت یا نبوت کرتے وقت ذومعنی کلمات استعمال کرتا۔ اگروہ بھی کبھی کامیاب ہوتا اورکبھی معجزہ دکھانے میں ناکامیاب رہتا۔ اگراس کی بات بجائے فی الفوروقوع میں آنے کے مدتوں تک انتظار کھچواتی اورپھر بھی واقع نہ ہوتی۔ اگراُس کی معجزانہ طاقتیں جو شفا اورنبوت اوربدروحوں کے نکالنے میں ظاہر ہوئیں انسان کی بھلائی اورباپ کے جلال کے لئے نہ ہوتیں توہم اسکے اس قسم کے معجزوں کو بھی اس ناقص زمرہ میں شمارکرتے ۔ ماسوائے اسکے یہ بھی یادرکھنے کے قابل ہے کہ جو معجزات دنیا ان باتوں کے متعلق ہمارے سامنے رکھی ہے وہ اس ادنیٰ طاقت کے پائے سے جو ان معجزات کےوقوع کےلئے ضروری سمجھی جاتی ہے اورجس میں طرح طرح کی نیچرل تاویلوں کی جگہ ہے ۔ کبھی اوپر نہیں اٹھتے۔ سوجب ہمیں مسیح کے معجزوں کا فیصلہ کرنامنظور ہوتو لازم ہے کہ ہم اس کے اُن معجزات پر غورکریں جن کی تشریح کسی طرح نیچرل تاویلوں کی بنا پرنہیں ہوسکتی ۔ مثلاً اس کا پانچ ہزار کو پانچ روٹیوں اوردومچھلیوں سے آسودہ کرنا ۔ اس کا چاردن کے مرے ہوئے اوردفن کئے ہوئے

مردے کو زندہ کرنا۔ اس کا آپ تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھنا ۔ اس کا آسمان پر تشریف لے جانا ایسے معجزات ہیں جن کے ظہور کے لئے اعلیٰ الہیٰ قدرت کے فعل کی ضرورت تھی۔ اب اگر یہ معجزات صحیح اورراست ہوں تو اس کے ادنیٰ درجہ کے معجزات بھی ان اعتراضوں سے بری ہونگے جو اس قسم کے جھوٹے معجزات پر عاید ہوتے ہیں۔ یا یوں کہیں کہ بڑے بڑے معجزات کی روشنی میں اس کے چھوٹے چھوٹے معجزات بھی سچ ظاہرہوتے ہیں۔

دنیا کے معجزانہ اظہاروں کی اخلاقی خاصیت بھی غورطلب ہے

(۳۔) پھر اس مقابلہ میں ہمارا یہ بھی فرض ہے ۔کہ ہم ان واقعات کی اخلاقی خاصیت پر بھی بخوبی غورکریں اوردیکھیں کہ کیا ایسے کام خدا کی قدرت سےوقوع میں آسکتے ہیں۔ خصوصاً ہم ان سوالوں پر غورکریں ۔ کیا وہ واقعات جو بطور معجزات پیش کئے جاتے ہیں ۔ فی نفسہ پاک ہیں یاناپاک ہیں؟ کیا وہ عظیم الشان اورجلیل ہیں۔یا ہلکے اور تمسخر انگیز ہیں؟ کیا اُن سے حکمت اوردانائی ٹپکتی ہیں۔ یا حماقت اورلڑکپن کی حرکتوں کی بوآتی ہے ؟ اوریہ توہم سب جانتےہیں کہ خدا اپنی قدرت فضول طورپر صرف نہیں کرتا۔ اورنہ وہ ناپاکی اورگناہ کا بانی ہے۔اب اگرہم ان معجزات پر جویونانیوں اوررومیوں کے قصوں میں درج ہیں غورکریں توہم دیکھینگے کہ اُن میں بے شمار ایسے ہیں جو بالکل پاکیزگی اورحکمت اورحقیقی عظمت کے برخلاف ہیں۔ ہندوؤں کے یہاں جودیوتا مانے جاتے ہیں اوراوتار تسلیم کئے جاتےہیں اُن سے بڑے بڑے کام منسوب کئے گئے ہیں۔پر جب ہم اُن پر غورکرتے ہیں تو صاف معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ یا تو وہ سرار ناپاکی سے بھرے ہوئے ہیں ۔ یا اُن سے حماقت ٹپکتی ہے یا اُن پر ہنسی آتی ہے۔اکثر ہندواوتاروں کو مانتے ہیں ۔ پر جب ہم یہ دریافت کرنے لگتے ہیں کہ ایشور نے کیوں ، کچھ اورباره اورنرسنگ وغیرہ کا اوتارلیا تواس کے جواب میں ایسی وجوہات بتائی جاتی ہیں کہ انسان سن کر حیران رہ جاتا ہے۔ کرشن ، ہنومان، برہما، وشنو اور مہیش سے ایسے اچنبھے منسوب کئے جاتے ہیں ۔ جن کو عقل ہرگزہرگز قبول نہیں کرسکتی ۔ پس وہ تمام واقعات جو معجزات ہونے کا دم بھرتےہیں مگر جن سے ناپاکی اورہلکا پن اورانتقام اور شہوت کی بوآتی ہے وہ کبھی خدا کی فوق العادت قدرت سے واقع نہیں ہوسکتے۔

علاوہ معجزانہ واقعات کی گواہی پربھی غورکرنا لازمی امر ہے

(۴۔) پھر اس مقابلہ میں گواہی کوبھی بڑا دخل ہے۔اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم انجیلی معجزات کو دیگر معجزانہ اظہارات کے ساتھ مقابلہ کرتےوقت اس بات پربھی غورکریں کہ موخرالذکر کیسی گواہی اپنے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ ہم یہ دریافت کریں کہ جولوگ ان کے وقوع پر گواہی دیتے ہیں کیا وہ معجزہ دکھانے والے یا والوں کے ہمعصر تھے ؟ کیا وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے ان معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا؟ اورکیا اُن کی گواہی اسی زمانہ میں قید کتابت میں آئی یا صدیوں بعد بصورتِ روائت مشہورہوئی ؟ اورخاص کرہم یہ دریافت کریں کہ گواہوں نے اپنی گواہی کی سچائی کےلئے کہاں تک تکلیفیں سہیں ضروری امر نہیں کہ گواہ ہمیشہ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائے۔ توبھی اس میں شک نہیں کہ فوق العادت کی گواہی کو ہماری نظر میں اُس وقت عجیب قسم کی وقعت حاصل ہوتی ہے جس وقت ہم کو یہ معلوم ہوجاتاہے ۔ کہ گواہ نے اپنی گواہی کے لئے اپنا سرتک بھی دیدیا۔ مگراُس نے انکارنہ کیا۔

پرسب سے زیادہ غورطلب یہ پوائنٹ ہے کہ جن معجزات کا دعویٰ دنیاکرتی ہے اُن سے کون سے عجیب نتائج پیدا ہوئے

(۵۔) پرسب سے بڑی بات جو اس مقابلہ میں غورطلب یہ ہےکہ ہم یہ دریافت کریں۔ کہ انجیلی اورغیرانجیلی معجزات سے کیا کیا نتائج پیدا ہوئے ؟ کونسا پھل اُن میں لگا؟ ہم پوچھیں کہ مسیح کے معجزات کو چھوڑکر باقی جو فوق العادت واقعات دنیا میں مانے جاتے ہیں انہوں نے دنیا کے لئے کیا کیا؟ کیا انہوں نے اس دنیا میں کوئی ایسی تعلیمیں پھیلائیں جن سے دنیا کی حالت اورمزاج میں فرق پیدا ہوا؟ اوربنی آدم کو ایسی دائمی بھلائی دستیاب ہوئی ہے جسے کوئی طاقت زائل نہیں کرسکتی ؟ کیا اُن معجزوں کی بنا پر کوئی ایسی مذہبی سوسائٹی قائم ہوئی جو تاقیامت زندہ رہنے کےآثارپیش کرتی ہے ؟ اگرآپ ان اہم سوالوں پرغورکریں توآپ پر فوراً روشن ہوجائے گا کہ سوائے مسیحی مذہب کے اورکوئی مذہب نہیں ہے جس کی نسبت یہ کہا جائے۔ کہ اس کی تعلیمات نےمعجزات سے ثابت ہوکر تمام دنیا کی حالت کوتبدیل کردیا ہے۔

مسیحی مذہب کی بنیادی تعلیمیں جن کے ثبوت میں معجزات دکھائے گئے

مسیحی مذہب کی بنیادی تعلیمیں یہ ہیں کہ خداکا بیٹا مجسم ہوا۔گنہگاروں کے کفارے کے لئے مارا گیا مردوں میں سے جی اٹھا ۔

آسمان پر تشریف لے گیا اوروہاں باپ کے دہنے ہاتھ بیٹھ کر گنہگاروں کی سفارش کرتا ہے۔ اوراپنی روح پاک کے وسیلے اپنے لوگوں کو پاکیزگی کی ایک منزل سےدوسری منزل تک پہنچاتا ہے۔ یہی ہیں وہ الہٰی تعلیمیں جن کی تصدیق اورثبوت کے لئے معجزات دکھائے گئے۔کیاان تعلمیں نے دنیا میں کچھ بھی نہیں کیا؟ اگرآپ انصاف کریں توآپ کو ماننا پڑیگا کہ انہیں تعلیموں نے ہمیں یہ سیکھایا ہے کہ خدا ہمارا باپ ہے اورانسان ہمارا بھائی ہے ۔ انہیں کی طفیل سےانسان نے انسانیت کے اصل جوہر کو پہچانا ہے ۔ انہیں کے وسیلے خدا کی محبت اورپاکیزگی کا جمال اورجلال ظاہر ہوا۔ انہیں تعلیموں نے اصل تہذیب اور سوشل ترقی کی بنیاد ڈالی۔ اورجہالت اوربطالت اورظلم اورستم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہمارے پاس وقت نہیں کہ ہم زیادہ تفصیل کے ساتھ دکھائیں کہ کیونکرمذہبی اور عقلی اورعلمی اورسوشل دنیا میں ان تعلیموں نے اپنے نیک اثر سے عجیب عجیب قسم کی تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ پریہ تعلیمیں انہیں معجزوں کے وسیلے سچی ثابت کی گئیں جن پر آج لوگ طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں ۔ کیا دنیا کےمشہور معجزات بھی اسی قسم کے دیرپا اور فیض رساں نتائج کے ساتھ وابستہ ہیں؟ اگراُن سے بھی ایسے بڑے نتیجے پیدا ہوئے ہیں تو وہ بھی خدا کی طرف سے ہیں ورنہ نہیں۔ پرتاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ مسیحی مذہب کے سوا اورکوئی مذہب ایسا نہیں جس کے مصنوعی معجزات نے ایسے نتیجے پیدا کئے ہوں۔ اب اگرہم اس وقت جبکہ انجیل کے معجزات کادنیا کے مصنوعی معجزات کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں مذکورہ بالا خیالات کو مدنظر رکھیں توہم فوراً اس بات کے قائل ہوجائینگے۔کہ فقط بائبل ہی کے معجزات سچے ہیں اورباقی سب معجزے ناقص اورناقابل یقین ہیں۔

دوسرا سوال کہ اب معجزات کیوں نہیں دکھائے جاتے

دوسرا غورطلب سوال یہ ہے کہ اب معجزے کیوں نہیں ہوتے؟ اس سوال کا جواب چند لفظوں میں اس طرح دیا جاسکتا ہے۔ کہ اب ضرورت نہیں ۔ اس بات کو مفصل طورپر بیان کرنے میں ہم کو پھر انہیں باتوں کو رقم کرنا پڑیگا جوہم ابواب ماقبل میں عرض کرچکے ہیں ۔ پر ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے روشن ضمیر ناظرین نے ان باتوں سے جوہم معجزے کی غرض اورمقصد پر تحریر کرچکے ہیں خود بخود یہ نتیجہ نکال لیاہوگا کہ اب معجزات کی ضرورت نہیں رہی ۔ مگرپھر بھی یہاں چند خیالات ہدیہ احباب

کرتے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ معجزات کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی۔

اس لئے خدا بغیر اشد ضرورت کے معجزانہ طاقت کو استعمال نہیں کرتا

(۱۔) جوکچھ ہم اوپر لکھ چکے ہیں اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گو مسیحی مذہب معجزات کے وجود اوروقوع کا قائل ہے۔ تاہم وہ اسبات کا بھی معترف ہے کہ بغیر اشد ضرورت کے خدا اپنی سوپر نیچرل طاقت کو کام میں نہیں لاتا ۔ وہ لوگوں کے اشتیاق عجائبات کوپورا کرنے کے لئے ۔ یا اُن کی حاسدانہ اغراض کو پورا کرنے کے لئے ۔ یا اُن کو آنے والی باتوں کی غیرضروری خبریں دینے کے لئے یا شہوانی خواہشوں کوپورا کرنے کے لئے ۔ یا کسی انسان کی عزت اورجلال کے واسطے اپنی معجزانہ قدرت کو کام میں نہیں لاتا۔ اور عقل سلیم اورائے صائب اس بات کو تسلیم کرتی ہیں۔ پس معجزوں کی ضرورت کسی خاص موقعہ پر ہوتی ہے۔

(۲۔) اب مسیحی مذہب بتاتا ہے اورعقل اسے قبول کرتی ہے۔ کہ جس خاص موقعہ پر خدا معجزات دکھانا روا رکھتا ہے وہ وہ موقعہ ہے جبکہ وہ اپنی مرضی کا ایسا مکاشفہ عطا فرماتا ہے ۔ جسے انسان اپنی نیچرل طاقتوں سے معلوم نہیں کرسکتا۔ مثلاً سیدنا مسیح یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں زندگی اورقیامت ہوں۔ پر اس بات کے ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری امر تھا۔ کہ وہ ایک ایسا معجزہ دکھائے جو دیکھنے والوں کو مجبورکرے کہ اس کے دعوے کو قبول کریں۔ جب لعزر کی قبرپر آکہ اس نے اُس مردے کو اپنے کلام کی طاقت سے زندہ کردیا۔ تب یا بات روشن ہوگئی کہ وہ زندگی کا سرچشمہ ہے۔ اورجوکہ اُس پر ایمان لاتےہیں وہ ہرگز ہرگز فنا نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ کی زندگی کے وارث بن جاتے ہیں۔ اُسے منظورتھا کہ لوگوں کو بتائے کہ مجھے گناہ معاف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ پرکون اُس کی بات کو مانتا اگروہ یہ کہکر کہ اے بیٹا تیرے گناہ معاف ہوئے۔ اس مفلوج کو کھٹولا اٹھا کر چلنے کی طاقت نہ دیتا؟ اسی طرح خدا کے مجسم ہونے اور کفارے کے کام کو پورا کرنے اورانسان کی روح اورجسم کے بچ جانے کی تعلیمیں ایسی ہیں کہ اُن کے ثبوت کے لئے معجزات کی ضرورت تھی۔ پس معجزے کی غرض اور مقصد سے صاف ظاہرہے کہ ہر زمانہ اور ہر فرقے میں معجزات کے واقع ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جن مذاہب کی تعلیمات نیچرل ہیں وہ معجزات کی حاجت نہیں رکھتے۔ کیونکہ اُن کی تعلیمات انسان کی عقل سے بلند وبلا نہیں ہیں

شاید اس جگہ کوئی یہ کہے کہ بہت سی تعلیمیں دنیا میں مروج ہیں اوراُن کے ماننے والے بھی بکثرت ہیں۔ اوروہ تعلیمیں اپنی ذات میں نیک اورپسندیدہ ہیں۔ مگراُن کے ثبوت میں کوئی معجزہ نہیں دکھایا گیا۔ مثلاً بودھ مذہب اورمحمدی مذہب میں کئی ایسی تعلیمیں پائی جاتی ہیں اب ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہرایک بات کے لئے معجزے کی ضرورت ہے۔ بلکہ ہم تویہی دکھا رہے ہیں کہ ہربات کے لئے خواہ وہ بچی ہی کیوں نہ ہو معجزے کی ضرورت نہیں پڑتی بودھ مذہب کی تعلیمیں اورمحمدی مذہب کی تعلیمیں بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام تعلیمیں جو انسان کی نجات کو اُسی کے اعمال پر چھوڑتی ہیں نیچرل ہیں۔ اُن میں کوئی بات سوپر نیچرل نہیں لہذا انہیں سوپر نیچرل واقعات کے ثبوت کی ضرورت نہیں گو اُنکے معتقدوں نے سوپرنیچرل واقعات اُن سے منسوب کردئیے۔

پس معجزے کے مقصد سے ظاہر ہے کہ اب معجزے کی ضرورت نہیں

پس جب ہم معجزے کے مقصد اورغرض پر غورکرتے ہیں۔ تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ سوائے خاص خاص موقعوں کے اور سوائے اشد ضرورتوں کے معجزات وقوع میں نہیں آتے۔

پھر انجیل کے کامل مکاشفہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ اب معجزات کی ضرورت نہیں

(۳۔) اب آخری بات جو ہم اس سوال کے ضمن میں ہدیہ ناظرین کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ مسیحی مکاشفہ ہمارے ایمان اور عمل کے لئے کامل ہے اب چونکہ ہماری نجات کے لئے مکاشفہ کی ضرورت نہیں۔ اس لئے معجزوں کی بھی ضرورت نہیں رہی۔

مذہب کے دو پہلو۔ اُن میں سے ایک ایمان کا اورایک عمل کا پہلو ہے۔

مسیحی مذہب کی وہ تعلیمیں جن پر ہم کو ایمان لانا چاہیے کامل ہیں

اب مسیحی مذہب اُن دونو پہلوؤں کی شرائط کو کامل طورپر ادا کرتا ہے۔ مثلاً جو کچھ وہ ہم کو خدا اورانسان کی نجات ۔ اوردوزخ، اوربہشت کی بابت بتاتا ہے۔ وہ ہمارے لئے کافی دوانی ہے۔ اورکوئی

دوسرا مذہب ان معاملات میں اُس سے بڑھ کر صحیح اورکامل تعلیم نہیں دیتا۔

وہ ہم کو خدا کی ذات وصفات کی اوراس رشتہ کے متعلق جو خدا انسان اوریونیورس سے رکھتا ہے پوری پوری خبردیتا ہے۔ پھر وہ ہم کو مکمل طورپر بتاتا ہے کہ گناہ کیا ہے اوراُس کا تعلق خدا اورانسان کے ساتھ کیا ہے ۔ وہ ہم کو سکھاتا ہے کہ نجات دہندہ کون ہے اوراسے کیسا ہونا چاہیے وغیر وغیرہ ۔ اگر یہ سب باتیں ہم کو صحیح اورکامل طورپر معلوم نہ ہوتیں۔ توہمارا ایمان ناقص رہتا۔ پر مسیحی مذہب نے ان اہم امور پر ایسی لائح روشنی ڈالی اورہماری موجودہ ضرورتوں کے بموجب ان کو ایسی کامل صورت میں پیش کیاہے۔کہ اب ایمان والی تعلیموں میں کسی طرح کے اضافے یا زیادتی کی ضرورت نہیں رہی ۔

اسی طرح مسیحی مذہب کی وہ ہدائیتیں اورنصیحتیں جو عمل زندگی سے متعلق ہیں کامل ہیں

اسی طرح جب ہم اس مذہب کے عملی پہلو پر غورکرتے ہیں تو وہاں بھی ہم کو یہی نظر آتاہے کہ جو کچھ درستی عمل کےلئے ضروری ہے وہ سب کچھ انجیل میں ہمارے لئے موجود اورایسی کاملیت کے ساتھ اورکسی جگہ سے وہ علم دستیاب نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ وہ ہمیں احسن طور پر بتاتا ہے کہ خدا کی اطاعت وبندگی۔خدا کی رضا جوئی اورفرمانبرداری کیا شئے ہے۔اورکیسی نیت کےساتھ اسے بجالانا چاہیے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کوانسان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئیے۔ ماں باپ کو اپنے بچوں سے۔ بچوں کو اپنے باپ سے۔ مالکوں کو اپنے خادموں سے ، خادموں کو اپنے آقاؤں سے پڑوسی کواپنےپڑوسی سے کیونکر پیش آنا چاہئیے۔ اُس کے اخلاقی کمالات کا اعلیٰ زینہ وہ محبت ہے جو خدا اورانسان کی خدمت میں اپنے تئیں قربان کرنا جانتی ہے۔ غرضیکہ اُس کی تعلیمات اوراخلاقی ہدایات ایسی کافی ہیں ۔ کہ ہم نئے مکاشفہ کے محتاج نہیں۔اب چونکہ وہ مکاشفہ الہیٰ جو انجیل کے وسیلے ہم کو پہنچاجس کی تائید وتصدیق میں سیدنا مسیح نے معجزات کر دکھائے کافی دوافی ہے۔ اورچونکہ خدا نجات کےبارے میں جو کچھ ہمیں بتانا چاہتا تھا بتاچکا ہے ۔ لہذا اب معجزوں کی ضرورت نہیں رہی۔ اوراسی لئے معجزے دکھائے نہیں جاتے۔

چھٹا باب

سیدنا مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا

ہم پچھلے ابواب میں اُن مختلف مضامین پر جو معجزے سے علاقہ رکھتے ہیں بحث کرچکے ہیں۔ چنانچہ ہم نے دکھادیا ہے کہ معجزے کی کیا غرض ہے اور وہ قوانین قدرت سے کیا تعلق رکھتا ہے۔اور کہ جو گواہی انجیلی معجزات کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے وہ رد کرنے کے لائق نہیں۔ علاوہ بریں ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ مسیح اوراُس کے شاگردوں کے معجزوں میں اوراُن اچنبھوں میں جن کا دنیا دعویٰ کرتی ہے کیا فرق ہے۔ اس باب میں ہم ایک خاص معجزے کو ناظرین کے ملاحظہ کے لئے پیش کرتے ہیں اورہماری منت ہے۔ کہ وہ بے تعصبی اورانصاف سے ان چند سطور پر غورفرمائیں ۔ اورہم اُمید کرتے ہیں کہ اگر ایسا کیا جائیگا تو ضروریہ امر روشن ہوجائیگا کہ مسیح کا مردوں میں سے جی اٹھنا ایسی محکم دلائل پر مبنی ہے جن کوکسی طرح کی منطق غلط نہیں ٹھیرا سکتی۔

مسیحی نوشتوں کا دعویٰ ہے کہ مسیح مردوں میں سے جی اُٹھا ہے اوریہ عقیدہ مسیحی مذہب کی جان ہے جیسا کہ پولوس کے کلام سے ثابت ہوتا ہے

مسیحی نوشتوں کا یہ دعویٰ ہے کہ مسیح مصلوب ہونے کے بعد تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے ۔ کہ اُس کا مصلوب ہونا اورپھر تین دن بعد مردوں میں سے جی اٹھنا مسیحی مذہب کی جان ہے۔ چنانچہ پولوس رُسول کرنتھیوں کے پہلے خط میں مسیح کی جی اٹھنے کے بارے میں یوں لکھتا ہے "۔ اگرمسیح نہیں جی اٹھا تو ہماری منادی عبث ہے۔ اورتمہارا ایمان بھی عبث ہے ۔ بلکہ ہم خدا کے جھوٹے گواہ بھی ٹھیرے کیونکہ ہم نے خدا کی بابت گواہی دی کہ اُس نے مسیح کوپھر جلایا ہے"۔ اورپھردوسری جگہ یوں کہتا ہے "۔ اگرہم صرف اسی زندگی میں مسیح سے اُمید رکھتے ہیں توہم سارے آدمیوں سے کم بخت ہیں"۔(۱کرنتھیوں ۱۵: ۱۴، ۱۵، ۱۹)ان مقاموں سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کا مردوں میں سے جی اٹھنا مسیحی مذہب کی بنیادی تعلیم ہے۔ پولوس کے نزدیک یہ واقعہ ایسا ضروری تھا کہ وہ کہتا ہے کہ اگروہ سرزد نہیں ہوا تو سب

رسول اورگواہ جھوٹے ہیں اورجو اُن کی گواہی سے مسیح پر ایمان لاتے ہیں وہ درجہ اول کے بدبخت اوربد نصیب ہیں۔

پولوس کوکیوں ایسے الفاظ لکھنے پڑے

پولوس کویہ الفاظ غالباً ایسے زور سے اس واسطے تحریر کرنے پڑے کہ شہر کارنتھ میں جہاں اُن دنوں فلسفہ کا دودوران تھا ایسے مسیحی پیدا ہوگئے تھے جو مردوں کے جی اٹھنے پرشک لانے لگ گئے تھے۔ یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مسیح کے جی اٹھنے کے بھی انکاری ہوگئے تھے ۔ مگررسول اس بات کوسن کرکہ وہ قیامت کا انکارکرنے پر آمادہ ہوئے جاتے ہیں اُن کولکھتا ہے کہ اگرمُردے اپنے جسموں کے ساتھ نہیں اٹھینگے تو مسیح بھی نہیں اٹھا پر" اگر مسیح نہیں جی اٹھا توہماری منادی عبث ہے اورتمہارا ایمان بھی عبث وغیرہ"۔ شاید ان کرنتھیوں میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ اگر قیامت ناممکن ہےتوکچھ مضائقہ نہیں۔ ہم مسیح کی پیروی نہیں چھوڑینگے۔ اُس کی تعلیم اوراُس کا نمونہ ہمارے لئے غنیمت ہے۔ کیونکہ انسان اُس کی تعلیم اوراُس کا نمونہ کے وسیلے اپنے فرائسن کو ادا کرنے کی تحریک پاتا۔ نامناسب جذبات کواپنے قابو میں رکھنا سیکھتا۔ اوراپنے خدا کی عبادت اورخدمت میں مصروف رہتا ہے۔ پولوس اُن کی غلط فہمی کو دورکرتا ہے اورایسے الفاظ میں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرمسیح نہیں جی اٹھا تواُن کا ایمان لانا عبث ہے۔بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ مسیحی مذہب بالکل جھوٹا ہے۔

مسیحی دین کے مخالف اس بات کوبخوبی سمجھتے ہیں

اورمخالفان دین عیسوی نے اس بات کو خوب پہچانا ہے۔ یعنی وہ جانتے ہیں کہ اگر مسیح کا مردوں میں سے جی اٹھنا مان لیا جائے توپھر اس کے ساتھ اوربھی بہت کچھ ماننا پڑیگا۔لہذا مخالفوں نے طرح طرح کے اعتراض کئے ہیں اورہم چاہتے کہ قبل ازیں کہ ہم اس تواریخی واقعہ کی گواہی پیش کریں اور وہ دلائل جو منصف مزاجوں کے نزدیک کافی ووافی ہیں ہدیہ ناظرین کریں اُن اعتراضوں یا مختلف تاویلوں پر غورکریں جو معترضوں نے اپنے واہمہ سے تجویز کی ہیں اوروہ پانچ مختلف صورتوں میں پیش کی جاتی ہیں اُن تاویلوں کے وجود میں آنے کی اصل یہ ہے کہ نکتہ سنج لوگوں نے اس واقعہ کے حقیقی وزن کو خوب محسوس کیا ہے۔ چنانچہ وہ جانتےہیں کہ مسیحی عقیدوں میں یہ عقیدہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو سب سے پرُانا ہے۔ اورکہ اس نے مسیحی مذہب کو زندہ رکھنے اور دور دورتک پھیلانے میں بڑی مدد دی ہے۔ لہذا باتوں باتوں میں اسکو اڑانا

مشکل کام ہے ۔ مثلاً بارصاحب جنہوں نے انجیل کے بیانات کی تاویل عقلی طورپر پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا جانتے تھے کہ مسیحی مذہب بغیراس اعتقاد کے دنیا کو فتح کرنے کے لئے ایک قدم نہیں اٹھاسکتا تھا۔گور صاحب انجیلی بیانات اور معجزات کی وہمی تاویلیں پیش کرنے میں عجیب دعووں اور تھیوریوں کو اختیارکرتے ہیں مگر مسیح کے جی اٹھنے کے معاملے میں خاموش ہیں۔ اس خاموشی کودیکھ کرسٹراس صاحب جن کا ذکر اوپر کئی بارہوچکا ہے کہتےہیں کہ بارصاحب اس سخت سوال کو ہاتھ نہیں لگاتے بلکہ اُسے ایک ایسا واقعہ تصورکرلیتے ہیں کہ اُس پر بحث نہیں ہوسکتی۔ اوریوں اُس سے درگذرکرکے صرف اُس کے تواریخی نتائج کا سراغ لگانے پر اکتفا کرتےہیں۔ممکن ہے کہ بارصاحب کی خاموشی کسی قدرتجاہل عارفان کی صورت رکھتی ہو۔ مگراس کے ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس واسطے خاموش رہے کہ وہ جانتے تھے کہ مسیح کے جی اٹھنے پر جوجو حملے اوراعتراضوں ہوچکےہیں وہ ناقابل اطمینان ہیں۔ مگر بارصاحب کی سی دوراندیشی کی توقع ہر معترض اورمنکرسے نہیں کی جاسکتی ۔ لہذا ان لوگوں نے مسیح کے جی اٹھنے کی مختلف تشریحیں اورتاویلیں پیش کی ہیں تاکہ یہ ثابت کریں کہ وہ کبھی مردوں میں سے زندہ نہیں ہوا۔ پراس باہمی جنگ وجدل میں یہ تماشہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جو شرح ایک شخص پیش کرتا ہے۔ دوسرا اس کوکاٹ ڈالتا ہے۔ اب ہم اُن تاویلوں پر غورکرینگے۔ وہ یہ ہیں۔

تاویلیں

۱۔ کہ مسیح کا جی اٹھنا محض ایک بنائی ہوئی بات ہے جس کی بنا جھوٹ اورچوری پر قائم ہے ۔

۲۔ کہ مسیح صلیب پر مرا نہیں تھا بلکہ بے ہوش ہوگیا تھا۔ اورجب ہوش میں آیا تواپنے شاگردوں کو کئی بارملا۔ اورپولوس سے ملاقات کرنے کےوقت تک زندہ رہا۔ زاں بعد کسی کنج تنہائی میں یا جس طرح بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ کشمیرمیں جاکرمرگیا۔

۳۔ کہ مسیح کبھی جسم کے ساتھ دکھائی نہیں دیا۔ اُس کے نظارے محض ذہنی یا وہمی تھے۔ چونکہ شاگرد اپنے استاد کی مفارقت سے بیکل ہورہے تھے اوراُن کا دھیان اُسی طرف لگاہوا تھا اوریہ خواہش دامنگیرہورہی تھی کہ اس کے چہرہ کو دیکھیں۔اُن کا یہ کہنا جھوٹ بولنا نہ تھا کیونکہ انہوں نے اپنے وہم کے تصویر خانہ میں اُس کی صورت کوایک طرح ضرور دیکھا۔ گووہ صورت حقیقی

مادی صورت نہ تھی بلکہ ایک وہمی عکس تھا۔ پس یہ لوگ فریب خوردہ تھے۔

۴۔ کہ مسیح کی وفات کے بعداُس کے بدن کے جو نظارے شاگردوں کو نصیب ہوئے وہ کلیہ طورپر وہمی نہ تھے بلکہ اُن میں کچھ کچھ حقیقت بھی تھی۔ یایوں کہیں کہ جوکچھ انہوں نے دیکھا وہ مسیح کا مادی بدن نہ تھا۔ بلکہ وہ اُس کی جلال روح تھی جس نے اپنے تئیں شاگردوں پر ظاہر کیا تاکہ اُن کے مجروح دل تسلی اورآرام پائیں۔ گویا یہ آسمانی نظارے تارکی خبریں تھیں جن کا یہ مقصد تھا کہ شاگردوں کو پتہ لگ جائے۔ کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔

۵۔کہ نہ مسیح کا بدن دکھائی دیا اورنہ اس کی روح دکھائی دی۔ بات اصل یہ تھی کہ ۔کہ مسیح کے مصلوب ہونے کے بعد شاگرد یہ منادی کیا کرتے تھے کہ وہ اب بھی زندہ ہے پر وہ اس بات پر ایسا زوردیا کرتے تھے کہ اُن کے مبالغہ آمیز کلام سے آخر کار وہ قصہ پیدا ہوگیاجسے اُس کا مردوں میں سے جی اٹھنا کہتے ہیں ۔ اب ہم نے دیکھاکہ یہ پانچ تاویلیں مسیح کے جی اٹھنے کے متعلق پیش کی گئی ہیں۔ کیا مناسب نہیں کہ ہم تھوڑی دیر کے لئے ان پر ترتیب دارغور کریں اوردیکھیں کہ ان میں کہاں تک راستی پائی جاتی ہے۔

پہلی تاویل کہ مسیح زندہ نہیں ہوا بلکہ اس کی لاش چرائی گئی

ان میں سے پہلی تاویل یہ بتاتی ہے کہ مسیح توکبھی مردوں میں سے نہیں اٹھا تھا۔بلکہ وہ مرنے کے بعد قبر میں پڑا رہا۔ پر اُس کے شاگردوں نے اُس کی لاش چُرالی اورمشہورکردیا۔ کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھاہے۔ واضح ہوکہ یوروپ کے تمام منکر نے اس تاویل کو ناقص بلکہ گندی سمجھ کرترک کردیا ہے۔

یوروپ کے منکروں نے اس تاویل کو ناقص سمجھ کر ردکردیا ہے

اورشاید بہتر ہوتا کہ ہم بھی اس کے کمینہ پن کے سبب سے اس کو یہاں جگہ نہ دیتے ۔ مگر اس خیال سے کہ شائد کوئی یہ کہے کہ تم نے اس کا جواب دینے کی کوشش اس واسطے نہیں کہ تم جانتے ہو کہ تمہارے پاس کوئی معقول جواب نہیں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم چند سطوراس پر تحریر کریں۔ اس الزام کی مدافعت کے لئے ذیل کے دلائل غورطلب ہیں۔

اس تاویل کی تردید

۱۔ ہم پوچھتے ہیں کہ لاش کو چُرالے جانے میں شاگردوں کو کونسا فائدہ مد نظر تھا؟کونسی ضرورت دامنگیر تھی؟ اگروہ یہ مانتے تھے کہ وہ خود بخود اپنی طاقت سے جی اٹھیگاتونہیں اس بات کی

حاجت ہی نہ تھی کہ اس کی لاش کو چُرالائیں۔پر اگروہ یہ نہیں مانتے تھے تواس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے جی اٹھنے کی انتظاری بھی نہیں کرتے تھے۔اوراگر اس بات کی انتظاری نہیں کرتے تھے تو کیا ضرورت تھی کہ اُس کی لاش کو چُرا لائیں؟ جس طرح اورمرُدے دفنائے جاتے ہیں ۔ اُسی طرح وہ بھی دفن کیا گیا تھا۔ جس طرح اور لوگ اس دنیا سے کوچ کرتے ہیں وہ بھی کوچ کرگیا تھا۔ پھر اُس کی لاش کوایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں کیا بہتری مدنظر تھی؟ اس کا جواب صرف ایک ہی ہوسکتا ہے۔ اوروہ یہ کہ اس کے شاگرد دنیا کو فریب دینے پر کمر بستہ تھے۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے اُن کوکونسے نفع کی اُمید تھی؟یہودیوں کو غصہ دلانے اور گورنمنٹ کا قصورکرنے میں کیا فائدہ متصور تھا؟ کیا وہ روپے یا زریا عزت کے بھوکے تھے؟ سوائے ان باتوں کے اورکوئی معقول وجہ اُن کے فریب کے لئے نظر نہیں آتی۔ مگرہم دیکھتے ہیں کہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز ان کو دستیاب نہ ہوئی ۔ جیساہم اوپر ایک جگہ دکھاچکے ہیں حکام وقت اُن کے برخلاف تھے۔ یہودی سرداراُن کی جان کے درپے تھے۔ ارباب علم وفضل اُن کو بیخ کنی میں لگے ہوئے تھے اورعام لوگ اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ تاج کے عوض صلیب، فارغ البالی کی جگہ تنگدستی ، عزت کے لئے بے عزتی اُن کو نصیب ہوئی وہ کونسا لالچ تھا جس کی خاطر انہوں نے دین اوردنیا دونوکھودئے؟

کیا اُن میں ایک بھی فریب سے آزاد نہ تھا

پھر یہ بھی ثابت کرنا چاہیے۔ کہ وہ سب کے سب فریبی اور مکار تھے۔ کہ اُن میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جوراستی کا طالب ہوتا۔ کیا اُن میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے مسیح کی باتوں کو اُس کے وعدوں کو اواس کی نبوتوں کوبرحق سمجھ کراُس کی پیروی اختیار کی تھی؟ اوراگرہم یہ کہیں کہ اُن میں ایسے بھی تھے جو راست گواور سچائی کے طالب تھے۔ توہم پوچھتے ہیں کہ وہ کب اس فریب میں شامل ہوتے ؟ ناظرہم آپ سے منت کرتے ہیں کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے فرض کیجئے کہ آپ بھی اس کے شاگردوں میں شامل ہیں اوریہ مانتے ہیں ۔ کہ وہ اپنے قول کے مطابق تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھیگا ۔ فرض کیجئے کہ آپ بھی محبت یا تعظیم کی راہ سے دیگر شاگردوں کے ساتھ مل کر اس کی لاش کو قبر سے نکال لاتے ہیں اوراسے بڑے ادب اورعزت کے ساتھ کسی جگہ رکھ دیتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ آپ اُس کی باتوں کو سچ جاننے کے سبب سے اس بات کے

منتظر ہیں کہ وہ مردہ لاش جو آپ کے سامنے پڑی ہے۔ تیسرے دن آپ اٹھ کھڑی ہوگی۔ فرض کیجئے کہ تیسرا دن آتا اورگذ جاتا ہے مگر لاش نہیں اٹھتی ۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس مایوسی کی حالت میں آپ کیا کرینگے ؟ کیا آپ یہ اشتہار دیتے پھرینگے کہ مسیح مردوں میں سے جی اٹھا ہے یا اس لاش کی طرف متوجہ ہوکرروتے اورنالہ کرتے ہوئے یہ کہینگے ۔ اے یسوع یا تو تونے خود دھوکا کھایا تونے ہمیں قصداً دھوکا دیا ۔ دونو حالتوں میں تو نے ہم کو سخت نقصان پہنچایا۔

گئے دونو جہاں کے کام سے ہم نہ ادھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

تیری پیروی کے سبب سے ہم ملکی افسروں اور مذہبی لیڈروں اوراپنے خویش واقارب کی نظروں سے گرگئے ۔ اب سوائے ندامت کے اورکچھ ہمارے حصہ میں نہیں۔ تیرے وہ وعدے کہ میں آسمان کی بادشاہت قائم کرونگا کہ میں مردوں میں سے جی اٹھونگا کہاں ہیں؟ اوراب یہ لاش جس میں ذرا حس وحرکت نہیں پائی جاتی سوائے طعمہ زاغ وزغن ہونے کے اورکسی لائق نہیں۔

ناموں کا خیال بھی فریب کا موجب نہیں ہوسکتا تھا

پھر کیا آپ اس لئے اس فریب میں شامل ہوتے کہ آپ کا نام تمام دنیا میں مشہورہوجائے بیشک دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں پطرس اوریوحنا اورپولوس کا نام مشہورنہیں۔ پر اُن کو اس عزت سے یا اس شہرت سے کیا فائدہ ؟ کیا اب مرنے کے بعد وہ اپنی تعریف کو سنتے۔ اورسن کر خوش ہوتے ہیں؟ اگر وہ فریبی تھے اوراگر مرنے کے بعد روح زندہ رہتی ہے اوراگران کی روحیں زندہ ہیں۔ تو اپنی شہرت اورناموری سے خوش ہونے کی بجائے وہ اب عقوبت دوزخ میں گرفتارہیں اورہائے ہائے کہہ کر اپنے اپنے فریب پر ماتم کرتے ہیں پر کوئی شخص شہرت کودنیا کی بے عزتی اورعاقبت کے عذاب سے نہیں خریدتا ۔

وہ اُس لاش کو چراہی نہیں سکتے تھے

۲۔ پر ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ کسی طرح اس کی لاش کو چراہی نہیں سکتے تھے ۔ ہاں اگر وہ سب مل کر اس بات کی کوشش بھی کرتے تو تو بھی کامیاب نہ ہوتے۔ غورفرمائیے۔

کیونکہ اُن کا شمار تھوڑا اوروہ پہلے بزدل تھے

الف۔ شاگرد اس وقت شمار میں بہت تھوڑے تھے اورخود اُن کے بیان سے ظاہرہوتا ہے کہ اس وقت وہ بڑے بزدل اورکم حوصلہ

تھے۔ جب مسیح گرفتار کئے گئے اس وقت وہ سب اس کو چھوڑ کر بھاگ
گئے۔ پطرس نے تین بار اُس کا انکار کیا۔ صرف یوحنا صلیب تک ساتھ
گیا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کے ڈر کے مارے یہ شاگرد کئی دن
تک باہر نہ نکلے۔ جب سیدنا مسیح نے ایک مرتبہ بند کمرے میں اُن
کے درمیان کھڑے ہوئے اُس وقت وہ اُسے بھوت سمجھ کر ڈر گئے وہ
اس بند کمرے میں اس واسطے جمع ہو رہے تھے کہ یہودیوں کے حملے
سے ڈرتے تھے ۔ کیا ایسے لوگ سپاہیوں کے پہرہ کا مقابلہ کرنے کی
جرات رکھتے تھے ۔ شاید اُن میں ایک آدھ ایسی جرات کرتا تو کرتا مگر
وہ سب کے سب اس سازش میں نہیں مل سکتے تھے۔ اور پھر کیا اُن کو
اس بات کا خطرہ نہ تھا ۔ کہ اگر ہم میں سے کسی نے راز فاش کردیا۔
تو ہم سب کے سب گرفتار ہوجائینگے۔

علاوہ بریں قبر کی نگہبانی کے لئے

ب۔ پر اگر بفرض محال ہم یہ بھی مان لیں کہ ان چند کم
حوصلہ آدمیوں نے لاش چرانے کی سازش کرلی تھی تو ایک اور مشکل
پیش آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ قبر کی نگہبانی کے لئے سپاہیوں کی ایک گارد
موجود تھی۔ اب سپاہی ان کو لاش چرانے کی کب مہلت دینے لگے
تھے؟ اگر یہ کہا جائے کہ وہ سوگئے تھے تو یہ ناممکن ہے ۔ کیونکہ رومی
قانون کے مطابق جو سپاہی نگہبانی کے کام میں غفلت کرتے تھے وہ
سخت سزا پاتے تھے یاد رہے کہ اسوقت ساٹھ سپاہیوں کا پہرا
موجود تھا۔ کیا وہ ساٹھوں کے ساٹھوں سوگئے؟ چند سال بعد پولوس
اور سیلاس فلپی کے قیدخانے میں ڈالے گئے۔ اور جب معجزانہ طور پر
اُن کی زنجیریں کٹ گئیں اور جیل کے دروازے کھل گئے تو داروغہ جیل
خودکشی کے لئے تیار ہوگیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ قیدیوں کا اُس کی
غفلت سے نکل جانا اُس پر سخت سزا لائیگا۔ مشہور ایچ۔ پی۔ لڈن
صاحب اپنے ایسٹر سرمنوں کی پہلی جلد میں پطرس کی زنجیروں
کے معجزانہ طور پر کٹ جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
ہیرودیس سنتریوں سے ایسا ناراض ہوا کہ اُن کو جان سے مار ڈالا۔
تعجب ہے کہ جو سنتری یا سپاہی مسیح کی محافظت کے
واسطے مقرر کئے گئے ایسے نڈر تھے کے سب کہ سب سوگئے۔ اور سوئے
بھی گھوڑے بیچ کر۔ قبر پر سے ایک بڑا بھاری پتھر جس پر مہریں لگی
ہوئی تھیں سرکایا جارہا ہے۔ خاصہ شورہا ہے۔ خاصی دیر لگ رہی
ہے۔ مگر وہ ایسی لمبی تانے پڑے ہیں۔ کہ کروٹ تک نہیں بدلتے۔
کون اس بات کو مانیگا؟ اب اگر یہ کہا جائے کہ اگر سپاہی واقعی اپنی
غفلت کے سبب سے سزا پاتے تھے۔ اور اگر وہ سپاہی بھی جو مسیح

کی قبر کے نگران تھے غافل ہونے کی وجہ سے معرض خطر میں آسکتے تھے توانہوں نے یہودیوں سے رشوت کیوں لی کیونکہ متی کہتا ہے کہ سردار کاہنوں نے " بزرگوں کے ساتھ جمع ہوکر اورصلاح کرکے سپاہیوں کو بہت روپے دئیے اوربولے تم یہ کہنا کہ رات کو ہم سوتے تھے اس وقت اس کے شاگرد آکر اسے چرالے گئے اوراگریہ بات حاکم کے کان تک پہنچیگی تو ہم اسے سمجھ کر تمہیں اندیشے سے بچالینگے۔ پس انہوں نے روپے لے کر جیسے سکھاے گئے تھے ویسا ہی کیا۔اوریہ بات آج تک یہودیوں میں مشہورہے "۔(متی ۲۸: ۱۲تا ۱۵)۔ اب اگرانہوں نے اپنے خطرے کو جان بوجھ کریہ عہد کرلیا کہ ہم کہہ دینگے۔ کہ ہم سورہے تھے ۔ اوراس کے شاگرد آکر اس کی لاش کو چرالے گئے ۔ توانہوں نے قصداً اپنے اوپر وہ جرم لیا جس کی سزات موت تھی۔یا یوں کہیں کہ وہ جان بوجھ کر اپنی مرضی سے وہاں اجل میں جاپڑے۔ پراس کے جواب میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ متی کی اس عبارت کے پڑھنے سے صاف ظاہرہوتا ہے کہ یہودیوں نے یہ رشوت اس واسطے نہیں دی تھی کہ سپاہی حاک کے سامنے جاکر یہ کہیں ۔بلکہ اس لئے کہ عام لوگوں کو جوانہیں سزا دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے تھے یہ کہیں کہ اُس کی لاش کو اُس کے شاگرد چرالے گئے ہیں۔ چنانچہ وہ رشوت دیتے ہوئے خود کہتے ہیں "۔ کہ اگریہ بات حا کے کان تک پہنچیگی توہم اسے سمجھاکر تمہیں بچالینگے"۔ جس سے صاف ظاہرہوتا ہے کہ جب سپاہیوں نے روپیہ لیا تواُس وقت اُن کو یقین تھاکہ یہ بات حاکم نہیں جائیگی۔ پس ہم روپے کیوں ہاتھ سے جانے دیں۔ اورکچھ تعجب نہیں کہ اُن کا یہ بھی خیال ہو کہ اگر اس معاملے کی حاکم کے سامنے بازپرس ہوئی توہم اسی طرح سارا حال صحیح صحح طورپراُس کے سامنے بھی بیان کردینگے"۔دیکھو متی ۲۸: ۱۱-

پس صاف ظاہرہے کہ ان سپاہیوں کے پہرہ میں سے مسیح کی لاش اُڑالے جانے ناممکن بلکہ محال تھا۔

پھریہ بھی یادرہے کہ یہ عید کا موقعہ تھا کئی لاکھ آدمی موجود تھے

ج۔ پھراس بات پربھی غوکیجئے کہ یہ موقعہ ایک بڑی عید کا موقع تھا۔ کہتےہیں کہ بیس تیس لاکھ یہودی اس موقعہ پریروشلیم میں جمع ہوا کرتے تھے۔ اوروہ سب اپنے دینی رہنماؤں اورپیشواؤں سے پوری پوری ہمدردی رکھتے تھے۔ وہ مسیح کی پست حالی کے سبب سے اُسے مسیح موعود نہیں جانتے تھے ان لوگوں سے یروشلیم کے گلی کوچے بھرے پڑے تھے۔تعجب ہے کہ ان میں سے بھی کسی نے اُن کو لاش چراتے نہ دیکھا۔ اورنہ لے جاتے دیکھا۔ نہیں یہودی

خود جانتے تھے کہ لاش چرائی نہیں گئے۔ چنانچہ جب پطرس اوریوحنا نے مسیح کے جی اٹھنے کی منادی کی تواُنہوں نے اُن کو کوڑے لگائے پر یہ نہیں کہا ہم تم کو اس لئے مارتے ہیں کہ تم نے مسیح کی لاش چرائی اورجھوٹ سے یہ بات مشہورکردی کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے۔ اُنہوں نے استفنس کو سنگسارکیا۔ اوراورمسیحیوں کو ستایا مگراُن پرکبھی یہ الزام نہ لگایا کہ تم چورہو۔ تم یسوع کی لاش چرالے گئے۔ اورتم نے جھوٹ موٹ یہ بات مشہورکردی کہ وہ جی اٹھا ہے۔ اب مذکورہ بالا باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ وہ تاویل جویہ کہتی ہے کہ مسیح کبھی زندہ نہیں ہوا بلکہ اُس کے شاگردوں نے اُس کی لاش چراکریہ مشہورکردیا کہ وہ زندہ ہوگیا ہے بالکل بے بنیاد ہے۔ بلکہ ناپاک ہے کیونکہ وہ اُن لوگوں پر جنہوں نے سچائی کے لئے اپنی جانیں دیدیں جھوٹ اورفریب کا الزام لگاتی ہے۔

دسری تاویل

دوسری تاویل جوہم اوپر بیان کرآئے ہیں یہ ہے کہ مسیح مرا نہیں تھا بلکہ بے ہوش ہوگیا تھا۔ پھر جب کچھ عرصہ کے بعد اُس کو ہوش آیا تو وہ اپنے شاگردوں کو ملا۔ اورچند دن زندہ رہ کر پھر مرگیا اس تھیوری کے ماننے والے اس طرح استد لال کرتے ہیں۔ صلیبی موت میں خواہ ہاتھوں اورپاؤں میں میخیں بھی گاڑی جائیں تاہم خون بہت ضائع نہیں ہوتا۔ اورمصلوب کچھ بھوک کے مارے اورکچھ غش سے تڑپ تڑپ کر دیر بعد مرتا ہے اب اگر مسیح صرف چھ گھنٹے کے بعد صلیب سے اتاراگیا تو وہ مرا نہیں تھا۔ بلکہ غش کے سبب سے بے ہوش ہوگیا تھا۔ پس قبر میں تھوڑے عرصہ تک رہنے کے بعد وہ پھر ہوش میں آگیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کسی مرہم کے استعمال سے وہ چنگا ہوگیا۔ اس دلچسپ بحث پرضربت عیسوی مصنفہ اکبرمسیح کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہم یہاں صرف وہ خیالات پیش کرنا چاہتے ہیں جو ایسی کمزورتاویلوں کی تردید کرتے ہیں۔

انجیل شریف کا صاف بیان اس وہمی تاویل کا مخالف ہے

پہلی بات اس تاویل کی تردید میں یہ ہے کہ چاروں راوی انجیل شریف کی گواہی اس تاویل کے برخلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیح واقعی مرگیا تھا۔ لڈن صاحب نے خوب کہا کہ یہ تو تعجب کی بات نہیں کہ وہ صلیب پر فقط چند گھنٹے رہ کر مرگیا۔ تعجب اس میں ہے کہ وہ اس سے جلدی کیوں نہ مرا کیونکہ اُس نے مصلوب ہونے سے پہلے سپاہیوں اورعوام کے ہاتھ سے بہت صدمے اٹھائے تھے۔ پھرہم پڑھتے ہیں ۔ کہ بھالے سے اُس کی پسلی چھیدی گئی ۔ کیا وہ سپاہی کی

برچھی کھانے کے بعد بہت مدت تک زندہ رہ سکتا تھا ؟ ہم کو انجیل نویس صاف بتاتے ہیں کہ سپاہیوں نے اُس کی ٹانگوں کو بالکل نہ توڑا کیونکہ وہ پہلے ہی سے مرگیا۔ اورکہ پلاطوس نے لاش کو نیچے اُترنے نہ دیا ب تک کہ صوبہ دار سے دریافت نہ کرلیا کہ وہ فی الواقع مرگیا ہے۔ پر اگر یہ بھی فرض کرلیا جائے کہ جب وہ صلیب پر سے اتاراگیا اُس وقت زندہ تھا۔ توایک اوربات سامنے آتی ہے جواُسے مدت تک زندہ رہنے نہ دیتی اوروہ یہ کہ جب یوسف ارمتیار اورنقودیمس نے اُس پر خوشبو بیان ملنی شروع کیں۔ اگروہ اس وقت زندہ ہوتا تو دم گھٹ کر مرجاتا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ وہ کوئی پچاس سیر مُراورعود اپنے ساتھ لائے تاکہ اُن چیزوں کو اس کے جسم پر ملیں اورپھر اُس کے بعد یہودی دستور کے مطابق اُس کو کفن پہنایا۔ یعنی اُس کا منہ سر سب کچھ لپیٹ دیا۔ یہ ساری باتیں دیکھ کر حیرت آتی ہے کہ لوگ کیوں اس سیدھے سادھے بیان کو قبول نہیں کرتے۔ مورخ صاف بتاتے ہیں کہ وہ مرگیا تھا۔ دشمنوں کا بھالا صاف کہے دیتا ہے کہ وہ مرگیا تھا۔ پچاس سیر مُر اورعود گواہی دیتے ہیں کہ وہ مرگیا تھا۔ کفن اورقبر پکاررہے ہیں کہ وہ مرگیا تھا۔ اُس کے زمانہ کے تمام یہودی کہتے ہیں کہ وہ مرگیا تھا(یہ بات قابل غور ہے۔ کہ یہودیوں نے گواورکئی طرح سے شاگردوں پر حملہ کیا۔ مگر کبھی یہ نہیں کہا کہ مسیح صلیب پر کبھی مرانہیں تھا۔ مگرہمارے بعض مہربان دوست اس بات کو نہیں مانتے حالانکہ خوداُس وقت موجود نہ تھے۔ بروس صاحب نے اس موقعہ پر جوکلام سٹراس کی تحریر سے اقتباس کیا ہے غور کے لائق ہے۔

سٹراس اس لچر تاویل کا مخالف ہے

سٹراس کا نام اس کتاب میں باربار آچکا ہے۔ یہ شخص مسیحی نہ تھا۔ بلکہ مسیحی مذہب کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اور مسیح کے جی اٹھنے کا قائل نہ تھا۔ مگرتاہم اس تاویل کا مخالف تھا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔" یہ ناممکن ہے کہ وہ شخص جوکہ ادھ موا سا قبر میں سے نکلا تھا۔ جو بیمار اورکمزورآدمی کی طرح لڑکھڑا کرچلتا پھرتا تھا۔ جسے حکیم کے علاج کی ضرورت تھی۔ جومرہم پٹی اور طاقت وغیرہ کا محتاج تھا اورجو آخر کاراپنی تکلیفوں سے مغلوب ہو ہی گیا ہاں یہ ناممکن ہے کہ ایسا شخص شاگردوں پر یہ اثر پیدا کرتاکہ وہ اسے موت اورقبر کا فاتح اور زندگی کا شہزادہ سمجھنے لگ جاتے۔ پرہم دیکھتے ہیں کہ یہی عقیدہ اُن کی آئندہ خدمت کی تہ میں تھا۔ پس اگر وہ صرف غش سے ہوش میں آتا۔ تواس سے وہ اثر بھی

جاتا رہتا جواُس نے پہلے اپنی زندگی اورموت کے وسیلے اُن پر ڈالا تھا۔ اس قسم کی زندگی شاید زیادہ سے زیادہ غم پیدا کرتی۔ لیکن کسی طرح سے اُن کے غم کو سرگرمی میں تبدیل نہیں کرسکتی تھی۔ اورنہ تعظیم کو عبادت میں"۔

ان دنوں اس خیال کو بیدار مغزا شخاص بہت کم مانتے ہیں۔ اورجو خیالات ہم اوپر عرض کرچکے ہیں اُن پر غور کرنے سے ہر منصف مزاج شخص کوماننا پڑتا ہے۔ کہ کوئی بات اس بے بنیاد تاویل کی تائید نہیں کرتی۔ پس مسیح صلیب پر سے زندہ اترا تھا۔

تیسری تاویل

اب ہم تیسری تاویل کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ تاویل ظاہر کرتی ہے کہ ہمارا مولا کبھی مردوں میں سے زندہ نہیں ہوا تھا۔ پر شاگردمدت تک اُس کی نسبت سوچتے رہے اورآخر کارأن کے ذہن پر اُس کی صورت ایسی نقش ہوگئی کہ وہ خیال کرنے لگ گئے کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے۔یا یوں کہیں کہ اُس کی تصویر اُن کے سامنے کھنچ گئی۔

ریناں کا خیال کہ مسیح کی دید کے نظارے وہم سے پیدا ہوئے تھے

اس دعوے کو ریناں کے الفاظ میں یوں ادا کرسکتے ہیں"۔ سرگرمی اورمحبت کے لئے کوئی قید نہیں۔یہ دونو صفتیں ناممکن باتوں کو بھی ہلکا جانتی ہیں اورامید منقطع کرنے کے عوض حقیقی باتوں میں بھی تصرف کر بیٹھتی ہیں۔ لہذا کئی باتیں جواستاد نے کہی تھیں اس معنی میں لی گئیں کہ وہ قبر میں سے نکل آئیگا۔ علاوہ بریں یہ اعتقاد ان لوگوں کی طبیعت سے ایک خاص مناسبت رکھتا تھا۔ پس شاگردوں کا ایمان اس قسم کا قصہ بآسانی ایجاد کرسکتا تھا۔ حنوک اورالیاس جیسے بڑے بڑے نبیوں نے کبھی موت کا مزہ نہیں چکھا تھا پس جو کچھ اُن کے تجربہ سے گذرا تھا ضروری امر تھا کہ مسیح کے تجربے سے بھی گذرے موت کا کسی بالیاقت یا کسی کشادہ دل شخص کو مارنا ایسا پُرحماقت کام معلوم ہوتا ہے کہ لوگ نیچر کی ایسی غلطی کو مان نہیں سکتے۔ بہادر اشخاص کبھی نہیں مرتے۔ اس بزرگ اُستاد نے اس دائرے کو جس کا مرکز وہ آپ ہی تھا خوشی اوراُمید سے معمورکررکھا تھا"۔

" پس کیا اُس کے شاگرد یہ دیکھ سکتے تھے۔ کہ وہ قبر میں پڑا سڑا کرے"؟ مطب ریناں کا یہ ہے کہ اول تو مسیح کے کلام ہی میں بعض ایسی باتیں پائی جاتی تھیں جن کی یہ تشریح ہوسکتی تھی کہ وہ مردوں

میں سے جی اٹھیگا۔ اورپھر یہودیوں کے بعض نبی ایسے تھے جن کی نسبت مانا جاتا تھا کہ وہ کبھی موت کے چنگل میں گرفتارہی نہیں ہوئے۔ اب شاگرد چاہتے تھے کہ اُن کا استادان نبیوں سے کسی طرح کم نہ رہے لہذا ان سب باتوں نے مل جل کریہ اثر پیدا کیا کہ انہوں نے اُسے قبرمیں سڑتے دیکھنا گوارا نہ کیا۔پس اپنے واہمہ میں اسے زندہ دیکھ کر مشہور کردیا کہ وہ جی اٹھا ہے۔ گویا جب شاگردوں کی جماعت نے مسیح کو قبرمیں پڑا دیکھا تواُن میں سے کسی ایک نے کہا کہ ہم رائے پیش کرتے ہیں کہ مسیح مردوں میں نہ رہے۔ دوسروں نے اس رائے کی تائید کی اورآخر کا ریہ زیرولیوشن پاس ہواکہ مسیح کسی نہ کسی طرح مردوں میں اٹھادیا جائے۔یوں معتقدوں کی جماعت مردے کو زندہ دیکھنے اورماننے کے لئے تیار ہوگئی اس پر طرہ یہ ہوا کہ جب انہوں نے قبرکوخالی دیکھا تو وہ اوربھی دھوکا کھانے کے لئے تیارہوگئے۔ (لیکن کوئی یہ نہیں بتاتا کہ قبرکس طرح خالی ہوئی)مریم مگدلینی پہلی عورت تھی جس نے یہ وہمی رویہ دیکھی۔ وہ قبرکے پاس کھڑی روتی تھی۔ سوجب اُس نے ذراسی آہٹ سنی اورلوٹ کو نظر ڈالی توایک آدمی کودیکھا۔ اس سے پوچھا کہ نعش کہاں ہے ۔ اس سوال کے جواب میں اپنا ہی نام " مریم " سنا۔ یہ آواز تھی کہ جس نے بارہا اُس کے بدن میں لرزہ پیدا کردیا تھا۔ سواس نے سوچاکہ یہ مسیح کی آواز ہے۔ یوں محبت کا معجزہ کامل ہوگیا اب وہ کہتی ہے کہ میں نے اسے دیکھا اوراس کی آوازسنی ہے۔ اب جب ایک نے اس کودیکھ لیا تودوسروں کے لئے اسے دیکھنا کچھ مشکل کام نہ تھا پس یہ روئتیں ایسی متعدی ہوگئیں کہ ایک ایک شاگرد کو مسیح نظر آنے لگا۔ واضح ہوکہ اس طرح رینان اوراس کے ہم مکتب احباب نے مسیح کے جی اٹھنے کی نسبت رائے دی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ جہاں جوش اوراُمید اورمحبت جیسی صفتیں موجود ہوتی ہیں وہاں اگربیرونی اسباب سے ذرا بھی مدد ملے تو فوراً جس شخص کو چاہیں اسی کو پوری پوری شکل پیدا ہوجاتی ہے۔ بلکہ یوں کہیں کہ وہ آپ آکرسامنے کھڑا ہوجاتا ہے۔

سٹراس کا خیال

سٹراس اس عجیب وقوعہ کواورہی طرح حل کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ پولوس یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے مسیح کو مردوں میں سے جی اٹھنے کے بعددیکھا اورمیرا دیکھنا اسی قسم کا ہے۔ جس قسم کا پہلے رسولوں کا تھا۔ لیکن جو نظارہ پولوس کو نصیب ہوا اوروہ لا ریب خیالی تھا اورپولوس اسی طبیعت اور مزاج کا آدمی تھا کہ ایسے خیالی

نظاروں کودیکھنا اُس کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ کیونکہ وہ خودہم کو بتاتا ہے کہ ایک طرح کے وجد کی حالت اُس پر اکثر طاری ہوجاتی تھی (۲کرنتھیوں ۱۲: ۱) اب اس کے اس قسم کے دعووں سے یہ خیال گذرتا ہے کہ وہ شاید مرگی کی سی کسی بیماری میں گرفتار تھا اوریہی وہ سبب تھا جس کی وجہ سے عجیب قسم کے نظارے اُس کی آنکھوں کے سامنے آتے تھے۔ اورجب وہ وقت آیا جس وقت اسے مسیح کی پیروی کا فیصلہ کرنا پڑا۔ جس وقت طرح طرح کے جذبات اُس کے دل میں جوش زن تھے۔ جس وقت نئے اورپرانے خیالوں میں ایک قسم کی جدوجہد جاری ہوگئی تھی اُس وقت اُس کے خیالات کا انسانی صورت اختیارکرکے اُس کے سامنے آکھڑا ہونا اُس کی طبیعت کے عین مطابق تھا۔ اورجو روشنی اُس کے تجربے سے ہم کو ملتی ہے اس کی امداد سے یہ عقیدہ بھی حل ہوجاتا ہے۔ کہ پہلے رسولوں اورشاگردوں نے کس طرح مسیح کو زندہ دیکھا یعنی جس طرح پولوس نے دیکھا اسی طرح انہوں نے دیکھا مسیح کی موت نے ان شاگردوں کے ایمان کو ہلادیا تھا۔اوراغلب ہے کہ اس وقت اُن کے دلوں میں یہ تحریک پیدا ہوئی ہو کہ کسی نہ کسی طرح اُس نقص پر جو مسیح کی موت سے برپا ہوا ہے غلبہ پانا ضروری امر ہے اوراس کے ساتھ جب انہوں نے نوشتوں کی چھان بین شروع کی تووہاں اس قسم کے نوشتے پائے جن سے ظاہرہوتاتھا کہ مسیح موت کا شکار توہوگا۔مگر موت اُس پر غالب نہ رہیگی۔ یوں اُنہوں نے موت اورجی اٹھنے کے ہر دوواقعات کو مسیح کے تجربہ میں شامل کردیا۔ پس جب مسیح مرگیا تواُنہوں نے یہ انتظاری شروع کی کہ وہ نوشتوں کے مطابق جی بھی اٹھیگا۔ اب جبکہ وہ ایسے واقعہ کےظہور کے دل وجان سے منتظر تھے اُس وقت اُن کے انتظارمیں سے مسیح کے جی اٹھنے کے وہ نظارے پیدا ہوئے جو انجیل شریف میں مندرج ہیں۔

اس تاویل کی تردید

یہ حل یا شرح سٹراس کی طرف سے ہے۔ پر اس تاویل پر بھی بڑے حملے کئے گئے ہیں اوراس کی کمزوریاں فاش کی گئی ہیں ۔ پہلی بات اس کے برخلاف یہ ہے کہ رینان اورسٹراس کی تھیوری کے مطابق بہت وقت کی ضرورت تھی کیونکہ قلیل سے عرصہ میں شاگردوں کے دل اس قسم کے وہمی نظاروں کے دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتے تھے۔ لیکن انجیل نویسوں کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح اپنی وفات سےکل تین دن بعد اُن کو نظر آنے لگ گیا۔ اب اگر مسیح ایسا جلد نظر آنے لگ گیا جیساکہ انجیل شریف کے بیان سے

عیاں ہے تووہمی نظاروں والے خیال پرایک یہ اعتراض قائم ہوتا ہے کہ یہ وقت ایسا نہ تھا کہ وہمی روئتیں یا نظارے نظر آتے۔ کیونکہ شاگرد اس وقت انجیل شریف کے بیان کے مطابق شکتہ خاطر اورغم کے بھنور میں مبتلا تھے۔ چنانچہ انجیل شریف اُن کی سی حالت پر گواہی دیتی ہیں۔ مثلاً متی کہتا ہے کہ جب مسیح شاگردوں کو گلیل میں ملا تو بعض نے شک کیا" (متی ۲۸: ۱۷)۔ مرقس کہتا ہے کہ جب شاگردوں نے مریم مگدلیہ سے سنا کہ مسیح زندہ ہے اورمیں نے اسے دیکھا ہے توانہوں نے یقین نہ کیا"۔ لوقا بتاتا ہے کہ عورتوں کی باتیں شاگردوں کو" کہانی سی معلوم ہوئیں" (لوقا ۲۴: ۱۱) یوحنا ایک خاص شخص کا ذکر کرکے بتاتا ہے کہ اُنہوں نے یک بیک مسیح کے جی اٹھنے کو قبول نہیں کیا۔(مثلاً وہ توما کا ذکر کرتا ہے اوردکھاتا ہے کہ وہ کس طرح اس واقعہ کی خبر کو قبول کرنے میں محتاط تھا۔ اگرہم یوحنا ۲۰: ۲۴تا ۲۹ کو پڑھیں تو ہم دیکھینگے۔ کہ جب اس کو مسیح کے جی اٹھنے کی خبردی گئی تو اُس نے جواب میں کہا " کہ جب تک میں اُس کے ہاتھ میں میخوں کے سوراخ نہ دیکھ لیوں اورمیخوں کے سوراخ میں اپنی انگلی نہ ڈال لوں اوراپنا ہاتھ اُس کی پسلی میں نہ ڈال لوں ہرگز یقین نہ کرونگا"۔ اسی طرح عورتیں بھی

اُس کے جی اٹھنے کی مردوں کی نسبت کچھ زیادہ منتظر نہ تھیں۔ وہ اس کی قبر پر اس کو زندہ دیکھنے نہیں گئی تھیں بلکہ اس کی لاش پر عطریات وخوشبات ملنے گئی تھیں۔ اورانجیلی بیانات کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد مسیح کی صورت کودیکھ کر کبھی اس فکر میں پڑجاتے تھے کہ جو صورت ہم دیکھ رہے ہیں کیا وہ ایک ہوائی نقشہ ہے یا حقیقی صورت ہے۔ اورکبھی اس بات پر غورکرتے تھے۔ کہ جس مسیح کی شکل ہم دیکھ رہے ہیں کیا وہ مسیح ہے جو ہمارے ساتھ رہا کرتا ہے یا ہم کوکسی اورچیز کی شکل نظر آتی ہے؟ انہوں نے اسے روح یا بھوت بھی سمجھا اوراُن کا یہ خیال وہی خیال ہے جو رینان اورسٹراس کا تھا۔اب ہم دیکھ یہ دیکھ کر کہ وہ خود رینان اوراسٹراس کی طرح ان نظاروں کو جوانہیں نصیب ہوئے مشاہدہ کرنیکے بعد یہ سوچتے تھے کہ وہ کہیں وہمی نہ ہوں اورانہوں نے اپنے وہم کو روکنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اوراس بات کا فیصلہ کرنے میں کہ جونظارے ہم مسیح کی شکل کے دیکھ رہے ہیں وہ کہیں جھوٹے نہ ہوں۔انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ہاں ان سب باتوں کو دیکھ کر ہم کس طرح رینان اورسٹراس اوران کے ہم خیال لوگوں کے اس دعوے کو قبول کرسکتے ہیں۔ کہ مسیح حقیقت

میں زندہ نہیں ہوا تھا۔ فقط اس کی صورت کے وہمی نظارے شاگردوں کی انتظاری کے باعث پیدا ہوگئے تھے؟

دیگر اعتراضات

مگر ماسوائے اعتراضات مذکورہ بالا کے ذیل کی باتیں اس رکیک تاویل کے برخلاف ہیں۔

۱۔ کہ اگریہ نظارے وہمی ہوتے تو ایسے نہ ہوتے جیسے بیان ہوئے ہیں۔ جو مسیح اُن کو نظر آتا ہے اُس کی حالتیں اورطریقے اُس مسیح سے جومرنے سے پہلے اُن کے ساتھ رہتا تھا ۔ مختلف تھے۔ اورپھر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نظارے باوجود عجیب وغریب ہونے کے صاف اورسادا بھی ہیں۔

۲۔ یہ نظارے بہت جلند بند ہوگئے۔ اگریہ وہم سے پیدا ہوئے تھے تو چاہیے تھا ۔ کہ مدت تک وہم اپنا کام کرتا رہتا اورمسیح اُن کو ہمیشہ نظر آتا رہتا۔ کیا سبب ہے کہ فقط چند دن تک مسیح کے نظارے اُن کو نصیب ہوئے اورپھر بند ہوگئے؟ اس کا اورکوئی جواب نہیں سوائے اس کے کہ مسیح فی الحقیقت جی اٹھا تھا اورجب جب وہ اُن کو نظر آیا انہوں نے اس کو دیکھا۔ اورجب آسمان پر تشریف لے گیا ۔ تب یہ نظارے بھی بند ہوگئے۔

۳۔ کہ جوتبدیلی شاگردوں کے مزاج میں مسیح کے نظاروں سے فی الفورپیدا ہوئی وہ اُس ذہنی حالت کے برخلاف ہے جس سے وہمی نظارے پیدا ہوتے ہیں ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مسیح اُن کو نظر آیا تو وہ فوراً اُن کی حالت تبدیل ہوگئی۔ اورانہوں نے مسیح کے مسیحائی درجہ کا صحیح عرفان حاصل کیا اوراسی وقت سے اس کے نام پر گواہی دینے کا مصمم ارادہ ٹھانا۔ اوریہ ہمت باندھی کہ ہم اپنے مولا کے نام کی جو مردوں میں سے جی اٹھا ہے۔ تمام دنیا میں منادی کرینگے۔ اب اگراُن کا دماغ یا مزاج اپنی اصلی صحت سے بہ سبب طرح طرح کے غور وفکر کے گرا ہوا تھا۔ اوروہمی نظاروں کے لئے تیارہورہا تھا تو ضرور تھاکہ وہ کم ازکم کچھ مدت تک اُسی حالت میں رہتا۔ پس اُن کے مزاج میں جوتبدیلی فی الفورپیدا ہوئی رینان اورسٹراس کی تاویل کے برخلاف ہے۔

چوتھی تاویل

اب بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اوپر کی تاویلوں کو تو ناقص سمجھتے اوراُن کی تردید میں بڑی زبردست دلائل پیش کرتے ہیں۔ مگر مسیح کے جسم کے حقیقی طورپر جی اٹھنے کےقائل نہیں۔ مثلاً مرقومہ بالا سطورمیں جو تین باتیں رینان اوراسٹراس کی تھیوری

کے برخلاف پیش کی گئی ہیں وہ اسی قماش کے لوگوں میں سے ایک شخص کے قلم سے نکلی ہیں۔

کہ یہ نظارے وہمی نہ تھے مسیح کی قدرت سے ظاہر ہوئے تاہم مسیح کے زندہ بدن کے حقیقی نظارے نہ تھے

اس کا نام کیم ہے۔ وہ اوراس کے ہم خیال اشخاص یہ مانتے ہیں کہ مسیح کے مرنے کے بعد جو نظارے اُس کے جسم کے جی اٹھنے کے اس کے شاگردوں نے دیکھے وہ وہم سے نہیں پیدا ہوئے تھے بلکہ وہ سچ تھے۔ مگر اس معنی میں نہیں کہ مسیح درحقیقت اپنے بدن کے ساتھ جی اٹھا تھا۔ بلکہ اس معنی میں کہ اس کی روح زندہ تھی اوراسی روح نے وہ نظارے شاگردوں کو دکھائے جواُنہوں نے دیکھے تاکہ اُن کے دلوں کو اطمینان حاصل ہوا اوروہ جانیں کہ ہمارا مولا زندہ ہے اورموت سے اس کا وجود معدوم نہیں ہوا۔

اس تاویل یا تشریح کا مطلب ظاہر کرنے کے لئے زیادہ خاصہ فرسائی کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمیں اُمید ہے کہ ناظرین نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس تاویل کے ماننے والے ان نظاروں کی صداقت اورحقیقت کے قائل ہیں ۔ کیونکہ وہ یہ نہیں مانتے کہ یہ نظارے جو انجیل میں درج ہیں محض وہم سے پیدا ہوئے مگر وہ یہ مانتے ہیں۔

اورہم سے منوانا چاہتے ہیں ۔ کہ جو بدن شاگرد دیکھتے تھے وہ حقیقی بدن نہ تھا۔ لیکن وہ شاگردوں کے وہم کا نتیجہ بھی نہ تھا۔ کیونکہ مسیح کی زندہ روح نے وہ نظارے پیدا کئے تھے تاکہ شاگردوں کو معلوم ہوجائے کہ مسیح فنا نہیں ہوا بلکہ زندہ ہے۔

ہم اس تاویل کو بھی نہیں مانتے

اب ہم اس تاویل کو بھی قبول نہیں کرسکتے گویہ تاویل مسیح کے بدن کے جی اٹھنے کے اظہاروں کو ایک طرح اُس کی زندہ روح کے عمل سے منسوب کرتی ہے ۔ دراصل یہ تاویل بھی اسی مشکل سے پیدا ہوتی ہے جو لوگوں کو سُپر نیچرل کا منکر بناتی ہے اس تاویل کی تردید میں ذیل کے خیالات پیش کئے جاسکتے ہیں ۔

یہ تاویل بعض فوق العادت باتوں کو مانتی ہے

۱۔ اس تاویل کے ماننے سے اُن لوگوں کو جنہوں نے اس کو تجویز کیا ہے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ انہوں نے بدن کے جی اٹھنے کو قوانین قدرت کے برخلاف سمجھ کر یہ تشریح گھڑی ہے۔ پر جیسا بدن کا مردوں میں سے جی اٹھنا قوانین قدرت خلاف ہے۔ ویسا ہی مسیح کی زندہ روح کا فوق العادت نظارے پیدا کرنا قوانین قدرت کے خلاف ہے۔ پس جب اس تشریح میں بھی قوانین قدرت کو پناہ نہیں

ملتی تو کیا ضرورت ہے کہ ہم انجیل کے سادا بیانات سے خلاف ورزی اختیارکریں اورکلیسیا کی قدیم تشریح اورعقیدے کو رد کریں۔

یہ تاویل روح کو جھوٹا ٹھیراتی ہے

۲۔ یہ شرح مسیح کی روح کو جس سے مسیح کے اظہارات منسوب کئے جاتے ہیں جھوٹا ٹھیراتی ہے کیونکہ تاویل ایک طرف تو یہ مانتی ہے ۔ کہ جن اظہارات کا ذکر انجیل شریف میں پایا جاتا ہے وہ مسیح کی روح کی قدرت سے وجود میں آئے پر دوسری جانب مسیح کے بدن کے جی اٹھنے کا انکاربھی کرتی ہے۔ اب اعتراض یہ پیدا ہوتاہے کہ اگر مسیح کا بدن نہیں جی اٹھا تھا۔ تو اسکی روح نے شاگردوں کی تسلی کےلئے اوراُن کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ مسیح نے فنا نہیں ہوا بلکہ زندہ ہے معجزانہ آواز کے وسیلے یہ خبرکیوں نہ دی کہ اے شاگردو تم کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ اورنہ گھبرانا چاہیے۔ تمہارا استاد جو مرگیا تھا اس کی روح اب تک زندہ ہے؟ اگریہ خبرآواز کے وسیلے دی جاتی تو اس کے شاگرد اس کے جسم کو زندہ سمجھنے کی غلطی میں گرفتارنہ ہوتے۔ مگربرعکس اس کے ہم یہ دیکھتے ہیں ۔ کہ آسمان سے جب اس کی روح کے زندہ ہونے کی خبرآتی ہے۔ تووہ ایسے واقعات اورایسے الفاظ میں آتی ہے جو جسم کےزندہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں ۔ اب اگر مسیح کا جسم مردوں میں سے نہیں جی اٹھا تھا تو واقعی یہ آسمانی تاربرتی صداقت کے اظہار کے بالعوض زیادہ تر مغالطہ میں ڈالنے والی تھی۔

سب سے آسان بات

پس سب سے آسان بات یہ ہے کہ ہم اُس بیان کو سچا اور راست سمجھیں جو انجیل شریف میں مندرج ہے۔ جس سے یہ ظاہرہے ہوتا ہے ۔ کہ وہی جسم جو قبرمیں رکھا گیا تھا ۔ پھر جی اٹھا اورشاگردوں کو نظر آیا اب کیا ہم اس بات کو اسلئے ردکریں کہ وہ مردہ بدن کا جی اٹھنا ہماری سمجھ سے باہر ہے؟ کیا اس بات کا سمجھنا زیادہ آسان ہے کہ مسیح کی زندہ روح خلا میں ایسی شکلیں پیدا کرسکتی تھی۔ جو مسیح کے مشابہ تھیں۔ مگر درحقیقت مسیح نہ تھیں ؟ ہماری رائے میں وہ آسمانی خبرجو زمین پرآکرایک جسمانی صورت اختیار کرسکتی تھی ایسا ہی عجوبہ تھا۔ جیسا مردہ جسم کامردوں میں سے جی اٹھنا۔

پانچویں تاویل اوروہ فرق جواُس میں اورباقی تاویلوں میں پایا جاتا ہے

واضح ہوکہ مذکورہ بالا تشریحیں اس بات کی قائل ہیں کہ شاگردوں کے تجربہ سے کوئی نہ کوئی بات گذری جس سے یہ اعتقاد

پیدا ہواکہ مسیح کا مردہ بدن زندہ ہوگیا ہے ۔لیکن آخری تشریح جس کا ذکر ہم اب کرنے لگے ہیں وہ کسی طرح کے تجربہ کی قائل نہیں یعنی وہ یہ مانتی ہے کہ مسیح صلیب پر سے بحالت غش اترا اور چند عرصہ کے بعد پھر ہوش میں آیا اوراس سے یہ بات مشہورہوگئی کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے۔ اورنہ یہ مانتی ہے کہ شاگردوں کے واہمہ نے خیالی مسیح کی شکل اُن کے سامنے پیدا کردی اورنہ یہ ہی مانتی ہے کہ مسیح کی روح نے وہ نظارے پیدا کئے جو بعد میں اُس کا مردوں میں سے جی اٹھنا سمجھے گئے۔

اس آخری تاویل کا دعویٰ ہے کہ شاگردوں نے کسی طرح کا نظارہ نہیں دیکھا تھا

اس آخری تاویل کے مطابق کوئی ایسی بات سرزد نہیں ہوئی بلکہ مسیح مرگیا اوردفن ہوا اوربرابر اپنی قبر میں پڑا رہا۔ پر جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ مسیح کے مردوں میں سے جی اٹھنے کا اعتقاد کس طرح پیدا ہوا؟ تواس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے ۔ کہ شاگرد اس بات کو مانتے تھے کہ مسیح جو مصلوب ہوا ہے۔ اب بھی زندہ ہے۔ اوروہ عام لوگوں کی طرح زندہ نہیں بلکہ حنوک اور موسیٰ اورالیاس جیسے خاص خاص بزرگوں کے ساتھ زندہ ہے۔ اور فرشتوں کے ساتھ بودوباش کرتا ہے جس وقت کلوری کا صدمہ ذرا ہلکا ہوا تو یہ اعتقاد فوراً ان کے دل میں پیدا ہوا۔ اوریہ اعتقاد ایک ایسا اعتقاد ہے جو ہر ایک شخص رکھتا ہے یعنی جب حبیبوں کی جدائی کا رنج ذرا کم ہوجاتا ہے تواس کے بعد یہ خیال پیدا ہی ہوجاتا ہے ۔ کہ ہمارا پیارا فنا نہیں ہوا بلکہ زندہ ہے۔ یہی حال شاگردوں کا بھی ہوا۔ بلکہ اُن کو مسیح کے زندہ ہونے کا یقین اوربھی زیادہ تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ توایک بزرگ آدمی ہے جو کبھی فنا نہیں ہوسکتا ۔ یہ سچ ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم نے مسیح کو خودیکھا ہے پر اس کی وجہ یہ تھی ۔ کہ اگر وہ ایسا نہ کہتے تو کوئی اس بات کو ہرگز ہرگز نہ مانتا کہ مسیح آسمان پر زندہ موجود ہے ۔ کیونکہ اور لوگ مسیح کے حالات سے ایسے طورپر واقف نہ تھے جس طرح یہ شاگرد تھے۔ پس اُن کا یہ کہنا کہ ہم نے مسیح کو دیکھا ہے۔ اُسی طرح کا تھا۔ جس طرح پولوس کا یہ دعویٰ تھا کہ میں نے بھی مسیح کو دیکھا ہے۔ مگرپولوس کا مسیح کا دیکھنا روحانی قسم کا تھا۔ پرپولوس اُس نظارے کوجو اُسے نصیب ہوا اُن نظاروں کی مانند بتاتا ہے جو اُن شاگردوں کو نصیب ہوئے۔ پس وہ نظارے جو شاگردوں کو حاصل ہوئے پولوس والے نظارے کی مانند محض روحانی تھے۔

اگریہ نظارے محض روحانی تھے تو مسیح کے جی اُٹھنے کی روایت کس طرح پیدا ہوئی

پر جب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگریہ نظارے روحانی تھے۔ تو پھر یہ عقیدہ کس طرح پیدا ہوا کہ مسیح مردوں میں سے بدن کے ساتھ جی اٹھا ؟ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ عقیدہ اس سبب سے پیدا ہوا کہ یہودی اورغیر یہودی مسیح کے جی اٹھنے کے ثبوت میں روحانی یا وہمی نظاروں کی نسبت زیادہ بہتر اور مضبوط دلیل طلب کرتے تھے۔ پس جب اُن مسیحیوں نے جو رسولوں کے شاگرد تھے اس حالت کو دیکھا توجوکچھ انہوں نے رسولوں سے سنا تھا اُس کو بدل ڈالا ۔ چنانچہ روحانی نظاروں کو مادی نظارے بنادیا۔ اوررسول اس بات کودیکھ کر چپ رہے اوراس غلطی کی اصطلاح کی طرف بہت توجہ نہ کی۔

اس تاویل کے متعلق دوسوال

اب اس تاویل پر بھی دواعتراض یا دو سوال کئے جاسکتے ہیں اوروہ یہ ہیں ۔

۱۔ کیا یہ تاویل پہلے شاگردوں کی حالت کا صحیح صحیح بیان رقم کرتی ہے؟

۲۔ کیا یہ تاویل واقعی زیادہ صحیح حل مسیح کے بدن کے جی اٹھنے کا پیش کرتی ہے؟

یہ تاویل یہودی عقیدے کے خلاف ہے

۱۔ پہلے سوال کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے ۔ کہ یہ تاویل یہودی عقیدے کےبرخلاف ہے۔ اس تاویل کے مطابق جو نقشہ آئندہ زندگی کا ہمارے سامنے آتا ہے وہ اپنی خصوصیات میں پیگن(بت پرست) عقیدے کے مطابق ہے اوریہودی عقیدے کے مطابق نہیں۔ بت پرست لوگ یہ مانتے تھے ۔کہ جو زندگی قبرکے بعدآتی ہے وہ خالص روحانی زندگی ہے۔ مگریہودی یہ نہ مانتے تھے کہ جو زندگی قبرکے پرے ہے وہ گوجسم کی کمزوریوں سے بری ہے تاہم وہ انسانی زندگی ہے اورحسات سے محسوس کی جاسکتی ہے۔

پولوس کے تجربہ کا صحیح حل

علاوہ بریں پولوس کے تجربہ کی نظیر جس طرح پیش کی جاتی ہے وہ طرز بالکل ناقص ہے۔ پولوس کی شہادت ہمارے لئے بڑی بیش قیمت ہے۔ اول اس لئے کہ وہ کسی کی سنی سنائی بات پیش نہیں کرتا۔ بلکہ جوکچھ خود اس پر گذرا تھا اسے پیش کرتا ہے اورپھر اس لئے بیش قیمت ہے کہ اس کی راست گوئی اوردیانتداری پر کسی طرح کا

دھبہ نہیں اورنہ اس کی حقیقت شناس قابلیت پر کوئی شک لا سکتا ہے۔ وہ صاف بتاتا ہے کہ میں نے مسیح کو دیکھا۔ پر مخالف کہتا ہے کہ ہاں اُس نے اُسے دیکھا مگر روحانی طورپر۔ ہم کہتے ہیں کہ کیا وہ بیانات جو اعمال کی کتاب میں درج ہیں جن میں وہ مسیح کو دیکھنے کا دعویٰ کرتا ہے روحانی نظاروں کی خبردیتے ہیں ؟ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے ۔ کہ اعمال کے وہ بیانات قابل تسلیم نہیں ہیں۔اگرہم اعمال کوبھی چھوڑدیں توبھی اُس کے خط اسبات پر گواہی دینگے۔ مثلاً وہ اپنے خط کرنتھیوں میں دوبارہ مسیح کودیکھنے کا ذکر کرتا ہے ۔(۱کرنتھیوں ۹: ۱، ۱۵: ۸) اب ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ پولوس کے اس دیکھنے سے محض روحانی معنی نہیں لئے جاسکتے ۔ ذرا غورکرنے سے ہمارا مطلب سمجھ میں آجائیگا۔ پولوس کی حلت اسوقت نہایت نازک تھی۔ بہت لوگ اس کی رسالت پر حملہ کرتے تھے۔ اورکہتے تھے ۔ کہ اسے کچھ اختیارنہیں کہ وہ انجیل کی نئی نئی تفسیریں پیش کرے۔ کیونکہ اُسے گیارہ رسولوں کی طرح مسیح کی طرف سے رسولی اختیارعطا نہیں ہوا۔ اب پولوس اپنے دعویٰ کی تائید میں منجملہ دیگر باتوں کے ایک یہ بات پیش کرتا ہے کہ" میں نے سیدنا مسیح کودیکھا ہے"۔

پولوس کی کیا غرض تھی جب اُس نے کہا کہ میں نے مسیح کودیکھا ہے

اب اگراُن الفاظ سے اُس کی مراد محض روحانی اظہاریا دیدار سے تھی تواس سے دعوے رسالت کی کچھ تقویت نہ پہنچتی کیونکہ میں حالت میں اُس کے مخالف ضرور کہتے کہ اس قسم کے روحانی یا ذہنی نظارے اپنے اپنے دماغی خیالات کے مطابق ہر شخص کو نصیب ہوسکتے ہیں۔ پر وہ اُن حقیقی نظاروں کو جو پہلے گیارہ رسولوں کو نصیب ہوئے کب پہنچتے ہیں۔ اب اسی قسم کے حملوں سے اپنے تئیں بچانے کی غرض سےپولوس نے یہ کہا کہ جس طرح دیگر رسولوں نے مسیح کو مردوں میں سے جی اٹھنے کے بعددیکھا اُسی طرح میں نے اُس کودیکھا ہے۔ اُنہوں نے اُسے جسم کے ساتھ دیکھا اُسی طرح میں نے اُس کو جسم کے ساتھ دیکھا ہے۔ زمانہ حال کے نکتہ چین اُس مشابہت سے جو اُن نظاروں میں پائی جاتی ہے جو پہلے گیارہ رسولوں اورشاگردوں کو اورپھر پولوس کے فرضی روحانی نظارے کی مانند گرادنتے ہیں۔ مگر بیچارا پولوس اپنے دعویٰ کی مضبوطی اور تقویت کے لئے یہ دکھانا چاہتا تھا کہ زندہ مسیح کا جو دیدار مجھ کو حاصل ہوا ہے وہ بہرنج اُسی طرح کا مادی اورفزیکل تھا۔ جیسا وہ

پطرس اوردیگر شاگردوں کو نصیب ہوا۔ وہ یہ مانتا تھا کہ ان شاگردوں نے زندہ مسیح کے جسم کو اپنی آنکھ سے دیکھا اوردعویٰ کرتا تھا کہ اسی طرح میں نے مجسم مسیح کو دیکھا ہے۔ مگرمسیحی مذہب کے بیشمار مخالف اپنی مطلب براری کے لئے بات کو بالکل اُلٹ دیتے ہیں۔ قبل ازیں کہ ہم پولوس کے نظارے کو روحانی یا ذہنی یا وہمی نظارہ قراردیں زیبا ہے کہ ہم اُس کے خطوط اوراعمال کی کتاب کا مطالعہ غوروفکر کے ساتھ کریں اوردیکھیں کہ وہ شخص جس نے اپنی گواہی کے لئے اپنی جان دیدی ۔ جس کی دماغی قوتیں برقرار تھیں۔ جوعلم وفضل سے بہرہ ور تھا وہ اس نظارے کی نسبت کیا کہتا ہے۔

۲۔ اورپھر جب ہم دوسرے سوال کی طرف رُخ کرتے اورپوچھتے ہیں کہ اگر مسیح زندہ نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ نظارے جو شاگردوں کو نصیب ہوئے محض ذہنی یا روحانی تھے تو یہ اعتقاد کس طرح پھیل گیا کہ وہ دوسروں میں سے اُسی بدن کے ساتھ جی اٹھا جس بدن کے ساتھ مصلوب ہوا ؟ تو اس کے جواب میں جو کچھ کہا جاتا ہے ۔ وہ بھی تسلی بخش نہیں ہے۔

دوسرے سوال کا جواب جو مخالفوں کی طرف سے ملتا ہے ذرا بھی تسلی بخش نہیں

اب جو کچھ اس دوسرے سوال کے جواب میں کہا جاتا ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ مسیح کے مردوں میں سے جی اٹھنے کی روایت اس اعتقاد پیدا کرتے ہیں اوریہ نہیں مانتے کہ اُس کے بدن کے جی اٹھنے کے سبب سے اس کی دائمی حیات کا عقیدہ پیدا ہوا۔ اسی طرح مخالف اسکے معجزوں کے ساتھ زبردستی کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ مسیح سے معجزے اس واسطے منسوب کئے گئے کہ لوگ اسے یہودی نبوت کا مسیحا مانتے تھے۔ پر یہ نہیں دیکھتے کہ لوگوں نے اسے یہودی نبوت کا مسیحا اس لئے مانا کہ اس نے بڑے بڑے معجزات کر دکھائے۔ اورخود دعویٰ کیا کہ مجھے میرے کاموں (معجزوں) کے سبب سے قبول کرو۔ یہ بات غورطلب ہے کہ مخالفوں کی باتوں میں آپ ہی اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً اسٹراس مسیح کے معجزوں کی نسبت تویہ کہتا ہے کہ یہ معجزے اس سے واسطے منسوب کئے گئے کہ شاگرد اُسے مسیح موعود مانتے تھے۔ یعنی اس اعتقاد سے معجزات پیدا ہوئے نہ کہ معجزات سے اعتقاد پر جب مسیح کے جی اٹھنے کی طرف رخ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ عقیدہ

کبھی پیدا نہ ہوتا۔ اگرکسی نہ کسی طرح کا نظارہ شاگردوں کو حاصل نہ ہوتا پراُس کے زعم میں جو نظارہ ان کو نصیب ہوا وہ وہ رویت تھی جوانہیں کے دماغ کی خاص حالت نے اُن کے لئے پیدا کردی اب اس واقعہ کے بارے میں وہ صاف اقبال کرتا ہے کہ اُن کے کسی پہلے اعتقاد سے جی اٹھنے کی روایت پیدا نہیں ہوئی ۔ بلکہ جی اٹھنے کے نظاروں نے (خواہ وہ وہمی ہی سہی) اُس کے جی اٹھنے کی روایت پیدا کی اب ہم دیکھتے ہیں کہ سٹراس ایک جگہ اعتقاد کو مسیحی معجزات کے پیدا ہونے کی وجہ مانتا ہے ۔ اوردوسری جگہ یعنی مسیح کے جی اٹھنے کے معاملے اس ترتیب کو الٹ دیتا ہے اورماننے لگ جاتا ہے کہ یہ اعتقاد کسی خاص واقعہ سے پیدا ہوا نہ کہ کسی اعتقاد سے اس واقعہ کی روایت پیدا ہوئی ۔ ہماری رائے میں اُس کا خیال صحیح ہے۔ اورہم اُسے تاول زیر بحث کے جواب میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس اعتقاد سے کہ مسیح کی روح زندہ ہے بدن کے مردوں میں سے جی اٹھنے کی روایت پیدا نہیں ہوسکتی تھی۔ بلکہ یہ لازمی امر تھا کہ مسیح کی جی اٹھنے کے نظارے پہلے نصیب ہوتے اورپھر یہ بات مشہورہوتی ک مسیح مردوں میں سے جی اٹھا ہے۔ پھراس بات پربھی غورکرنا چاہیے کہ تاویل سب رسولوں اورشاگردوں کو فریبی بناتی اورجھوٹا ٹھیراتی ہے ۔ کیونکہ اس کے ماننے والے کہتے ہیں کہ شاگردوں نے اس واسطے یہ کہا کہ ہم نے مسیح کو دیکھا ہے کہ اُن کے سننے والے یقین کریں کہ مسیح فنا نہیں ہوا ۔ بلکہ زندہ ہے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کہتے توکوئی اُن کی بات کو نہ مانتا ۔ پر کیا رسول اورشاگرد نہیں جانتے تھے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مسیح مردوں میں سے اپنے اصل بدن کے ساتھ جی اٹھا ہے تو سننے والے وہی مطلب سمجھینگے جوان لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ وہ ہماری گواہی کی بنا پر یہ ماننے لگ جائینگے کہ جو مسیح مصلوب ہوا تھا وہی مردوں میں سے جیٹھا اگرانہوں نے یہ سب باتیں جان کربڑے زورشور سے یہ منادی کی کہ مسیح مردوں میں سے جی اٹھا ہے تو دیدہ ودانستہ لوگوں کو دھوکا دیا۔ اس میں اُن کی سچائی ،اُن کی دینداری،اُن کی دیانتداری کہاں رہی ؟ پس ہم اس تاویل کو بھی نہیں مان سکتے۔ کیونکہ یہ بھی مشکلات سے پرُ ہے ۔

حقیقی شرح کیا ہے

اب ہم نے دیکھ لیا کہ تاویلیں جو مخالفوں کی طرف سے مسیح کے مردوں سے جی اٹھنے کی روایت کی تشریح کے لئے پیش کی جاتی ہیں کسی طرح صاف اورمشکلات سے بری نہیں۔ اب ایک ہی

اورشرح باقی رہ جاتی ہے اوروہ یہ کہ جیسا انجیل شریف میں لکھا ہوا ہے مسیح اُسی طرح حقیقت میں مردوں سے جی اٹھا اوراپنے شاگردوں کو دکھائی دیا۔ اب ہم تھوڑی دیر کے لئے اس بات پر غورکرینگے کہ اس شرح کے ثبوت میں عموماً تین دیلیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

وہ دلائل جو مسیح کے جی اٹھنے کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں

واضح ہو کہ اس واقع کے ثبوت میں عموماً تین دیلیں پیش کی جاسکتی ہیں ۔

۱۔ یہ کہ انجیل شریف میں صاف اس قسم کی گواہی موجود ہے کہ مسیح مردوں میں سے جی اٹھا ۔

۲۔ کہ شاگردوں کے مزاج اوراطوارکی تبدیلی اورمسیحی مذہب کے عروج اورترقی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح مردوں میں سے جی اٹھا۔

۳۔ مخالفوں کے مخالفانہ اعتراضوں کی ناکامی سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح مردوں میں سے جی اٹھا ۔ تیسری دلیل کے متعلق اورکچھ نہیں لکھینگے کیونکہ جو کچھ اس کے متعلق ہمیں رقم کرنا تھا سو ہم کرچکے ہیں۔

۱۔ پہلی دلیل کے متعلق ہم مختصر طورپر دکھائینگے ۔کہ اول تو اس بات کا صاف ثبوت اُن کتابوں میں پایا جاتا ہے جو مسیحی کتابیں کہلاتی ہیں اوردوم یہ ثبوت اس گواہی سے بہم پہنچتا ہے جو پہلی صدی کے مسیحیوں سے ان ڈائرکٹ طورپرہم تک پہنچتی ہے ۔

جن کتابوں کی اصلیت پریورپین معترضوں نے اعتراض نہیں کیا اُن میں مسیح کے جی اٹھنے کا بیان درج ہے

ہم اوپر ایک جگہ مسیحی نوشتوں کی اصلیت اور معتبری پر بحث کرچکے ہیں لہذا ضرورت نہیں کہ اس جگہ پھر اسی مضمون پر بہت کچھ تحریر کیا جائے ۔ تاہم اس قدرپھر اس مضمون پر تحریر کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ پولوس رسول کا وہ بیان جو ۱کرنتھیوں کے ۵باب میں قلمبند ہے اُس پر کسی نے غیر اصلی ہونے کا الزام نہیں لگایا۔ یعنی کرٹک (نکتہ چیں) مانتے ہیں کہ یہ مقام پولوس کا لکھا ہوا ہے ۔ اسی طرح مرقس اورلوقا کو رینان جیسے نکتہ چینوں نے قبول کیا ۔ چنانچہ رینان مانتا ہے کہ مرقس کی انجیل ایک ایسے شخص کی لکھی ہوئی ہے جو پطرس کا رفیق تھا اورلوقا کی انجیل کا مصنف پولوس کا ساتھی تھا۔ اورکہ اُسی شخص نے اعمال کی کتاب کو بھی تحریر کیا ہے۔ اسی طرح وہ بحث بھی جو آج کل یوحنا کی انجیل کی

تصنیف پر ہورہی ہے اُس کی اصلیت کی تائید کرتی ہے۔ البتہ متی کی انجیل کی نسبت اس بات پر بحث ہے کہ وہ کس طرح عبرانی اوریونانی دونوزبانوں میں جدا جدا مروج ہوئی مگر اس بحث سے کلیسیا ئی روایت کو ضعف نہیں پہنچا۔ بلکہ فائدہ ہی ہوا ہے ۔ چنانچہ اسٹراس جس جیسے مخالفوں نے اس انجیل کی نسبت یہ رائے دی ہے کہ اس سے مسیح کی زندگی کا کافی پتہ لگ سکتا ہے۔ اور مکاشفات کا حال یہ ہے کہ جویوحنا کی دیگر کتابوں پر حملہ کرتے ہیں وہ اس کو اس کی تصنیف قبول کرتے اورمانتے ہیں کہ وہ یروشلیم کی تباہی سے پہلے تحریر کی گئی تھی۔

نئے عہد نامہ میں جگہ جگہ اس کی خبرملتی ہے

نئے عہد نامہ میں جا بجا مسیح کے مردوں میں سے جی اٹھنے کی طرف اشارا پایا جاتا ہے اوراگر آپ اس بات کو تحقیق کرنا چاہیں تو آپ کنکارڈنس (کلید الکلام) لے کر ان مقامات کو نکالیں جہاں مسیح کے مردوں میں سے جی اٹھنے کا ذکر پایا جاتا ہے ۔ اگر آپ ایسا کریں، توآپ دیکھینگے کہ رسول یا مصنف بہت سے مقاموں میں اس بات کا ذکر اس لئے نہیں کرتے کہ لوگوں کو یہ خبر دیں کہ مسیح مردوں میں سے جی اٹھا ہے بلکہ اورتعلیموں یا مسئلوں یا فرضوں کا ذکر کرتے ہوئے اس واقعہ کا ذکر کرجاتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق اُن تعلیمات وسائل سے ہوتا ہے جن پر وہ اس جگہ لکھ رہے ہیں ۔ مسیح کا مردوں میں سے جی اٹھنا مسیحی مذہب کی تعلیمات اور مسیحی زندگی سے ایسا گہرا تعلق رکھتا ہے کہ بات بات پر اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے مگر ہم یہاں ایسے مقاموں میں گھسنا نہیں چاہتے ۔ پس اس جگہ ہم فقط انہیں مقاموں پر اکتفا کرینگے۔ جن میں مسیح کے زندہ ہونے اور رسولوں کو نظر آنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔

کتنی دفعہ مسیح نظر آیا

دس دفعہ انجیل شریف میں جی اٹھنے کے بعد مسیح کے ظاہرہونے کا ذکر آتا ہے۔ پانچ دفعہ اس دن دکھائی دیا جس دن مردوں میں سے جی اٹھا اورپان دفعہ اُس دن کے بعد اورعروج سے پہلے نظر آیا۔ اورپھر صعود کے بعد ایک دفعہ پولوس کو نظر آیا اورایک دفعہ بعض کے خیال کے مطابق یوحنا رسول کو جزیرہ پٹماس میں دکھائی دیا(دیکھو متی ۲۸: ۲۰، مرقس ۱۶: ۱تا ۸، یوحنا ۲۰: ۱-۲۹، ۲۱: ۱-۲۵، ۱کرنتھیوں ۱۵: ۵-۹ مکاشفات ۱: ۹-۱۸)۔اب ان تمام مقاموں کے مطالعہ سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا جی اٹھنا ایک حقیقی واقعہ

ہے۔ اس عرصہ میں وہ اپنے شاگردوں کو دکھائی دیا۔ ایک مرتبہ پولوس کے قول کے مطابق دیکھنے والوں کا شمار پانچ سو کے تھا۔ وہ اُن سے گفتگو رہا، اوراُن کے ساتھ کھایا پیا۔ اپنے زخموں کے نشان انہیں دکھائے۔ اوراُن کو رسولی خدمت بجالانے یعنی تمام دنیا میں انجیل سنانے کا حکم دیا اوراپنی دائمی حضوری کے وعدے سے اُن کی تسلی اورتشفی کی اورحوصلہ بڑھایا۔

کیا ان بیانوں کی ظاہری ناموافقت سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ واقعی درست نہیں ہے

ان مقاموں کی نسبت دوتین باتوں کا ذکر کرنا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے اُن میں سے ایک یہ ہے کہ مخالفوں نے اکثراوقات اُن وہمی اختلافوں پربڑا حملہ کیا ہے جومسیح کے جی اٹھنے کے بیانات میں اُن کو نظر آئے ہیں ہم اس کی نسبت یہ عرض کرتے ہیں کہ جو بات ہمارے مخالفوں کو ہماری کمزوری کا باعث معلوم ہوتی ہے وہی ہمارے زور کا سبب ہے۔اگرانجیل نویس ایک ایک شوشے اورنقطہ میں موافقت ظاہر کرتے توہم کو سازش کا شک گذرتا اورہم اُن کی گواہی کے قبول کرنے میں شش وپنج کرتے۔ مگراُن کی تحریر اس قسم کی موافقت کے داغ سے مبرہ ہے اُن کے ایک ایک لفظ سے سچائی اوردیانتداری ٹپکتی ہیں۔اگرآپ یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیاواقعی مختلف انجیل شریف کے مختلف بیانوں میں حقیقی اختلاف پایا جاتا ہے تو یہ کام مشکل نہیں تطبیق انجیل شریف کا ملاحظہ فرمائیں اوردیکھیں کہ جوالزام لگایا جاتا ہے وہ صحیح ہے یا غلط ۔ آپ دیکھینگے کہ اختلاف کی جگہ اُن کے بیانوں میں پورے درجہ کا اتحاد موجو دہے۔ پھر بعضوں نےیہ اعتراض بھی کیا ہے کہ جتنا وقت ان نظاروں کو دیا جاتاہے وہ ان کے ظاہر ہونے کے لئے کافی نہ تھا۔ پس یہ سچے نظارے نہیں۔ہم کہتے ہیں کیا چالیس دن ان نظاروں کے لئے کافی نہ تھے۔

ایک اوراعتراض یہ ہے کہ کیوں مسیح اپنے جی اٹھنے کے بعد یہ سب یہودیوں اوربت پرستوں کو نظر نہ آیا؟کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ وہ سب کو دکھائی دے کر ثابت کرتا۔ کہ میں مردوں میں سے جی اٹھا ہوں؟

مسیح جی اٹھنے کے بعد یہودیوں اورغیر قوموں کو کیوں نظر نہ آیا؟

ہم اس کے جواب میں یہ کہتےہیں کہ یہ نظارے صرف انہیں نصیب ہوسکتے تھے جو ان کے قبول کرنے کے لئے تیارگو شاگردوں نے پہلے پہل ایسا ظاہر کیاکہ گویا وہ شک میں ہیں۔مگر درحقیقت اُن کے

دل ہر طرح کی مخالفت اوربغاوت سے آزاد تھے۔ لہذا وہ اسے قبول کرنے کو تیار تھے۔ پر اگروہ یہودیوں کو نظر آتا توکیا نتیجہ ہوتا؟ یہ کہ وہ اسے پھر صلیب دینے کے لئے تیارہوجاتے یا کسی اورطرح کا بہتان اُس پر یا اُس کے شاگردوں پر باندھتے اوراگر یہ کہا جائے کہ لازم تھاکہ وہ جی اٹھنے کے بعد اپنی قدرت سے اُن کی مخالفت کو مغلوب کرتا تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر اُسے یہ منظورہوتاکہ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبورکرے تو وہ پہلے ہی مصلوب کیوں ہوتا؟یا آسمان ہی سے کیوں آتا؟ یادرہے کہ وہ ایمان جو جبر سے پیدا ہوتا ہے وہ اخلاقی عالم میں کچھ وقعت نہیں تھا۔ پس سیدنا مسیح کو یہ منظور تھا۔ کہ پہلے اس کے شاگرد اُسے دیکھیں اوراُس کے جی اٹھنے کی منادی کریں۔ اورپھر اُن کی منادی کے وسیلے سے دنیا اُس پر ایمان لائے اوریہ سیکھے کہ وہ فی الحقیقت مردوں میں سے جی اٹھا ہے اورکیا اس کا یہ ارادہ یا فیصلہ مایوسی میں مبدل ہوا لا کہا بنی آدم آج اُنہیں شاگردوں کی منادی کے سبب اس بات کو دل وجان سے مانتے ہیں کہ مسیح مردوں میں سے جی اٹھا اورہماری سفارش کے لئے ہمیشہ جیتا ہے۔

مسیح کا بدن جی اٹھنے کے بعد روحانی تھا

علاوہ ان باتوں کے ایک اوربات غور کے لائق ہے اوروہ یہ کہ مخالف یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ ان بیانوں کے پڑھنے سے کہیں تو ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کا بدن بالکل مادی تھا اورکہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مادے کے قیود سے بالکل آزاد تھا۔یعنی کہیں " دروازے بند ہیں، اوروہ مکان کے بھیتر چلاآتا ہے۔ اورکہیں وہ اپنے ہاتھ پاؤں اورپسلی اپنے شاگردوں کو دکھاتا ہے ۔ کیا ان باتوں میں اختلاف نہیں پایا جاتا؟ ہم اسکے جواب میں پہلے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ ظاہری اختلاف انجیلی بیانوں کی سچائی کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ اگر زندہ مسیح کے بدن کے نظارے حقیقت میں ایسے نہ ہوتے جیسے کہ رقم ہیں۔ تولکھنے والے کبھی یہ اختلاف اپنے بیان میں آنے نہ دیتے۔ بلکہ وہ اس کے بدن کو ایسے جلال کے ساتھ پیش کرتے جیسا کہ اُنہوں نے اُس کی صورت کے تبدیل ہونے کے وقت دیکھا تھا اورپھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے ۔ کہ اس کا مبارک بدن اب روحانی ہوگیا تھا۔ جسم اورمادے کی تمام قیدیں دورہوگئی تھیں ۔ اورپھر یہ بھی یاد رہے ۔ کہ اس کا مبارک بدن اس بات کی علامت بلکہ نبوت ہے کہ ہمارے بدن بھی اسی کی مانند ہوجائینگے۔اگرجی اٹھنے کے بعد بھی وہی نقص ہمیں ستاتے ہیں۔ جواب وبال جان ہورہے ہیں توہمیں

کیا فائدہ؟ مسیح کا روحانی بدن ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے بدن جیسے ہونگے وہ بقا اورجلال اورقدرت اورپاکیزگی سے آراستہ ہونگے۔

اب ہم اس گواہی کا جو چشم دید گواہوں سے ملتی ہے ذکر کرچکے ۔ اورجو مشکلات اُن کے بیانوں سے وابستہ ہیں ان کا حل بھی کسی قدر پیش کردیا گیا ہے۔ اب یہ دکھائینگے کہ اُس زمانہ کے تمام مسیحی اس واقعہ کو سچا واقعہ جانتے تھے۔ یہ خیال گوعینی شہادت کی جگہ نہیں رکھتا تاہم اس سے رسولوں کی گواہی کو بڑی تقویت پہنچتی ہے ۔

کلیسیائے عامہ کی گواہی

جو لوگ اس زمانہ میں موجود تھے وہ اس واقعہ کی سچائی اور جھوٹ کو بخوبی دریافت کرسکتے تھے۔ اگراُن کے پاس کافی وجوہات رسولوں کی بات کو راست ماننے کے لئے نہ ہوتیں تو وہ کبھی مسیح پر ایمان نہ لاتے۔ آپ جانتے ہیں کہ مسیح کا مصلوب ہونا اورپھر جی اٹھنا رسولوں کی منادی کا لب لباب تھا۔ سو اگر کوئی شخص اس واقعہ کو نادرست سمجھ کر رد کردیتا تو وہ مسیح کے سچے پیروؤں میں شامل نہ ہوسکتا۔ وہ مسیحی نہیں گردانا جاسکتا تھا۔ پر اگر اُن لوگوں کو مسیح کے جی اٹھنے کے کافی ثبوت نہ ملتے تو وہ کب اپنے مذہبوں کو چھوڑکر مصلوب مسیح کی پیروی کرتے؟ کب یہودی اورپینگ اپنے دینوں کو چھوڑکر اُس شخص کو اپنا نجات دہندہ قبول کرلیتے جو بڑی ذلت اور خواری کے ساتھ صلیب پر لٹکایاگیا؟ لیکن تاریخ کیابتاتی ہے ۔ وہ یہ بتاتی ہے کہ ایک دونہیں بلکہ سینکڑوں اورہزاروں لوگ ایسے تھے ۔ جو مسیح کی نسبت یہ مانتے تھے کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے ۔

کلام الٰہی ہزارہا لوگوں کوہمارے سامنے لاتا ہے جنہوں نے پنتیکوست کے وقت مسیح کو قبول کیا۔ اوراگرآپ پطرس کی تقریر کو جواس نے اس موقعہ پر کی پڑھیں توآپ دیکھینگے کہ اُس نے اسی بات کی منادی کی کہ مسیح مارا گیا اورپھر مردوں میں سے زندہ ہوا۔ اس کےساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنے کےقابل ہے۔ کہ یہ عقیدہ اُن لوگوں کے درمیان رفتہ رفتہ برپا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ شروع سے چلاآیا تھا۔ اوراس کا ایک ثبوت یہ ہے ۔ کہ جس دن مسیح مردوں میں سے زندہ ہوا۔ مسیحی کلیسیا نے اُسی دن کو سبت کی جگہ مقدس ماننا شروع کردیا۔ تاکہ اُس کے مردوں میں سے زندہ ہونے کا نادرواقعہ ہمیشہ یاد رہے۔ پلنی جوایک غیرقوم مورخ ہے کہتا ہے کہ عیسائی اسی دن مسیح کی مدح میں جسے وہ خدا سمجھتے ہیں فراہم ہوکر

گیت گایا کرتے ہیں۔ اسی طرح سیلس بھی جو مسیحی مذہب کا مخالف تھا۔ اس بات پر گواہی دیتا ہے ۔ کہ تمام مسیحی اس بات کومانتے ہیں کہ مسیح مردوں میں سے جی اٹھا ہے۔اب ان باتوں سے کیا ظاہر ہوتا ہے ؟ یہ کہ ان ہزارہا لوگوں کو جنہوں نے مسیح کو قبول کیا کافی ثبوت مل گئے تھے ۔ کہ وہ حقیقت میں مردوں سے زندہ ہوگیا ہے ۔ ورنہ وہ اس پر کبھی ایمان نہ لاتے۔

۲۔ دوسری دلیل جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ شاگردوں (اوررسولوں) کی تبدیلی سے اورمسیحی مذہب کے عروج پانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح مردوں میں سے جی اٹھا پہلے شاگردوں اوررسولوں کی تبدیلی دیکھے ۔ ہم اوپر ایک جگہ دکھلاچکے ہیں مسیح کے مصلوب ہونے کے وقت شاگردوں کی کیا حالت تھی۔ ان کے حوصلے پست ہوگئے تھے۔ چنانچہ جس وقت مخالفوں نے مسیح کو پکڑا اس وقت وہ سب اُس کو چھوڑکر چلے گئے پطرس نے تین باراُس کا انکارکیا وغیرہ۔ یہ باتیں مشتے نمونہ ازخروارے کا کام دیتی ہیں اوران سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب مسیح مصلوب ہوا اس وقت یہ لوگ بھی اپنی اُمیدوں کا فاتحہ پڑھ بیٹھے اُن کو اُس وقت ہرگز ہرگز یہ آس نہ تھی۔ کہ ہماری امیدوں کاکملایا ہوا؟ پھول پھر بھی کبھی کھلیگا۔ گلیل کے مچھوے جونہ زررکھتے تھے اورنہ خاندانی فخر، جو نہ علم رکھتے تھے اورنہ کسی طرح کا رتبہ کب یہ جرات کرسکتے تھے۔ کہ یہودی سرداروں اوررومی حاکموں سے بے خوف ہوکر انجیل شریف کی منادی کریں؟ ہم اوپر ایک جگہ دیکھ آئے ہیں کہ وہ تو مخالفوں کے ڈر کے مارے اپنے مکانوں کے دروازے بند رکھتے تھے ۔ لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد اُن میں ایسی تبدیلی آجاتی ہے کہ وہ اپنے استاد کے لئے جان دینے کو تیارہوجاتے ہیں۔ چنانچہ وہ بڑی جماعتوں کے سامنے مسیح کے نام پر گواہی دینے سے نہیں ڈرتے۔ وہ کوڑوں اور قیدخانوں اورزنجیروں سے خائف نہیں ہوتے اورکئی ان میں سے اپنے مولا کی طرح صلیبی موت تک وفاداررہتے ہیں۔ پطرس کو دیکھوکہ وہ کس دلیری اورشجاعت کے ساتھ پینتیکوست کے روزہزارہا لوگوں کے مجمع کے سامنے اپنے مولا کے نام پر شہادت دیتا اوریہودیوں کو اُن کے گناہ سے ملزم ٹھیراتا رہا پر یہ وہی پطرس ہے جس نے چند دن ہوئے تین دفعہ مسیح کا انکارکیا تھا۔ اب یہی پطرس اوریوحنا کوڑے کھاتے دھمکائے جاتے۔ قید خانہ میں نظر بند رہتے ۔ مگرایک دم کے لئے اپنے مولا کا اوراس کی سچائی کا جواُس میں ظاہر ہوئی انکار نہیں کرتے ۔ بلکہ جو تکلیفیں اسکے نام سے اُن پر حادث ہوتی ہیں انہیں

اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ یہی حال دیگر رسولوں کا تھا۔ اب یہ ماننا پڑتا ہے ۔ کہ اس عجیب تبدیلی کی ضرور کوئی نہ کوئی معقول وجہ ہونی چاہیے ۔ ورنہ کب ایسے قلیل عرصہ میں ایسی نادر تبدیلی وقوع میں آسکتی تھی؟

پھر مسیحی بادشاہت کی روحانی حقیقت کے سمجھنے میں اُن کے خیالات کا تبدیل ہونا

علاوہ بریں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اسی قلیل عرصہ میں ان کے اعتقادات میں بھی عجیب تبدیلی پیدا ہوئی۔ وہ جب مسیح کے پاس آئے اُس وقت اپنے ہم قوم یہودیوں کی طرح یہ مانتے تھے کہ مسیح آکر اس دنیا میں عجیب شان وشوکت کی بادشاہی قائم کریگا اوریہ خیال اُن کے دلوں میں ایسا جاگیر تھاکہ اُس کے مصلوب ہونے بلکہ جی اٹھنے کے بعد تك بدستور قائم رہا۔ مگرجب اُس کے جی اٹھنے کے بعد اس کی روح پاك کے وسیلے اُن کو اس امر میں ہدایت ہوئی ۔ توانہوں نے سیدنا مسیح کی بادشاہت کی روحانی خاصیت کو پہچانا اوردینوی شان وشوکت اورکروفر کا خیال بالکل کافورہوگیا۔کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگرمسیح زندہ نہ ہوتا کہ اگرمسیح زندہ نہ ہوا ہوتا۔ اگرروح القدس کو زندہ مسیح نے نہ بھیجا ہوتا تو یہ تبدیلی کبھی پیدا نہ ہوتی ؟

مسیحی مذہب کا پھیلنا مسیح کے جی اٹھنے کا ثبوت ہے

پھر یہ بات بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہیے ۔ کہ مسیحی مذہب چند سال کے عرصہ میں جا بجا پھیل گیا۔ مسیحی علماء اس بات کو مسیح کے جی اٹھنے کے متعلق سب سے بڑی دلیل مانتے ہیں اوراُن کا دعویٰ صحیح بھی ہے کیونکہ ناصرت کے بے برگ دبے پر بڑھئی کی ذلیل موت کے بعد اورکونسی بات تھی جو اُس کے مردہ دعووں کو از سرنوزندہ کرتی اوراس کے مذہب کوجو اُس کی صلیب کے ساتھ ایك طرح ملك عدم میں جا پہنچا تھا۔ پھر ہستی کی صورت دکھاتی؟البتہ مسیح کی تعلیم اپنی پاکیزگی اورمعانی کی گہرائی کے سبب لاثانی ہے ۔ واقعی وہ ایك بے نظیر استاد تھا۔ مگریہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے ۔ کہ وہ اپنی تعلیم کا آپ ہی مرکز تھا۔ اس کی تعلیم اوراستادوں کی طرح اُس سے جدانہ تھی۔ بلکہ اس کے کلام میں جہاں معانی زیادہ گہرے ہیں۔ جہاں خیال عقاب کی طرح آسمان پر بلندی پردازی کرتا ہے جہاں اس کے لفظوں سے زیادہ نور کی شعاعیں نکلتی ہیں وہاں وہ خود ایسے طورپر اُن باتوں میں ملا ہوا ہے کہ اگرہم اُس کو

نکال دیں تو پھر وہ صداقتیں بھی بے جان ہوجاتی ہیں۔ اب ہمارا مطلب اس سے یہ ہے کہ اگر ایسا شخص جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں دنیا کا نور ہوں میں قیامت اور زندگی ہوں۔ میں اس دنیا میں ایک بادشاہت قائم کرنے آیا ہوں۔ میں اورباپ ایک ہیں مجھ سے جدا تم کچھ نہیں کرسکتے ۔ میرے پاس آؤ ۔ کہ میں تم کو آرام دونگا۔ کوئی میرے بغیر باپ کے پاس آنہیں سکتا۔ ہاں اگر ایسا شخص جو اپنی نسبت میں پرایسا زوردیتا ہے ذلت کے ساتھ مرے اورمرتے وقت کوئی ایسی ظاہری نتائج اپنے پیچھے نہ چھوڑے جواُس کے دعووں کی سچائی پر شہادت دیں تو اس کا مذہب اوراس کی تعلیم بھی اس کی موت کے ساتھ فنا ہوجائینگے اور سوائے اس کے کہ وہ جھوٹا اور فریب خوردہ سمجھا جائے اورکچھ اس کے حق میں نہ کہا جائیگا اورمسیح کا حال بھی یہی ہوتا اگر وہ مردوں میں سے زندہ ہوکر یہ ظاہر نہ کرتا کہ جو دعویٰ میں نے کئے ہیں میں ان کو پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہوں کیونکہ میں زندہ ہوں۔ ہاں اگر وہ زندہ ظاہر ہوکر اپنی قدرت کو منکشف نہ فرماتا اوراپنی حضوری کی برکتوں کا وعدہ اپنے دل شکستہ اورغریب شاگردوں سے نہ کرتا تواُن میں وہ جوش پیدا نہ ہوتا جس نے تمام دنیا کو تہ وبالا کردیا۔اسی طرح اگر وہ زندہ ہوکر اپنی روح پاک کو نہ بھیجتا اوراُن اَن پڑھ شاگردوں کو لمعات حقائق اور انوار معارف سے روشن نہ فرماتا تو ہمیں کب وہ معرفت کے خزانے نصیب ہوتے جوانجیل شریف اوراعمال الرسل اورخطوط اورمکاشفات کی کتابوں میں موجود ہیں اگر وہ زندہ ہوکراُن کو یہ حکم نہ دیتا کہ تمام دنیا میں جاکر انجیل کی تبیلغ کرواورمیں دنیا کے آخرتک تمہارے ساتھ ہوں توکیسے ان میں مشنری روح پیدا ہوتی جس کے طفیل سے اُنہوں نے تمام دنیا میں انجیل کی تبلیغ سنانے کا بیڑا اٹھایا ۔ اورکب مسیحی مذہب میں وہ پھل لگتے جنکے سبب سے وہ اب ایک شجر پرُثمر کی طرح لہلہاتااورلدا ہوا دکھائی دیتا ہے؟ ہم بخوف طوالت اس بات پر زیادہ تحریر نہیں کرسکتے ۔ پس اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ جو لوگ مسیحی مذہب کی ابتدائی مشنری ترقی پر غور کرتے ہیں اورپہلے شاگردوں اوررسولوں کی عجیب تبدیلی اوراُن کے روحانی علم کا انصاف سے موازنہ کرتے ہیں وہ اس بات کے قائل ہوجاتے ہیں کہ سوائے مسیح کے جی اٹھنے کے اورکوئی واقعہ مسیحی مذہب کو زندہ نہیں کرسکتا تھا۔ اورنہ اُس دنیا کے ہرکونہ اورگوشے میں پہنچاسکتا تھا۔

مسیحی مذہب کا وجود اوراس کی تعلیمیں مسیح کے جی اٹھنے کا ثبوت ہیں

اس کے ساتھ ہی ہم ایک اوربات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں ۔ اوروہ یہ کہ مسیح کا مردوں میں سے جی اٹھنا مسیحی مذہب کی جان ہے پس اگریہ واقعہ مسیحی مذہب سے نکالا جائے تو مسیحی مذہب وہ مذہب نہیں رہتا جونئے عہد نامہ میں سکھایا گیا ہے اورجس کی منادی رسول کیا کرتے تھے۔ مطلب اس سے یہ ہے ۔کہ اگر مسیح زندہ نہ ہوتا تو مسیحی مذہب پیدا ہی نہ ہوتا۔ اس بات کی طرف ہم آگے ایک آدھ جگہ اشارہ کرآئے ہیں مگریہاں کسی قدر تشریح کے ساتھ دکھانا چاہتے ہیں کہ مسیحی مذہب کے بانی کا زندہ ہونا اس کے رگ وریشہ میں ملا ہوا ہے بہت لوگ ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ مسیح کے بدن کے قبر میں سے جی اٹھنے کی کوئی اخلاقی ضرورت نہ تھی۔ اس کا بے داغ نمونہ زندہ ہے جو لوگوں کو اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کا سبق دیتا ہے ۔ اس کی تعلیم زندہ ہے۔ لہذا جو شعاعیں ان نورانی مرکزوں سے نکلتی ہیں وہ دنیا کے لئے کافی ووافی ہیں۔ پس اس کے جسم کے جی اٹھنے کی منخی سے تعلیم کی کوئی ضرورت نہ تھی۔مگر یہ حضرات اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ مسیح دنیا کا نجات دہندہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے ۔ اورنجات کے معاملے میں اس کا مردوں میں سے جی اٹھنا ایک ضروری امر ہے ۔چنانچہ پولوس رسول فرماتا ہے" اگرمسیح نہیں جلایا گیا توتمہارا ایمان بے فائدہ اورتم اب تک اپنے گناہوں میں گرفتارہو"۔(۱کرنتھیوں ۱۵: ۱۷)۔

مسیح کا معجزانہ طورپر پیدا ہونا۔ اُس کا بے گناہ زندگی بسر کرنا ۔ اُس کا لوگوں کے گناہوں کے لئے مارا جانا ۔ اُس کا جی اٹھنا اور آسمان پر تشریف لے جانا اورروح پاک کو پنتیکوست کے دن نازل فرمانا اوراپنے بندوں کی سفارش کے لئے ہمیشہ تک جینا وہ صداقتیں ہیں جو انسان کی نجات کے لئے اشد ضروری بتائی گئی ہیں۔ اگرہم ان میں سے کسی بات کوبھی دورکردیں۔ تو مسیحی نجات کی کل عمارت مسمار ہوجائیگی۔ اب دیکھئے کہ مسیح کا مردوں میں سے جی اٹھنا باقی صداقتوں کے ساتھ کیسا گہرا تعلق رکھتا ہے۔

مسیح کا دعویٰ کہ میں خداکا بیٹا ہوں مسیح کی بعثت سے ثابت ہوتا ہے

مسیح نے دعویٰ کیاکہ میں خدا کا بیٹا ہوں اورانجیل شریف کے بیانوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایسے معنی میں اپنے تئیں خدا کا بیٹا بتاتا ہے کہ اورکوئی مخلوق یا بشر یا فرشتہ اس معنی میں

اسکا بیٹا نہیں سمجھا جاسکتا ۔ وہ اکلوتا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اورنہ صرف عام لوگوں کےسامنے اورتمام موقعوں پر ۔ بلکہ جب سردارکاہن اورشرکائے سنہڈرین کے سامنے اس سے ایک طرح حلفاً پوچھا گیا ۔ کہ کیا تو جیسا دعویٰ کرتا ہے واقعی حق تعالیٰ کا بیٹا ہے تواس نے ہر طرح کے خوف سے آزاد ہوکراس سوال کا جواب اثبات میں دیا۔ اوراس کے ثبوت میں یہ بات پیش کی کہ جب میں مردوں میں سے جی اٹھونگا تو میرا اورباپ کا باہمی رشتہ ثابت ہوجائیگا۔ اور پولوس رسول رومیوں کے خط کے پہلے ہی باب میں اس دعوے کے ثبوت میں اُس کی بعثت پیش کرتا ہے ۔چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "مسیح پاکیزگی کے اعتبار سے مردوں میں جی اٹھنے کے سبب قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ثابت ہوا"۔(رومیوں ۱: ۴) اب اگروہ مردوں میں سے زندہ نہ ہوتا تواس کی الوہیت کبھی ثابت نہ ہوتی بلکہ اس کی انسانیت پربھی داغ آتا کیونکہ اس کی وہ نبوتیں جواُس نے اپنے جی اٹھنے کے بارے میں بیان فرمائی تھیں جھوٹی ثابت ہوتیں۔ اوراس کی نبوی نگاہ میں نقص پایا جاتا اوراس کی کسی بات کا اعتبار نہ ہوسکتا۔ پراصل بات یہ ہے کہ اگروہ خدا کا بیٹا نہ تھا تو محض ایک معلم یا ناصح تھا۔ نجات دہندہ نہ تھا۔ کیونکہ کوئی انسان نجات نہیں دے سکتا۔ یہ کام خدا کا ہے۔پر ہم کس طرح جانیں کے فلاں شخص جو الوہیت کا دعویٰ کرتا ہے وہ جو کچھ کہتا ہے صحیح کہتا ہے۔ اس دعوے کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لئے الہیٰ قدرت کے ایسے اظہار کی ضرورت ہے جو انسان کی قدرت سے بعید ہو۔ اب وہ مطلوبہ اظہار ہم کو مسیح کے مردوں میں سے جی اٹھنے میں ملتا ہے۔ اورنئے عہد نامہ کے مصنف اُسے اُس کی الوہیت کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں

مسیح کے کفارے کی مقبولیت اس سے ثابت ہوتی ہے

پھر انجیل دعویٰ کرتی ہے کہ مسیح کا کفارہ انسان کی نجات کے لئے ضروری ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ مسیح اس دنیا میں اسلئے آیا کہ اپنی جان دے کر ہمیں گناہ کی سزا اورطاقت سے نجات دے۔ جب وہ صلیب پر تھا اس نے کہا " پورا ہوا"۔ جس سے یہ مطلب تھا کہ انسان کی نجات کا کام جہاں تک اس کا تعلق میرے کفارے سے ہے پورا ہوگیا ہے۔ لیکن اگروہ یہ دعوے کرکے قبرمیں پڑا رہتا توکون اُس کے کفارے کوقبول کرتا اورکون یہ مانتا کہ اس کی قربانی خدا کے حضور مقبول ہے؟ پر جب وہ مردوں میں سے جی اٹھا تو اس سرفرازی نے ثابت کردیا کہ خدا نے اس کی قربانی کو قبول فرمایا اور

وہ ہمارا سچا کفارہ اوردرمیانی ہے پھر جس طرح اس کی موت میں ہم گناہوں کی نسبت مردہ سمجھے جاتے اسی طرح زندہ مسیح کی زندگی سے زندہ سمجھے جاتے ہیں۔ اسی زندہ مسیح نے اپنی روح پاک اپنے شاگردوں پر نازل فرمائی جواُن کے تقدیس کے کام کو کمال تک پہنچاتی ہے پرنئے عہدنامے سے صاف ظاہر ہے کہ روح القدس کا نزول مسیح کے جی اٹھنے پر منحصر تھا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ اگر مسیح زندہ نہ ہوتا تو روح القدس پنتیکوست کے دن نازل نہ ہوتی اوردنیا اُن برکتوں سے محروم رہتی جو روح پاک کی حضوری سے صادرہوتی ہیں۔

مسیح کی شفاعت اُس کے جی اٹھنے سے وابستہ ہے

پھر مسیح کی نسبت بتایا گیا ہے کہ وہ ہماری سفارش کے لئے ہمیشہ جیتا ہے۔ مسیحی تھیالوجی میں مسیح کی شفاعت کا یہ مطلب نہیں وہ قیامت کے دن وقوع میں آئیگی۔ کہ اس دن مسیح خدا سے کہدیگا کہ فلاں شخص کو بخشدے ۔ مسیح کی شفاعت کا کام اس کے کفارہ پر مبنی ہے اوراسی دن سے شروع ہوا جبکہ وہ زندہ ہوکر آسمانی قدس الاقداس میں خدا تعالیٰ کے حضورجاپہنچا۔

مسیح کا جی اٹھنا اس کے بندوں کےآخری جلال کی خبردیتا ہے

آخر میں یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ اس کا مردوں میں سے جی اٹھنا اس کی دینوی پستی کا خاتمہ اورآسمانی سرفرازی اورجلال کا شروع تھا۔ وہ ازلی بیٹا ہونے کی حیثیت سے ازل سے الہیٰ جلال سے ملبس تھا۔ مگر تجسم کے وقت اس نے اپنے تئیں اس جلال سے خالی کردیا اورپستی اختیا رکی۔ پر جب مردوں میں سے جی اٹھا اورآسمان پر چڑھ گیا تو اس کا انسانی بدن بھی الہیٰ جلال سے بھرورہوا ۔ اب یہی وہ جلال ہے جس میں ہماری روحوں اوربدنوں کے شامل ہونے کا وعدہ انجیل میں ہم سے کیا گیا ہے۔ اگرمسیح زندہ ہوکر خود اُس جلال میں داخل نہ ہوتا توہم کو اس میں داخل ہونے کی کیا اُمید تھی؟ یادرہے کہ یہی زندہ مسیح بادلوں میں پھر آئیگا۔ راج کریگا اور مردوں اورزندوں کا انصاف کریگا۔

اب ہم نہ دیکھ لیا ۔ کہ مسیح کا مردوں میں سے جی اٹھنا کس طرح ہر مسیحی تعلیم اورمسئلے کے رگ وریشے میں گھسا ہوا ہے۔ اس کے بغیر مسیحی مذہب کچھ بھی نہیں رہتا۔اوراسی واسطے مخالفوں نے اس پتھر کوجو گویا کونے کا سرا ہے ہلانے کی کوشش کی ہے۔ مگر ہمیں یقین ہے کہ ان چند سطور کے پڑھنے سے ناظرین پر ثابت ہوگیا ہوگا۔ کہ جوگواہیاں اوردلیلیں اس واقعہ کی صداقت کے

ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں وہ ان گواہوں اوردلیلوں سے کسی طرح کم یا کمزورنہیں جو تواریخی واقعات کے ثبوت میں اکثر پیش کی جاتی ہیں۔ بلکہ اُن سے کہیں زورآورہیں۔

آخری التماس

اب آخر میں ہماری منت ہے کہ کیا وہ جس نے معجزات دکھاکراپنے تئیں قادرنجات دہندہ ثابت کیا۔ جس نے مردوں میں سے زندہ ہوکر دکھادیاکہ میں زندگی اورجلال کا سرچشمہ ہوں۔ اس لائق نہیں کہ ہم اُس پر ایمان لائیں؟ ہاں اُس نے یہ سب کچھ اسی واسطے کیا کہ ہم اُس کا دامن پکڑیں اورہمیشہ کی زندگی کے وارث ہوں۔ پیارو" یہ (باتیں) اسی لئے لکھی گئی ہیں۔کہ تم ایمان لاؤ کہ یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے اورایمان لاکراس کے نام میں زندگی پاؤ"۔ آمین۔

جنابِ مسیح کے معجزات کی فہرست مضامین

۱۶:معجزانه طورپر پانچ ہزا افراد کو کھانا کھلانا۔
۱۷:جناب مسیح کا سمندر پر چلنا ۔
۱۸:ایک جنم کے اندھے کی آنکھوں کو روشن کرنا ۔
۱۹:سوکھے ہوئے بازووالے شخص کو شفا بخشنا۔
۲۰:ایک کبڑی عورت کو شفا بخشنا۔
۲۱:جلند رکی بیماری والے شخص کو شفا بخشنا۔
۲۲:دس کوڑھیوں کو شفا بخشنا۔
۲۳:سورفینکی عورت کی لڑکی کو شفا بخشنا۔
۲۴:ایک بہرے اورگونگے کو شفا بخشنا۔
۲۵:چارہزارافراد کو معجزانه طورپر کھانا کھلانا ۔
۲۶:بیت صدا میں ایک اندھے کو بینا کرنا۔
۲۷:ایک دیوانه لڑکے کو شفا بخشنا۔
۲۸:مچھلی کے منه میں درہم کا پانا۔
۲۹:لعزرکو زندہ کرنا ۔
۳۰:اریحا کے نزدیک دو اندھوں کی آ نکھوں کو روشن کرنا۔
۳۱:بے پھل انجیر کے درخت کا سوکھ جانا۔
۳۲:ملخس کے کان کو شفا بخشنا۔
۳۳:مچھلیوں کا پکڑنا۔

پانی کا مے (انگور کا رس) بنانا

(انجیل شریف راوی حضرت یوحنا باب ۲ آیت ۱تا ۱۱ تک)

یہ معجزہ مسیح کی خدمت کے شروع میں نہایت ہی موزون تھا۔ کیونکہ اس سے آپ کے کل کام کا مقصد ظاہر ہوجاتا ہے، یہ گویا آپ کی آئندہ کی خدمت کی ایک نبوت تھی ۔ جناب مسیح ایک عجیب تبدیلی پیدا کرنے آئے تھے۔ پانی سے مے بنانا اس حقیقی اورسچی تبدیلی کا نمونہ تھا۔ جوآپ کی روح پاک کی قدرت سے گناہ گار کے دل میں اس وقت واقع ہوتی ہے جبکہ وہ آپ پر ایمان لاتے ہیں۔ پانی سے مے (انگور کا رس) بنانا گویا ایک ادنیٰ شئے سے افضل شئے بنانا تھا۔اور جس قدرت کا ملہ سے آپ نے یہ معجزانہ تبدیلی پیدا کی اسی وقت سے آپ گناہ آلودہ طبیعت اوررذالت اورخباثت کو دورکرتے ہیں۔ اور اسے الہٰی فرزندی کی فضیلت اورشرافت سے مالا مال فرماتے ہیں۔

آیت نمبر۱۔پھر تیسرے دن قانائے گلیل میں شادی ہوئی اورجناب مسیح کی والدہ ماجدہ بھی وہاں تھیں۔

پھر تیسرے دن ۔ یعنی آپ کو دو حواری یعنی حضرت فیلبوس اور حضرت نتھانیل کے آنے سے تین دن بعد ،دو دون میں جناب مسیح اورآپ کے حواری یردن کے کنارے سے قانائے گلیل میں پہنچ گئے ہونگے ۔ اورمسیح کی والدہ ماجدہ وہاں تھیں،یعنی علاوہ جناب مسیح اورآپ کے حواریوں کے آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم صدیقہ بھی وہاں موجود تھیں ۔معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف زندہ نہ تھے۔ ان کا آخری ذکر اس وقت آتا ہے جبکہ مسیح ان کے ساتھ ہیکل (بیت اللہ) کو گئے۔ اغلب ہے کہ وہ اس وقت کے بعد اورجناب مسیح کی خدمت کے آغاز سے پہلے کسی وقت فوت ہوگئے تھے۔

اورآپ کے حواری وغیرہ ۔ عموماً یہ پانچ حواری مراد لئے جاتے ہیں۔ حضرت اندریاس ،حضرت پطرس ،حضرت فیلبوس،حضرت نتھانیل ،اورحضرت یوحنا ان حواریوں میں سے جن کا ذکر (انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا باب ۱ آیت ۳۵ تا۴۰) میں پایا جاتا ہے ایک حضرت یوحنا تھے اور دوسرے حضرت اندریاس اور یہ نتیجہ کہ ان میں سے ایک حضرت یوحنا تھے ۔ ا س مفصل بیان سے مستنبط کیا جاتا ہے جو اس انجیل کے ہرصفحہ سے مترشح ہے (اور نیز اس بات سے بھی کہ وہ اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے) دیکھیں انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا باب ۱۳آیت ۲۳،باب ۱۵آیت

۱۹ باب ۲۶آیت ۳۵) اگر یہ قیاس ٹھیک ہے تو حضرت یوحنا بچشم خود اس معجزہ کے دیکھنے والے تھے۔

آیت نمبر۲۔ اورجناب مسیح اورآپ کے حواریوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی ۔

اس شادی میں دعوت تھی۔ یعنی جناب مسیح کا اس شادی میں آنا بڑی برکت کا باعث تھا۔ وہ نہ صرف دکھ اورغم میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ بلکہ ہماری خوشی اورخرمی میں بھی ہمارا ساتھ دیتے ہیں۔آپ کی حضوری سے شادی کا جواز ثابت اورخاندانی تعلقات کی درستی اورعظمت کی تصدیق ہوتی ہے۔ جولوگ شادی کے رشتہ پر حرف لاتے ہیں وہ غلطی میں ہیں ۔ جس نے بے تکلفی سے حضرت مریم صدیقہ شادی کے معاملات میں دست اندازی کرتا ہیں (دیکھیں آیت ۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے میزبان سے گہرا تعلق اورتعارف رکھتی تھی۔ ممکن ہے کہ وہ شادی والوں میں سے کسی فریق کی رشتہ دارہونگی۔

جب مے (انگورکا رس) ختم ہوچکی ۔ممکن ہے کہ جناب مسیح اورآپ کے حواریوں کے آنے سے مہمانوں کا شماربڑھ گیا ہو۔ اور اس سبب سے مئے کم ہوگئی ہو۔ حضرت مریم صدیقہ اس کمی کو دیکھ کر متفکر ہوئی۔ اورچاہتی تھی کہ ان کی مشکل کسی طرح رفع کی جائے لہذا۔

آیت نمبر۳۔ جب میں ختم ہوچکی تو جناب مسیح کی والدہ ماجدہ نے ان سے فرمایا کہ ان کے پاس مے نہیں رہی۔

جناب مسیح سے فرمایا کہ ان کے پاس مے نہیں رہی۔ معلوم نہیں کہ وہ کس مقصد سے ان کے پاس آئیں اورکیا چاہتی تھی کہ وہ ان کے لئے کریں۔ کیونکہ مسیح کا یہ پہلا معجزہ تھا۔ (دیکھیں آیت ۱۱) اور حضرت مریم صدیقہ نے ان کی قدرت اعجازکا کوئی کرشمہ ابھی تک نہیں دیکھا تھا ۔ پس ان کو جرات نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ ان سے یہ کہتی کہ تم اپنی معجزانہ طاقت سے ان کے لئے مے بنادو۔ بعض لوگوں کا یہی خیال ہے کہ گو مسیح نے عام طورپر اپنی بزرگی اورعظمت ظاہرکرنے کو کوئی معجزہ اب تک نہیں دکھایا تھا مگر اپنے عزیزوں کے دائرے میں آپ نے کئی معجزے اس غرض سے دکھائے تھے کہ وہ اس ظاہری معجزہ کو قبول کرنے کے لئے تیارہوجائیں۔لیکن انجیل شریف کی سادہ بیانی سے خلاف ورزی اختیارکرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس میں صاف لکھا ہے کہ یہ آپ کا پہلا معجزہ تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ کس طرح حضرت مریم صدیقہ کو جناب مسیح کی

بشارت دی گئی تھی۔لہذا ناممکن نہیں کہ گو آپ نے کوئی معجزانہ اظہار مسیح کی قدرت کا اب تک نہ دیکھا تھا ۔ تاہم وہ ان نشانوں کے سبب سے اوراس نبوت کے کلام کے باعث ث جو جناب مسیح کی پیدائش سے وابستہ تھا اس بات کی قائل تھیں کہ وہ موجودہ مشکل کو رفع کرنے کی پوری پوری قدرت رکھتے ہیں گو آپ نے اب تک اس قدرت کو عوام الناس میں ظاہر کرنا شروع نہیں کیا۔

بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ وہ اس لئے جناب مسیح پا س یہ درخواست کرنے نہیں آئی تھیں کہ وہ معجزات طاقت سے مے کی مقدار بڑھادیں یا اسے اورکسی طرح پیدا کردیں۔ بلکہ وہ اس لئے آپ کے پاس آئی تھیں کہ ان کے ساتھ مشورہ کرکے اس موقع پر کیا کیا جائے کیونکہ آپ نے حضرت مسیح کو ہمیشہ دانا صلاح کار اور عمدہ مشیر پایا تھا۔

پھر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ جب حضرت مریم صدیقہ نے یہ کہا کہ "ان کے پاس مے نہیں رہی" تو اس کا مطلب یہ تھا کہ قبل ا سکے کہ ہمارے میزبانوں کی یہ مشکل فاش ہو اور وہ شرمندگی اٹھائیں بہتر ہے کہ ہم یہاں سے چلے جائیں۔

آیت نمبر ۴۔ جناب مسیح نے ان (حضرت مریم صدیقہ) سے کہا کہ اے عورت مجھے آپ سے کیا کام ہے ابھی میرا وقت نہیں آیا ہے۔

اے عورت مجھے آپ سے کیا کام ہے ۔الفاظ "اے عورت " پر اکثر ہمارے مسلمان بھائی اعتراض کرتے ہیں کہ جناب مسیح نے اپنی والدہ ماجدہ کو "اے عورت " کہہ کر مخاطب کیا جو کہ ایک نبی کو زیبا نہیں دیتے۔ ہمارے مسلمان بھائی کا اعتراض سر آنکھوں پر لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی جب بھی اعتراض کرتے ہیں تو وہ صرف انجیل شریف کا ترجمہ پڑھنے کے بعد اعتراض کرتے ہیں اوروہ قطعاً بھول جاتے ہیں کہ انجیل شریف کی الہامی زبان یونانی ہے جیسی کے قرآن شریف کی زبان عربی ہے ۔اوراگر وہ انجیل شریف کی الہامی زبان جو کہ یونانی ہے اس میں اس آیت کو دیکھیں گے تو ہمارا ایمان ِکامل ہے کہ پھر وہ دوبارہ اعتراض نہیں کریں گے ۔ اصل زبان میں جو لفظ استعمال ہوا اورجسے اردو ترجمہ میں "اے عورت " کیا گیا اصل میں وہ لفظ یونانی زبان میں "گونئے کوس " ہے اوراگر ہم اس لفظ کے معنی دیکھیں تو ہم ورطہ حیرت میں پڑجاتے ہیں کیونکہ جو لفظ "گونئے کوس " استعمال کیا گیا ہے اس کے معنی اے عورت نہیں

بلکه اس کے معنی ہیں "اے ملکه" یعنی انگریزی الفاظ "لیڈی" کے مترادف ہیں ۔اوراس لفظ کا استعمال کرنا نه صرف ظاہری ادب مقصود ہوتا تھا بلکه دلی عزت بھی مقصود تھی۔ چنانچه قیصر اگسطس نے ملکه کلیو پیٹرا (جس کا سن وفات جناب مسیح سے تیس سال قبل تھا) کو خطاب کرتے ہوئے یہی لفظ استعمال کیا تھا۔اسی طرح سے دوسرے الفاظ یعنی" مجھے آپ سے کیا کام ہے "یونانی میں ان کا لفظی ترجمه یه ہے که "مجھے اورتجھے کیا" (دیکھیں کتاب مقدس قضات باب ۱۱ آیت ۱۲،۱ سلاطین باب ۱۷ آیت ۱۸، ۲سلاطین باب ۳ آیت ۱۳، یشوع باب ۲۲ آیت ۲۴، ۲ سیموئیل باب ۳۶ آیت ۲ نیزانجیل شریف میں به مطابق حضرت متی باب ۸ آیت ۲۹ اوربه مطابق حضرت مرقس باب ۱ آیت ۲۴ وبه مطابق حضرت لوقا باب ۸ آیت ۲۸)اس سے بعض اشخاص نے یه سمجھا که مسیح کا مطلب یه تھا که اگرمے ختم ہوگئی ہے تو ہم کیا کریں ۔ یعنی مجھے اورتجھے اس سے کیا واسطه ۔اس آیت کی تفسیرایک مسیحی عالم ٹرنچ صاحب یوں فرماتے ہیں که ا س تفسیرکی بنیاد لا علمی پر قائم ہے۔ یعنی جو لوگ یه خیال پیش کرتے ہیں وہ اس محاورہ کے معانی سے واقف نہیں ہیں ۔

صاحب موصوف یہی تفسیرکرتے ہیں که"اس معامله میں مجھے کچھ نه کہو۔ کیونکه اس معامله میں مجھ میں اورآپ میں کسی طرح کا اشتراک نہیں ہے کیونکه اس معامله میں اپنی قدرت کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں ا س کا تعلق خون اورگوشت سے نہیں بلکه اس کا علاقه خدا کی بادشاہت کی ترقی کے ساتھ ہے۔ایک مسیحی عالم کری ساسسٹم صاحب فرماتے ہیں که ابھی حضرت مریم نے مسیح کی نسبت ایسا خیال کرنا نہیں سیکھا تھا جیسا ان کوکرنا چاہیے تھا ۔بلکه وہ خیال کرتی تھیں که چونکه وہ میرے شکم سے پیدا ہوا ہے ۔ لہذا جس طرح اورمائیں اپنے بچوں کو حکم کیا کرتی ہیں میں بھی انہیں حکم کرسکتیں ہوں اورنہیں جانتی تھیں که حکم کرنے کی نسبت ان کی تعظیم اوربندگی کرنا زیادہ زیبا ہے۔

ابھی میرا وقت نہیں آیا۔جب ہم ان لفظوں کو ماقبل کے الفاظ کے ساتھ پڑھتے ہیں تو یہی خیال گزرتا ہے که گویا یہی مراد تھی میرا وقت ابھی بہت دیر بعد آنے والا ہے اور حضرت یوحنا اکثر ان الفاظ کو مسیح کی موت یا ان کے اس دنیا سے کوچ کرنے کی نسبت استعمال کرتے ہیں۔ (انجیل شریف به مطابق حضرت یوحنا باب ۷آیت ۳۰ ،باب ۸ آیت ۲۰ ،باب ۱۲ آیت ۲۳ ،۲۷اورباب ۱۷ آیت ۱) مگرایک اور

جگه ان الفاظ سے قریبی فاصله بھی مراد ہے (انجیل شریف به مطابق حضرت یوحنا باب ۷ آیت ۶) اوریہی مطلب یہاں سے معلوم ہوتا ہے که حضرت مریم نے بھی ان سے دیر کا مطلب نہیں سمجھا اوروقوعه سے ثابت ہوتا ہے که جو مطلب حضرت مریم نے سمجھا وہی صحیح تھا۔ ان کے نزدیك مسیح کا یہی مطلب تھا که جب تك مے بالکل ختم نه ہوجائے اس وقت کچھ نہیں کرسکتا (اگر مسیح مے بنادیتے تو اگسٹن صاحب کے قول کے مطابق لوگ یہی خیال کرتے که پانی تبدیل نہیں کیا گیا۔ بلکه اس میں اورعناصر ایزاد کئے گئے ہیں) پس معجزہ اس وقت ہونے تھا جب اس میں کسی طرح کے شك وشبہه کی جگه نه رہتی۔

آیت نمبر ۵ ان کی (مسیح) کی ماں نے خادموں سے کہا ۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے ۔ اسے کرو ۔ حضرت مریم کو یقین تھا که وہ (مسیح) ان کی درخواست کو قبول کریں گے اورانہوں نے کچھ کچھ یه بھی جان لیا که کس طرح پورا کریں گے اسی لئے انہوں نے خادموں سے کہا که جوکچھ وہ تم سے کہے سو کرو۔ اس کے (مسیح) حکم کو ماننا گویا معجزے کو وجود میں لا نا تھا۔

آیت نمبر ۶ ۔ وہاں یہودیوں کی طہارت کے دستور کے موافق پتھر کے چھ مٹکے دھرے تھے اوران میں دو دو تین تین من کی گنجائش تھی ۔ اس تفصیل سے فریب اوردھوکے کے لئے جگه نہیں رہتی ۔ پہلے یہاں مٹکو کا بیان ہے یونانی زبان میں جو لفظ آیا ہے وہ جس کے معنی پانی کے ہیں۔ یه برتن شراب کے برتن یا شراب کی صراحیاں نه تھیں۔ بلکه ایسے برتن تھے جن میں پانی بھرا جاتا تھا۔ لہذا یه اعتراض نہیں کیا جاسکتا که چونکه مے کی صراحیوں میں پانی ڈالا گیا تھا اس لئے پانی میں مے کے برتنوں کی بوپیدا ہوگئی تھی اوروہ مے سمجھا گیا۔ اب چونکه یه برتن بالتخصیص پانی کے برتن تھے لہذ اعتراض مذکورہ بالا کے لئے کوئی جگه نہیں رہتی۔

پھر یه بات بھی یا درکھنی کے قابل ہے که پانی کے مٹکے وہیں موجود تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے که انہوں نے کوئی ایسی صلاح نہیں کی تھی که ہم پہلے کہیں سے مٹکے لائیں گے اورپھر یه کہیں که ان میں پانی بھرا ہوا تھا اوراب وہ پانی مے بن گیا ہے۔ بلکه یه مٹکے یہودیوں کے دستور کے مطابق پہلے ہی سے وہاں موجود تھے۔

مقدار بھی دی گئی تاکہ یہ شبہہ نہ رہے کہ تھوڑی سے مے کہیں سے چھپا کر لائے تھے اس مقدرا سے مے کی کثرت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ دو دو تین تین من کی گنجائش ان مٹکو میں تھی ۔

مٹکو میں پانی بھر دوان لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جتنے مسیح کے لئے کام کرنے والے ہیں ان کا یہ فرض ہے کہ جیسا مسیح کہے ویسا کری۔ فرائض ہمارے ہیں اور واقعات خدا کے ہیں ہمارا کام ہے مٹکوں میں پانی بھرنا اس کا کام پانی سے مے بنانا ۔

آیت نمبر۷ ۔ مسیح نے ان سے کہا مٹکوں میں پانی بھردو۔ پس انہوں نے کو لبالب بھردیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہاں گمان نہیں ہوسکتا کہ پہلے ہی س ان میں مے بھری ہوئی تھی۔ خادموں نے اس کے (مسیح) حکم کو مانا۔ بھر دیا۔ ان میں اورکوئی چیز اب نہیں ڈالی جاسکتی تھی۔

آیت نمبر۸۔پھراس نے (مسیح)ان سے کہا ۔ اب نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤپس وہ لے گئے۔ شاید معجزہ اسی وقت واقع ہوا وہ جو انگور پیدا کرتا وہ جس نے مادہ کو نیستی سے خلق کیا باآسانی ایک قسم کے مادہ کو دوسری قسم کے مادہ میں تبدیل کرسکتا تھا۔ یہیں میر مجلس بھی مہمان تھا اورغالباً اس وقت ضیافت کا مہتمم تھا۔ مسیح سوشل دستوروں کی تحقیر نہیں کرتے بلکہ ہر شحص کو اس کا حق دینے کو تیار ہیں۔ چنانچہ وہ اس مے کو پہلے میر مجلس کے پاس بھیجتا ہے ۔ اس قسم کے مہتمم یونانیوں اور رومیوں میں بھی پائے جاتے تھے۔ وہ لے گئے اطاعت۔

آیت نمبر۹۔جب میر مجلس نے وہ پانی چکھا جو مے بن گیا تھا۔ وہ تو اب پانی نہ تھا بلکہ مے تھی۔ مگر رسول اس واسطے اسے پانی کہتا ہے کہ مے بننے سے پہلے وہ پانی تھا اورنیز اس لئے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان میں شروع ہی سے مے بھری ہوئی تھی ۔

ابھی تک اس کو اس کو بات کا علم نہ تھا کہ مے پانی سے بنی ہے وہ جیسا اس کے بیان مابعد سے ظاہر ہوتا ہے یہی خیال کرتا تھا کہ میزبان نے اس رکھ چھوڑا ہے لیکن خادم جنھوں نے پانی کوئیں سے نکال کر مٹکوں میں بھرا تھا۔ اس راز سے واقف تھے پس میر مجلس نے دولہا کو بلا کر کہا۔

آیت نمبر۱۰ ۔ ہر شخص پہلے اچھی مے پیش کرتا ہے اور ناقص اس وقت جب کہ سب خوب پی چکیں مگر تو نے

اچھی مے اب تک رکھ چھوڑی ہے۔جب سب پی چکے ۔ ان لفظوں سے مسیح پر اہل اسلام یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسیح نے پروردگارکی مرضی کے خلاف کیا۔ کیونکہ اول تو نشہ بازوں کی مجلس میں آئے اورپھر ان کو مے بنا کر دی۔ جو ان کے متوالا پن کو دوبالا کرنے والی تھی۔

یہ اعتراض اس وقت پیش آتا ہے جب انسان اصل پس منظر سے واقف نہ ہو یہودیوں کے ہاں دستور تھا کہ جب ان کے بیاہ شادی وغیرہ ہوتی تھی تو وہ باراتیوں کا اورمہمانوں کا استقبال مے سے کیا کرتے تھے جیسے کہ ہمارے ملک میں اورخاص طورپر پنجاب میں جب کوئی بیاہ شادی ہوتی ہے تومہمانوں کے تواضع کے لئے لسی یا چھاج یا شربت پیش کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح یہودیوں کے ہاں بھی دستورتھاکہ وہ مے پیش کیا کرتے تھے وہ مے انگورکا رس تھی اورا س کے سوا کچھ بھی نہیں۔اب ہمارے مسلمان بھائی پر یہ عیاں ہوگیا ہوگا کہ نعوذ بااللہ جناب مسیح کسی ایسی ضیافت میں نہیں گئے تھے جہاں شراب پی جارہی تھی۔بلکہ وہاں پر مے یعنی انگورکا رس پیا جارہا تھا۔ اورجیسا کہ ہم اوپر بیان کرچکیں کہ وہ مے بالکل ایسی ہی تھی جیسے لسی ،چھاج یا شربت وغیرہ۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔حضرت موسیٰ اورمسیح ۔ حضرت موسیٰ کا پہلا معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے پانی سے خون بنایا اورحضرت موسیٰ شریعت کو لائے۔ مسیح نے پانی کی مے بنائی۔ فضل مسیح سے ہے مسیح زندگی کےمالک ہیں وہ خوشی اورراحت کو اپنے ساتھ لائے۔

۲۔یہ معجزہ جناب مسیح کے کام کی پیشن گوئی ہے ۔ وہ ظاہر کرتا ہےکہ وہ گناہگاروں کو مقدس ، بنی آدم کو فرشتے ۔ زمین کوآسمان اور صحرا کو فردوس بنانے والے ہیں۔

۳۔اس شادی سے دنیا کی خوشی کی بطالت او ربے ثباتی ظاہر ہوتی ہے۔ دنیا کی خوشی کے موقعوں میں محتاجی چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے مزون کے ختم ہوجانے کا غم اس کی خوشیوں میں نہاں ہے۔کیونکہ ایک وقت آتا ہے جب مے ختم ہوچکتی ہے۔

۴۔جب تمام قسم کی خارجی مدد ہماری ضروریات کو رفع کرنے میں قاصر نکلتی ہے تو وہ وقت جناب مسیح کا ہوتا ہے اس وقت وہ ہماری مدد کوآتے ہیں۔

۵۔مناسب ہے کہ ہماری ضیافتیں جناب مسیح کی حضوری سے پاک کی جائیں جس جلسہ میں ہم مسیح کو مدعو نہیں کرسکتے وہ جلسہ قابل اعتراض ہے۔

۶۔جناب مسیح نے اپنی حضوری سے شادی کے رشتہ کی عزت کرتے ہیں۔ جس جماعت اورسوسائٹی میں اس مبارک رشتہ کی عزت نہیں کی جاتی وہ سوسائٹی جلد تباہ ہوجاتی ہے۔ وہ اس رشتہ کے وسیلہ اپنی عجیب محبت کو جو وہ مومنین سے رکھتے ہیں ظاہر کرتے ہیں۔

۷۔ہر ضرورت اور مشکل کے وقت لازم ہے کہ ہم مسیح کے پاس آئیں جس طرح حضرت مریم آئیں۔حضرت مریم کا ایمان غور کے لائق ہے ۔ حالانکہ ان کی درخواست بظاہر قبول نہ ہوئی۔ تاہم وہ مایوس نہیں ہوئی۔ بلکہ اس نے یقین کیاکہ مسیح اپنے وقت پر میری دعا کا جواب دے گا۔ جس حلم اور فروتنی سے اس نے اس بات کو سہا وہ بھی قابل غور ہے ۔

۸۔ مسیح ہماری ہر طرح کی ضرورتوں کو رفع کرنے والے ہیں۔ وہ نہ صرف دکھ میں ہم کو تسلی دیتے ہیں بلکہ ہماری خوشیوں کی کمیوں کو بھی پورا کرتے ہیں ۔ زندگی کی کوئی ضرورت ایسی نہیں خواہ وہ شادی سے علاقہ رکھتی ہو خواہ غمی سے جسے وہ پورا نہیں کرسکتے۔

۹۔ان کی خود انکاری غور طلب ہے ۔وہ اپنے لئے کچھ نہیں کرتے چالیس دن بھوکے رہے ابلیس نے انہیں آزمایا اور کہا کہ آپ پتھر کو روٹی میں تبدیل کیوں نہیں کرلیتے ۔ لیکن ہمارے پانی کو ہر روز مے بناتے رہتے ہیں ۔

۱۰۔ وہ فطرت کی طاقتوں پر غالب اور حاکم ہے۔ پانی کو مے بنانا اسی (مسیح) کا کام ہے۔

۱۱۔ لیکن ان کی برکات حاصل کرنے کے لئے فرمانبرداری کی ضرورت ہے۔وہ حکم دیتے ہیں اوراپنے حکم کا مطلب جانتے ہیں ۔ نوکر کا صرف یہ ہی کام ہے کہ مالک کے حکم کی تعمیل کرے۔

قاناء میں بادشاہ کے ملازم کے بیٹے کو شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق راوی حضرت یوحنا باب ۴آیت ۲۴ سے ۵۴تک)

اس معجزے کا بیان تو ۴۶ آیت سے شروع ہوتا ہے۔لیکن ۴۳-۴۶آیات کے پڑھنے سے ایک مشکل نظر آتی ہے ۔ جس کا حل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان آیات میں لکھا کہ "مسیح گلیل کو گئے۔ کیونکہ آپ نے گواہی دی کہ نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا" (آیات ۴۳-۴۶) اورپھر لکھا ہے " کہ گلیلیوں نے اسے قبول کیا"۔ اب مشکل یہ ہے کہ گلیل ہی آ پ کا وطن تھااوراگرآپ وہاں قبول کئے گئے توپھر آپ کا یہ قول کہ "نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا" کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟بعض نے اس مشکل کواس طرح حل کیا ہے کہ چونکہ وہ یہودیہ کے بیت لحم میں پیدا ہوئے۔ اس لئے یہودیہ آپ کا وطن تھااورجب آپ وہاں قبول نہ کئے گئے توگلیل کوگئے ۔ بلکہ برعکس اس کے ہم جانتے ہیں کہ کئی لوگوں نے یہودیہ میں بپتسمہ پایا اورآپ کی پیروی اختیارکی ۔ بلکہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس درجہ تک قبول کیا کہ فریسیوں کو بھی خبر ہوگئی۔ اوراسی سبب سےآپ کو گلیل جانا پڑا۔ اس طرح کی کئی اورتشریحیں بھی کی گئی ہیں۔لیکن وہ تسلی بخش نہیں ہیں سب سے بہتر خیال یہ ہی ہے کہ جب مسیح نے یہ فرمایا کہ "نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا ۔توآپ کا اشارہ ناصرت کی طرف تھا۔ پس مطلب یہ ہے کہ مسیح سامریہ سے اپنے وطن ناصرت کو نہ گئے بلکہ گلیل کو روانہ ہوئے۔لفظ وطن انجیل کے کئی اور مقامو ں میں بھی ناصرت کی طرف اشارہ کرتا ہے اوراس علاقہ کی طرف نہیں کرتا۔ جس میں ناصرت واقع تھا اورگلیل کہلاتا تھا۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی باب ۱۳آیت ۵۴،۵۵۔انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس باب ٦ آیت ۱،۴اورانجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا باب ۴ آیت ۲۳،۲۴)۔

دوسرا سوال یہ برپا ہوتا ہے کہ کیا یہ وہی معجزہ ہے جو انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی باب ۸ آیت ۵اوربہ مطابق حضرت لوقا باب ۷آیت ۲میں پایا جاتا ہےایک ہی شخص کا بیان قراردیا ہے ۔لیکن دونوں بیانوں میں کئی ایسے فرق پائے جاتے ہیں جن کے سبب سے ہم ان دونوں بیانوں کو ایک ہی شخص کا تذکرہ نہیں مان سکتے ۔مثلاًجس صوبہ دارکا بیان حضرت متی اورحضرت لوقا میں پایا جاتا ہے وہ غیرقوم تھا اوریہ بادشاہ کا ملازم یہودی تھاوہ اپنے نوکر کے لئے آیا ۔یہ اپنے بیٹے کے لئے اس کی درخواست اس وقت پیش کی گئی

جبکہ مسیح کفرناحم میں داخل ہورہے تھے۔ مگر اس نے اپنے بیٹے کی شفا کی التجا قاناء میں کی۔ اس نے اپنی درخواست اوروں کے ہاتھ بھیجی اس نے خود آکر کی اس بیان میں بیماری فالج تھی۔ اس بیان میں بیماری بخار کی تھی۔ ماسواء ان ظاہری تضادتوں کے ایک اور گہرا فرق بھی پایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ صوبدار ایک مضبوط ایمان کا نمونہ ہے۔ اوریہ ملازم کمزور ایمان کا وہ صوبہ داریہ مانتا تھا کہ مسیح اگر کہہ دے تو میرا خادم اچھا ہوجائے گا لیکن یہ ملازم بڑی سرگرمی سے یہ منت کرتا ہے کہ مسیح اس کے ساتھ اس کے گھر جائے۔ اس کے ایمان کی تعریف ہوتی ہے اس کو ایک ہلکی قسم کی ملامت کی جاتی ہے۔

لائٹ فٹ صاحب کا جن کی اسے ایسے معاملات پر سند سمجھی جاتی ہے اور کئی اور مفسرین کا یہ گمان ہے کہ ملازم قوزا تھا۔(انجیل شریف بہ مطابق راوی حضرت لوقا باب ۸ آیت ۳) جس کی بیوی ان عورتوں میں شامل تھی جنہوں نے اپنے مال سے جناب مسیح کی خدمت کی۔ یہ خیال ناممکن معلوم نہیں ہے کیونکہ ہیرودیس کے دیوان کے کل خاندان کا مسیح کے پیروؤں میں داخل ہونا کسی ایسے ہی عجیب واقعہ پر مبنی ہوسکتا ہے۔

آیت ۴۶۔ جنابِ مسیح پھر قاناء گلیل میں آئے۔

مسیح کے قانائے گلیل میں دوبارہ آنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ آپ کا شاگرد نتھانی ایل وہاں کا رہنے کا والا تھااورنیز ہم پہلے معجزے میں دیکھ آئے ہیں کہ شاید اس جگہ حضرت مریم صدیقہ کے رشتہ دار بھی رہتے تھے۔

بادشاہ کا ایک ملازم تھا جس کا بیٹا کفرناحم میں بیمار تھا۔ ہم اس کا ذکر اوپر کرآئے ہیں کہ وہ ہیرودیس کا دیوان تھا۔ لائیٹ فٹ صاحب کا خیال ہے کہ اگریہ شخص قوزا نہ تھا تو منائین ہوگا۔یادرہے کہ دونوں خیال صرف گمان ہیں ۔ ممکن ہے کہ پہلا گمان صحیح ہو مسیح کے شاگردفقط غریب ہی نہ تھے بلکہ امیروں اور رئیسوں میں سے بھی تھے۔

رایل صاحب فرماتے ہیں کہ جو معجزات کفرناحم میں دکھائے گئے وہ توجہ طلب ہیں نیزان لوگوں کے منصب اور مرتبہ پر غورکرنی چاہیے جن کے لئے وہ معجزات کئے گئے اسی جگہ مسیح نے صوبہ دار کے خادم کو شفا دی۔(انجیل شریف بہ مطابق راوی حضرت متی باب ۸ آیت ۵)اوراسی جگہ آپ نے عبادتخانہ کے سردار یایئرس کی

بیٹی کو زندہ کیا۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس باب ۸ آیت ۲۱) اور یہیں آپ نے اس ملازم کے بیٹے کو شفا بخشی ۔ تین مختلف قسم کے لوگوں کے درمیان ایک ایک معجزہ دکھایا ۔یہ صوبہ دار ایک غیر قوم شخص تھا اور جایرس اعلیٰ درجہ کا کلیسائی عہد رکھنے والا تھااور یہ ملازم اعلیٰ درجہ کے سرکاری منصب پر ممتاز تھا ۔ مسیح کے یہ الفاظ "اے کفر ناحم تو جو آسمان تک بلند ہے " (انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی باب ۱۱ آیت ۲۳) بیجا نہ تھے۔ بیشک کسی اورجگہ کو اتنی بزرگی اوربرکت حاصل نہیں ہوئی ۔

آیت ۴۷ ۔وہ سن کر کہ مسیح یہودیہ سے گلیل میں آگئے ہیں آپ کے پاس گیا اورآپ سے درخواست کرنے لگاکہ چل کر میرے بیٹے کو شفا بخشیں وغیرہ۔

اس آیت سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ مسیح کی شہرت تمام گلیل میں ہوگئی تھی۔ کچھ اس معجزے کے سبب سے جو آپ نے قاناء گلیل میں دکھایا تھااورکچھ ان عجیب کاموں کے سبب سے جو یروشلم میں کئے گئے تھے۔ جن کو ان گلیلیوں نے جو عید کے تقریب پر وہاں گئے ہوئے تھے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ سب جان گئے تھے کہ مسیح نہ صرف شفا بخشنے کی قدرت رکھتے ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ بیماروں کو شفا بخشے۔

واضح رہے کہ یہ شخص مسیح کے پاس صرف ایک جسمانی ضرورت کے سبب سے آیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس ضرورت کو بھی مسیح ہی رفع کرسکتے تھے۔ تاہم یہ جاننا ضروری ہے روحانی ضروریات کی شناخت اس کو آپ کے پاس نہیں لائی تھی۔کیونکہ پروردگار فرماتے ہیں کہ "جب تک تم نشان اورعجیب کام نہ دیکھو گے ہرگز ایمان نہ لاؤ گے۔"

ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہےکہ یہ ملازم اپنے ہم وطنوں کا ہم خیال تھا۔ ان کی طرح نشان کا منتظر تھا۔ وہ ان سامریوں کی مانند نہ تھا۔ جنہوں نے کوئی نشان طلب نہ کیا۔بلکہ صرف مسیح کا کلام سن کر آپ کو قبول کیا۔(انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا باب ۴ آیت ۱۴) اس ملازم اوراس کے ہم وطنوں نے مسیح کے جلال کوآپ کی شخصیت اورتعلیم میں جلوہ گر تھا نہ پہچانا اور یہی سبب تھا کہ وہ مسیح کو ساتھ چلنے پر زور دیتا تھااورنہیں جانتا تھا کہ اگروہ یہیں سے کہہ دیں توآپ کا کلام شفا بخشنے کے لئے کافی ہے۔

آیت ۴۸۔مسیح نے اس سے کہاجب تک تم عجیب کام نہ دیکھو گے ہرگز ایمان نہ لاؤ گے۔

ان لفظوں میں جیسا اوپر بیان ہوچکا یہودیوں کی عام آرزو اورتمنا کااشارہ پایا جاتا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم اس کی مسیحائی کے ثبوت میں معجزے اورنشان دیکھیں ۔ مسیح یہ فرماتے ہیں کہ کیا تم بغیر ان معجزوں اورنشانوں کے ایمان نہیں لاسکتے ؟یاد رہے کہ مسیح یہاں معجزوں کی تحقیر نہیں کرتے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ ان اصل مطلب سمجھا جائے۔ ان کا مدعا یہ نہیں کہ وہ زبردستی ایمان پیدا کریں بلکہ یہ کہ ان لوگوں کے ایمان کو مضبوط کریں جو خدا کے رسول کی تعلیم اوراسکی صداقت سے موثر ہوچکے ہیں۔نیزیہ بات غور طلب ہے کہ گو مسیح کے کلام میں ایک قسم کی دھمکی اورملامت پائی جاتی ہے ۔تاہم ملازم کی درخواست کے منظورکرنے کا انکار ثابت نہیں ہوتا ۔بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس قدران الفاظ سے ملامت ٹپکتی ہے اسی قدریہ امید مترشح ہے کہ معجزہ دکھایا جائے گا کیونکہ وہ جانتا تھے اس کے معجزے کو دیکھ کریہ شخص زندگی کے مالک پربھروسہ کرے گا۔

آیت ۴۹۔بادشاہ کے ملازم نے مسیح سے کہا اے مالک میرے بچے کے مرنے سے پہلے چلئے۔

ان لفظوں میں اس ملازم کی سرگرمی آشکارا ہے۔ پروہ بھی مسیح کا مطلب نہیں سمجھاکہ وہ بغیر جان کے اسکے بیٹے کو شفا بخش سکتے ہیں۔ وہ دو قسم کی غلطی میں گرفتار ہے۔ ایک یہ کہ مسیح موت کے بعد زندہ نہیں کرسکتے ۔دوئم یہ مسیح یہ نہیں جانتے کہ میرا بیٹا کیسی نازک حالت میں گرفتار ہے۔اگر جانتے تو اتنی تاخیر نہ کرتے۔لہذا وہ زیادہ سرگرمی سے التجا کرتا ہے "اے مالک میرے بچے کے مرنے سے پہلے چلئے "

آیت ۵۰۔مسیح نے اس سے فرمایا جا تیرا بیٹا جیتا ہے۔اُس شخص نے اس بات کا یقین کیا وغیرہ۔

یہاں تین باتیں غور طلب ہیں۔

۱۔مسیح کی مہربانی۔ وہ اس ملازم کے ایمان کی کمزوری کا چنداں خیال نہیں کرتے بلکہ اس کے بیٹے کو شفا بخشتے ہیں۔

۲ ۔ مسیح کی لا محدود قدرت غورطلب ہے۔آپ اپنے کلمے سے بیمار کو شفا بخشتے ہیں۔

۳۔ اس ملازم کا بھروسہ غور طلب ہے اب وہ کسی طرح کی چون چران نہیں کرتا بلکہ اس بات کا قائل ہوجاتا ہے کہ مسیح کا کلام قدرت سے ملبس ہے۔

مسیح کس طرح ہمارے ایمان کو بڑھاتے ہیں وہ عجیب طرح سے ہر شخص سے پیش آتے ہیں اس کے ایمان کو تقویت دینے کے طریقے جدا جدا ہیں۔ نقودیمس ،سامریہ کی عورت یہ ملازم اس بات کی نظیر یں ہیں۔

مفسر اس بات کی طرف ہم کو متوجہ کرتے ہیں کہ مسیح نے اس معاملہ میں وہ طریقہ اختیار نہ کیا جو صوبہ دار کے خادم کو شفا بخشتے وقت اختیار کیا دیکھئے یہ ملازم درخواست کرتا ہے کہ میرے ساتھ چلئے اور وہ نہیں جاتے۔ صوبہ دار کہتا ہے کہ آپ کو میرے گھر جانے کی ضرورت نہیں تاہم آپ ادھر روانہ ہوتے ہیں ۔مسیح اس ملازم کے گھر اس لئے نہیں جاتے کہ ا س کا ایمان مضبوط ہواور صوبہ دار کے گھر اس لئے جاتے ہیں کہ اپنی حضوری سے ا سکے ایمان کو مزین اور ا سکی فروتنی کو ممتاز کریں۔پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ مسیح طرفداری کے لوث سے مبرا ہیں ۔جہاں چاہتے ہیں وہاں اپنی حکمت کے مطابق جاتے ہیں جہاں جانا نہیں چاہتے وہاں اپنی حکمت کے مطابق نہیں جاتے ۔

آیت ۵۱۔ وہ (مسیح) رستہ ہی میں تھے۔

یونانی کا اصل ترجمہ نئے ترجمہ کے حاشیہ میں دیا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ "اتر ہی رہے تھے" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاناء پہاڑی خطہ تھا اور کفرناحم میدان میں واقع تھا۔ اس کے نوکر اس سے ملے اور کہنے لگے کہ تیرا لڑکا جیتا ہے یعنی وہ جو قریب المرگ تھا اب بیماری کے چنگل سے رہا ہے وہ جیتا ہے ۔

آیت ۵۲۔ اس نے ان سے پوچھا کہ اسے کس وقت سے آرام ہونے لگا تھا۔

مسیح کی بات کا خیال اس کے دل پر جما ہوا تھا اور اگر وہ مسیح کے کلام کی قدرت کو محسوس بھی کررہا تھا تاہم ا س کا ایمان ابھی اسی درجہ تک پہنچا تھا کہ مسیح کے کلام سے صرف اتنی توقع رکھتا تھا کہ لڑکے کو شفا بتدریج حاصل ہوگی۔ لہذا وہ یہ کلمات استعمال کرتا ہے ہے کہ "کس وقت سے آرام ہونے لگا" لیکن اس کے نوکر اسے بتاتے ہیں کہ کل ساتویں گھنٹے کے قریب بخار نے اسے بالکل چھوڑدیا۔

آیت ۵۲۔ ساتویں گھنٹے کے قریب ۔

شمار وقت کے متعلق دو رائیں ہیں۔ ایک کہ حضرت یوحنا ہمارے دستور کے مطابق وقت کا حساب کرتے ہیں اور کہ ساتویں گھنٹے سے شام کا ساتواں گھنٹہ مراد ہے۔ دوسری یہ کہ یہودی طریق کے مطابق حساب لگاتا ہے جس کے مطابق وقت ایک بجے کے قریب تھا۔اس کی تپ اتر گئی نہ صرف گھٹنے لگی بلکہ فوراً اور بالکل اتر گئی۔

آیت ۵۳۔ پس باپ جان گیا کہ وہی وقت تھا ۔۔۔۔اور وہ خود ایمان لایا اور اس کا سارا گھرانہ ایمان لایا۔

یہ مسیح کی رحمتوں کی کثرت کا نتیجہ تھا اب اس نے وہ برکت جو سب برکتوں کی سرتاج ہے پائی ۔ اس نے اب نجات کا پیالہ بھی اس کے ہاتھ سے لیا اور نہ صرف اسی نے لیا بلکہ اس کے ساتھ اس کے گھرانے نے بھی لیا۔بلکہ اس ساتھ اس کے گھرانے نے نے بھی لیا۔ رایل صاحب بڑی خوبی سے بیان کرتے ہیں کہ ہمارے بچے بھی نجات میں شامل ہیں ۔ ہم ان کو مسیح کی نعمتوں سے خارج نہیں کرسکتے ملازم کے تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے درجے ہیں (۱)آغاز،(۲) ترقی ،(۳) کمال ۔ آغاز اس وقت ہوا جبکہ شخص مسیح کے پاس آیا۔ترقی اس وقت جبکہ مسیح نے کہا جا تیرا بیٹا جیتا ہے ۔کمال اس وقت جبکہ اس کا بیٹا شفا کی حالت میں اسے ملا ۔ اب اس کا ایمان اس درجہ کو پہنچ گیا کہ وہ اپنا سب کچھ اپنے نجات دہندہ کی خاطر دینے کو تیار تھا۔

آیت ۵۴۔ یہ دوسرا معجزہ ہے جو مسیح نے یہودیہ سے گلیل میں آکر دکھایا۔

توبھی بہت لوگ یہودیوں میں سے ایمان نہ لائے۔ سامریہ میں بغیر معجزے کے بہت سے لوگ مسیح کے پاس آئے۔

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔مسیح کے فضل کی قدرت ہر مرتبہ اور ہر حالت کے لوگوں میں سے ایمانداروں کو کھینچ لاتی ہے اس انجیل کے شروع میں یعنی پہلے باب میں مچھوے ایمان لاتے ہیں ۔ تیسرے بات میں ایک فریسی جو اپنے تئیں متقی پرہیزگار سمجھتا تھا۔ چوتھے باب کے شروع میں ایک گری ہوئی عورت اور اسکے آخر میں ایک رئیس ایمان لاتا ہے جو شاہی دربار میں اعلیٰ عہدہ پر مامور تھا۔

۲۔دکھ سب پر آتا ہے امیر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ امیر لوگ اس سے بڑھ کر اور کسی غلطی میں گرفتار نہیں ہوسکتے کہ وہ یہ سمجھیں کہ ہم پر دکھ کبھی نہیں آئے گا۔

۳۔ محبت جتنی اعلیٰ طبقہ سے نیچے اترتی ہے اتنی ادنیٰ طبقہ سے اوپر نہیں جاتی ہم کہیں انجیل میں یہ نہیں دیکھتے کہ بیٹے یا بیٹیاں اپنے باپ کی شفا کے لئے مسیح کے پاس آئے ہوں۔ ہمیشہ ماں باپ اپنے بچوں کے دکھ کو محسوس کرکے مسیح کے پاس آتے اوران کے لئے دعا کرتے ہیں جتنی محبت خدا ہم سے کرتا ہے ہم میں اس عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔

۴۔لکھا ہے کہ یہ دوسرا معجزہ تھا جو مسیح نے دکھایا۔ اس بات کے رقم کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ کہ ہم کو معلوم ہوجائے کہ خداان تمام فضل کے وسیلوں اورموقعوں کا حساب رکھتا ہے جو وہ ہمیں عطا کرتا ہے۔یہودیوں نے دوسرا معجزہ دیکھا اورپھر بھی ان میں سے صرف ایک گھرانہ ایمان لا یا۔ خدا نہ صرف اس بات کا حساب رکھتا ہے کہ سرمن سے کتنے لوگ ایمان لائے بلکہ اس بات کا بھی کتنے سرمن لوگوں نے ضائع کردیئے۔

۵۔ ایمان کے بغیر برکت نہیں ملتی۔

۶۔ ہم انسان کے ساتھ یہ طریقہ کام میں لاتے ہیں کہ پہلے اسے آزماتے اورپھر اس پر یقین لاتے ہیں لیکن خدا کے ساتھ یہ ترتیب بدل جاتی ہے وہاں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم پہلے اس پر بھروسہ کریں۔ اورپھر اسے آزمائیں۔

۷۔سچا ایمان زیادہ مضبوط ہوتا جاتا ہےاور صرف مسیح اسے مضبوط کرنا جانتے ہیں۔ نپولین اورایک سپاہی کا قصہ۔ ایک دفعہ نپولین کے ہاتھ سے لگام گرگئی اورگھوڑا بھاگنے لگا۔ ایک سپاہی دیکھتے ہی دوڑا اورزرین کو جو اپنی جگہ سے ہل گئی تھی درست کردیا۔ نپولین نے کہا کپتان میں آپ کا نہایت مشکور ہوں۔وہ کپتان نہ تھا مگر اس نے بادشاہ کی بات قبول کی اورکہا حضورکس رجمنٹ کا بادشاہ خوش ہوا اور کہا میرے محافظوں کے دستہ کا۔ اس نے اسی وقت جا کر وہ جگہ اختیارکی۔لوگوں نے بہت مخالفت کی پر جب اس نے انگلی سے اشارہ کرکے بتایا کہ مجھے بادشاہ نہ مقررکیا ہے تو سب چپ ہوگئے۔

۸۔ ہمیں اپنے بچوں کی بہبودی کو نظر اندازنہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس بات کے لئے فکر مندہونا چاہیے کہ وہ مسیح کی شکل میں تبدیل ہوں ہم ان کے لئے سفارش کریں اورخاموش نہ ہوں جب تک مسیح یہ نہ کہے جا تیرا بیٹا جیتا ہے۔

مچھلیوں کے پکڑنے کا پہلا معجزہ

(انجیل شریف راوی حضرت لوقا باب ۵ آیت ۱ تا ۱۱ تک)

یہ معجزہ رسولوں کے کام کی گویا ایک پیشن گوئی ہے جو الفاظ کی بجائے مثال کے وسیلے یا فعلوں کی زبانوں میں بیان کی گئی ہے۔ قبل اس کے اس معجزہ کی تشریح شروع کی جائے ایک دقت کا رفع کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اوروہ یہ ہے کہ آیا یہ بیان وہی بیان ہے جو انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی باب ۴ آیت ۱۸ اورمرقس باب ۱ آیت ۱۶ تا ۲۰میں درج ہے یا اس سے مختلف ہے۔ مقابلہ کرنے سے بعض باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں۔ جن کے سبب سے کئی مفسروں نے ان کو دو مختلف بیان کہا ہے ۔ مثلاً بزرگ اگسٹن کا خیال ہے کہ یہ معجزہ حضرت متی اورحضرت مرقس کے بیان سے پہلے واقع ہوا۔ اورجناب مسیح نے اس کے وسیلہ شاگردوں کو صرف اتنی بات بتائی کہ تم آدمیوں کے مچھیرے بنوگے۔ مگر اس موقع پر آپ نے فقط ان کے آئندہ کام اوراعلیٰ پیشہ کی نبوت کی۔لیکن ابھی ان کو یہ حکم نہیں دیا کہ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میر ے پیچھے ہولو۔ پس وہ اس معجزہ کے بعد بھی اپنے پیشہ ماہی گیری میں مصروف رہے۔ اوراسے قطعی اورآخری طورنہ چھوڑا، جب تک کہ آپ نے ان کو سب کچھ چھوڑنے اوراپنے پیچھے آنے کا حکم نہ دیا۔ جو حضرت متی باب ۴ آیت ۱۸ اورحضرت مرقس باب ۱ آیت ۱۶ تا ۲۰ تک میں قلمبند ہے۔

لیکن واضح ہو کہ یہی دقتیں ایسی نہیں جو رفع نہ ہوسکیں۔ اوریا سوا اس کے اگر ہم ان دونوں بیانوں کو مختلف سمجھیں اور کہیں کہ حضرت لوقا اوروقت کے اورحضرت متی اورمرقس ایک اوروقت کا ذکر کرتے ہیں توکئی اورمشکلات برپا ہوجائیں گی۔ مثلاً اس سوال کا جواب دینا مشکل ہوجائے گا کہ ایسے بخیدہ اورعظیم موقع سے بڑھ کر اورکونسا موقعہ ان کوآخری طورپر بلانے کے لئے موزون تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ بات ناممکن نہیں کہ وہ ان کو جالوں کےپاس بیٹھے دیکھ کر اوریہ جان کر کہ وہ مچھیرے ہیں اس استعارے کو استعمال کرسکتے تھے۔ "میں تم کوآدمیوں کے مچھوے بناؤں گا ۔"لیکن مسیحی عالم ِدین ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ اس معجزے کے بعد ان کلمات کا سننا اورسب کچھ چھوڑکر ہمیشہ کے لئے جناب مسیح کی پیروی کرنا ایک گونہ لطف رکھتا تھا۔ کیونکہ آپ نے ان کو حکم دیا تھا کہ اپنا جال دریا میں ڈالو۔ اورانہوں نے آپ کی فرمانبرداری کرکے آپ کی معجزانہ قدرت کا کرشمہ دیکھا۔ اوربہت سی مچھلیاں پکڑی تھیں۔ لہذا آپ کا یہ فرمان کہ "میں تمہیں آدمیوں کے مچھیرے بناؤں گا ۔"

اس موقع پر نہایت پُر مطلب تھا۔ کیونکہ یہ معجزہ ظاہر کرتا تھا کہ جس طرح انہوں نے آپ کے حکم کی اطاعت سے مچھلیوں کو کثرت سے پکڑا ۔ اسی طرح اگرآپ کے حکم کی تعمیل کریں گے توآدمیوں کے مچھیرے بھی بنیں گے۔گویا یہ معجزہ ان کو یہ کہہ رہا تھاکہ تم اپنا پرانا پیشہ چھوڑو۔ اورآدمیوں کے مچھیرے بننے کا نیا اوراعلیٰ پیشہ اختیارکرو۔ پش تینوں مقام ایک ہی واقعہ کے ساتھ علاقہ رکھتے ہیں۔

بعض دقتیں جو تطبیق طلب ہیں یہ ہیں۔

۱حضرت لوقا اس شخص کی شفا کا بیان جس پر بدروح چڑھی ہوئی تھی اورجسے مسیح نے کفرناحوم میں شفا بخشی۔ اس معجزے سے پہلے کرتے ہیں حالاکہ حضرت مرقس اس کا ذکر شاگردوں کے بلانے کے بعد کرتے ہیں۔

۲حضرت متی اورمرقس بیان کرتے ہیں کہ مسیح اس وقت جھیل کے کنارے پرپھررہے تھے۔ جب آپ نے ان کو پیچھے بلایا۔

۳حضرت لوقا حضرت اندریاس کا ذکرنہیں کرتے ۔

۴حضر ت متی اور مرقس اس معجزے کا ذکر نہیں کرتے ۔ ان مشکلات کواس طرح حل کرسکتے ہیں۔

۱حضرت مرقس نے غالباً بدروح والے شخص کا بیان حضرت پطرس کی ہدائت کے مطابق ترتیب وقت کے بموجب قلمبند کیا۔ لیکن حضرت لوقا اس معجزہ کو مچھلیوں کے معجزے سے پہلے شائد اس لئے رقم کرتے ہیں کہ جو کچھ ناصرت (جناب مسیح کا آبائی گاؤں)میں ہوا اسے ان واقعات کے بالمقابل ترتیب دیں جو کفر ناحوم میں سرزد ہوئے تاکہ بے ایمانی اورایمان کوپہلو بہ پہلو رکھ کر ان کا فرق ظاہرکریں۔

۲یہ نہیں لکھا کہ جناب مسیح نے ان کو کنارے پر سے بلایا۔صرف یہ لکھا ہے کہ وہ کنارے پر سے جارہے تھے ۔ پس حضرت لوقا کے بیان کو حضرت متی اورمرقس کے بیان کے ساتھ ربط دینے میں کچھ بھی مشکل نظرنہیں آتی۔ اگرحضرت لوقا یہ نہ بھی بتاتے کہ مسیح تعلیم دینے کے لئے کشتی پر بیٹھے تو ہم کو یہ نتیجہ خود حضرت متی اور مرقس سے نکالنا پڑتا ۔کیونکہ یہ بات قبول نہیں کی جاسکتی کہ جب حضرت پطرس بیٹھے اپنے جال مرمت کررہے تھے اس وقت جناب مسیح نے کنارے پر سے ان کو پکارا کہ میرے پیچھے ہولو۔ بلکہ زیادہ ترتسلیم کے لائق یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان کے ساتھ کشتی پر موجود تھے اوروہیں اس معجزے کے بعد ان سے فرمانے لگے کہ " میں

تم کو آدمیوں کے مچھیرے بناؤں گا "سو اب تم سب کچھ میرے واسطے چھوڑو۔ اورمیرے پیچھے پیچھے چلو۔ اورپھر کبھی مجھ سے جدا نہ ہو۔

۳حضرت اندریاس کا ذکر نہ کرنے کا سبب یہ ہے ۔ کہ اس معجزے میں جس شخص کی طرف زیادہ توجہ دلا نی منظور تھی وہ حضرت پطرس تھے۔ ماسوا اس کے حضرت لوقا کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ کشتی میں اورلوگ بھی تھے ۔ دیکھئے آیات (۹،۵،۲) اورپھر وہ رسولوں کی فہرست میں حضرت اندریاس کا نام درج کرتے ہیں۔ (دیکھئے انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا باب ۶ آیت ۱۴) اب اگر وہ ان کے بلانے کا ذکر نہیں کرتے توکچھ مضائقہ نہیں کیونکہ دوسرے رسول یعنی حضرت متی اورحضرت مرقس ا س کی دعوت کا ذکر کرتے ہیں۔

۴پھر یہ بات بھی کہ حضرت متی اورحضرت مرقس اس معجزے کو تحریر نہیں کرتے کچھ مشکل نہیں۔ کیونکہ جناب مسیح نے بے شمار معجزے دکھائے۔ اورحواری مجبور نہ تھے کہ سب کو رقم کریں۔ علاوہ بریں ممکن ہے کہ حضرت مرقس جو اپنی انجیل حضرت پطرس کی زیر نگرانی تحریر کرتے ہیں شائد اس لئے اس معجزہ کو درج نہیں کرتے کہ حضرت پطرس کی فروتنی اورحکم مانع ہے کہ ان کے شخصی احوال قلمبند کئے جائیں۔ چنانچہ وہ آپ کے پانی پر چلنے کو بھی رقم نہیں کرتے ۔ لیکن حضرت لوقا کو کوئی ایسا خیال روکنے والا نہیں ہے۔ بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ اس واقعہ کو جو خدا کا جلال اور حضرت پطرس کی بزرگی ظاہر کرتا ہے روکنے والا نہیں ہے۔ لہذا وہ اسے تحریر کرتے ہیں۔ اب ان باتوں سے ظاہر ہے کہ یہ تینوں بیان ایک ہی واقعہ سے علاقہ رکھتے ہیں۔ اور حضرت یوحنا کہ مطابق انجیل شریف میں جو بیان شاگردوں کی بلاہٹ کا پایا جاتا ہے وہ انکی پہلی ملاقات کا بیان ہے جس کے بعد وہ اپنے اپنے کاموں میں لگے رہے۔ مگر حضرت لوقا اورحضرت متی اورحضرت مرقس کے بیانات سے وہ گہرا تعلق ظاہر ہوتا ہے جس کے سبب سے انہوں نے اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہمیشہ آپ کے ساتھ رہنا اختیار کیا۔

آیت ۴ جب جناب ِمسیح کلام کرچکے ۔ تو شمعون سے کہا گہرے میں لے چلو اورشکار کے لئے اپنا جال ڈالو۔

پہلی تین آئتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بھیڑ کے سبب سے جناب مسیح کشتی پر سوار ہوئے تاکہ کنارہ سے ذرا الگ ہوکر لوگوں کو تعلیم دینا شروع کریں۔ اورجب اس کا م سے فارغ ہوئے تو حضرت پطرس کو

حکم دیاکہ کشتی کو گہرے میں لے چل ، اورجب وہاں پہنچے تو حکم دیا کہ اپنے اپنے جال دریا میں ڈالو۔اس کا مطلب یہ تھا کہ ان مچھیروں کو مچھلی پکڑے کے وسیلے اپنی محبت اور فضل کے جال میں پھنسائے ۔ ٹرنچ صاحب خوف فرماتے ہیں کہ وہ جوکمزوروں سے نہ درآوروں کو شرمندہ کرنے والا ہے خوب جانتا تھا کہ میری خدمت کے لئے یہی مچھوے موزون ہیں تاکہ میری کلیسیا دنیا کی دانائی اور قدرت پرنہیں بلکہ خدا کی حکمت اورملاقات پر قائم سمجھی جائے ۔

آیت ۵ شمعون نے جواب میں کہا ۔ ہم نے رات بھر محنت کی اورکچھ نہ پکڑا ۔ مگرآپ کے کہنے سے جال ڈالتا ہوں۔

شمعون جواب دیتا ہے کہ ہم رات بھر جو مچھلی پکڑنے کا سب سے اچھا وقت ہے محنت کی ۔ لیکن کچھ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ مگر خیر آپ حکم کی تعمیل کے لئے پھر جال ڈالے دیتا ہوں۔اب ان الفاظ سے حضرت پطرس کا یہ مطلب نہیں کہ میں جوماہی گیری کے فن میں مشتاق ہوں خوب جانتا ہوں کہ اب جال ڈالنا عبث ہے مگر چونکہ آپ کہتے ہیں اس لئے میں پھر ڈال دیتا ہوں گو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ برعکس اس کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جناب مسیح کے کلام پر بھروسہ رکھتا تھا کیونکہ یہ ان کی پہلی ملاقات نہ تھی بلکہ وہ مدت سے ایک دوسرے کو خوب جانتے تھے ۔ لہذا وہ اس امیداورایمان سے جال ڈالتا ہے کہ جناب مسیح کے کلام سے ان کی محنت برومند ہوگی۔

آیت ۶ ایسا کرکے وہ مچھلیوں کو بڑا غول گھیر لائے اوران کے جال پھٹنے لگے۔

اب یہ سوال یہ برپا ہوتا ہے کہ آیا معجزہ مسیح کی عالم الغیبی کا معجزہ تھا۔ یا آپ کی قدرت کا کاملہ کا معجزہ تھا۔ کیا یہ جان کر کہ فلاں جگہ مچھلیوں کا غول موجود ہے۔ اور اگروہاں ڈال جال ڈالا جائے تو مچھلیاں کثرت سے پکڑی جائیں گی۔ آپ نے جال ڈالنے کا حکم دیا؟یا آپ نے اپنی قدرت سے مچھلیوں کو وہاں پہنچا دیا ؟مفسرین پچھلی رائے کو ترجیح دیتے ہیں مگر دوسرا خیال بھی خارج نہیں کیا جاسکتا؟لیکن معترض یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ اس معجزہ میں کون سی بات ہے کیونکہ جال اگر سمندر میں ڈالا جائے تو مچھلیاں اس میں ضرور پھنسیں گی۔ اگر ایک جگہ نہ پھنسیں تو دوسری جگہ پھنسیں گی۔اس کا جواب یہ ہے کہ معجزہ اس بات میں ہے کہ یہ عجیب نتیجہ آناً فاناً میں مسیح کے کہنے کے مطابق سرزد ہوا۔ معجزہ دکھانے والے کے کلام اور اظہار واقعات میں

جومطابقت پائی جاتی ہے وہی معجزہ ہے یعنی جیسا آپ نے کہا ویسا ہی ہوگا۔ معجزہ انسان کی قدرت سے بلند اوربالا ہوتا ہے۔ کوئی شخص مچھلیوں کا ایک غول ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے کلام کے زور سے نہیں پہنچا سکتا ۔ جناب مسیح کے اختیارمیں تمام اشیاء ہیں۔بحری اور بری سب چیزیں اس کے حکم کے تابع ہیں (زبور شریف باب ۸ آیت ۸،۶)۔

آیت ۷اورانہوں نے اپنے شریکوں کو جودوسری کشتی پر تھے ۔ اشارہ کیا کہ آکر ہماری مدد کرو۔ پس انہوں نے آکر دونوں کشتیاں یہاں تک بھردیں کہ ڈوبنے لگیں۔

جو دوسری کشتی پر تھے اشارہ کیا۔ بعض کا (بارن صاحب) کا خیال ہے کہ اشارہ اس واسطے کیا کہ ان کی کشتی بہت دور تھی اورآواز سے انہیں نہیں بلا سکتے تھے۔ لیکن بعض یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت متی اورمرقس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کشتیاں اس قدرنزدیک تھیں کہ بولنے کی ضرورت نہ تھی سو انہوں نے صرف اشارہ کرکے انہیں بلالیا۔ علاوہ بریں دوسری کشتی والوں کی آنکھ بھی اس طرف لگی ہوئی تھی ۔کیونکہ وہ اس عجیب کرامات کو جو پطرس کی کشتی پر ہورہی تھی دیکھ رہے تھے۔ اورچونکہ ان کی توجہ ادھر لگی ہوتی تھی ۔ اس لئے صرف اشارہ کی ضرورت تھی۔دونوں کشتیاں یہاں تک بھر دیں کہ ڈوبنے لگیں۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ڈوب گئی تھیں ۔مطلب صر ف یہ ہے کہ مچھلیوں کا بوجھ اتنا تھا کہ کشتیاں ڈوبنے کے خطرہ میں تھیں۔اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔

آیت ۸شمعون پطرس یہ دیکھ کر جناب مسیح کے پاؤں پر گرا اورکہا ۔ اے مالک میرے پاس سے چلے جائیے ۔اس لئے کہ میں گناہ گارہوں۔

پطرس اب آپ کے دام محبت میں گرفتار ہوگیا ۔بزرگ کری ساسٹم کا یہ خیال نہائت غورطلب ہے کہ مسیح لوگوں کو اپنے پاس لانے کے فن میں خوب ماہر ہیں وہ عموماً لوگوں کو ان کے پیشہ کے وسیلہ سے اپنے قدموں میں کھینچ لاتے ہیں۔ مجوسیوں کو ستارہ کے ذریعہ اورمچھیروں کو مچھلیوں کے وسیلہ ۔ کیا پطرس نے اس معجزہ میں کسی طرح کا دھوکا کھایا؟نہیں کیونکہ یہ معجزہ اس لئے ایسا معجزہ تھا کہ اس میں اس کے لئے دھوکا کھانے کی کوئی جگہ نہ تھی ۔ اوریہی وجہ تھی کہ اس معجزہ کی تاثیر اس پر ایسی ہوئی کہ آگے کبھی ایسی نہیں ہوئی تھی۔

۱یہ معجزہ اس کے پیشہ سے علاقہ رکھتا تھا۔

۲اس کی کشتی پر واقعہ ہوا تھا۔
۳اسی کا جال استعمال کیا گیا تھا۔
۴اسی کے بے پھل محنت کے بعد واقع ہوا تھا۔
۵اورخود اس کی آنکھوں کے سامنے واقع ہوا تھا۔
لہذا اس نے اس معجزے کو جو ایسے گہرے طورپر اس کے شخصی حالات کے ساتھ وابستہ تھا بہت اچھی طرح محسوس کیا۔ پس وہ حیرت اور شکرگزاری سے معمور ہوکر آپ کے پاؤں پر گر پڑا۔ یہ فعل سجدہ کرنے اوردعا مانگنے کا معمولی طریقہ تھا۔ اب پطرس آپ کی قدرت اورحکمت کا قائل ہوگیا۔ اوراس کی حیرت اورشکر گزاری کے ساتھ یہ ادراك بھی مخلوط ہے کہ جس شخص کے سامنے سربسجود ہوں وہ ایسا بزرگ اورپاك اورعالی جاہ ہے کہ میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا لہذا وہ کہتا ہے۔
اے مالك میرے پاس سے چلے جائیے ۔ اس لئے کہ میں گناہ گارہوں۔
ایسے موقعوں پر بناوٹ کی باتوں کو جگہ نہیں ملتی بلکہ انسان اپنے دل کی تہ سے بولتا ہے ۔ اوراس کے دل کی وہ باتیں جو چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ روشن ہوجاتی ہیں۔ اوران میں سے ایك یہ بات ہے کہ انسان اس بات کی طبعی شناخت رکھتا ہے کہ مجھ میں اورخدا میں ایك وسیع فاصلہ حائل ہے ۔(توریت شریف کتاب خروج باب ۲۰آیت ۱۸،۱۹۔دانی ایل باب ۱۰آیت ۱۷اور صحیفہ حضرت یسعیاہ باب ٦ آیت ۵)اس اقرارمیں کسی خاص قسم کے گناہ کی طرف اشارہ نہیں ۔ صرف یہ ہے کہ اب پطرس اپنی ذاتی برائی اورنالائقی کو پہنچانے لگ گیا وہ اب جناب مسیح کی عظمت اورقدوسیت کو محسوس کرتا ہے اوربڑے علم اورفروتنی سے عرض کرتا ہے کہ میں اس لائق نہیں کہ آپ میرے ساتھ رہیں۔یہ بھی یادرہے کہ وہ مسیح سے چلے جانے کی درخواست اس لئے نہیں کرتا کہ اس کے دل میں مسیح کی محبت اور عزت کا خیال نہیں محبت اورعزت اس کے دل میں تھی۔ مگر جب خدا کے ساتھ اس طرح آمنا سامنا ہوتا ہے تو ایسے کلمات بے ساختہ منہ سے نکل جاتے ہیں۔ یہی حال پطرس کا ہوا جو اس سے پہلے مسیح خصلت اورشخصیت سے کماحقہ طورپر واقف نہ تھا۔ یہ نکتہ بھی غورطلب ہے کہ انسان اورخدا کے درمیان جو فاصلہ حائل ہے اسے جناب مسیح دورکرتے ہیں۔ جس طرح انسانیت اورالوہیت آپ کی شخصیت میں باہم ملتی ہیں اسی طرح آپ انسان اورخدا کا ملاتے ہیں۔خداکی حضوری جو گناہ گار کے لئے بھسم کرنے والی آگ ہے ۔ ایماندار کے لئے مسیح میں بڑی برکت کا باعث ہوتی ہے۔

آیت ۹ کیونکہ مچھلیوں کے اس شکار سے وغیرہ۔

یہ حیرت مسیح کے اظہار قدرت کے وسیلہ پیدا ہوئی اوراس کا نتیجہ یہ ہواکہ نہ صرف حضرت پطرس بلکہ حضرت اندریاس ،حضرت یعقوب ،اورحضرت یوحنا آپ کی خدمت اورپیروی کے لئے تیارکئے گئے۔

آیت ۱۰جناب مسیح نے حضرت پطرس سے فرمایا ۔خوف نہ کرواب سے تم آدمیوں کو شکارکیا کرو گے۔

خوف نہ کرو۔وہ حضرت پطرس کے خوف آمیزخیالات کو جوآپ کی عظمت اوربزرگی کے مشاہدہ سے اس کے دل میں پیدا ہوئے تھے۔ان لفظوں سے دھیما کرتے ہیں اوراسے جتاتے ہیں کہ بجائے اس کہ میں تم سے جدا ہوں اب تمہیں ہمیشہ میرے ساتھ رہنا ہوگا اوراب سے تم آدمیوں کا شکارکروگے۔ ٹرنچ صاحب کا خیال جو ذیل کے الفاظ میں درج ہے نہائت نادرہے۔ خدا کے نبی اورا س کے خادم اپنے عہدہ پر معمور ہونے سے پہلے ہمیشہ کچھ اسی قسم کے تجربہ سے گذرا کرتے ہیں ان کا تقررکسی ظاہری رسم کے مطابق نہیں ہوتا اورنہ ہمیشہ ایک ہی صورت میں انجام پاتا ہے تاہم سب کواپنے عہد کے فرائض ادا کرنے سے پہلے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ جو زمینی ہے آسمانی کی تاب نہیں لا سکتا بلکہ اس کے سامنے زردروہوجاتا ہے ۔ اس موقعہ پر انسان اپنی ناچیز حالت کو اوراپنی بدی کو پہچانتا ہے ۔ اوراس درجہ تک پہچانتا ہے کہ آگے کبھی اسے ایسی شناخت نصیب نہ ہوئی تھی۔ اوریہ عرفان اس کو اس لئے بخشتا جاتا ہے کہ جو کام اس میں خدا کی طرف سے ہونے والا ہے وہ انسان کا نہ سمجھا جائے ۔ بلکہ پورے پورے طورپر خدا کا ماناجائے۔ (دیکھئے توریت شریف کتاب خروج باب ۴ آیت ۱۰ سے ۱۷،صحفیہ حضرت یسعیاہ باب ۶ ،صحیفہ حضرت یرمیا ہ باب ۱ آیت ۴،)حضرت پطرس کو آدمیوں کا مچھیرے بننے کے کام پر مامورہوتا تھا۔ لہذا ضروری تھا کہ وہ بھی اس عجیب تجربہ کی راہ سے گزرے۔

آدمیوں کا شکارکیا کروگے ۔ دوسرے انجیل نویسیوں کے مطابق یہ مطلب اس طرح ادا کیا گیا ہے میں تجھے آدمیوں کا مچھیرا بناؤں گا۔ وہ اپنے وعدہ کو اسی فن کی اصطلاح میں ادا کرتا ہے۔جس سے پطرس بخوبی واقف ہے۔اس کام کو جواب پطرس کوملا۔ اس کے پہلے پیشہ پر دوطرح کی فضیلت تھی۔ اول کہ وہ اب مچھلیوں کا نہیں۔ بلکہ آدمیوں کا شکار کرنے کو تھا۔ دوئم آدمیوں کو مچھلیوں کی طرح موت کے لئے نہیں بلکہ زندگی کے لئے پکڑے کو تھا۔ جولئین جوایک بے دین

شخص تھا ۔ طنزاً کہا کرتا تھا۔ مسیح نے اچھا کام اپنے شاگردوں کے سپرد کیا کہ انہیں مچھیرا بنایا۔ جس طرح مچھوا مچھلیوں کو پانی سے جوان کی زندگی کے لئے لابد ہے نکال کر جان سے ماردیتا ہے اسی طرح یہ رسول بھی لوگوں کو موت کے لئے بلاتے پھرتے ہیں۔ لیکن مفسرین بیان کرتے ہیں کہ جس لفظ کا ترجمہ شکارکیا گیا ہے اس کے اصل معنی "کسی شئے کو زندہ پکڑنے کے ہیں۔ "لہذا مسیح بنی آدم کو موت کے لئے نہیں بلاتے بلکہ دنیا کی امواج اور گناہ کے طوفان اور آزمائشوں کے تلاطم سے بچا کر کنا رے پر سلامت تک پہنچانے کے لئے بلاتے ہیں۔ خدا کی قید میں گرفتار ہونا اس آزادی سے جو دکھ سے بھرپور ہو ہزاردرجہ اچھا ہے۔یہ قید گویا گناہ سے آزاد اورخدا کا غلام بننے کا نام ہے۔کلام کی تبلیغ کی نسبت بھی یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے۔ اورو یہ ہے کہ مچھوا نہیں جانتا کہ کیسی اورکتنی مچھلیاں اس کے جال میں آئیں گی۔ بلکہ وہ اس اعتقاد سے اپنا جال دریا میں ڈالتا ہے کہ کامیابی خدا کی طرف سے آئے گی۔ یہی اصول انجیل شریف کی تبلیغ پر صادق آتا ہے۔ اس کے ساتھ یہی بھی یاد رہے کہ ماہی گیری کا کم حکمت اورہوشیاری کا کام ہے ۔ سختی اورجبر کا کام نہیں ہے۔

آیت ۱۱ وہ کشتیوں کو کنارے پر لے آئے اورسب کچھ چھوڑ کر پیچھے ہولئے ۔

اب جو کچھ انہوں نے چھوڑا وہ اگرچہ بہت نہ تھا تاہم وہ ان کا سب کچھ تھا۔ جتنا انہوں نے چھوڑا ۔اتنا ہی ان کے پاس تھا۔ اوروہ سب کچھ مسیح کی خاطر چھوڑا۔اس سے ان کی وہ محبت ظاہر ہوتی ہے جو وہ مسیح کے ساتھ رکھتے تھے۔ اورنیز ان کی وہ رضامندی ثابت ہوتی ہے جس کے سبب سے وہ مسیح کے لئے خود انکاری کے کام کرنے کو تیار تھے اوریہ خوبیاں اسی قدرظاہر اورثابت ہوتی ہیں۔ جس قدربڑے بڑے محلوں اورکثیر دولت کے چھوڑنے سے ہوتیں ہیں ۔ مسیح یہی چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے خواہ تھوڑا ہو یا بہت اسے چھوڑے کے لئے تیارہوں ۔ جس وقت وہ ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیں چھوڑنا چاہیے شئے کی زیادتی یا کمی پر منحصر نہیں بلکہ اس نیت پر منحصر ہے جس سے وہ شئے چھوڑی جاتی ہے۔ ایک شخص اپنی جھونپڑی کواس قدرپیارکرتا ہے جس قدردوسرا اپنے محل کوکرتا ہے۔ دیکھو زبدی اپنے بیٹوں کے بغیر بیت حسدا کو (انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس باب ۱ آیت ۲۰) اورمسیح ان کے ساتھ

کفرناحوم کو جاتے ہیں۔ہو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں ۔زبدی بھی نمونہ کے لائق باپ تھا۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱مسیح ان کو برکت دیتے اوران پر اپنے تئیں ظاہر کرتےہیں جو بیکار اور سست نہیں رہتے بلکہ اپنے کام میں مشغول ہوتےہیں۔ دیکھو گڈرئیے اپنی بھیڑوں کو چراتے تھے۔ عورت پانی بھرتی تھی اورحضرت پطرس اوردیگر شاگرد جالوں کی مرمت کرتے تھے۔ جب جناب مسیح ان پر ظاہرہوئے۔

۲مسیح اپنے لوگوں کو اپنی عجیب قدرت کے پرتوس سے بسا اوقات سمندرکی گہری جگھوں میں مالا مال کیاکرتے ہیں۔

۳مسیح کے وعدوں پر ایمان لانا وعدوں کی برکتوں سے برومند ہونا ہے۔کیا پطرس نے گہرے میں جال ڈال کر شرمندگی اٹھائی ؟

۴ وہی لوگ مسیح کی خدمت اچھی طرح بجالاتے ہیں جو اپنی گہنگاری اورمسیح کی قدوسیت کوپہچانتے ہیں۔

۵جب ہماری بدی ہم پر ظاہر ہوجائے تو ہماری اصل جگہ مسیح کے قدم ہیں۔ وہیں ہم حضرت پطرس کی طرح گرنا چاہیئے۔

۶مسیح کے حکموں پر ہمیں بعض اوقات اپنے سالہاسال کے تجربہ کوبھی قربان کرناپڑتا ہے ۔

۷زبدی کی روش غورطلب ہے ۔ اس نے اپنے بیٹوں کو یہ نہیں کہا کہ تم کیا بیوقوفی کرتے ہو۔ اپنا کام چھوڑکر کہاں جاتے ہو۔ تمہاری عقل کہاں چرنے گئی ہے۔ مسیح کی پیروی میں کیا دھرا ہے۔ ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو مسیح کی خدمت اختیار کرنے سے نہ روکیں کیا سب ماں باپ زبدی کی طرح اپنے بچوں کو اجازت دینے کے لئے تیارہیں ۔

۸سب کچھ چھوڑے بغیر مسیح کی خدمت نہیں ہوسکتی۔ دیکھو اس دولتمند کا حال جو ہمیشہ کی زندگی کی تلاش میں تھا۔ جب اس سے یہ کہا گیا کہ اپنا سب کچھ بیچ کر اورغریبوں کو دے کر میری پیروی کر تو وہ غمگین ہوکر واپس چلاگیا۔

۹جناب مسیح اپنے شاگردوں اور خصوصاً اپنے خادموں کو خود ڈھونڈتے ہیں وہ ان کے آپ آنے کی انتظاری نہیں کرتے "قول المسیح تم نے مجھے نہیں چنا ۔ میں نے تم کو چنا ہے۔"

۱۰غورکروکہ آدمی مسیح کے آنے سے پہلے کیا ہوتا ہے۔ اورجس وقت وہ آجاتا ہے تب کیا ہوجاتا ہے ۔ حضرت پطرس کیا تھے اورکیا ہوگئے۔

طوفان کو بند کرنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۸باب آیت ۲۳ تا ۲۷ وحضرت مرقس ۴باب آیت ۳۵ تا ۴۱ اورحضرت لوقا ۸باب آیت ۲۲تا ۲۵)

مذکورہ بالاتینوں حواری اس تاریخ کو قلمبند کرتے ہیں اوراس امر میں متفق ہیں کہ یہ معجزہ گراسینیوں کے ا س شخص کے شفایا ب ہونے سے جس پر دیو چڑھا تھا پہلے واقع ہوا۔ شاید اسی شام کو واقع ہوا ہو جس شام مسیح نے وہ تمثیلات بیان فرمائیں جو حضرت متی کے ۱۳ باب میں درج ہیں (مقابلہ کریں حضرت مرقس باب ۴ کے ساتھ) بھیڑکے ساتھ کلام کرنے کے بعد وہ شوروغوغا سے بچنے کے لئے دوسری جانب تنہائی میں جانا چاہتے تھے ۔ لہذ ا کشتی پر سوارہوکر ادھر روانہ ہوئے۔ پر ابھی راہ ہی میں تھے کہ وہ طوفان آیا جس کے معجزانہ طورپر تھمنے کا ذکر اس بیان میں پایا جاتا ہے۔

حضرت متی ۸باب آیت ۲۳۔جب وہ (یعنی سیدنا مسیح) کشتی پر سوار ہوئے تو آپ کے شاگرد آپ کے ساتھ ہولئے۔ شاید اس کشتی میں بادبان نہ تھے۔ اورممکن ہے کہ زیادہ تر مچھلی پکڑنے کے کام آتی ہوگی۔ جناب مسیح اس پر سوارہوئےاور آپ کے شاگرد بھی آپ کے ساتھ ہولئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اس کشتی پر سوار تھے اور کئی دوسری کشتیوں پر جن کا ذکر حضرت مرقس باب ۴ آیت ۳۶میں آتا ہے۔ یہاں شاگرد سے مراد صرف بارہ رسول ہی نہیں بلکہ اورلوگ بھی جناب مسیح کے پیرو تھے۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی باب ۵آیت ۱)۔

آیت ۲۴ ۔ اوردیکھو جھیل میں ایسا بڑا طوفان آیا کہ کشتی لہروں سے چھپ گئی۔ دیکھیں حضرت متی اکثراس لفظ کو کسی عجیب واقعہ کے بیان کرنے سے پہلے استعمال کرتے ہیں۔ تاکہ توجہ اس طرف کی جائے ۔ اصل لفظ کے معنی ہلنے اورجنبش کھانے کے ہیں۔ اوروہ لفظ اکثر زلزلہ کے لئے آتا ہے ۔ مگر یہاں طوفان سے مراد ہے جو زلزلہ کی طرح لوگوں کے گھروں کو ہلادیتا ہے۔ حضرت لوقا میں جو لفظ مستعمل ہے ۔وہ خاص طوفان یا ہوا کے لئے آتا ہے۔ یہی ہوا وادیوں میں اورگرمی آگ کی بھٹی کی طرح جلارہی تھی ۔ مگراس وقت ٹھنڈی سی ہوا سطح مرتفع سے آنے لگی۔ اوروادیوں میں سے گز رکر جھیل کی طرف جھکی ہوئی ہیں سطح آب کو جنبش میں لانے لگی۔ اندھیرا بڑھ گیا۔ او رہوا نے رفتہ رفتہ طوفان کی شکل اختیارکرنی شروع کی۔جھیل کی سطح گویا کف کی چادر بن گئی۔ سفید رنگ کی

لہریں کنارے پر بڑے زور کے ساتھ ٹکر کھاتی تھیں۔ اب ہوا کی ملائم آوازایک ہولناک اورحیرت افزا شورمیں تبدیل ہوگئی۔جو ہوا کو سر سراہٹ اورپانی کے حرکت سے پیدا ہوا۔ کچھ فاصلہ پر ایک چھوٹا سا ڈونگا دکھائی دیا جو لہروں کی تھپیڑوں سے تہ وبالا ہورہا تھا اورپھر اس غبارمیں غائب ہوگیا۔

چونکہ یہ جھیل بحراعظم کی سطح سے بہت نیچے ہے۔ لہذا ہوا بہت گرم ہوتی ہے اوررقیق ہو کر اکثر اوپر چڑھ جاتی ہے ۔اورپھر غلا کو بھرنے کے لئے مشرق اورمغرب کی سطح مرتفع سے ٹھنڈی ہوا زور وشور سے آتی ہے ۔ (این امریکن کامنٹری آف دی نیو ٹیسٹیمنٹ) ۔

کشتی لہروں میں چھپ گئی مگر وہ (سیدنا مسیح) سوتے تھے ۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ کشتی پانی سے بالکل بھر گئی کیونکہ ایسا ہوتا تو ڈوب جاتی یونانی فعل استمرارکو ظاہرکرتا ہے۔ (امریکن کامنٹری) یعنی مطلب یہ ہے کہ چھپی جاتی تھی ۔ حضرت مرقس فرماتے ہیں کہ "کشتی پانی سے بھری جاتی تھی اورحضرت لوقا بتاتے ہیں کہ وہ خطرے میں تھی ۔"

کشتی اس وقت درحقیقت خطرے میں تھی ورنہ بچپن سے اس جھیل کے تمام حالات سے واقف تھے کبھی نہ گھبراتے اورکبھی مسیح کے پاس نہ آتے ۔لیکن "وہ سوتے تھے " لفظ وہ پر زور ہے ۔ حضرت مرقس بتاتے ہیں کہ " وہ (سیدنا مسیح) پیچھے کی طرف خود گدی پر سورہے تھے "کیسا عجیب سماں ہے مسیح گدی پر سر رکھے سورہے تھے اورآندھی زوروشور سے چل رہی ہے ۔ اوراپنے تھپیڑوں سے کشتی کو تہ وبالا کررہی ہے۔

جناب مسیح اس روز کے کام سے تھک کر سورہے تھے ۔ مگر حضرت یوناہ (یعنی یونس) کی طرح نہیں حضرت یوناہ ایک خراب ضمیر کے ساتھ سورہے تھے۔ مگر مسیح پاک ضمیر کے ساتھ ۔ حضرت یونہ خطرہ کا باعث تھے اورمسیح خطرے سے بچانا کا وسیلہ ہوا۔

یہاں یہہ بتانا مناسب ہے کہ یہ معجزہ ایک حقیقی تاریخی واقعہ ہے۔ مسیح نے درحقیقت طوفان کو تھمایا۔ بعض کی رائے ہے کہ مسیح نے اس طوفان کو جو شاگردوں کے دل میں دہشت سے پیدا ہوگیا تھا تھمادیا۔ اوران کے ایمان کو ایسا مضبوط کردیا ۔ کہ ظاہری طوفان ان کی نظرمیں طوفان نہ رہا۔ نہ پھران کے کان میں اسکی ہولناک آواز آئی اورکہ انجیل نویسوں نے اسی امن کو نیچر کا امن کہا ہے۔ پر درحقیقت مراد اس امن سے ہے جو اس کے کلام نے ان کے دل میں پیدا کیا ۔ لیکن یاد رہے کہ اگر شاگرد ایسی غلطی کرتے یعنی دل کے امن

کو نیچر کی قوتوں کا امن کہتے تو یہ غلطی جناب مسیح سے چھپی نہ رہتی ۔ ما سوا اسکے یہ اثران پرنہیں ہوسکتا تھا ۔ جو ایمان نہیں لائے تھے اورشاگرد نہ تھے۔ مگراس امن کے قائل کیا شاگرد اورکیا غیر شاگرد سب تھے۔

آیت ۲۵۔انہوں نے پاس آکر انہیں (جناب مسیح) کو جگایااور کہا اے مالک ہمیں بچائیے ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مسیح کوکچھ دیر کے بعد جگایا اور دہشت بھری آواز کے ساتھ جگایا۔ مثلاً حضرت لوقا بتاتے ہیں کہ انہوں نے کہا ۔ "صاحب ،صاحب ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں اور حضرت مرقس کے الفاظ سے کسی قدرخفگی بھی ٹپکتی ہے ،"اے استاد کیا آپ کو فکرنہیں کہ ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں"اس ،"ہم" میں جناب مسیح بھی شامل تھے۔ حضرت متی "خداوند" اورحضرت مرقس " استاد" اورحضرت لوقا "صاحب ،صاحب" کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انجیل نویس ہمیشہ وہی الفاظ جو استعمال کئے گئے رقم کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ کئی بارآزادگی کے ساتھ مطلب کو اپنے الفاظ میں ادا کردیتے ہیں۔ ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں مراد جسمانی ہلاکت یا یوں کہیں کہ نیچرل موت سے ہے ۔

آیت ۲۶۔مسیح نے ان سے فرمایا ،اے کم اعتقادوڈرتے کیوں ہو؟تب آپ نے اٹھ کر ہوا اورپانی کو جھڑکا او ربڑا امن ہوگیا۔ اب حضرت متی سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا دھمکی پہلے دی گئی ۔ اورطوفان پیچھے فردہوا۔ مگر حضرت مرقس اورحضرت لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا طوفان پہلے تھما یا گیا۔ اورجھڑکی پیچھے دی گئی۔ اغلب ہے کہ خداوند پہلے اورپیچھے دونو مرتبہ ان کے ساتھ ہم کلام ہوئے۔ پہلے جاگ کران کی طرف مخاطب ہوئےاورپھر طوفان کو ہلکا کرنے کے بعد ان کے ایمان کی کمی کے باعث دوبارہ انکو دھمکانے لگے۔ یاد رہے کہ وہ ان کو بے ایمان نہیں کہتے۔ بلکہ حضرت متی کے بیان کے مطابق "کم اعتقاد" کہتے ہیں۔ وہ ایمان سے خالی نہ تھے ۔چنانچہ ہم ان کی بے اعتقادی میں بھی ان کا اعتقاد چمکتا ہوا دیکھتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے خطرے کے وقت جناب مسیح ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔تاکہ آپ سے مدد کی استدعا کریں۔ حضرت لوقا کہتے ہیں کہ مسیح نے فرمایا ،"تمہارا ایمان کہاں گیا" ایمان تو ان میں تھا ۔لیکن اس وقت ان کے ایمان کا ایسا حال تھا ۔ جیسا اس ہتھیارکا جسے سپاہی رکھ کربھول جاتا ہے اوروقت پرکام نہیں لاتا ۔ اب سوال یہ ہے کہ کس بات میں ان کی کم اعتقادی پائی گئی

؟کیا اس بات میں کہ انہوں نے مسیح سے مدد مانگی ؟نہیں یہ تو عین ایمان کی با ت تھی۔ کم اعتقادی اس میں تھی ۔کہ انہوں نے نہایت دہشت کھائی اورخیال کیا کہ وہ کشتی جس پر جناب مسیح آرام فرما رہے تھے تباہ ہوجائے گی ۔ڈرتے کیوں ہو۔اصل کے مطابق "کیوں بزدلی کرتے ہو"یہ ایک ناقص اورنامردانہ خوف تھا۔

تب مسیح نے اٹھ کر ہوا اور پانی کو جھڑکا او ربڑا امن ہوگیا۔یہ الفاظ بڑے توجہ طلب ہیں۔ کیونکہ ان سے وہ طریقہ ظاہر ہوتا ہے جس سے جناب مسیح نے اس طوفان کو تھمایا۔ حضرت متی کہتے ہیں کہ "پانی کو جھڑکا " اورحضرت مرقس اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا مسیح نے سمندرسے مخاطت ہوکر فرمایا "چپ رہ تھم جا"مسیح لہروں سے یوں خطاب کرتے ہیں جس طرح کوئی کسی شخص سے کیا کرتا ہے ۔ایک مسیحی علما ٹرنچ صاحب کہتے ہیں کہ یہ کلام گویائی کا یا فصاحت کا طرزبیان نہیں ۔ جناب مسیح ان لہروں میں شیطان کو یا یوں کہیں کہ اس کی قدرت کو دیکھتے ہیں جس کے سبب سے فطرت کی طاقتوں میں بے اتحادی اورابتری پیدا ہورہی ہے ۔ وہ ان تمام بے ترتیبیوں کا موجد ایک شخص کو سمجھتے ہیں ۔سیدنا مسیح ایک اورجگہ بھی انہیں لفظوں کو استعمال کرتے ہیں۔

اُس موقعہ پر بخار کی طرف متوجہ ہوکر اسے جھڑکا تھا (انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۴باب ۲۹آیت) ۔اور وہاں بھی یہی تفسیر کام آتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عین اس شور وغوغا کے درمیان فطرت مسیح کا حکم مانتی ہے کیونکہ وہ جو کامل انسان ہے اسی لئے آئے کہ فطرت پر انسان کی حکومت قائم کرے نیچر کا یہ کام تھا کہ ا س کی باندی ہوکر رہے ۔ لیکن وہ بدی کی قدرت کے قبضہ میں آکر بجائے خدمت اورمدد کے بارہا اس کو نقصان پہنچاتی ہے لیکن اس تھمانے کے لئے مسیح کا جو گناہ سے بری ہے ایک لفظ کافی ہے حضرت موسیٰ کی طرح ان کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ اپنا عصا بڑھائے۔آپ کا کہنا ہی کافی تھا۔ پس آپ کی آوازسن کر"ہوا بند ہوگئی اوربڑا امن ہوگیا" یہ بات بھی غورطلب ہے کہ فوق الاانسانی قدرت کے اظہاروں میں آپ انسانیت جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔ وہی جو جاگ کر ایسا کام کرتا ہے جوانسان نہیں کرسکتا ۔تھک کر سو بھی جاتا ۔

آیت ۲۷۔ لوگ تعجب کرکے کہنے لگے یہ کس طرح کاآدمی ہے کہ ہوا اورپانی بھی اس کے حکم میں ہیں۔یہ الفاظ اس تاثیر کو ظاہر کرتے ہیں جو اس معجزہ کے سبب سے لوگوں پر ہوئی۔ انہوں نے آگے کبھی ایسا معجزہ نہ دیکھا تھا۔ اوراس اثر کا سبب یہ بھی تھاکہ

وہ سمندر کے نظاروں اور طوفانوں کی بلا خیز آفتوں کا تجربہ رکھتے تھے۔ سو انہوں نے محسوس کیا۔ کہ سوائے خدا کی قدرت کے اور کوئی طوفان کو تھما نہیں سکتا تھا۔ اور شاید یہ اثر ان پر بھی جو دوسری کشتیوں پر تھے پیدا ہوا ہوگا۔ یہ کلمات تعجب آمیز کلمات ہیں۔ زبور نویس بھی کچھ اسی طرح کہتا ہے ۔(زبور شریف نمبر ۸۹ آیت ۸،۹)غرض اس معجزہ کی یہ تھی مسیح اپنے شاگردوں پر ظاہر فرمائے کہ ہر خطرے سے محافظت اور نجات پانا میری حضوری پر منحصر ہے۔ نیز وہ چاہتے تھے کہ یہ خطرہ ان کے ایمان کو مضبوط کرے کیونکہ بزرگ کر ساسٹم کے قول کے مطابق ان کو ایمان کے اکھاڑے میں پہلوان بننا تھا۔

اور یہی بات آپ کی حضوری تمام خطرات سے آزاد کرتی ہے۔ نہ صرف بیرونی طوفانوں پر صادق آتی ہے ۔بلکہ مسیح جو سلامتی کا شہزادے ہیں اس معجزہ کے وسیلہ یہ کہہ رہے ہیں کہ دل کے اندر جو طوفان جاری ہیں ان کو بھی میں ہی تھما سکتا ہوں۔ علاوہ بریں کلیسیا کی محافظت بھی اس پر منحصر ہے۔ وہ بارہا خطروں میں اور طرح طرح کی آزمائشوں میں گرفتار ہوئی اور ہوتی ہے مگر ان لہروں اور موجوں سے ا س کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا ۔ کیونکہ مسیح اس میں موجود ہے۔

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔مسیح ہمارے کمزور ایمان کو خطروں کی جگہ لے جاتے ہیں اور وہا ں سے آخر تک خطرے کا مقابلہ کرنے دیتے اور پھر ایک طرح ہمارے ایمان کی نکتہ چینی کرتے تاکہ اسے حلیم بنائے اور تمام کمزوریوں سے آزاد کریں۔

۲۔شاگردوں پر واجب ہے کہ جہاں مسیح لے جائے اس کے ساتھ جائیں۔ ان کا فرض ہے کہ ہر راہ میں اس کی پیروی کریں۔

۳۔مسیح کا سونا ہماری دینداری او رایمان کی آزمائش ہے اوران کا سوتے سے جاگنا ان کی قادرالوہیت کے جلال کاایک نیا اظہار ہے۔

۴۔تمہارا ایمان کہا ں ہے ؟اب بھی سوال کیا جاسکتا ہے ۔مثلاً(ا)یہ سوال زندگی کے متعلق کیا جاسکتا ہے ۔ (ب) ضمیر کے متعلق کیا جاسکتا ہے (ج) حالت زمانہ کے متعلق کیا جاسکتا ہے ۔

۵۔جناب مسیح سمندر کا ستارہ اور بادبان اور لنگر،لائٹ ہاؤس اور باد شرط ہے ۔

۶۔جہاں مسیح ہے وہاں خطرہ ہوتا ہے بلکہ اس جگہ کی نسبت جہاں وہ نہیں ہیں زیادہ ہوتا ہے مگر ہلاکت کے لئے نہیں پر آزمائش کے لئے ہوتا ہے۔

۷۔شاگردوں کی اور مسیح کی روش کا مقابلہ کرو وہ ان کو ملامت کرتے ہیں حالانکہ ابھی انہوں نے آپ کی قدرت کو کام کرتے نہیں دیا۔ لیکن وہ اس وقت ملامت کرتے ہیں جب پہلے طوفان تھما دیتے ہیں۔

۸۔دیکھو مسیح خطرہ میں کیا روش اختیار کرتے ہیں۔ (الف) طوفان کو شدت سے چلنے دیتا ہے (ب) اورآ پ ایسے بن جاتے ہیں کہ گویا کچھ خبر نہیں (ج) کہ گویا طوفان کا کچھ علاج ہی نہیں ہے ۔ مگر آخر کار جاگتے اور سارے طوفان کو دفع کرتے ہیں۔

۹۔پر وہ کیوں سوتے ہیں (الف) تاکہ ہم جاگیں او راپنی ناتوانی کو پہچانیں (ب) تاکہ اس کی قدرت کا کرشمہ حاصل کریں۔ (ج) تاکہ اس کی مدد کے لئے دعا مانگنا سیکھیں۔ (د) تاکہ آخر کار اس کی حمد اور تعریف ہو۔

۱۰۔جتنی صلیب بڑی ہوتی ہے اتنی ہی دعا سرگرم ہوتی ہے ۔

۱۱۔انسان کو نیچر پر حکمرانی کرنا اور اسے اپنی اطاعت میں لانا تھا ۔ لیکن طوفان اورآندھیاں اب اس سے سرکش ہیں اور اس سرکشی سے انسان کی سرکشی ظاہر ہوتی ہے اگر وہ ان شرارت کے طوفانوں اور آندھیوں میں جو اس کی سرکشی سے پیدا ہوئے ۔ مبتلا نہ ہوتا تو نیچر ا س سے باغی نہ ہوتی۔ گنہگار انسان کے مقابلہ میں مسیح کامل انسان کو دیکھو کہ کس طرح نیچر اس کے تابع ہے۔ اس کی سکون دلی اور شاگردوں کی گھبراہٹ اس کا اپنے اوپر قابو رکھنا ۔ اوران کا بے قابو ہوجانا ۔ اس کا نیچر کی طاقتوں پر مسلط ہونا اوران کا اس کے خطروں سے خائف ونالاں ہونا اس فرق کو ظاہر کرتا ہے۔

۱۲۔جناب مسیح سمندر کی طغیانی اورطوفان کی شدت کو روکتے ہیں کیونکہ اس پر حاکم ہیں کوئی ایسا طوفان نہیں جسے وہ روک نہ سکیں خواہ وہ (الف) فطرت میں نمایاں ہو۔ (ب) تاریخ ہو (ج) خواہ کلیسیا کی تاریخ میں ہو (د) خواہ گھر میں ہو یا دل میں ہو۔

۱۳۔اگر مسیح ہمارے ساتھ ہیں تو ہم کبھی ہلاک نہ ہوں گے ۔کلیسیا کا جہاز بارہا ایذاؤں اورآزمائیشوں کے طوفان میں مبتلا ہوا مگر وہ ہمیشہ اسے بچاتا رہا۔

۱۴۔طوفان ہم کو دعا مانگنا سکھاتا ہے اورمسیح کو ظاہر کرتا ہے۔ (الف) وہ ظاہر کرتا ہے کہ مسیح سچا اورپاک انسان ہے (ب) کہ وہ

دانا اورمہربان خداوند ہے ۔ (ج) کہ وہ قادراورواجب الاطاعت بن خدا ہے ۔

۱۵۔انسان کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ خطرے کو اس بات کا نشان سمجھتا ہے کہ خدا میری پروانہیں کرتا ۔

۱۶۔طوفان کے بعد ہمیشہ امن ہے۔ او رہی خدا کے بندوں کی آزمائیشوں کا حال ہے ان کی آزمائیشوں کے بعد ہمیشہ سانتی آتی ہے۔

۱۷۔ مسیح کمزورسے کمزورایمان کی بھی بے قدری نہیں کرتے ۔

گدرینیوں کے ملک میں دو شخصوں کو جن پر دیو چڑھے ہوئے تھے شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۸ باب آیت ۲۸ تا ۳۴ وحضرت مرقس ۵ باب آیت ۱تا ۲۰ وحضرت لوقا ۸ باب آیت ۳۲تا ۳۹)

اگر پچھلے معجزہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب مسیح فطرت کی طاقتوں پر مسلط ہیں تو اس معجزے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بدروحوں پر بھی کامل اختیار رکھتے ہیں۔یہ معجزہ پچھلے معجزے سے بھی زیادہ عجیب اورپُر قدرت معجزہ ہے ۔ اس میں بھی ہمارے آقا اورمالک جناب مسیح اپنے تیئں سلامتی کا شہزادہ ثابت کرتے ہیں۔ یہا ں وہ اس تلاطم اورطوفان اورفساد کو فروکرتے ہیں جو انسان کے اندربدی کے بانی کے سبب سے پیدا ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۲۸۔جب وہ (جناب مسیح) اس پار گدرینیوں کے ملک میں پہنچے ۔پرانے ترجمہ میں "گریسنیوں " آیا ہے اور حضرت مرقس اورحضرت لوقا میں اسے " گراسینیوں "کا ملک کہا ہے لیکن پرانے نسخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ "گدرینیوں" کا لفظ حضرت متی میں اور"گراسینیوں" کا حضرت مرقس اورحضرت لوقا میں صحیح ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کہ یہ فرق کس طرح پیدا ہوا۔

ایک مسیحی عالم ٹامسن صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے اس ملک کی سیر کی تو جھیل کے مشرقی کنارے پر اور قریباً اس کے وسط میں ایک گاؤں دیکھا جسکے ارد گرد بہت سی قبریں موجود تھیں۔ اور اس کے پاس ایک کڑا بھی واقع تھا۔ اس گاؤں کا نام گراسا ہے۔ اوراس کا وقوع بیعنہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس معجزہ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے ایک شہر اوربھی اسی نام کا تھا۔ مگر وہ قریباً تیس میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ پس یہ گاؤں گراسا نامی جواب معلوم ہوا ہے وہی جگہ ہے جس سے "گراسینیوں" کا لفظ نکلا ہے۔ لیکن پھر یہ سوال برپا ہوتا ہے کہ گدرینیوں کا لفظ کس طرح پیدا ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک شہر گدارا بھی تھا وہ اس جھیل سے جنوب مشرق کی طرف چند میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ اورچونکہ یہ دستورتھاکہ بڑے شہر کے ارد گرد کے دیہات اس سے علاقہ رکھا کرتے تھے پس ہم قیاس کرتے ہیں او ریہ قیاس نا درست نہیں کہ اگرگراسا گدارا سے علاقہ رکھتا تھا اوراس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اس علاقہ کے باشندے کبھی گراسینی اورکبھی گدرینی کہلاتے ہونگے۔ اب ایک سوال حل طلب یہ ہے کہ گرگاسیوین کا لفظ کس طرح داخل ہوگیا۔ اس کی نسبت بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ شاید یہ نام جرجاسییوں سے جس کی ایک شکل گرگاسیوں بھی ہوسکتی ہے پیدا ہوا (توریت شریف کتاب پیدائش ۱۰باب آیت ۱۶وکتاب استشناء ۷باب آیت ۱ اوریشوع ۳باب آیت ۱۰)یعنی لکھتے وقت کاتبوں نے یو ں ہی سمجھا اوریونہی نقل کردیا ۔مگر آریجن صاحب کہتے ہیں کہ گرگاسہ نامی ایک شہر بھی جھیل کے قریب آباد تھا لیکن ان کا یہ قول بعض علماء کی دانست میں قبول کرنے کے لائق نہیں کیونکہ وہ "گرگاسینیوں" کے نام کو جغرافیہ کے اعتبار سے ترجیح دیتے ہیں نہ کسی کریٹیکل وجہ سے۔ اورپھر وہ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں ایسے نسخے موجود تھے جن میں گدرینیوں کا لفظ داخل تھا۔ (لینگی) پھر بعض علماء کا خیال ہے کہ گرگاسینیوں ۔گراسینیوں کا دوسرا لفظ ہے۔

تو دوآدمی جن میں بدروحیں تھیں قبروں سے نکل کر انہیں (جناب مسیح) کو ملے ۔حضرت مرقس اورحضرت لوقا میں صرف ایک شخص کا ذکر ہے۔ بزرگ کری ساسٹم اوراگسٹن کے خیال کے مطابق ان میں سے ایک دوسرے کی نسبت زیادہ توجہ کے لائق تھا۔ حضرت مرقس اورحضرت لوقا زیادہ تفصیل سے اس تاریخ کو رقم کرتے ہیں۔ اورصرف اسی شخص کا ذکر کرتے ہیں کہ جس کی حالت دوسرے شخص کی حالت سے زیادہ ردی اوربھری ہوئی تھی

تاکہ ان کابیان زیادہ زندہ اورپُر اثر معلوم ہو۔ ایک امریکن کامنٹری میں اس دقت کو رفع کرنے کے لئے مثال دی ہوئی ہے ۔ مفسر بیان کرتا ہے کہ ۱۸۲۴ء میں ایک شخص جس کا نام تھا۔ ملک امریکہ میں سیر کے لئے آیا ۔اس کے ساتھ اسکا بیٹا بھی تھا۔ اور ہر جگہ لوگوں نے بڑی شان وتپاک سے ان کی آؤ بھگت کی اب بعض مورخ اس واقعہ کو فقط کی زندگی کا ایک مشہورواقعہ گردان سکتے ہیں۔ پر اگر لکھنے والے اپنی تحریر میں اس سیر کو اوراس اعزاز اورامتیاز کو جس سے لوگوں نے انہیں قبول کیا دو شخصوں سے منسوب کریں یعنی اوراس کے بیٹے سے تو کیا اس میں کسی طرح کا جھوٹ یا خلاف سمجھا جائے گا؟

دو آدمی جن میں بدروحیں تھیں۔اس کی نسبت بڑا غو رطلب سوال یہ ہے کہ آیا وہ بدرحیں جن کا ذکر انجیل شریف میں آتا ہے ۔۔درحقیقت موجود تھیں۔ یا نہیں؟ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ حال حقیقی اورتواریخی ہے۔ اوراسکے ثبوت میں یہ دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔اناجیل کے مصنف ہمیشہ ان کو حقیقی واقعات سمجھتے ہیں۔ او رہمیشہ ایسے ہی پیرایہ میں پیش کرتے ہی۔

۲۔انجیل شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مسیح خود بھی ان واقعات کو حقیقی سمجھتے ہیں۔ بلکہ بدروحوں سے مخاطب ہوکر کلام کرتے ہیں۔ اوران میں اوران اشخاص میں جن کے اندربدرحوں موجود تھیں امتیاز کرتے ہیں (انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۱باب آیت ۲۵) اورنہ صرف عوام کے سامنے ایسا کرتے ہیں بلکہ تخلیہ میں بھی یعنی اپنے شاگردوں کے محدود دائرے کے اندر بھی ایسا ہی کرتے ہیں چنانچہ ایک جگہ وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے سوائے دعا کے نہیں نکلتے ہیں"(انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۹باب آیت ۲۹)۔

۳۔علاوہ بریں ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح ان کے وجود کی حقیقت پر دیگر صداقتوں اوردلیلوں کو قائم کرتے ہیں۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۱۰باب آیت ۱۷تا ۲۰) مثلاً جب آپ کے شاگرد اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ بدرحیں ہماری سنتی ہیں۔ توآپ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ "میں نے شیطان کو آسمان سے بھی بجلی کی طرح گرتے دیکھا" اب سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے یہاں شاگردوں کے بدروحوں کو نکالنے کے کام کو شیطان کی قدرت کے تنزل سے مربوط کیا ہے۔

یہ لوگ جن میں بدرحیں تھیں فوق العادت علم کے ساتھ کلام کرتے اور جناب مسیح کو خدا کا بیٹا (نعوذ باللہ جسمانی نہیں بلکہ روحانی) تسلیم کرتے ہیں ۔ یہ سچ ہے کہ آپ نے ان کو گواہی دینے سے روکا۔ شاید اس لئے کہ آپ دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ آپ میں اوربدروحوں کے سردارمیں کسی طرح کا رابطہ اورتعلق ہے ۔ اورہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے مخالفوں نے بعد میں یہ الزام آپ پر لگایا بھی حالانکہ کوئی وجہ معقول ان کے پاس ایسے کرنے کے لئے نہ تھی۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۱۳باب ۲۴آیت) پرگو آپ نے ان کی گواہی کو روکا۔ تاہم ان کی گواہی سے ایسا علم ظاہر ہوتا ہے جو انسانی علم سے بڑھ کر ہے ۔اس بات پر ذیل کے اعتراض کئے گئے ہیں۔

۱۔ کہ بدروحوں کے گرفتاروں کی علامتیں بہت درجہ تک بعض جسمی اوردماغی امراض کی علامتوں سے مشابہت رکھتی ہیں ۔مثلاً مرگی اور مالیخولیا کی علامتوں سے ۔ لہذا ان لوگوں میں بدروحیں نہ تھیں۔ بلکہ وہ صرف بیماری کے پنجہ میں گرفتارتھے۔ ہم اسکا یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ ناممکن نہیں کہ بدروحوں کے دخول کے بعد اس قسم کی بیماریاں پیدا ہوگئی ہوں۔ او ریہ بھی ممکن ہے کہ لوگ پہلے ان امراض میں گرفتار ہوئے ہوں۔ اورپھر انہیں عارضوں نے ان کو اس قابل بنادیا کہ بدروحوں کے دخل اور دماغی بیماریوں کی موجودگی میں برابر امتیاز کیا جاتا ہے۔ (دیکھئے انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۴باب آیت ۲۴ و ۸باب آیت ۱۰ ،حضرت مرقس۱باب آیت ۳۴) اورغالباً یہی سبب ہے کہ لفظ "شفا بخشنا" ان کے بارے میں استعمال کیا گیا ہے اوراس رابطہ کے سبب سے جو بدروحوں کے داخل ہونے اورامراض کے پہلے یا بعد میں پیدا ہونے میں پایا جاتا تھا یہی محاورہ رائج ہوا۔تم میں بدروح ہے (انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا ۷باب آیت ۲۰وباب ۸آیت ۵۲،وباب ۱۰ آیت ۳۰) جس کا یہ مطلب ہے کہ تم پاگل ہوگئے ہو۔ پس وہ جن میں بدروحیں تھی۔ درحقیقت دماغی قوتوں کے پایہ سے گرے ہوئے تھے۔ خواہ ہم اس فتورکو بدروحوں کے دخول کا نتیجہ مانیں۔ یا یہ تسلیم کریں کہ اس فتورکے سبب سے بدروحیں داخل ہوئیں۔ مگر حضرت یوحنا ۱۰باب آیت ۲۰ میں ان دونوں میں صریح فرق کیاگیا ہے۔ "اوربہتوں نے ان میں سے کہا ۔کیا اس کے ساتھ ایک دیو ہے۔ اوروہ سڑی ہے" پس کوئی ضرورت نہیں کہ نوشتوں کے صاف بیان سے خلاف ورزی اختیارکی جائے۔ ماسوااس کے اس معجزہ میں بدروحوں کا سورؤں

کے غول میں جانا بجائے خود ایک اوردلیل ہے ۔جو ہمارے خیال کو ثابت کرتی ہے ۔ یعنی اگر بدروحوں کا وجود نہ تھا تو کس طرح آناًفاناً میں ان کے دخول کے بعد سورؤں کا ویسا ہی حال ہوگیا جیساکہ ان اشخاص کا تھا جن پر دیو چڑھے ہوئے تھے۔ اورکس طرح یہ تبدیلی ان پر حادث ہوئی جس حال کی بدروحیں کچھ بھی نہ تھیں؟

۲۔لوگ اکثر یہ خیال پیش کیا کرتے ہیں کہ بدروحیں تو کوئی حقیقی وجود نہ رکھتی تھیں۔ اورنہ جناب مسیح اورآپ کے شاگرد ہی ان کے وجود کے قائل تھے ۔ مگر چونکہ یہ خیال اس زمانہ کے لوگوں کے درمیان رائج تھا۔ سو جناب مسیح نے بھی روکنا نہ چاہا ۔ بلکہ اسے مروج رہنے دیا۔ تاکہ ان کو ان امراض سے شفا دے سکے ۔ کیونکہ اگرآپ ان کے عقیدوں کی تردید کرتے تو شاید وہ آپ کے پاس نہ آتے اورنہ آپ کے شفا بخش علاج سے مستفیض ہوتے۔ پس اگر مسیح روح کو یہ کہتے ہیں کہ باہر نکل آ۔ تو وہ صرف مریض کے خیال اور وہم کے مطابق بولتے ہیں تاکہ وہ جلد شفا پائے ۔پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر اس زمانہ کے لوگوں کی غلطی تھی تو بڑی بھاری غلطی تھی اورہو نہیں سکتا کہ مسیح غلطی کو مروج رہنے دیتے جبکہ آپ کا کلام یہ تھا کہ اس قسم کی بطالتوں کو دورکریں۔ اورنہ ہم اس بات کو طبی بنا پر قبول کرسکتے ہیں کیونکہ اہل طبابت بھی یہ نہیں بتاتے کہ پاگلوں کی شفا کے لئے یہ ضروری امر ہے وہ یہ ہے کہ انکی توجہ دوسری طرف لگائی جائے ۔ علاوہ بریں ایسے دعوؤں سے مسیح کے کلام کی صداقت کو بڑی زک پہنچتی ہے۔ہمارے رائے میں جناب مسیح کی طرف سے جس کا کلام سچائی ہے اورجو خود سچائی ہے ایسا بے ضرر فریب بھی ناقابل تسلیم ہے۔

۳۔اورپھر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کا کیا سبب ہے کہ یہ اظہارات صرف اس وقت سرزد نہیں ہوتے اوران کے وقوع کی نفی کو کامل یقین کے ساتھ پیش نہ کرنا معترض کے اعتراض کو ضعیف کردیتا ہے ۔ پر ہم اس بات کی بھی دلیل رکھتے ہیں کہ کیوں وہ اس وقت سرزد ہوئے اورکیوں باآسانی معلوم کئے گئے سبب یہ تھا کہ ازلی کلمے نے اس وقت اپنے تئیں جسم میں ظاہر کیا تھا۔ سو اسوقت وہ لڑائی جو خدا اورشیطان میں برابر چلی آئی ہے زیادہ روشن ہوگئی تھی تاکہ یہ بات خود ثابت ہوجائے کہ جو بدروحیں خدا کے برخلاف صف آراء ہیں وہ اس کے مقابلے میں ہرگز قائم نہیں رہ سکتی ہیں (مقابلہ کریں انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۴باب میں شیطان کا جسم میں نمودارہونا)

۴۔پھر ایک یہ اعتراض ہے کہ یہ معاملہ فی نفسہ ایسا دقیق ہے کہ اس کا سمجھنا مشکل ہے۔ ہم بھی مانتے ہیں کہ یہ بات ایسی ہے کہ اس کا سمجھنا مشکل ہے ۔پرکیا ہم اور مشکل باتوں کو تسلیم نہیں کرتے ؟مثلاً ہم مسیح کی شخصیت میں انسانی اورالہیٰ ذاتوں کے میل کو اور روح پاک کے انسانی روح پر اثر کرنے کو اوردماغ اورجسم کے ربط کو نہیں مانتے ؟یہ تمام باتیں مشکل ہیں۔ تاہم یہ سب سچی حقیقتیں ہیں۔

پس بدروحوں کی قدرت کے اظہارجو انجیل میں مندرج ہیں۔ حقائق نفس الامری ہیں ۔ اوراگرہم ان کو تاریخی حقیقتیں تسلیم کریں تو وہ نہ صرف ہمارے لئے عجیب واقعات ہونگے بلکہ نصیحت خیز واقعات ہونگے۔ او رہم محسوس کریں گے کہ مسیح اورآپ کے شاگردوں کے وسیلہ بدروحوں کا نکالا جانا انجیل اورنجات دہندہ کی نیکی اورخوبی پر دلالت کرتا ہے۔ اوران کے منجانب اللہ ہونے کا ایک عمدہ ثبوت ہے ۔ اوراس بات کی بھی پرُتاثیر دلیل ہے کہ ہمارے خداوند مسیح نے شیطان پر فتح پائی ۔ماسوا اس کے کہ اس شرح سے نوشتوں کی کلام کی سادگی میں جو عام وخاص کے فائدے کے لئے تحریرہیں فرق نہیں آتا ۔

۵۔حضرت یوحنا ان اظہاروں کا ذکر کیوں نہیں کرتے ؟یہ سچ ہے کہ وہ اس قسم کے واقعات کو درج نہیں کرتے لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں(انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا ۷باب ۲۰آیت و۸باب ۴۸ تا ۴۹آیت ، و۱۰باب ۲۰آیت) پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ جناب مسیح کی خدمت کے بہت تھوڑے واقعات کو اپنی انجیل میں درج کرتا ہے۔ اورجو درج کرتا ہے وہ بھی ایسے ہیں جن سے مسیح کو یہودیوں کے سامنے کسی عجیب تقریر کا موقعہ ملا۔

ان بدروحوں کا ذکر پرانے عہدنامے اوراپاکرفا اورمشنا (یہودیوں کی احادیث کی کتاب) میں نہیں آیا ہے۔ لیکن یوسیفیس ان کا ذکر کرتا ہے۔

یہ خیال کرناکہ یہ لوگ جن پر دیوچڑھے ہوئے تھے ضرورشریر ہونگے ۔ اوران کی شرارت کے سبب سے شیطان نے ان پر غلبہ پایا۔ او رانہیں اپنے بس میں لایا صحیح نہیں ہے گو اس بات کا بھی انکارنہیں کرنا چاہیئے کہ وہ گنہگارتھے ۔ انکاراس بات کا ہے کہ ان کی بدکاری کے سبب سے شیطان ان میں آیا ۔ پس بجائے اس کے ہم یہ خیال کریں کہ وہ اوروں کی نسبت زیادہ بدکارتھے۔ ہم یہ کہیں کہ وہ زیادہ بد نصیب

تھے اور مصیبت زدہ تھے ۔کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جو سب سے بدکار اور شیطان کے کارندے اور غلام بنی آدم میں گذرے ہیں مثلاً جھوٹے نبی اور مخالفان مسیح ان کی نسبت کبھی ایسی عبارت استعمال نہیں کی گئی جس طرح ان دیوزدوں کے بارے میں کی گئی ہے مثلاً ہم پڑھتے ہیں کہ یہوداہ کے دل میں شیطان سمایا(انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا ۱۳باب ۲۷آیت) مگر یہوداہ کا اس بدروح (شیطان) کے بس میں آنا اور قسم کا تھا۔ (ٹرنچ صاحب) ۔
اورپھر اس کے متعلق یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اوروہ یہ ہے کہ ان بدروحوں کے مارے ہوئے لوگوں میں اپنے دکھ کا ادراک اور احساس پایا جاتا ہے۔جیسے انہوں نے اپنی مرضی سے اختیارنہیں کیا۔ وہ دوسرے کے قابو میں ہیں۔ اور دکھ کی پہچان اوراس سے آزاد ہونے کی خواہش وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن کے سبب سے وہ مسیح کی شفا بخش طاقت سے بہرہ اندوزہوئے۔ اس کے بغیروہ شیاطین کی طرح جو بدی میں کامل ہیں اورجن میں کوئی ایسا وصف نہیں پایا جاتا جس کی بنا پر فضل اپنا کام ان میں کرسکے کبھی مسیح سے فائدہ نہ اٹھاتے ۔ پس جس طرح اوروں کی حالت میں ویسا ہی ان کی حالت میں بھی ایمان شفا کی شرط تھا۔ پس ان میں اعلیٰ زندگی کی ایک چنگارہ باقی تھی جو اس وقت جبکہ وہ مسیح سے نہ ملے تھے بجھنے پر تھا۔ مگر جب مسیح سے ملاقات ہوئی تو اسے زندگی کے مالک نے اپنی رحمت کی ہوا سے پھر جلتے ہوئے شعلہ میں تبدیل کردیا۔

قبروں سے نکل کر انہیں (مسیح) کوملے۔یا تو وہ قبروں میں لوگوں کے خوف کے مارے چلے گئے تھے۔ اوریا ان کی دیوانگی کے اشتداد نے انہیں وہاں پہنچایادیا تھا۔ یہ جگہیں جو غاروں اورچٹانوں میں پائی جاتی تھیں اورقبرستان کا کام دیتی تھیں شائد ان دیوانہ لوگوں کے مذاق اورحال سے زیادہ مناسبت رکھتی تھیں۔ سو وہ یہاں خوش تھے۔ گو کئی یہودی صحت اوردماغ کی درستی کی حالت میں قبرستان میں رہنا پسند نہ کرتا ۔کیونکہ رسمی شریعت کے مطابق وہ ایسی جگہ رہنے سے ناپاک ہوجاتا ۔ اس قسم کی چٹانی قبریں اب بھی ان پہاڑوں میں بکثرت ملتی ہیں جو جھیل کے جنوبی حصہ کے مشرق میں واقع ہیں حضرت لوقا کہتے ہیں " اس شہر کا ایک مرد" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ بدروح کا شکاراس شہر کا باشندہ تھا۔

وہ ایسے تند مزاج تھے کہ کوئی اس راستہ سے گذرنہیں سکتا تھا۔یعنی اس راستہ سے جو قبروں کے نذدیک سےگزرتا تھا۔ یہ دونو مصیبت زدہ اپنے معمول کے مطابق مسیح اورآپ کے ساتھیوں پر

لپکے ۔جس طرح اورلوگوں پر حملہ کیا کرتے تھے حضرت مرقس اور حضرت لوقا ان میں سے ایک خاص شخص کے حالات اضافہ کرتے ہیں۔ حضرت لوقا بتاتے ہیں کہ وہ مدت سے دیو کے بس میں تھا۔ اور نہ کپڑا پہنتا تھا اورنہ گھر میں رہتا تھا۔ حضرت مرقس کہتے ہیں کہ "اب کوئی اسے زنجیروں سے بھی نہیں باندھ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ بار باربیڑیوں اورزنجیروں سے باندھا گیا تھا۔ لیکن اس زنجیروں کو توڑا اور بیڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کئے تھے۔ اورکوئی اسے قابو میں نہیں لا سکتا تھا۔ اوروہ ہمیشہ رات دن قبروں اورپہاڑوں میں چلاتا۔ اوراپنے تیئں پتھروں سے زخمی کرتا تھا" اس سارے بیان سے اس کی ساری حالت بد کی غائت ظاہرہوتی ہے۔

چلا کر کہا ۔ اے خدا کے بیٹے ہمیں آپ سے کیا کام آپ اس لئے یہاں آئے ہیں کہ وقت سے پہلے ہمیں عذاب میں ڈالیں۔ بعض نسخوں میں خدا کے بیٹے کی جگہ مسیح آیا ہے۔ مگریہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرقس اورحضرت لوقا میں مسیح لکھا دیکھ کر یہاں بھی کاتبوں نے مسیح لکھ دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ آدمی وہی بات کہتے ہیں کہ جو بدروحیں سوچتی اورخیال کرتی ہیں پرہم یہ نہیں جانتے کہ یہ بدروحیں کس درجہ تک سوچتی اورسمجھتی تھیں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے "خدا کے بیٹے" کے مطلب کو پورے پورے طورپر نہیں سمجھا تھا۔ جیسا کہ ان کے سردارشیطان نے نہیں سمجھا تھا۔ (مقابلہ کریں ۴باب ۳آیت)حضرت مرقس ۳باب ۱۱آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ہمیشہ آپ کواس نام سے پکارا کرتی تھیں۔ لیکن ممکن ہے کہ حضرت مرقس ہمارے مولا کی خدمت کے کسی خاص حصہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ہمیں آپ سے کیا کام ۔یہ پھر ویسا ہی محاورہ ہے جیساکہ ے کے معجزہ میں آیا تھا۔ یونانی میں ہے "ہم کو کیا اورآپ کو کیا" مطلب یہ ہے کہ ہم میں اورآپ میں کسی طرح کی شرکت نہیں ہے۔ آیا ان الفاظ میں دھمکی ہوتی ہے۔ یا نہیں ہوتی ہے ۔اس سوال کا جواب طریق بیان اورلہجہ پر موقوف ہے۔ اورنیزاس تعلق پر جو فریقین کے درمیان پایا جاتا ہے۔

کیا آپ اس لئے آئے ہیں کہ وقت سے پہلے ہمیں عذاب میں ڈالیں۔ وقت سے مراد موقعہ اورموسم ہے ان بدروحوں کا یہ خیال تھاکہ ایک نہائت سخت عذاب کسی اگلے زمانہ میں ہم پر حادث ہونے والا ہے ۔ سووہ ڈرتی تھیں کہ کہیں خداکا بیٹا ہم کو وہ شدید عذاب نہ دے ۔ ہم حضرت یہوداہ کے خط جو انجیل شریف میں

درج ہیں یہ سیکھتے ہیں کہ یہی وہ زمانہ ہے جب کہ روز عظیم کو عدالت ہوگی جس کے بعد شیطان اوراس کے خادم رات دن ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ۔(انجیل شریف کتاب مکاشفہ ۲۰باب ۱۰آیت) اور نقصان پہچانے کی تمام قدرت ان سے چھینی جائے گی۔ تمام نوشتے اس سے مطابقت رکھتے ہیں کیونکہ وہ بتاتے ہیں کہ فرشتوں کی عدالت ہونے والی ہے (انجیل شریف خط اول اہل کرنتھیوں ۶باب آیت ۳) ان دیوزدہ لوگوں کی روش غور طلب ہے ۔ کیسی مختلف حالتیں اس سے ظاہر ہوتی ہیں۔ پہلے وہ بڑی تندی سے مسیح اورآپ کے شاگردوں پر لپکتے ہیں اورجب نذدیک آتے ہیں تو گر کر آپ کو سجدہ کرتے ہیں (انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۵باب ۶آیت)کبھی وہ دہشت اورنفرت سے بھرا ہوا کلام کرتے ہیں۔ اورکبھی اپنی تکلیف اورعذاب کو محسوس کرتے ہیں اورکبھی اس ہولناک ہستی کی طرف سے بولتے ہیں جو ان پر مسلط ہے۔

حضرت مرقس اورحضرت لوقا سے معلوم ہوتا ہے (حضرت مرقس ۵باب ۸آیت اورحضرت لوقا ۸باب ۲۹آیت)۔ کہ جناب مسیح نے حکم کیا تھاکہ بدروح نکل جائے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی مرتبہ کہنے سے نہیں نکلی ۔ اس کا کیا جواب ہے ؟اس کا یہ جواب ہے کہ اگر وہ چاہتے تو اسے فوراًنکال دیتے۔ مگر دیگر تمام حالتوں کے موجود رہنے ممکن تھا کہ اس شخص کو نقصان پہنچتا (مقابلہ کریں حضرت مرقس ۹باب ۲۴آیت) اس دانا حکیم نے جیسا مناسب سمجھا ویسا ہی اپنی حکمت قدرت اورمحبت کے مطابق کیا۔

حضرت مرقس اورحضرت لوقا یہ بھی بتاتے ہیں کہ مسیح نے نام پوچھا کیوں؟بعض کا خیال ہے کہ اس لئے کہ نجات کی کثرت اور بہتات ظاہر ہو اورنجارت دینے والے کی عظمت معلوم ہو۔ کہ کیسا بڑا دشمن تھا جس پر اس نے فتح پائی۔ٹرنچ صاحب کا خیال ہے کہ شائد یہ سوال اس شخص سے جس پر و دیو چڑھا ہوا تھا کیاگیا کہ وہ سوال سن کر اپنے حافظہ کی تازگی حاصل کرے ۔اوراس کی شخصیت کی پہچان اس کے دل میں پیدا ہو ۔ اوروہ مانے کہ میں وہ شخص ہوں جو پہلے بدروحوں کی قدرت سے آزاد تھا اوراب بھی اس قدران کے اختیارمیں نہیں کہ رہا نہ ہو سکوں۔ گویا یہ سوال اس لئے کیا گیا تھا کہ اس کا علاج جلد ہوجائے اوروہ فٹ نوٹ میں

سوتے ہوئے چلنے پھرنے کی بیماری) کی مثال دیتے ہیں۔ اس مرض میں جب اورادویات کا رگر نہیں ہوتی ہیں تو بسا اوقات نام لے کر

پکارنے سے رات کو چلنے والے مریض کو خود شناسی کی حالت میں واپس لاتے ہیں۔ پر اس سوال کا جواب بدروح دیتی ہے۔

اس کا نام تمن (لشکر) تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا نہ صرف ایک طرف سے بلکہ اس مصیبت زدہ شخص پر ہر جانب سے حملہ ہوتا تھا۔ کبھی ایک مخالف طاقت سے ستایا جاتا تھا اور کبھی دوسری سے پس اس کی بربادی کامل تھی۔ ایک لشکر اس پر حکمرانی کرتا تھا۔

آیت ۳۰۔ان سے کچھ دور بہت سے سوروں کا غول چر رہا تھا۔

حضرت مرقس اور حضرت لوقا کہتے ہیں کہ "وہاں" چر رہا تھا۔ حضرت لوقا یہ بھی اضافہ کرتے ہیں کہ پہاڑ پر چر رہا تھا مگر حضرت متی کہتے ہیں کہ "بہت دور" یہ محاورہ ایسا ہے جس کے صحیح معنی تحقیق کرنا وقت کے موجودہ حالات پر منحصر ہوتا ہے یعنی جیسی حالت ہوتی ہے اس کے مطابق نذدیک یا دور کے معنے لئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک کمرہ میں دوشخص بیٹھے باتیں کررہے ہیں مگر چونکہ اسی کمرے میں ایک شخص بھی موجود ہے ۔ لہذا ان میں سے ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ ذرا آہستہ باتیں کرو ورنہ وہ سن لے گا۔ وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ نہیں وہ بہت دور ہے۔ حالانکہ وہ تینوں ایک ہی کمرہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ پس حضرت متی کے یہ الفاظ حضرت لوقا اور حضرت مرقس کی مخالفت نہیں کرتے ۔ توبھی وہ سور اتنے نذدیک بھی نہ تھے کہ ان دیوانوں کی آواز کو سن کر یا ان کی حرکات کو دیکھ کر کود پڑتے ۔ پس یہ کہنا کہ ان سوروں میں کوئی روح خارج سے داخل نہیں ہوئی تھی لہذا وہ یا تو اس سبب سے بھاگ گئے کہ یہ دیوانے ان کے درمیان جاگھسے تھے یا اسلئے کہ ان کی دیوانگی کے نعرے سن کر انہوں نے خوف کھایا درست نہیں ایسے اوہام فاسدہ کے لئے عبارت صفائی اورسادگی کوئی جگہ نہیں چھوڑتی۔

بڑا غول ۔ حضرت مرقس جو مفصل بیان کے لئے یکتا سے بتاتے ہیں کہ وہ شمار میں قریباً دوہزار تھے۔

آیت ۳۱۔پس بدروحوں نے ان کی (مسیح) منت کرکے کہا کہ اگر آپ ہم کو نکالتے ہیں تو ہمیں سوروؤں کے غول میں بھیجدیں۔

حضرت متی اس جگہ یہ نہیں کہتے کہ وہ بدورحیں دو تھیں۔اور کہ ان دونوں شخصوں میں ایک ایک پائی جاتی تھی۔ وہ تعداد کی نسبت کچھ نہیں کہتے ۔ لیکن حضرت مرقس اورحضرت لوقا بتاتے ہیں کہ اس شخص میں جس کا ذکر وہ کرتےہیں "تمن" یعنی لشکر تھا۔ رومیوں کا تمن یا لشکر ان ایام میں چھ ہزارمردوں سے مشتمل ہوتا تھا۔

دوسرے حواری یہ بھی بتاتے ہیں کہ ان بدروحوں نے ان کی منت کی کہ انہیں اتھاگڑھے میں نہ گرا ئے۔ اتھاہ گڑھے سے مراد دوزخ ہے۔ (انجیل شریف کتاب مکاشفہ ۹باب آیت ۱۱،باب ۲۰ آیت ۳) بدورحیں بھی نفع اورنقصان کو سمجھتی ہیں جس طرح کہ آدمی سمجھتا ہے ۔(لینگی)۔

آیت ۳۲۔ جناب مسیح نے ان سے فرمایا کہ جاؤ وہ نکل کر سورؤں کے اندرچلی گئیں۔ اوردیکھو سارا غول کڑاڑے پر سے جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا۔ اورپانی میں ڈوب مرا۔ مسیح نے ان سے فرمایا جاؤاکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا اس قدرمفید اور کارآمد مال کو برباد کرنا مناسب تھا؟اس کا جواب اکثر یہ دیا جاتا ہے کہ یہ سوریہودیوں کے تھے مگر شریعت کی رو سے یہودیوں کو جائز نہ تھا کہ سوررکھیں اورچونکہ ان کو فقیہوں نے منع کیا تھا ۔ مگر وہ شنوا نہ ہوئے۔ اس لئے ان کے سورضبط کئے گئے۔ لیکن اس سوال کا جواب کہ مسیح نے کیوں ان کو سورؤں میں گھسنے کی اجازت دی۔ ایک اور سوال کے وسیلہ اچھی طرح دیا جاسکتا ہے اوروہ یہ ہے کہ مسیح نے کیوں انہیں آدمیوں کے اندرگھسنے کی اجازت دی ؟یاد رہے کہ مسیح اپنی شاہانہ طاقت اوراختیار کے مطابق سب کام کرتے ہیں۔ اورجو سبق ہم ان سے سیکھتے ہیں وہ ایسا ضروری اورعظیم سبق ہے کہ اس کے سکھانے کے لئے اتنے مال کو تصدق کرنا غیرواجب نہ تھا۔ انسان سورسے زیادہ بزرگ اورزیادہ بیش قیمت ہے۔ پس اس کی جان بچانے کے لئے سورؤں کو برباد کرنا نقصان کا باعث نہ تھا۔ علاوہ بریں یہی واقع اس شخص کے لئے جس نے رہائی پائی تھی اورمعنوں میں مفید تھا ۔ سورؤں کی تباہی میں اس نے دیکھاکہ اب جہنم کی طاقتیں مجھے چھوڑگئی ہیں۔ پس یہی واقع اس کے لئے اس کی آزادی کی گویا ظاہری گواہی اورثبوت تھا۔ اورپھر نہ صرف اس کے لئے بلکہ تمام ملک کے لئے اس کا شفا پانا مفید تھا اوراگر مالکوں کے مال کے نقصان کا خیال کیا جائے۔ تو اس کا کیا جواب ہے کہ ہزاروں مریاں اورطوفان مواشی اورکھیتوں کو برباد کرجاتے ہیں۔

ان یہودیوں کے نقصان کو دیکھ کر آج کل بھی بہت لوگ بے چین ہورہے ہیں۔ اورجناب مسیح پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے غریب یہودیوں کا مفت میں اتنا نقصان کیا۔ ان میں سے ایک مرزا غلام احمد قادیانی ہے ۔ان کی مشکلات کو مسٹراکبرمسیح صاحب نے اچھی طرح حل کردیا ہے جن کے مضامین ترقی میں چھپتے رہے ہیں۔

پھر یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ کیوں ان بدروحوں نے سورؤں کے غول میں گھستے ہی ان کو برباد کرڈالا ؟ شائد انہوں نے اپنے کینے اورغصے سے ایسا کیاکہ سوروں کے مالک اپنا نقصان دیکھ کر مسیح سے مخالفت کریں اورانہیں اپنے ملک سے نکال دیں۔ جیساکہ انہوں نے بعد میں کیا۔ سور جو حیوان تھے اور پانی میں جانے سے بہت ڈرتے تھے۔ بدرحوں کے سبب سے پانی میں کود پڑے۔ اس سے پھر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بدروحوں کا آدمیوں میں داخل ہونا ایک حقیقی امر تھا نہ کہ مالیخولیا یا مرگی۔اس جگہ ایک اورسوال پیدا ہوتا ہے جو نہایت غور اور تشریح طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا روحانی زندگی حیوانی زندگی پر کچھ اثر کرسکتی ہے ؟خیال تو ایسا گذرتا ہے کہ حیوانی زندگی روحانی زندگی کو قبول کرنے کی سمائی نہیں رکھتی ہے کیونکہ اس کے حرکات کے اظہار کے لئے ضروری اعضا نہیں رکھتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ روحانی اوراخلاقی مخلوقات اورحیوانات مطلق میں بڑا فرق ہوتا ہے ۔تاہم یہ مشکل ایسی نہیں کہ جو حل نہ ہوسکے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایسا ہوہی نہیں سکتا وہ یہ مانتے ہیں کہ ادنیٰ درجہ کی بادشاہت یعنی حیوانات کی بادشاہت ایسے طورپر محدود ہے کہ اعلیٰ درجہ کی بادشاہت کی تاثیروں سے موثر نہیں ہوسکتی پر گہری تحقیقات اس خیال کے برخلاف ہے۔ اب جب یہ کہا جاتا ہے کہ روحانی زندگی کا اثر حیوانی زندگی پر پڑسکتا ہے تو یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دونوں طبقوں کی حد فاصل ٹوٹ جاتی ہے، بلکہ یہ کہ نیکی اوربدی دوقسم کی حالتوں کا اثر حیوانی طبقات پر پڑتا ہے نوشتے اسکی تصدیق کرتے ہیں کہ (توریت شریف کتاب پیدائش ۳باب آیت ۱۷اورانجیل شریف خطِ اہل رمیوں ۸باب ۱۸تا ۲۰)۔

آیت ۳۳،۳۴۔اوردیکھو سارا شہر مسیح سے ملنے آیااورآپ کو دیکھ کر منت کی کہ ان کی سرحدوں سے باہر تشریف لے جائیں۔

دیکھو۔کیونکہ شہر کا نکل آنا بھی ایک تعجب خیز واقعہ تھا۔ سارا شہر۔ ایک عام محاورہ ہے جو ہم ہمیشہ استعمال کرتے ہیں اگرچہ کسی قدر مبالغہ کی بو دیتا ہے ۔حضرت لوقا بتاتے ہیں کہ چرانے والوں نے جاکر نہ صرف بستی کے لوگوں کو بلکہ شہر کی نواحی میں خبردی چنانچہ شہراورآس پاس کے ملک کے لوگ بھی اس کے پاس آئے۔ حضرت مرقس بتاتے ہیں کہ دیہات میں بھی خبر دی گئی۔اور سب ان کے پاس آئے۔اوریہ دونوں حواری بتاتے ہیں کہ انہوں نے

اس شخص کو جس پر بدروحیں تھیں۔"کپڑا پہنے اور ہوشیار اور مسیح کے پاؤں کے پاس بیٹھا دیکھا۔ اور ڈر گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیوں ان لوگوں نے مسیح سے درخواست کی کہ ان کو چھوڑ کر چلا جائے۔ شاید کچھ تو اس لئے کہ اس وقت ان کے مال کا نقصان ہوگیا تھا۔ اور وہ ڈرتے تھے کہ اگر یہ شخص یہاں رہا تو شائد اور نقصان بھی ہوگا۔ اور کچھ اس لئے کہ اس کی الہٰی قدرت کا اظہار دیکھ کر اور اپنی گنہگاری کو پہچان کر انہوں نے کچھ اسی قسم کا خیال کیا جس طرح حضرت پطرس نے کیا تھا۔ یعنی انہوں نے اپنے کو اس پاک شخص کی قربت میں رہنے کے قابل نہ پایا۔ لیکن حضرت پطرس میں اوران میں فرق یہ تھا کہ ان کو زیادہ تر خیال نقصان کا تھا۔ وہ سوچتے تھے کہ اگر ایسا شخص ہمارے پاس رہا تو ہمارا نقصان ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ بڑے حلم سے جناب مسیح نے ان کی سرحدوں کو چھوڑا۔ تاہم وہ ان کے لئے اپنے پیچھے ایک عمدہ اور لائق استاد چھوڑ گئے۔ یعنی وہی شخص جس کو آپ نے شفا بخشی تھی۔ حضرت مرقس اور حضرت لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جو بدروحوں سے آزاد کیا گیا تھا چاہتا تھا کہ مسیح کے ساتھ رہے مگر جناب مسیح نے اسے فرمایا "اپنے گھر جاؤ اور پروردگار نے جو بڑے کام تمہارے ساتھ کئے اور جو رحم تم پر کیا اس کا بیان لوگوں سے کرو۔ اور وہ گیا اور ان بڑے کاموں کو مسیح نے اس کے ساتھ کئے تھے تمام شہر میں سنایا یہ شخص اس کی قدرت اور رحمت کا محکم ستون تھا جو ان کے درمیان قائم کیا گیا۔ حضرت مرقس بتاتے ہیں کہ دکپلس میں اس نے مسیح کا نام سنایا۔ مسیح نے اس جگہ کو پھر کچھ عرصے کے بعد دیکھا۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۱۵باب ۲۹آیت)۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔جس طرح شیطان اوربدورحیں مسیح کی پہلی آمد کے وقت چلائے اسی طرح ان کی دوسری آمد کے وقت چلائیں گے (انجیل شریف کتابِ مکاشفہ ۱۲باب ۱۲آیت)۔

۲۔حیوان اورانسان اوربدروحیں سب مسیح کے زیر فرمان ہیں۔

۳۔شیطانی طبعیت کا خاصہ ہے کہ جب وہ اوروں کو عذاب دینے سے روکی جاتی ہے تو اسے اپنا عذاب سمجھتی ہے۔کیا ہم اوروں کو ستاتے ہیں۔ یا ان کہ دکھ سے خوش ہوتےہیں؟پیار سے ناظر خوش ہونا تو بجائے خود اس سے غافل رہنا بھی معیوب ہے۔

۴۔روح کے نقصان کی مانند اورکوئی نقصان نہیں ہے۔ پس روح خواہ کیسی قیمت سے بچائی جائے ہم اسے گراں نہ سمجھیں۔

۵۔ہم یہاں سرگرمی کے ساتھ دعا مانگنے کی ایک مثال پاتے ہیں۔ تو بھی ہم اسے دعا نہیں کہہ سکتے ۔ اورپھرہم دیکھتے ہیں کہ جو چیز مانگی گئی وہ بھی دی گئی ۔ مگرباوجود اس درخواست اوراجابت کے ہم اس مانگنے کو وہ دعا نہیں کہہ سکتے ہیں۔ جسے خداوند پسند اور قبول فرماتا ہے۔ پس ہم ہوشیار رہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری دعائیں محض خود غرضی کی خواہشوں سے پیدا ہوں۔ اور ایک دینداراورپرمحبت اورپربھروسہ دل سے نہ نکلیں۔ آیت ۳۱۔

۶۔اکثرخدا کے بندوں کی دعا کا جواب نہیں ملتا ۔ پریہ انکاران کے لئے برکت کا باعث ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ بارہا شیطان (کتاب مقدس صحیفہ حضرت ایوب ۱باب ۱۱آیت)۔اور اس کے خادموں کی درخواستوں کا جواب ان کی مرضی کے مطابق دیا جاتا ہے ۔ مگریہ منظوری ان کے نقصان اورزیان کا باعث ہوتی ہے ۔

۷۔جسے مسیح نے بچایا ضرور ہے کہ وہ ان کے پاؤں کے پاس بیٹھے جواس کے بچائے ہوئے ہیں اوروہ کچھ نہیں چاہتے ۔ سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ رہیں۔ دیکھو اس شخص نے جو بدروح سے چھڑایا گیا ایسا ہی کیا۔

۸۔جناب مسیح کے بندے کئی خیالات کے سبب سے اس کے پاس رہتے ہیں۔ نمبر۱ وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں پھر اپنی پہلی بری حالت میں گرفتارنہ ہوجائیں۔ اس کی قربت میں رہائی ہے۔ نمبر۲شکرگذاری کے سبب سے نمبر۳اس کی خوبی کے جلال اورجمال کے سبب سے ۔

۱۰۔لیکن کئی موقعہ ایسے بھی ہوتے ہیں جب اس کی صحبت چھوڑکر میدان جنگ میں اترنا پڑتا ہے۔ دعا اورکام دونوں باتیں مسیحی زندگی کے لئے ضروری عنصر ہیں اس شخص کو حکم ملا کہ وہ اپنے وطن کے لوگوں کو خدا کے کاموں سے مطلع کرے ۔

۱۱۔بے دین دینداروں کی صحبت پسند نہیں کرتے وہ یہی چاہتے ہیں کہ وہ چلے جائیں ۔

۱۲۔مسیح یہاں ایک مناد چھوڑتے ہیں اوروہ وہی ہے جسے انہوں نے شفا بخشی تھی۔

۱۳۔جوکوئی دنیا کی چیزوں کوپیارکرتا ہے مسیح بہت دیرتک اس کے دل میں نہیں رہیں گے نہ صرف گدارا سے بلکہ دلوں سے بھی جاتے رہیں گے ۔

۱۴۔ خدا کی مہربانی صرف اس کی بظاہری مہربانیوں کے کاموں میں نہیں ہوتی بلکہ نقصانوں میں بھی ہوتی ہے۔

۱۵۔خدا نا شکروں کے پاس بھی منا د بھیجتا ہے ۔

۱۶۔مختلف موقعے اور صورتیں جن میں مسیح رد کئے گئے۔ (۱)ناصرت سے حسد کی وجہ سے (۲) گدارا کی وجہ خود غرضی اورکینہ ڈرتھا۔ (۳) سامریہ سے وجہ مجذوبیت (۵) گلیل سے وجہ مجذوبیت اورحکمت عملی ۔(۵)یروشلم سے وجہ سخت دلی۔

۱۷۔حضرت لوقابتاتے ہیں کہ مسیح نے اس کو جو بدروح سے رہا ہوا تھا یہ حکم کیاکہ جا اورخدا نے جو بڑے کام تجھ سے کئے ہیں۔ " سنا " اورپھرلکھا ہے کہ "وہ گیا " اوران بڑے کاموں کو جو مسیح نے اس کے ساتھ کئے تھے تمام شہرمیں سنایا " خدا کے بڑے کام مسیح کے بڑے کام ہیں۔ خدا میں اورمسیح میں کچھ فرق نہیں۔

جائیرس کی لڑکی کو زندہ کرنا

انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۹باب آیت ۱۸ و۱۹اور۲۳تا ۲۶، حضرت مرقس ۵باب آیت ۲۲تا ۲۴اور۳۵تا ۴۳ ،حضرت لوقا ۸باب آیت ۱۴تا ۴۲ اور۴۹ تا ۵۶تک)

حضرت مرقس اورحضرت لوقا اس معجزہ کو ایسے طورپربیان کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ اس وقت واقع ہوا جبکہ آپ (مسیح) نے گدارا کے ملک کو اس جگہ کے لوگوں کی درخواست کے مطابق چھوڑدیا۔لیکن حضرت متی اس واقعہ اوراس معجزے کے بیان کے درمیان کئی اورواقعات درج کرتے ہیں ۔ مثلاً مفلوج کو شفا بخشنا ، حضرت متی کو بلانا اور فریسیوں (یہودی علما کا ایک فرقہ) کے ساتھ بعض باتوں پر گفتگو کرنا ۔ لیکن تطبیق ودہندوں کی رائے کے مطابق صرف فریسیوں کے ساتھ باتیں کرنا اس معجزے کے پہلے واقع ہوا (انجیل شرف بہ مطابق حضرت متی ۹باب آیت ۱۰تا ۱۷)۔

انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۹باب آیت ۱۸۔اور وہ یعنی سیدنا مسیح ان سے یہ باتیں کہہ ہی رہے تھے ۔ان لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سردار نے عین اس وقت درخواست کی جبکہ آپ

حضرت یوحنااور فریسیوں کے شاگردوں سے باتیں کررہے تھے۔ (مقابلہ کریں آیت ۱۴کے ساتھ) پس یہ معجزات کفرناحوم میں واقعہ ہوئے۔

دیکھو ایک سردار نے آکر سجدہ کیا اور کہا کہ میری بیٹی ابھی مری ہے لیکن آپ چل کر اپنا ہاتھ اس پر رکھ دیں تو زندہ ہوجائے گی۔

ایک سردار نے آکر سجدہ کیا لفظ سرداراکیلا صاف مطلب بیان نہیں کرتا کیونکہ اس سے مراد سنہیڈرین (یہودیوں کی شرعی عدالت) کا ممبر بھی ہوسکتا ہے۔ جیساکہ نقودیمس یہودیوں کا سردار کہلاتا تھا۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا ۳باب آیت ۱) مگر حضرت مرقس بتاتے ہیں کہ وہ عبادت خانہ کے سرداروں میں سے ایک تھا۔ عبادتخانہ کے سردارعبادت کا اہتمام کیا کرتے تھے (انجیل شریف اعمالرُاسل ۱۳باب ۱۵آیت) اورلوگوں کے سوشل رشتوں اورچال چلن پربھی ان کا اثر پڑتا تھا۔ پس یہ شخص عزت والا آدمی تھا۔ حضرت لوقا اورحضرت مرقس بتاتے ہیں کہ اس کا نام جائیرس تھا۔ اوروہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ عبادت خانہ کا سردارتھا۔ اس میں شک نہیں تھا عبادت خانہ کفرناحوم کا تھا۔ جہاں اس وقت جناب مسیح موجود تھے۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۹باب ۱آیت) اورغالباً یہ سرداران لوگوں میں شامل تھا جو بعد میں صوبہ دار کی سفارش کے لئے مسیح کے پاس آئے ۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۷باب ۲۳آیت) حضرت متی شائد اس واسطے اس کا مفصل حال نہیں لکھتے کہ وہ صرف اصل واقعہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

انہیں (مسیح) سجدہ کیا۔ حضرت مرقس اورحضرت لوقا کہتے ہیں کہ وہ آپ کے قدموں پر گرا ۔ یہ گویا حددرجہ کا تعظیم کا اظہار تھا۔ واضح ہو کہ اس شخص کی تکلیف اسے مسیح کے پاس لائی ۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ ملازم کے بیٹے کے شفا یاب ہونے (انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۴باب ۳۱آیت تا ۴۲) اورمفلوج کے شفا پانے (انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۵باب آیت ۱۲تا۲۶)اورصوبہ کے لڑکے کے تندرست ہونے (انجیل شریف بہ مطاب حضرت لوقا ۷باب آیت ۱تا۱۰) کے واقعات نے جو کفرناحم میں سرزد ہوئے اس پرکچھ اثر پیدا نہ کیا۔ مگراب جبکہ خود ضرورت میں مبتلا ہوا تواس نے ان باتوں کو یاد کیا۔ اوردلیر ہوکر مسیح کے پاس آیا۔ اورآپ کے سامنے گرااورآپ کو اپنے دکھ سے آگاہ کیا۔

میری بیٹی ابھی مری ہے۔ حضرت مرقس بیان کرتے ہیں کہ اس نے یہ الفاظ بڑی منت اورسماجت کے ساتھ کہے۔ علاوہ بریں حضرت مرقس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکی ایک چھوٹی سی لڑکی تھی جو ابھی مری نہیں تھی بلکہ قریب المرگ تھی اور حضرت لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی اکلوتی بیٹی تھی ۔اورعمر میں بارہ برس کی تھی۔ ان باتوں کی تفصیل کا ظاہر کرنا حضرت لوقا کے پیشہ طبابت سے مناسبت رکھتا ہے۔ پھر یہ بات بھی غورطلب ہے کہ اس بیان میں دو دفعہ بارہ کا عدد مذکورہوا ہے۔ یہ لڑکی بارہ برس کی تھی اور ایک عورت کا خون بارہ برس سے جاری تھا۔ اگرکسی نے فریب دینے کو یہ معجزہ گھڑا ہوتا وہ ان دونوں معجزوں میں اس عددی مشابہت کو ہرگز نہ رہنے دیتا۔ حضرت مرقس کی طرح حضرت لوقا بھی یہی خبردیتے ہیں کہ لڑکی مری نہیں تھی پر مرنے پر تھی ۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۵باب آیت ۲۳اور حضرت لوقا ۸باب ۴۲آیت) اب حضرت متی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا سردار کہتا ہے کہ لڑکی مرگئی ہے پر حضرت مرقس اورحضرت لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابھی مری نہیں تھی۔ بلکہ قریب المرگ تھی۔ اورباقی بیان بھی حضرت مرقس اورحضرت لوقا کی تائید کرتا ہے۔ کیا ان دونوں بیانوں میں اختلاف نہیں ہے ؟نہیں ان میں اختلاف نہیں ہے ۔ کیونکہ جس وقت جائیرس نے اسے چھوڑا تھا وہ قریب المرگ تھی۔ اوروہ جانتا تھا کہ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ کام تمام ہوجائے گا ۔ پس جس وقت وہ مسیح کے ساتھ باتیں کرتا تھا اسے یہ خیال تھاکہ لڑکی شائد اب مرگئی ہوگی۔ مگر چونکہ پختہ طورپر نہیں جانتا تھاکہ وہ مرگئی ہے لہذا کبھی اسے مردہ اورکبھی قریب المرگ بناتا ہے ۔ اس معاملہ کو جو عین ہمارے دستوراورتجربہ کے مطابق ہے۔ اختلاف کہنا بڑے تعجب کی بات ہے وہ مضطرب حالت میں تھا۔ اوربولنے سے پہلے اپنے الفاظ کو میزان حقیقت میں تول نہیں سکتا تھا۔

لیکن چل کر اپنا ہاتھ اس پر رکھئیے،تو وہ زندہ ہوجائے گی۔شاید جائیرس خیال کرتا تھا کہ یہ ضروری امر ہے کہ مسیح آئیں اورلڑکی کے جسم کو چھوئیں۔ جیسا کہ اسی شہر کے بادشاہ کا ملازم خیال کرتا تھا۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا ۴باب آیت ۴۶تا۴۹) لیکن صوبہ دار زیادہ صحیح خیال کاآدمی تھا۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۸باب ۸آیت) اس کی دعا ایمان اور بے اعتقادی کا عجیب مرکب ہے۔ وہ خیال کرتا تھا کہ آپ کا جانا ہی

لڑکی کی شفا کے لئے ضروری ہے ۔ لیکن مسیح راستہ میں دیر لگاتے ہیں جس سے اس کی فکر اورتردد اوربھی دوبالا ہوجاتا ہے ۔

آیت نمبر ۱۹۔مسیح اٹھ کر اپنے شاگردوں سمیت اس کے پیچھے ہولئے ۔

حضرت مرقس اورحضرت لوقا بتاتے ہیں کہ نہ صرف آپ کے شاگرد بلکہ اورلوگ بھی آپ کے پیچھے ہولئے ۔ تاکہ دیکھیں کہ آپ کے جانے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ اس موقعہ پر ایک اورمعجزہ سرزد ہوا۔ یعنی اس عورت نے شفا پائی جس کے بارہ برس سے خون جاری تھا۔ لیکن اس معجزہ کا بیان علیحدہ کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ ایک علیحدہ واقعہ ہے گو اس کا تعلق ایک طرح اس سے بھی ہے کیونکہ اس سے اس سردارپر ایک عجیب اثر پیدا ہوتا ہے اس کی لڑکی قریب المرگ تھی اوراس کاایک ایک دم باپ کے لئے غنیمت تھا پس وہ چاہتا تھا کہ مسیح جلد جائیں اوراس کی لڑکی کو شفا بخشے۔ لیکن وہ تاخیر کرتے ہیں چنانچہ آپ ٹھہر جاتے ہیں اوراپنے شاگردوں سے یہ استفسار کرتے ہیں کہ مجھے کس نے چھوا اورپھر اس عورت سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ پس ان باتوں کے سبب خاصی دیر لگ جاتی ہے یہ دیر اس سردار کے ایمان کی آزمائش تھی لیکن وہ اس آزمائش میں پورا اترتا ہے کیونکہ دیر ہورہی ہے اور وہ صبر کرتا ہے ۔ اور مسیح کے وقت کا منتظر کھڑا ہے ۔ حضرت مرقس اور حضرت لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسیح اس عورت سے کلام کررہے تھے اس وقت اسے لڑکی کے مرجانے کی خبرپہنچی حضرت لوقا بیان کرتے ہیں کہ فقط ایک نوکرآیا۔ حضرت مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی لوگ اس کے پاس یہ خبر لائے۔اس بیان میں بھی اختلاف کو جگہ نہیں کیونکہ حضرت لوقا اس شخص کا ذکر کرتے ہیں جو خاص طورپر پیغام کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔ اورحضرت مرقس اس کے ساتھ اور لوگوں کوبھی شامل کردیتا ہے جو آپ ہی آپ اس خاص نوکر کے ساتھ چلے آئے تھے۔ بری خبر کے پہنچانے میں لوگ خودبخود شامل ہوجاتے ہیں انہوں نے آکر اس سے کہا "تیری بیٹی مرگئی" استاد کو کیوں تکلیف دیتا ہے "(انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۵باب آیت ۳۵وحضرت لوقا ۸باب آیت ۴۹) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے ۔کہ وہ اپنے خاندان کی صلاح اور رضا مندی سے آیا تھا (لینگی) اوریہ بھی ثابت ہوتاہے کہ گو وہ یہ ایمان تو رکھتے تھے کہ مسیح زندگی کے کمزور سے شعلہ کوبھی زوآوربنا سکتا ہے پر یہ ایمان نہیں رکھتے تھے کہ آپ میں یہ طاقت بھی ہے کہ بجھی ہوئی آگ کو پھر

روشن اورزندہ کریں۔پس اب ان کی امید ینقطع ہوگئی تھی ۔ اورباپ کی امید بھی جاتی رہتی اگر جناب مسیح ہمت بخش الفاظ سے اس کی طرف مخاطب نہ ہوتے ۔ اگر اس کا ایمان بھی جاتا رہتا تو معجزہ وقوع میں نہ آتا کیونکہ ایمان شرط ہے ۔ سو مسیح نے اس کے ایمان کو سنبھالا جب آپ نے یہ تسلی بخش الفاظ اس کے سامنے بیان فرمائے " خوف نہ کر صرف اعتقاد رکھ وہ بچ جائے گی " (انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۸باب آیت ۵۰) اورلکھا ہے کہ آپ نے یہ الفاظ نوکروں کا پیغام سنتے ہی کہے۔ حضرت لوقا کہتے ہیں" مسیح نے سن کر اسے جواب دیا" کہ خوف نہ کر" وغیرہ صحیح ترجمہ یہ ہے "جوں ہی مسیح نے سنا" کیونکہ یونانی الفاظ پر زور ہے ۔ حضرت مرقس کہتے ہیں کہ نوکروں نے جو بات کہی مسیح نے اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی ۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۵باب آیت ۳۶) مطلب یہ ہے کہ مسیح نے فوراً اس کے ایمان کو مضبوط کیا اوراس کے دل کو ڈھارس دی ۔

آیت نمبر ۲۳،۲۴اورجب مسیح سردار کے گھر میں تشریف لائے اوربانسلی بجانے والوں اوربھیڑ کو غل مچاتے دیکھا ۔ تو کہا ہٹ جاؤ کیونکہ لڑکی مری نہیں بلکہ سوتی ہے ۔ وہ آپ پر ہنسنے لگے۔یہ بیان گویا مشرقی دستورات کی ایک عکاسی ہے ۔ مرنے والے کی چارپائی کے اردگرد اس کے رشتہ داراوراحباب جمع ہیں۔ اورجونہی روح بدن سے جدا ہوتی ہے یونہی آہ بکا کا شوراورگریہ زاری کا غل شروع ہوجاتا ہے ۔اس اظہار غم میں مدد دینے کے لئے بعض بعض عورتیں اجرت پر بلائی جاتی ہیں اوربعض صاحب توفیق گویوں کو بھی بلاتے ہیں جو دل سوزمرثیہ گاتے ہیں۔ (کتاب مقدس حضرت یرمیاہ کا صحیفہ ۹باب ۱۷آیت ،۱۶باب ۶آیت ،صحیفہ حضرت حزقی ایل ۲۴باب ۱۷آیت ،حضرت عاموس ۵باب ۱۶آیت ،۲تورایخ ۳۵باب آیت ۲۵) سیاحوں نے آج کل بھی اس قسم کے دستورات کو مصر اورفلسطین میں مروج پایا ہے ۔

پس بانسلی بجانے والے اورغل مچانے والے وہ لوگ تھے جو اجرت لے کر ماتم اورغم کی رسومات کو ادا کیا کرتے تھے (پنجابی سیاپا اور جاجک اس کی نظیر میں ہیں) مسیح نے ان کو کہا ہٹ جاؤ اس لئے کہ اس موقع پر ان کی ضرورت نہ تھی ۔ وہ آگے چل کر افتاح کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۷باب آیت ۳۴) جب آپ نے یہ لفظ کہا تو اس کی روح پھر آئی اوروہ اسی دم اٹھی ۔ حضرت مرقس میں یہ ہے کہ چلنے پھرنے لگی (انجیل شر

یف بہ مطابق حضرت مرقس ۵باب آیت ۴۲) مسیح نے حکم دیا کہ اسے کھانے کو دو (انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۸باب آیت ۵۵)یہ حکم اس لئے دیا کہ اس کی طاقت بڑھے ۔ اورکوئی اشتباہ اس قسم کا نہ رہے کہ وہ زندہ نہیں ہوئی کوئی نہ سمجھے کہ وہ روح ہے (انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۲۴باب آیت ۴۱وحضرت یوحنا ۲۱باب آیت ۵،اعمالراسل ۱۰باب آیت ۴۱) زندگی کے مالک مسیح ہیں اورزندگی آپ سے آتی ہے مگر فضل کے وسائل اس زندگی کو مضبوط کرتے ہیں ۔ حضرت لوقا میں یہ حکم بھی ہے کہ یہ ماجرا کسی سے بیان نہ کیا جائے ۔

آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا ۔ مردہ لاش کو چھونا ،کوڑھی کو چھونے یا خون والی عورت کو ہاتھ لگانے کی مانند شریعت کے رو سے اعلیٰ درجہ کی ناپاکی کا باعث سمجھا جاتا تھا ۔ لیکن مسیح بجائے اس کہ ان کو چھوکر ناپاک ہوں ان کو پاک کرتے ہیں۔

دیکھو خون بہتی ہوئی عورت سے ظاہری اقرار طلب کیا گیا ۔ مگر جائیرس کو تاکید کی گئی کہ کسی سے معجزے کا ذکر نہ کرے۔پر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس معجزے کا بالکل بیان نہ کیا جائے بلکہ یہ کی فوالفور ہرکس وناکس کے سامنے عام طورپر چرچا نہ کیا جائے ۔ کیونکہ اگرکیا جاتا تو ان معجزوں کے وسیلے جو علی التواتر وقوع میں آرہے تھے بڑی تحریک پیدا ہوتی۔

اس موقع پر اس بات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو زندہ کرنے کے معجزوں میں آنخداوند مسیح کی قدرت زیادہ ظاہر ہوئی ۔کیونکہ مردوں کو زندہ کرنا ایسا اظہار قوت اعجاز کا ہے کہ اس میں کسی طرح کاشک وشبہ نہیں رہتا۔ بیماری اور صحت میں تو ایک قسم کا نیچرل تعلق پایا جاتا ہے ۔یعنی اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بیماری کے بعص صحت آتی ہے اورطوفان کے بعد امن کی حالت نمودار ہوتی ہے ۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ اگر جناب مسیح اپنے معجزے سے طوفان کو بند نہ کرتے تو فطرت خود بخود کچھ عرصہ کے بعد اس کو تھمادیتی ۔ لیکن موت اورزندگی نیستی اور ہستی میں کوئی ایسا نیچرل رشتہ نہیں پایا جاتا ۔پس مردوں سے زندہ کرنا ایسا کام تھا جو اورمعجزوں کی نسبت زیادہ نیچر کے انتظام سے برتر تھا اوریہی سبب ہے کہ ان معجزوں پر دشمنوں نے زیادہ حملے کئے ہیں۔

دوسری بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ مردوں میں سے زندہ کرنے کے سب معجزے ایک ہی قسم کے نہ تھے بلکہ طرح طرح کے تھے۔

اوران سے مسیح کی قدرت کے مختلف درجے ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً جس وقت یہ معجزہ سرزد ہوا اس وقت روح تن سے ابھی جدا ہوئی تھی جب بیوہ کا لڑکا زندہ کیا گیا اس وقت روح کو بدن سے پرواز کئے زیادہ وقت گزرگیا تھا۔ اورجب لعاذرزندہ کیا گیا اس وقت چاردن گزر گئے تھے۔ مسیح موت کے ہر درجہ میں ہم کو جلا سکتے ہیں۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔جائیرس اوربیمارعورت کے ایمان کا مقابلہ بڑا نصیحت خیز سبق ہے ۔ جائیرس بڑی دلیری سے آتا ہے اور بظاہر اس کا ایمان بڑا مضبوط معلوم ہوتا ہے ۔ مگر درحقیقت کمزورعورت ڈرتی ہوئی آتی ہے۔ مگر اس کا ایمان بہت مضبوط ہے ۔ کلیسیا میں بہت لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جن کا ایمان یا توجائیرس کے ایمان کی مانند یا اس بیمارعورت کے ایمان کی مانند ہوتا ہے۔

۲۔ان دونوں معجزوں کا ذکر ایک ہی بیان میں منسلک ہے ان معجزوں کی صداقت پر دال ہے کیونکہ کوئی فریبی ان معجزوں کو اس طرح آپس میں نہ ملاتا۔

۳۔لعاذر کے جلائے جانے کے ساتھ مقابلہ ۔ مسیح اس موقعہ پر بھی یعنی لعاذرکی بیماری کے وقت بھی مدد پہنچانے میں دیر کرتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں موت کو آنے کی مہلت دیتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں موت کو نیند سے تشبیہ دیتا ہے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی تین اناجیل کامسیح حضرت یوحنا کی انجیل کے مسیح سے مختلف نہیں ہے۔

۴۔غمزدہ باپ کے لئے مسیح سب پناہ گاہوں سے بڑی اورمحفوظ پناہ گا ہے ۔

۵۔مسیح ایمان کی کاملیت کونہیں بلکہ اس کی سچائی کو دیکھتے ہیں۔

۶۔خوف مت کھا صرف اعتقاد رکھ۔ یہ بات جو اس سے مطلب کی جاتی ہے (۱) حیرت انگیز ہے کیونکہ لڑکی مرچکی ہے تاہم مسیح کہتے ہیں خوف مت کھا۔ (۲) مگر واجب ہے (۳) ممکن ہے ۔ (۴) فائدہ بخش ہے۔

۷۔پانچ اورباتیں سیکھتے ہیں۔ (۱)منت کرنے والا کا ایمان قبول کیا جاتا ہے ۔ (۲)سرگرم ایمان کی آزمائش کی جاتی ہے ۔ (۳)کمزورایمان کی تقویت کی جاتی ہے ۔ (۴)محکم ایمان پر کامیابی کا تاج رکھا جاتا ہے ۔ (۵)شکر گزارایمان کامل کیا جاتا ہےاوران سب برکتوں کا بانی مسیح ہے ۔

۸۔سونا، موت کا نمونہ ہے (۱)پہلے تکان آتی ہے (۲)پھر آرام آتا ہے ۔(۳)پھر بیداری آتی ہے ۔جس طرح مسیح جسمانی موت سے زندہ کرتے ہیں اسی طرح وہ روحانی موت سے زندہ اورغفلت کی نیند سے بیدارکرتا ہے۔

۹۔مسیح زندوں اورمردوں کا بادشاہ ہے۔

۱۰۔لوگ مسیح اوران کے شاگردوں پر ہنسی کرتے ہیں۔ لیکن ان کی ہنسی مسیحیوں کو اچھے کاموں سے نہ روکے ۔ دیکھو یہاں لوگوں کی ہنسی سے مسیح زندہ کرنے کے اچھے کام سے نہ رکے۔

۱۱۔ان مصیبت زدوں کی حالت سے پولس تعلیم کی صداقت ظاہر ہوتی ہے (انجیل شریف خطِ اہل رومیوں ۵باب ۳آیت)

۱۲۔دیکھو مسیح کی رزاقی کوئی بات نہیں بھولتی خواہ وہ کیسی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو۔آپ نے اس لڑکی کو زندہ کرنے کے بعد اس بات کو بھی یاد رکھا کہ اسے کھانے کی ضرورت ہوگی ۔ مسیح نہ صرف بڑے بڑے کام وفرائض ادا کرتے ہیں بلکہ چھوٹے کاموں کو بھی نہیں بھولتے ۔

بارہ برس کی بیمار عورت کو شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۹باب ۲۰ تا ۲۲آیت ،حضرت مرقس ۵باب ۲۵تا ۳۴آیت ،حضرت لوقا ۸باب ۴۳تا ۴۸آیت)

ہم نے پچھلے معجزہ کے مطالعہ میں دیکھا کہ اس عورت کا بیان ان تینوں بیانات میں جو پہلی تین انجیلوں میں پائے جاتے ہیں گندھا ہوا ہے ، حضرت مرقس اورحضرت لوقا کا بیان مفصل پایا جاتا ہے ۔ اورحضرت متی میں اختصار کے ساتھ۔ مگر تینوں بیانوں کے ملانے سے کل حال معلوم ہوجاتا ہے ۔ جب جناب مسیح جائیرس کے یہاں اس کی لڑکی کو زندہ کرنے جارہے تھے اس وقت راستے میں یہ معجزہ سرزد ہوا۔

ہم نے دیکھا کہ جب وہ جائیرس کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو لوگ یہ دیکھ کر کہ مسیح اس کی مردہ یا مرنے والی لڑکی کو شفا بخشنے چلے ہیں توآپ کے پیچھے ہولئے اورآپ پر گرے پڑتے تھے اس وقت ایک عورت نے پیچھے سے آکر آپ کی پوشاک کا کنارہ چھوا۔ (انجیل شرف بہ مطابق حضرت متی ۹باب ۲۰آیت)۔

حضرت مرقس کہتے ہیں کہ پیچھے سے آکر (۱)شائد اس لئے کہ وہ آپ سے ڈرتی تھی۔(۲) یا اس لئے کہ بیماری کے سبب اسے شرم کھاتی

تھی۔ او ریہ خیال دامنگیر تھاکہ اگر ظاہر ہوگئی تو مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ (۳)یا شائد یہ سوچتی تھی کہ میری بیماری اوروں کو ناپاک کردے گی اورلوگ مجھے دیکھ کر جھڑکیں گے اور غصے ہوں گے ۔ (توریت شریف احبار۱۵باب ۲۵آیت)۔حضرت مرقس اس کا اس طرح بیان کرتے ہیں۔

انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۵باب ۲۵تا ۲۶ آیت
پھر ایک عورت جس کے بارہ برس سے خون جاری تھا۔ اور اس نے حکیموں سے بڑی تکلیف اٹھائی تھی اوراپنا سب مال خرچ کرکے کچھ فائدہ نہ پایا تھا بلکہ زیادہ بیمار ہوگئی تھی۔

بارہ برس تک اس عورت نے حکیموں کا علاج کیا۔مگر بجائے فائدہ کے اس کا مرض اوربڑھتا گیا۔ اوراس علاج معالجہ میں جو کچھ اس کے پاس تھا وہ سب صرف ہوگیا اوراب غریبی اورافلاس کی حالت میں مبتلا تھی۔ اس کا سب مال ضائع ہوگیا۔ مگرمرض کوکچھ فائدہ نہ ہوا۔ ایک مسیحی عالم کے خیال کے مطابق ظاہرہوتا ہے کہ یہ لعاذرکی بہن مارتھا تھی۔ایک اورروایت یہ کہتی ہے کہ وہ ویرونیکا تھی۔

حضرت متی ۹باب ۲۱آیت وہ اپنے جی میں کہتی تھی کہ اگرصرف اس (مسیح) کی پوشاک چھولونگی تو اچھی ہوجاؤں گی ۔ جیسا ہم اوپر بیان کرآئے ہیں کہ حضرت مرقس بتاتے ہیں کہ یہ عورت "مسیح کا حال سن کربھیڑمیں آپ کے پیچھے سے آئی " اورآپ کی پوشاک کو چھوا اس عورت کا ایمان غورطلب ہے ۔ اس کا وہ ایمان جس کی وجہ سے اس نے مسیح کی پوشاک کا کنارہ چھوا سچا ایمان تھا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ مسیح نے کہا کہ " تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا۔ " (انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۹باب ۲۲آیت) تاہم اس کی قدرت کی شفا بخش تاثیرکی نسبت جو خیال اس کے دل میں تھا اس میں کسی قدر غلطی بھی مشتمل تھی وہ یہ جانتی تھی کہ مسیح تو اپنی پاک مرضی کی قدرت سے صحت اور شفا بخشتے ہیں۔ برعکس اس کے وہ یہ سوچتی تھی کہ شائد اس کے جسم میں اورنیز اس جگہ جہاں وہ کھڑے ہوتے ہیں کچھ ایسی جادوبھری تاثیرپائی جاتی ہے کہ اگرمیں ان کا دامن چھولوں تو اچھی ہوجاؤں گی۔ دوسری بات غورطلب یہ ہے کہ ہم یہ خیال نہ کریں کہ اس نے اس کا دامن اس لئے چھوا کہ اس کے بدن کو نہیں چھوسکتی تھی۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اس دامن کو خاص قدرت کا مصدر تصورکرتی تھی۔ یہودیوں کے دامن میں نیلی

مغزی لگی ہوئی ہوتی تھی اوروہ خدا کے خاص حکم سے لگائی جاتی تھی۔ اورمقصد اس کا یہ تھا کہ یہودیوں کو یاد دلا ئے کہ وہ خدا کے بندے ہیں او راس کے احکام کا بجالانا ان پر فرض ہے (توریت شریف کتاب گنتی ۱۵باب ۳۷تا ۴۰ آیت اورکتاب استشنا ء ۲۲باب ۱۲آیت)۔اب یہ بات بڑی عزت کا باعث سمجھی جاتی تھی اورجو لوگ چاہتے تھے کہ دیندار کہلائیں وہ اس دامن کو بڑا چوڑا بنایا کرتے تھے۔ (دیکھو فریسیوں کا حال انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۲۳باب ۵آیت)۔ گو اس عورت کا ایمان ایک طرح ناکامل تھا تاہم سچا تھا۔ اوراسی لئے وہ اس کی مایوسی کا باعث نہ ہوا بلکہ اس کے لئے وہ برکت لایا جس برکت کی وہ متلاشی تھی۔

شفا بخش معجزوں کی یہ خاصیت تھی کہ شفا دینے اورشفا پانے والے میں کسی نہ کسی طرح کا تعلق یا اتصال یا ربط پایا جائے خواہ وہ کیسا ہی خفیف کیوں نہ ہو۔ مثلاً حضرت پطرس کا سایہ (انجیل شریف اعمالرسل ۵باب ۱۵آیت)حضرت پولوس کا رومال (اعمالرسل ۱۹باب۱۲آیت)۔

۲۲آیت مسیح نے پھر کر ۔۔۔ پس وہ اسی گھڑی اچھی ہوگئی۔ حضرت مرقس بتاتے ہیں کہ اس کا خون فوراً بند ہوگیا اور اس نے اپنے بدن میں معلوم کیا کہ میں نے ا س آفت سے شفا پائی جس برکت کی وہ جویاں تھی وہ (۱)اس کو مل گئی(۲) فوراً مل گئی (۳)کامل طورپر مل گئی (۴) اس نے جان لیا کہ مجھ کو مل گئی ۔حضرت مرقس اس موقعہ پریہ خبردیتے ہیں کہ "مسیح نے فوراً اپنے میں معلوم کرکے مجھ میں سے قوت نکلی ۔ اس بھیڑمیں پھرکر کہاکس نے میری پوشاک چھوئی (انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۵باب ۳۰آیت)۔ بادی النظرمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال یہ عورت اس ک شفا بخش قدرت کی نسبت رکھتی تھی وہ صحیح تھا۔ یعنی یہ کہ بغیر ارادہ اس میں سے قدرت نکلتی تھی۔ لیکن ہم یہ نہیں مان سکتے کہ اس کی قدرت کا یہ خروج اس کی مرضی کی اجازت کے بغیرواقع ہوا تھا۔ کیونکہ جیسا اورموقع پرہوا ویسا ہی اس موقعہ پر بھی ہوا۔ دوسرے موقع کے بارہ میں لکھا ہے کہ لوگ ان کو چھونے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ قدرت آپ میں سے نکلتی اورسب کو شفا بخشتی تھی ۔ (انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۶باب ۱۹آیت)۔مگر اس موقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ جانتا تھا کہ قدرت مجھ سے نکلتی ہے اگرہم یہ مان لیں کہ قدرت خود بخود اس سے نکلتی تھی اوربیماروں کو شفا بخشتی تھی حالانکہ وہ ان کی

روحانی حالت سے واقف نہ تھے تو ہم ان اخلاقی مطالب کو کھود یں گے جو سب باتوں سے زیادہ ضروری ہے ۔

کس نے میری پوشاک چھوئی ۔ لوگ اس سوال کو دلیل کے طور پر پیش کرکے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گویا یہ شفا بے اس کے جانے وجود میں آئی ۔ اورنیز یہ مطلب نکالتے ہیں کہ وہ اس شخص کو جس نے اس کا دامن چھوا نہیں جانتا تھا۔ کیونکہ اگر جانتا تھا توکیوں ایسا سوال کرتا اوراگر جان بوجھ کر اس نے یہ سوال کیا تو یہ صداقت کے خلاف تھا؟اس کا جواب یہ ہے ۔

۱۔کہ وہ جو نتھانی ایل کو اپنی عالم الغیبی سے دیکھ سکتا تھا اوراس بات کا محتاج نہ تھا کہ کوئی اس کو آدمی کا حل بتائے کیونکہ خود جانتا تھاکہ انسان میں کیا ہے ۔ ممکن نہیں کہ اس عورت اوراس کے احوال سے ناواقف ہو۔

۲۔اور یہ سوال کہ " اگر وہ جانتا تھا کہ مجھے کس نے چھوا تو اس نے کیوں یہ سوال کیا" لا جواب نہیں ہے۔ہم کہتے ہیں کہ اس نے اس لئے یہ سوال کیا اسے ایک عمدہ مطلب مدنظر تھا۔ اوروہ اس عورت کے سارے قصے سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ اگر اس کا شفا پانا مخفی رہتا اوروہ برملا اقرار نہ کرتی کہ اس نے مسیح کے طفیل سے صحت پائی ہے تو یہ شفا اس کے لئے اوراس کی روحانی زندگی کے لئے ایسی مفید نہ ہوتی جیسی اب ہوئی۔ جبکہ اس نے برملا اس کے سامنے کانپتے اور ڈرتے ہوئے آکر اوراس کے پاؤں پر گرکر اقرارکیا۔ اگر وہ چپ رہتی تو یہ باطل خیال لوگوں کے درمیان مروج ہوتاکہ بغیر اس کے جانے اور ارادہ کرنے کے خود بخود اس کے جسم سے شفا دینے والی طاقت برآمد ہوتی ہے۔ پس اس نے اس لئے یہ سوال کیا کہ اس سے اقرار کرائے تاکہ اس کا باطل خیال دوراوراس کا ایمان مضبوط کیا جائے اورشکر گزاری کی روح بڑھائی جائے۔

۳۔پھر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسیح کا ایسا ظاہر کرنا کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے کس نے چھوا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ کس نے چھوا ہے صداقت کے خلاف ہے ۔ ہماری رائے میں یہ اعتراض بھی وقعت کے لائق نہیں۔ اگر باپ اپنے بچوں میں سے کسی کو قصورکرتے دیکھ کر چپ رہے اوربچے سے پوچھے کہ یہ کام کس نے کیا ہے اوراس کی غرض اس سے یہ ہوکہ اس کے منہ سے قصورکا اقرارکرائے توکون اس باپ کو یہ کہے گا کہ اس نے صداقت کے خلاف کام کیا ہے ؟کیا خدا نے صداقت کے خلاف کام کیا جب اس نے آدم سے پوچھا "تو کہاں ہے ؟"یا حضرت الیشع جھوٹ بولے جب انہوں نے ججازی سے

سوال کیا" اے حجازی تو کہاں سے آیا ہے ؟"(بائبل مقدس ۲سلاطین ۵باب ۲۵آیت)۔حالانکہ اس کا دل تمام راستے میں اس کے ساتھ رہا " اب ان دونوں حالتوں میں ایک اخلاقی غرض پائی جاتی تھی۔ جس کے سبب سے یہ سوال کئے گئے تھے اوروہ یہ کہ قصورآدم اورحجازی کرچکتے تھے مگراس کا اقرارکیا جاتا اوروہ پچھتاتے توان کا قصورمعاف کیا جاتا۔ مگرانہوں نے اس موقع کوکھودیا لیکن اس عورت نے جس کا قصوربہت ہی خفیف تھا موقع کو نہ کھویا اس کو فضل عطا کیا گیا کہ وہ اس موقعہ کوکام میں لائے۔

(وہ تمام تفسیریں جو یہ ظاہرکرتی ہیں کہ اس عورت کا چھپنا اس کے ایمان کی خوبی پر دلالت کرتا ہے اورکہ اس نے یہ کام اس واسطے چھپ کرکیاکہ وہ اپنی تعریف کروانا نہیں چاہتی تھی بے بنیاد ہیں)۔ لیکن اس سوال سے کئی پرمطلب اورپرمعنی خیالات پیدا ہوتے ہیں ۔ مثلاًایک یہ کہ صرف اسی نے ایمان کے ہاتھ سے چھوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت لوگ مسیح پرگرے پڑتے تھے اوراس کے ساتھ مس بھی پیدا کرتے تھے مگران کوکچھ فائدہ نہ ہوا۔ جس کا مس وہ شئے نہیں جس کی ضرورت ہم کو ہے ۔ بلکہ ہمارا ایمان وہ شئے ہے جو ہمیں حقیقی طورپر مسیح سے ملاتا ہے ۔ اسی سے مسیح کی قدرت اور ہماری ضرورت میں ربط پیدا ہوتا ہے۔ کلیسیا میں بھی بہت لوگ مسیح پرگرے پڑتے ہیں نام اوررسوم کے وسیلے اس کے نزدیک آتے ہیں۔لیکن یہ اتصال خارجی ہے وہ ایمان سے نہیں آتے اوراس لئے زندگی اورحقیقی شفا بھی نہیں پاتے ہیں۔

یاد رہے کہ قدرت کا نکلنا برقی روکی مانند نہیں تھا۔ کہ خواہ وہ چاہتے یا نہ چاہتے ۔ یہ قدرت ضروران سے برآمد ہوتی ۔کوئی قدرت ان سے نہیں نکلتی جب تک وہ نہیں چاہتے کہ نکلے۔ مگروہ ہمیشہ مدد کرنے کے لئے تیارہیں۔ اورجہاں کہیں ان کو ایما ن اوربھروسہ دکھائی دیتا ہے وہاں مدد کرنے کوتیارہیں اوریہ بات کہ مسیح خداوند سے قدرت نکلتی ہے حیران کرنے والی بات نہیں ہے ۔ جس طرح روح پاک باپ (پروردگار) سے نکلتی ہے اسی طرح یہ قدرت مسیح سے برآمد ہوتی ہے (انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا ۱۵باب آیت ۲۶)۔

انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۵باب ۳۱آیت ۔ان (مسیح) کے شاگردوں نے آپ سے کہا آپ دیکھتے ہیں کہ بھیڑآپ پرگری پڑتی ہے پرآپ کہتےہیں کہ مجھے کس نے چھوا؟حضرت لوقا بتاتے ہیں کہ جب لوگ انکارکرنے لگے تب حضرت پطرس اورآپ کے دیگرساتھیوں نے یہ بات کہی اوروہ یہ

بھی بتاتے ہیں کہ مسیح نے یہ سن کرپھر کہاکہ کسی نے مجھے چھوا ہے ؟کیونکہ قوت مجھ سے نکلی ہے ۔ حضرت پطرس کا یہ جواب عین اس عادت اورطبعیت کے موافق تھا۔ وہ ابھی تک یہ خیال کرتا ہے کہ شائد کسی نے اتفاقیہ طورپر اس کو چھولیا ہے۔ وہ ابھی ایمان کے مس کو اتفاقی اورظاہری مس سے اختیارنہیں کرسکتا ۔ دیکھو ممکن ہے کہ کئی ایسے شاگرد جوہر وقت مسیح کے ساتھ رہتے ہیں وہ ظاہری اورباطنی ۔رسمی اورایمانی مس میں امتیازنہ کریں۔

مسیح نے چاروں طرف نگاہ کی تاکہ جس نے یہ کام کیا تھا اسے دیکھے (انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۵باب ۳۲)حضرت متی ان تمام باتوں کی نسبت خاموش ہے۔ وہ صرف اتنا بتاتے ہیں کہ مسیح نے اس عورت سے جبکہ وہ ظاہرہوگئی کیا کہا ۔

وہ عورت یہ جان کرکہ مجھ پرکیا اثرہوا ڈرتی کانپتی آئی اورمسیح کے آگے گرپڑی اورسارا سچا حال ان سے کہہ دیا (انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۵باب ۳۳آیت)۔

حضرت لوقا بتاتے ہیں کہ جب اس عورت نے دیکھا کہ میں چھپ نہیں سکتی تواس نے اقرارکیا ۔ اس نے دیکھا کہ اس کا انکارجس میں وہ اوروں کے ساتھ شریک تھی اس کو چھپا نہیں سکتا ۔ اس نے محسوس کیاکہ میں اس کی نگاہ کی برداشت نہیں کرسکتی اورنہ اس سے بچ سکتی ہوں ۔ کیونکہ حضرت مرقس بتاتے ہیں کہ اس نے چاروں طرف نگاہ کی "تاکہ جس نے اسے چھوا اسے ۔غالباً اس کی آنکھ اس پر جا ٹکی اوراس نے معلوم کیاکہ مسیح نے مجھے پہچان لیا ہے اوراب اس سے چھپنا نا ممکن ہے ۔ لہذا اس نے ساری سرگزشت کا علانیہ اقرارکیا ۔

دیکھو وہ کس طرح آتی ہے ۔ ڈرتی اورکانپتی ہوئی اوراس کے پاؤں پرگر پڑتی ہے اورمسیح کو بتاتی ہے کہ کس طرح آئی اورکس طرح اس کو چھوا اورکیونکر شفا پائی ۔ ایک دیندار بزرگ اس سے عمدہ مطلب نکالتے ہیں ۔وہ اس عجیب طریق کا جس سے جناب مسیح دنیاوی برکتوں سے روحانی برکتوں تک پہنچاتے ہیں ذکر کرتے ہیں۔ اگر وہ چھوڑدی جاتی کہ خفیہ طورپر چلی جائے تونیم برکت لے کرجاتی ۔ وہ شرم کے مارے اقرارنہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر جناب مسیح اس کو خاموش رہنے کی اجازت نہیں دیتے ۔گو اپنی مہربانی اورہمدردی سے جہاں تک ممکن ہے اس کی شرمندگی کی کاوش سے بھی بچاتا ہے ۔ چنانچہ وہ اس کا حال شفا کے پہلے نہیں بلکہ اس کے بعد ظاہرہونے دیتا ہے اوراقرارکے تنگ راستہ میں اس کی مدد کرتا اوربڑی نرمی سے

اس سے اقرار کرواتے ہیں کہ پر اس اقرار سے اسے بھی بری نہیں کرتے کیونکہ اس پر اس کی نئی زندگی میں پیدا ہونا منحصر تھا۔

بیٹی تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا ہے سلامت جا اور اس آفت سے بچی رہ ۔(انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۵باب ۳۴آیت)

اور اب وہ اسے اپنی فضل آمیز آواز کے ساتھ رخصت کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا۔ سلامت جا اس جگہ ہم پر ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان اوربرکت مطلوبہ میں کیا تعلق ہے ۔ مسیح فرماتے ہیں تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا۔ مگر یاد رہے کہ ایمان اچھا کرنے والا نہ تھا۔ اچھا کرنے والا مسیح تھا ۔ جیسا ہم کہتے ہیں کہ ایمان سے راست باز ٹھیرتے ہیں۔ حالانکہ راست باز ٹھہرانے والا مسیح اوراس کا کام ہے۔ پس ایمان وسیلہ ہے۔ وہ روح کا دہنا ہاتھ ہے جو خدا کی برکتوں کولیتا ہے۔

سلامت جا۔ اوراس آفت سے بچی رہ یونانی میں ہے "سلامتی میں جا" او راپنی آفت سے بچی رہ ۔ ا س کا صرف یہی مطلب نہیں کہ خدا کی برکتوں سے ساتھ جا۔ بلکہ یہ کہ آگے کو اپنی زندگی سلامتی میں بسر کر ۔ سلامتی میں رہا کر۔

اس معجزے سے علامتی معنی بھی نکالے گئے ہیں۔ مثلاً عورت کی بیماری سے گناہ کے خون کا بہتا مراد لی گئی ہے۔او رحکیموں سے مراد فیلوسف اور دنیا کے دانا لئے گئے ہیں۔ کہ ان کی ادویات یعنی ان کے طریقے اور فلسفہ اس خون کو جو انسان کے دل سے جاری ہے بند نہ کرسکے ۔ اور کہ مسیح کے دامن کو چھونا اس کے مجسم ہونے پر ایمان لانا ہے ۔ کیونکہ وہ اپنے تجسم کے وسیلہ انسان سے مس پید کرتا ہے ۔ اوراس سے وہ شفا فوراً پیدا ہوتی ہے جسے اورتمام ادویات پیدا نہیں کرسکتی ہیں۔ اوراگر ہم اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ کس طرح اس کی ناپاکی اس کو مسیح سے دور رکھتی تھی ۔تو ہم یہ جان لیں گے کہ اسی طرح گناہگار اپنی گناہ گاری کی غلاظت کے سبب ڈرتا ہوا فضل کے تخت کے نذدیک آتا ہے کیونکہ نہیں جانتا کہ وہاں کیا سلوک اس کے ساتھ کیا جائے گا۔ مگر جب وہاں آتا ہے تو قبول کیا جاتا ہے اوراس کے شکوک رفع ہوتے اورتسلی بخش کلام کے ساتھ اس کی ہمت بڑھائی جاتی ہے ۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔مسیح زیادہ تر ایمان کی کثرت اور زور کی طرف چنداں نگاہ نہیں کرتے ۔ وہ بیش تر اس کی سچائی کو دیکھتے ہیں۔

۲۔مسیح ہماری چھپی ہوئی بیماریوں کے حکیم ہے ۔

۳۔بہت لوگ مسیح کے ارد گرد موجود ہیں اوراس پر گرے پڑتے ہیں پرجوایمان سے چھوتے ہیں بہت تھوڑے ہیں۔

۴۔چھپا ہوا ایمان ظاہر ہونا چاہیے ۔ پروردگار کے جلال کے لئے ۔ اپنے ثبوت کے لئے ،اوروں کی ہمت اورتسلی کے لئے ۔

۵۔جناب مسیح کے مزاج کی مضبوطی اورمتانت قابل غور ہے ۔ لوگ گرے پڑتے ہیں اوروہ صبرکرتے ہیں۔ ان کے مزاج میں کدورت نہیں آتی ۔ شاگرد اس کی بات کاٹتے ہیں۔ تاہم ان کے مزاج میں فتور نہیں آتا ۔ عورت گھبراتی ہے مگر وہ اس کی گھبراہٹ سے خود نہیں گھبراتے ۔

۶۔جناب مسیح دلوں کا جانچنے والا ہے اورہم کوئی ایسا کام نہیں کرسکتے جو اس سے چھپا رہے ۔

دو اندھوں کی آنکھوں کو بینا کرنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۹باب ۲۷تا ۳۱آیت)

اس معجزے میں دو داندھوں کی آنکھوں کو روشن کرنے کا بیان پایا جاتا ہے ۔ اوریہ اپنی قسم کے معجزات کے درمیان پہلا معجزہ ہے۔ سیدنا مسیح نے کئی اندھوں کو بینائی دی (حضرت متی ۱۲باب ۲۲و۳۰آیت ،حضرت یوحنا ۹باب)پھر اسی قسم کے کئی اورمعجزوں کا اشارہ بھی پایا جاتا ہے ۔ مسیحی عالم ٹرنچ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مشرقی ممالك میں مغربي ممالك کی نسبت یہ بیماری زیادہ پائی جاتی ہے ۔ اوراس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں گرد زیادہ ہوتی ہے اورلوگ رات کو اوس میں سوتے اور اندھیرے گھروں سے چمکتی ہوئی روشنی میں یك بیك باہر نکل آتے ہیں۔ اوران کے سرکا لباس ایسا ہوتا ہے جو ان کو سورج کی گرمی سے نہیں بچاتا ۔ چونکہ یہ ہماری مشرق میں زیادہ ہوتی ہے اس لئے اندھوں کے لئے خاص قسم کے قواعد بیان کئے گئے ہیں (توریت شریف کتابِ احبار۱۹باب ۱۴آیت ،کتابِ استشنا ۲۷باب ۱۸آیت)۔

حضرت متی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا یہ معجزہ فوراً یائیرس کی بیٹی کے زندہ ہونے کے بعد وقوع میں آیا ۔اور جیروم صاحب ا سکی تائید کرتے ہیں۔ توبھی ہم اس بات پر بہت زور نہیں دے سکتے ۔ یہ معجزہ صرف حضرت میں پایا جاتا ہے ۔

جب جنابِ مسیح وہاں سے آگے روانہ ہوئے تو دو اندھے آپ کے پیچھے چلا چلا کر کہنے لگے اے ابن داؤد ہم پر ترس کھائیے۔

ابن داؤد مجھ پر رحم کریں۔ ابن داؤد ہم پر رحم کریں۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو مسیح سمجھتے تھے۔ اوراگر یہ پوچھا جائے کہ جس حال اورلوگ اس کو مسیح نہیں جانتے تھے انہوں نے کیونکر جان لیا کہ وہ مسیح موعود ہے ۔ اسکا یہ جواب ہے کہ اس زمانہ میں اسی طرح کا فرق پایا جاتا ہے ؟بعض اس کو مسیح جانتے ہیں اوربعض نہیں جانتے ہیں۔ پس جیسا اب ہے ویسا ہی اس وقت بھی تھا ۔"ہم پر رحم کریں"یا ہم پر ترس کھا ۔ دونو خیال ان کے الفاظ میں شامل ہیں۔رحمت سے مراد مہربانی ہے جو خدا ہم پر بلا استحقاق سابقہ نازل فرماتا ہے ۔ اورترس کھانے سے وہ اظہار ہمدردی مراد ہے جو بعض موقعوں پر ہمارے ابنائے جنس کی دردناک حالت ہم سے طلب کرتی ہے ۔ یہاں شائد دوسرا خیال زیادہ موزون ہے ۔

جب وہ گھر میں پہنچیں تو وہ اندھے انکے پاس آئے۔ اور جنابِ مسیح نے ان سے فرمایا کیا تم اعتقاد رکھتے ہو کہ میں یہ کرسکتا ہوں؟انہوں نے اس سے کہا ہاں مولا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جنابِ مسیح نے ان کی پہلی عرض پر ان کی درخواست قبول نہیں کی۔بلکہ ان کے ایمان کی آزمائش کچھ کچھ اسی طورپر کی جس طور کنعانی عورت کی کی۔ گو ان کی آزمائش اس درجہ تک شدید نہ تھی۔اس نے پہلے ان کی درخواست کی طرف توجہ نہ کی ۔بلکہ ان کو چلانے دیا اورآپ آگے آگے بڑھتا گیا ۔ مگر جب وہ پکارتے پکارتے آپ کے پیچھے اس گھر میں داخل ہوگئے جہاں وہ خود داخل ہوئے۔تو ان کی صداقت اور سرگرمی پور طورپر ثابت ہوگئی اورجنابِ مسیح نے ان کو برکت دی ۔اوردیر سے ان کے ایمان کو تقویت پہنچی۔ گھر شائد حضرت متی کا (آیت ۳۲)یا حضرت پطرس کا (حضرت متی ۸باب ۱۴آیت)یا شائد کسی اورکا ہوگا جہاں جنابِ مسیح عموماً رہا کرتے تھے۔(حضرت متی ۱۳باب ۱و۳۶آیت ،اور۱۷باب ۲۵آیت)۔

آیت نمبر ۲۹۔تب آپ نے ان کی آنکھیں چھوکر کہا ۔ تمہارے اعتقاد کے موافق تمہارے لئے ہو۔

غالباً یہی ایک موقعہ ہے جہاں آپ نے اندھوں کی آنکھ کوچھوکر چنگاکیا۔ دوسری جگہ ہم اس کو وسائل استعمال کرتے دیکھتے ہیں۔ مثلاً مٹی کو تھوک سے گوندھ کر (انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا ۹باب ۶تا ۷آیت)یا صرف اپنی تھوک ہی کو کام میں لاتا تھا۔ اس نے کسی جگہ صرف کہنے سے کسی کی آنکھیں نہیں کھولیں۔ گو ایسا کرنا ان کے لئے مشکل نہ تھا۔ ہاتھ سے چھونا محبت کا کام تھا۔ تمہارے اعتقاد کے موافق تمہارے لئے ہو۔ یہ الفاظ بھی ہم کو وہ گہرا رشتہ دکھاتے ہیں جو ایمان اورخدا کی بخشش میں پایا جاتا ہے ۔ایمان ہربرکت کے حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ جس کے وسیلے خدا کی رحمت کے دریا سے آب حیات نکالا جاتا ہے۔

آیت نمبر ۳۰ ۔اوران کی آنکھیں کھل گئیں اورجناب ِمسیح نے انہیں تاکید کرکے کہا ۔خبردارکوئی اس بات کو نہ جانے ۔

ہمیں یہ معلوم نہیں کہ جسمانی آنکھوں کے ساتھ ان کی روحانی آنکھیں بھی روشن ہوئیں یا نہیں۔ اورجناب مسیح نے انہیں تاکید کرکے کہا ۔ خبردارکوئی اس بات کو نہ جانے ۔ جس لفظ کا ترجمہ "تاکید کرکے کہا "کیا گیا ہے وہ عجیب لفظ ہے۔ اس کے لفظی معنی "غرانے کے ہیں "مگر وہ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ مثلاً دھمکیوں سے حکم دینا ، بڑی تاکید سے کسی بات کا حکم کرنا۔ جیسا یہاں مراد ہے۔غل مچاتے ہوئے غصہ ہونا(انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۱۴باب ۵آیت) روح میں کراہنا جیسا کہ جناب ِمسیح نے لعزرکی قبرپر کیا۔ (حضرت یوحنا ۱۱باب ۳۳تا ۳۸آیت)مطلب جنابِ مسیح کا یہ ہوگا کہ اگرتم اس کا ذکرکروگے تو میں بہت ناخوش ہونگا۔ اوراس بات کو خفیہ رکھنے کا سبب یہ تھا وہ جناب ِمسیح کو "مسیح "کہہ کہہ کرپکاررہے تھے۔ اوراس سے لوگوں میں تحریک اور مخالفت کے پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔ مگرباوجود اس تاکید کے انہوں نے آپ کا حکم توڑڈالا۔

آیت نمبر۳۱۔مگرانہوں نے نکل کر اس تمام علاقہ میں آپ (سیدنامسیح)کی شہرت پھیلادی۔بعض اشخاص نے خصوصاً رومن کیتھولک لوگوں نے ان دوشخصوں کی نافرمانی کے لئے عذرپیش کئے ہیں اور کہا ہے کہ ایسا کرنا ان کے لئے نیچرل تھا۔ اورکہ انہوں نے غالباً اس لئے ایسا کیا کہ ان (سیدنا مسیح) کی بزرگی اورجلال ظاہر

ہو۔ تاہم یہ ان کا قصور تھا۔ جس طرح ایک سادہ اور بے عذر اور پر محبت فرمانبرداری اس کو خوش کرتی ہے اور کوئی بات نہیں کرتی۔

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔ہم مرض اور ہم آزار اشخاص کو ہم آواز ہوکردعا مانگنی چاہیئے۔یہ دو اندھے مل کر دعا مانگتے تھے ۔

۲۔جنابِ مسیح ہمارے ایمان کی مضبوطی اورثابت قدمی کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔

۳۔سیدنا مسیح ہر مرض کے حکیم ہیں۔ ان کی قدرت میں کبھی زوال نہیں آتا۔

۴۔اندھوں کاایمان ہمارا نمونہ ہے۔ان کا ایمان ضرورت کے احساس سے پیدا ہوا۔وہ بے بنیاد نہ تھا بلکہ ایک شخص "ابن داؤد" پر تھا۔ جس کی نسبت وہ فیصلہ کرچکے تھے کہ وہ ہماری آنکھوں کو روشن کرے گا۔ وہ ایمان اس کی قدرت کے کافی اور وافی ہونے کو پہنچاتا تھا۔ ان کا ایمان اس قوت کو لیتا اوراپنے کام میں لاتا ہے۔

۵۔ان کی دعا ،سادہ ،سرگرم ،پراسرار،متحدہ ،پر مطلب ،پرتعظیم تھی۔

۶۔جنابِ مسیح کاایک سوال ۔ کیا تم اعتقاد رکھتے ہو؟ ہزاروں دعائیں کی جاتی ہیں۔ کوئی اس بات کی شکایت نہیں کرسکتا کہ ہمارے گرجوں اورمٹینگوں میں دعائیں نہیں کی جاتی ہیں۔ شکائت اس بات کی ہے کہ وہ دعائیں جواب نہیں لاتی ہیں۔اوراس کا سبب یہ ہے کہ جنابِ مسیح کے سوال کا سچا جواب نہیں دیا جاتا۔ وہ پوچھتا ہے کیا تم اعتقاد رکھتے ہو؟کیا ہم اسے یہ جواب دیتے ہیں۔ اے مالک ہم اعتقاد رکھتے ہیں۔

۷۔ہمارا اعتقاد خدا کی برکتوں کی سمائی کا پیمانہ ہے۔

۸۔اگر جنابِ مسیح ہمیں خاموش ہونے کو کہے تو ہمیں خاموش رہنا چاہیے۔اورجب وہ بولنے کو کہے تو بولنا چاہیئے۔کیونکہ اسے فرمانبرداری پسند ہے۔"حکم ماننا قربانی سے بہتر ہے ۔"

جھولے کے مارے ہوئے کو شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۹باب ۱تا ۸آیت ،حضرت مرقس ۲ باب ۱تا ۱۲آیت ،حضرت لوقا ۵باب ۱۷تا ۲۶آیت)

یہ معجزہ اس وقت واقع ہوا جبکہ جنابِ مسیح کفرناحوم میں تعلیم دے رہے تھے۔اس موقعہ پر حضرت لوقا ہمیں بتلاتے ہیں کہ فریسی اورشرع کےمعلم جو گلیل کے گاؤں اوریہودیہ اوریروشلیم سے آئے تھے بیٹھے آپ کا کلام سن رہے تھے۔ ان لوگوں کے سبب اورلوگ بھی کثرت سے جمع ہوگئے تھے۔یہاں تک کہ گھر کو جو راستے آتے تھے اورازدحام کے سبب بند ہوگئے تھے۔ چنانچہ حضرت مرقس کہتے ہیں کہ "اتنے آدمی جمع ہوگئے کہ دروازہ کے پاس بھی جگہ نہ رہی "پس مسیح تک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ نہ تھا۔(حضرت متی ۱۲باب ۴۶تا ۴۷آیت)حضرت متی اس واقعہ کا صرف مختصر سا حال تحریر کرتے ہیں۔ لیکن حضرت مرقس اورحضرت لوقا مفصل بیان کرتے ہیں۔

آیت نمبر۱۔اوردیکھو لوگ ایک مفلوج کو جو چارپائی پر پڑا تھا ان (سیدنا مسیح)کے پاس لائے۔حضرت لوقا یہ بھی بتاتے ہیں کہ "پروردگار کی قدرت شفا بخشنے کو جنابِ مسیح کے ساتھ موجود تھی۔ حضرت مرقس کہتے ہیں کہ چارآدمی اسے اٹھا کر لائے۔مگر جب بھیڑ کے سبب سے نزدیک نہ آسکے تو انہوں نے اس چھت کو جہاں آپ تھے کھول دیا۔ اوراسے ادھیڑکراس چارپائی کو جس پر مفلوج لیٹا تھا لٹکادیا ۔"حضرت لوقا بیان کرتے ہیں کہ "جب انہوں نے بھیڑ کے سبب اندرلیجانے کی راہ نہ پائی تو کوٹھے پر چڑھ کر کھپریل میں سے کھٹولا لٹکا کراس کو بیچ میں سیدنا مسیح کے سامنے رکھ دیا"۔

اس بیان میں کئی باتیں غورطلب ہیں اول یہ کہ چارپائی ایسی نہ تھی جیسی ہندوستان میں استعمال کی جاتی ہے۔ پس جسے کھٹولا کہا ہے وہ چیزایک قسم کا گدا یا چٹائی تھی جو سونے کے لئے استعمال کی جاتی تھی اورزمین پربچھائی جاتی تھی۔ یا ممکن ہے کہ انہوں نے اس وقت کوئی لکڑی کا تختہ استعمال کیا ہو اوراس پر اسے رکھ کر لائے ہوں۔ غرضیکہ یہ چیز جسے انہوں نے نیچے لٹکایا ہندوستانی تخت یا چارپائی کی طرح نہ تھی ۔ دوسری بات وجہ طلب یہ ہے کہ انہوں نے کس طرح چھت کو پھاڑا ۔ اوراس مفلوج کو لٹکایا۔ اول یہ یاد رہے کہ کوٹھے کی چھت پر جانا مشکل نہ تھا کیونکہ ان مکانوں میں عموماً

سیڑھیاں باہر کی طرف لگی ہوئی ہوتی تھیں۔ دوم چھت اینٹوں کی بنی ہوئی تھی اوراسے اکھیڑنا مشکل نہ تھا۔ حضرت مرقس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں دوکام ان کو پڑے ۔ اینٹیں اکھیڑنی پڑیں ۔کچھ مٹی اٹھانی پڑی اوراس قسم کا کام فلسطین میں غیر معمولی نہ تھا۔ ایک مسیحی عالم ٹامسن صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں یعنی چھت میں چھید کرنا وغیرہ معمولی باتیں ہیں جو ملک فلسطین میں واقع ہوتی رہتی ہیں۔اوراگر کوئی پوچھے کہ اگریہ معمولی بات تھی تو یہاں اس کا ذکر کیوں کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہا ں اس کا ذکر اس واسطے نہیں کیا گیا کہ وہ ایک عجیب کام تھا۔ بلکہ اس واسطے کہ ان لوگوں کی پھرتی اورتیزی ظاہر ہو جو ان کے ایمان سے پیدا ہوئی تھی۔ بہت مفسروں کی رائے یہ ہے کہ یہ مکان غالباً بالا خانہ تھا جو عموماً تمام مکان کے رقبہ کی وسعت کے برابر ہوتا تھا۔ (ٹرنچ کیمبرج کامنٹری مرقس ولوقا)پس یہاں لوگ بآسانی سیدنا مسیح کے سننے کو جمع ہوسکتے تھے ۔ کئی اورتشریحیں پیش کی گئی ہیں جن کا ذکر ٹرنچ صاحب اپنی کتاب میں کرتے ہیں۔ مثلاًیہ کہ جس جگہ سے وہ لٹکایا گیا وہ ایک جھروکا تھا جسے انہوں نے توڑ پھوڑ کر زیادہ فراخ کر لیا تھا (بائبل مقدس کتاب ۲سلاطین ۱باب ۲آیت) کہ وہ صحن میں بیٹھا ہوا تھا جس کے ارگرد مشرقی طرز کے مطابق گھر بنے ہوئے ہوتے تھے۔ اورجھولے کے مارے ہوئے کو چھت پر سے اس صحن میں لٹکایا اورجومکان توڑا گیا وہ صرف "آڑکی دیوار تھی " جو (توریت شریف کتاب ِ استشنا ۲۲باب ۸آیت)کے مطابق یہودیوں کے گھروں کی چھتوں پربنی ہوئی ہوتی تھی۔ اوربعض کا خیال ہے کہ سائبان لگا ہوا تھا اسے توڑدیا۔ لیکن حضرت مرقس کی عبارت ایسی صاف ہے کہ اس قسم کے قیاسوں کی جگہ نہیں رہتی ۔ وہاں صاف چھت کھولنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ پس پہلی شرح زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے ۔

آیت نمبر ۲۔جنابِ مسیح نے ان کا ایمان دیکھ کر مفلوج سے کہا ۔ اے بیٹے خاطر جمع رکھ تیرے گناہ معاف ہوئے ۔

ان کا ایمان۔ اس میں البتہ مفلوج کا ایمان بھی شامل ہے ۔ کیونکہ گناہوں کی معافی کے واسطے ایمان کا ہونا لابدی امر ہے ۔اوراگراس میں ایمان نہ ہوتا تو وہ گناہوں کی مغفرت حاصل نہ کرتا ۔ ان کا وہ ایمان جس نے مسیح کی توجہ اپنی طرف کھینچی اس بات سے ظاہر ہوا کہ وہ رکاوٹوں پر غالب آیا اورمشکلات سے پست ہمت نہ ہوا۔ اورسیدنا مسیح جو انسان کی ہرضرورت کی طرف دھیان کرتے ہیں ان

کی غیر معمولی مداخلت سے جو اس کے کام میں خلل انداز ہوئی خفا نہیں ہوئے۔ بلکہ اس مریض سے بڑی التفات اور تلطف سے متکلم ہوا۔

اے بیٹے خاطر جمع رکھ۔ان الفا ظ سے مریض کی ہمت بڑھا ئی گئی ۔ اور جنابِ مسیح کی محبت اور ہمدردی ظاہر ہوئی۔ وہ بھی خون بہنے والی عورت کی طرح جسے مسیح نے بیٹی کہہ کر پکارا تھا لیپالک ہونے کے رشتہ میں داخل ہوتا ہے۔

تیرے گناہ معاف ہوئے۔ فعل ماضی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو گناہوں کی معافی کی امید یا خوش خبری نہیں دی گئی بلکہ اس کے گناہ معاف کئے گئے ۔ بعض نے اس کو فعل حال مانا ہے جس کے مطابق ترجمہ یہ ہوگا تیرے گناہ معاف ہورہے ہیں ۔ یونا نی عبارت کے قرینے سے تاکید لفظ معاف ہونے پر ہے ۔ اغلب ہے کہ اس مفلوج کی بیماری کسی بد عادت سے پیدا ہوئی ہوگی۔ عیاشی اور گناہ آلودہ زندگی سے اکثر کئی قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس آدمی کے ساتھ اس شخص کی حالت کو مقابلہ کرنا چاہیئے جس کاذکر حضرت یوحنا ۵باب میں آتا ہے جسے بیت حسدا کے حوض پر مسیح نے شفا بخشی ۔ اسے جنابِ مسیح نے کہا " دیکھ تو تندرست ہوگیا ہے پھر گناہ نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ تجھ پھر اس سے بھی زیادہ آفت آئے ۔" نا ممکن نہیں کہ اس مفلوج کا دل اس گناہ کی یاد میں جس کا نتیجہ اور سزا وہ اپنی بیماری کو سمجھتا تھا نا امید اور شکستہ ہورہا تھا۔سو مسیح کے الفاظ جو اوروں کے لئے حیرت کا سبب تھے اس کے لئے نہایت موزون اور تسلی کا باعث تھے۔ او ریہ بھی ممکن ہے کہ یہ بیماری اس کے کسی خاص گناہ کا نتیجہ نہ ہو۔ مگر اس کی مردہ ضمیر کو زندہ یا بیدار کرنے کا باعث ہوئی ہو تنبیہ ۔ گو بعض گناہوں کے ارتکاب سے مہلک بیماریاں لاحق ہوجاتی ہیں ۔ تاہم ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمام بیماریاں اور نقصان گناہوں کی سزا ہوتے ہیں مسیح نے ہمیں اس راز سے آگاہ کردیا۔(حضرت یوحنا ۹باب ۳آیت ،حضرت لوقا ۱۳باب ۲آیت)۔

ٹرنچ صاحب کا خیال ہے کہ وہ اس وقت اپنے گناہ کو سوچ رہا تھا۔ اور ضرور اس کے بشرے سے اس کی شکستہ دلی کے آثار ہویدا ہونگے ۔ یا کوئی دو دفغاں سے بھر ہوا گرم گرم نالہ اس کے تائب دل سے برآمد ہوا ہوگا۔ جس کے سبب سے یہ الفاظ مسیح کی زبان حقائق ترجمان سے نکلے۔ وہ اس امر کی طرف بھی ہمیں متوجہ کرتے ہیں کہ دیگر مریضوں کی حالتوں میں معافی کا اظہار شفا کے بعد ہوا ہے ۔ جیسا کہ

بیت حسدا کے بیمار کو شفا بخشنے کی حالت میں دیکھا جاتا ہے۔ مگر یہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ گناہ کی بخشش کا یقین پہلے دلا یا جاتا اور اس کے بعد اس کو بیماری سے صحت عطا کی جاتی ہے اور اس کا سبب وہ یہ بتاتے ہیں کہ اس کی بیماری اور گناہ میں ایسا گہرا تعلق تھا کہ اگر پہلے مغفرت کی تسلی بخش آواز اس کے کان میں نہ آتی تو وہ جسمانی صحت کی برکت کو قبول نہ کرسکتا۔

آیت نمبر ۳۔اور دیکھو بعض فقہیوں (یہودی علما) نے اپنے دل میں کہا یہ کفر بکتا ہے۔

فقہیہ وہ لوگ تھے جنہیں حضرت لوقا شرع کے معلم کہتے ہیں جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں۔ وہ جگہ جگہ سے یہاں حاضر ہوئے تھے۔ پس یہاں نکتہ چینوں کی ایک جماعت موجود تھی ۔ اور ان میں سے ان شرع کے معلموں نے جنابِ مسیح کے یہ الفاظ سن کر اپنے دل میں فتوئے کفر لگانا شروع کئے ۔ حضرت لوقا اور حضرت مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوچتے تھے کہ "سوائے خدا کے اور کوئی گناہ معاف نہیں کرسکتا"۔

یونانی میں جو لفظ کفر کے لئے آیا ہے اس کے معنی کسی سے بے ادبی سے بولنے یا ضرر رسانی کی نیت سے کسی کی بابت کچھ کہنے یا کسی کی بدنامی کرنے کے ہیں۔ (خطِ اہل رومیوں ۳باب ۲۸آیت ،خط اول حضرت پطرس ۴باب ۴آیت ،خط طیطس ۳باب ۲آیت میں آیا ہے ۔مگر بعد میں جو کچھ خدا کی شان کے خلاف کہا جاتا تھا وہ کفر کہلاتا تھا ۔ یہاں فقیہہ اس واسطے آپ پر کفر کا الزام لگاتے ہیں کہ آپ اس قدرت اور اختیار کا دعویٰ کرتے ہیں جو خدا کے ساتھ خاص ہے۔ گناہ کو معاف کرنا خدا کا حق ہے۔ انسان گناہ معاف نہیں کرتا کیونکہ انسان کا گناہ نہیں کیا جاتا۔ گناہ خدا کا کیا جاتا ہے ۔ ٹرنچ صاحب کا یہ خیال نہایت درست ہے کہ جس اصول پر انہوں نے یہ فتویٰ لگایا وہ بالکل صحیح ہے ۔ کیونکہ انسان گناہوں کی معافی کا بغیر کفر میں مبتلا ہوئے دعوےٰ نہیں کرسکتا مگر ان کی غلطی اس بات میں تھی کہ وہ اس اصول کو اس پر چسپاں کرتے ہیں جو اس فتویٰ کے لائق نہ تھا۔ اگرچہ وہ اس وقت اپنے تیئں ابن آدم کہتا ہے ۔مگر یہ ابن آدم وہی ہے جو اپنے تیئں خدا کا بیٹا بھی کہتا ہے۔ اگر مسیح انسان سے بڑھ کر نہ تھے اگر ان میں الوہیت نہ تھی تو وہ کسی طرح اس فتوےٰ سے بچ نہیں سکتے۔ جواب اکثر یہ دیا جاتا ہے کہ وہ اس اختیار کا دعویٰ کرتے ہیں جو انہیں دیا گیا تھا۔ لہذا وہ اسی اختیار کے موافق گناہوں کو معاف کرتے تھے ۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ اختیار ایسا ہے جو

خدا کے ساتھ خاص ہے اور انسان کو نہیں دیا جاسکتا۔ انسان سے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اے شخص مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ تجھے خبردوں کی تیرے گناہ خدا نے معاف کردئیے ہیں۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ تیرے گناہ معاف کرنے کا مجھے اختیار ہے ۔ایک مسفر کہتا ہے کہ وہ جس نے یہ کلمات استعمال کئے اگر پروردگار کا محبوب نہ تھا یعنی خدائیت کے تمام حقوق میں اس کا شریک نہ تھا تو اس نے ضرور کفر بکا جیسا کہ ان لوگوں نے اس کے کلام کی نسبت خیال کیا۔

آیت نمبر ۴۔مسیح نے انکے خیال معلوم کرکے کہا تم کیوں اپنے دلوں میں برے خیال لاتے ہو۔

لفظی ترجمہ سے انکے خیال دیکھ کر کہا۔ مفلوج اوراس کے مدد گار وں کا ایمان ان کے کاموں سے دیکھا گیا ۔مگر جن خیالات نے ابھی لفظی لباس پہن کر اپنے تئیں ظاہر نہ کیا تھا ان کے جاننے کے لئے انسانی علم سے زیادہ علم کی ضرورت تھی (حضرت لوقا ۶باب ۸تا ۹آیت حضرت مرقس ۱۲باب ۱۵آیت ،حضرت یوحنا ۲باب ۲۴آیت ۴باب ۲۹آیت)۔حضرت مرقس بتاتے ہیں کہ "فوراً مسیح نے اپنی روح سے معلوم کرکے وہ اپنے دلوں میں ایسا سوچتے ہیں۔ ان سے کہا تم کیوں اپنے دلوں میں ایسا سوچتے ہو۔" اپنی روح سے معلوم کرکے یہ الفاظ ضرورت کے بغیر داخل نہیں کئے گئے۔اسکا علم یہاں روح سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس نے ان کے خیالات ان پر ظاہر کئے اور ایسا کرکے پہلے ان کو یہ جتایا کہ جو کچھ تم مجھے سمجھتے ہو میں اس سے بڑھ کر ہوں۔ کیونکہ دل کے خیالات میرے سامنے کھلے اور روشن ہیں۔ اور اس کے ساتھ یہی بھی یاد دلا کہ فقط خدا ہی دلوں کو جانچتا ہے (بائبل مقدس ۱سموئیل ۱۶باب ۷آیت ،۱تواریخ ۲۸باب ۹آیت ،۲تواریخ ۶باب ۱۳آیت ،یرمیاہ ۱۷باب ۱۰آیت)پس وہ جس کی نسبت یہہ کہا جاسکتا ہے وہ دل کے خیالوں اورارادوں کو جانتا ہے (خطِ عبرانیوں ۴باب ۱۲آیت) کیونکہ وہ الہٰی کلمہ ہے۔ جناب مسیح انہیں کہتے ہیں۔"تم کیوں اپنے دلوں میں برے خیال لاتے ہو۔"ان لفظوں سے بخوبی ظاہر ہے کہ اس پر کفر کا الزام لگانا بجا خود کفر بکنا ہے ۔ نیز ان الفاظ سے ایک قسم کی شکائت ٹپکتی ہے ۔ یایوں کہیں کہ وہ شکائت کرتا ہے تم جومجھ پر خدائی دعوے کے سبب کفر گوئی کا الزام لگاتے ہو براکرتے ہو۔

آیت نمبر ۵۔آسان کیا ہے کہ یہ کہنا کہ تیرے گناہ معاف ہوئے یا یہ کہنا کہ اٹھ اورچل پھر۔

ہر کوئی بآسانی کہہ سکتا ہے ۔"تیرے گناہ معاف ہوئے"مگر اس بات کا ثبوت نہیں دے سکتا کہ میں ایسا کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہوں۔کیونکہ کوئی شخص اپنے کلام کی قدرت سے کسی مفلوج کو اٹھنے اور پھرنے کی طاقت نہیں دے سکتا ۔ گناہوں کا معاف کرنا بڑا مشکل کام ہے ۔ مگر چونکہ اس کا ثبوت اس دنیا میں نہیں بلکہ آسمان میں ملے گا۔ اس لئے جو چاہے سو گناہوں کے معاف کرنے کا دعویٰ کرسکتا ہے۔مگر فالج کو دورکرنا ایسا کام ہے جس کا ثبوت اسی دنیا میں طلب کیا جاتا ہے۔ اورکوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا "اٹھ اورچل پھر" جب تک کہ چلنے اورپھرنے کی طاقت دینے پر قادرنہ ہو۔ پس جناب۔ مسیح کا مطلب یہ ہے کہ جوکچھ میں ا س مفلوج کے اٹھنے اورچلنے پھرنے کے بارے میں کہتا ہوں تم اس کی سچائی دیکھ کر یہ نتیجہ نکالو کہ جو مفلوج کو شفا بخشنے کی قدرت رکھتا ہے وہ اپنے دعوے کے مطابق گناہوں کے معاف کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے مقابلہ گناہ معاف کرنے اورمفلوج کو شفا بخشنے میں نہیں ہے۔ مقابلہ دعوے میں ہے ۔ یعنی معاف کرنے کا دعویٰ آسان ہے یا مفلوج کو شفا بخشنے کا دعوےٰ کرنا (ٹرنچ اورکیمبرج سیریز تفسیر مرقس) آج کل لوگ اکثر کہا کرتے ہیں کہ مسیح لوگوں کو قائل کرنے کے لئے معجزوں پر تکیہ نہیں کیا کرتے تھے ۔لیکن یہاں وہ بڑی وضاحت سے اپنے معجزوں کی طرف اشارہ کرتے اوراس سے ظاہر کرتے ہیں کہ معجزات آپ کی تعلیم کی صداقت کو قائم کرنے کے وسائل ہیں۔

آیت نمبر۱۰۔لیکن تاکہ تم جان لو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے (سیدنا مسیح نے اس مفلوج سے کہا) اٹھ کر اپنی چارپائی اٹھا اوراپنے گھر چلا جا۔

ابن آدم اس لفظ کا اطلاق عام طورپر ہر انسان پر ہوسکتا ہے ۔ (بائبل مقدس صحیفہ حضرت ایوب ۲۵باب ۶آیت)۔اور ایک خاص معنی میں پرانے عہد میں ۹۰ مرتبہ حزقی ایل کے حق میں کہا گیا ہے ۔ لیکن اس نے خود کبھی اس کو اپنے حق میں استعمال نہیں کیا۔ نئے عہد نامہ میں لفظ کو ۸۰مرتبہ سے زیادہ مسیح نے استعمال کیا ہے ۔ اورہر مرتبہ اس نام کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے ۔ سوائے ان مقامات کے کہ جن میں آپ کی سرفرازی کا ذکر آتا ہے (اعماالرسل ۷باب ۵۶آیت،کتاب۔مکاشفہ ۱باب ۱۳تا۱۴آیت)مسیح کا یہ خاص لقب دانی ایل ۷باب ۱۳آیت سے لیا گیا ہے ۔وہاں "یہ لفظ انسان کی پستی پر دلالت کرتا ہے ۔ "اورنتیجہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ جناب۔ مسیح ان لفظوں کو اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ اس سے یہ

صداقت ظاہر ہو کہ چونکہ اس نے ہمارا جسم اختیار کیا ہے اس لئے خدا نے اس کو بہت سرفراز کیا (خط ِفلپیوں ۲باب ۵تا۱۱آیت)۔جب تک جنابِ مسیح دنیا میں رہے آپ نے اور کوئی لقب اس کثرت اور خوشی سے استعمال نہ کیا جیسا یہ لقب۔وہ محدود معنی میں کسی آدمی کے بیٹے نہ تھے بلکہ عام اور وسیع معنی میں ابن آدم تھے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جو ازل سے خدا کا بیٹا تھا اس دنیا میں ابن آدم بن کر آیا۔ دوسرا آدم۔ ہماری نوع کا دوسرا سر اور ہماری انسانیت کا سرتاج (کیمبرج سیریز تفسیر ِمرقس)۔

زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے ۔ اگر ان کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے تو لازمی نتیجہ اس دعوے کا یہ ہے کہ آسمان پر بھی گناہ معاف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ وہی اختیار اپنے ساتھ زمین پر لائے۔ کیونکہ اگر آسمان پر گناہ معاف کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو زمین پر معاف کرنے کی طاقت رکھنا عبث ہے۔

اس جگہ ایک بات تنقیح طلب ہے ۔ اور وہ یہ کہ مسیح اس جگہ وہ طاقت اپنی طرف منسوب کرتے ہیں جو خدا کے ساتھ خاص ہے ۔ یعنی گناہوں کو معاف کرنے کی طاقت مگر اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خطاب ایسا استعمال کرتے ہیں جو انسانیت پر دلالت کرتا ہے ۔ یعنی اپنے تیئں ابن آدم کہتے ہیں۔ اس سبب سے بعضوں کو یہ دقت پیش آئی ہے کہ یہاں انکی الوہیت کی کوئی دلیل نہیں ملتی ۔ مگر یہ مشکل اسی وقت سمجھی جائے گی جب یہ ثابت کیا جائے گا کہ وہ ابن آدم اور ابن اللہ دونو نام رکھتے ہیں۔ یہ اختیار نہیں رکھتے ہیں کہ جس نام کو چاہے اسے استعمال کریں۔ اور نہ شائد یہ ہی دکھا یا جاسکتا کہ وہ ہمیشہ ان ناموں کے استعمال کرنے میں یہ بات مد نظر رکھتے تھے کہ جب الوہیت کا کوئی کام کیا کرتے تھے تو اس وقت اپنے تیئں ابن اللہ کہا کرتے تھے۔ اور جب انسانیت کے کام کرتے تھے اس وقت ابن آدم کہا کرتے تھے۔ ہماری رائے میں پرانے بزرگوں کا یہ حل واجب التسلیم ہے کہ وہ جس میں دونوں ذاتیں پائی جاتی ہیں یہ اختیار رکھتے ہیں کہ اگر چاہے تو نام ایک ذات کو ظاہر کرنے والا استعمال کرے اور کام دوسری ذات سے علاقہ رکھنے والا کرے۔ حضرت یوحنا ۵باب ۲۲آیت میں جناب ِمسیح ارشاد فرماتے ہیں کہ "کیونکہ پروردگار کسی کی عدالت بھی نہیں کرتے۔ بلکہ انہوں نے عدالت کا سارا کام بیٹے (سیدنا مسیح) کے سپرد کردیا ہے ۔"اگر ان الفاظ کو آیت ۲۵ سے مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ جناب ِمسیح اپنے تیئں خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ پس اس لئے وہ خدا کا بیٹا ہیں جلانے اور

عدالت کرنے کاکام انکے اختیار میں ہے۔مگر عدالت کرنے کا کام جو صرف خدا کے بیٹے کا کام ہے آیت ۲۷میں انسان کے بیٹے کے ساتھ منسوب کیاگیا ہے ۔"بلکہ اسے عدالت کرنےکا بھی اختیار بخشا اس لئے کہ وہ آدم زاد (ابن آدم) ہے ۔" جس طرح ابن اللہ کو عدالت کرنے کا اختیاردیا گیا ہے وہ ابن آدم ہے ۔ اسی طرح ابن اللہ کو زمین پر اختیار ہے کہ گناہ معاف کرے کیونکہ وہ ابن آدم ہے۔

آیت نمبر۷۔وہ اٹھ کر چلا گیا۔

جب اس نے ملائمت اورمحبت کے ساتھ اس کو یہ حکم دیا ہوگا کہ اپنا کھٹولا اٹھا کر چلا جا اس وقت لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوئے ہوں گے ۔ کئی امید رکھتے ہوں گے اورکئی ناامید ہوں گے ۔ لیکن جب وہ اپنا بستر اٹھا کر چل پڑا ہوگا اس وقت کیسا خیال ان کے دل میں پیدا ہوا ہوگا۔ فقیہ شرمندہ ہوئے ہونگے مگر مفلوج خدا کا جلال ظاہر کرتا اور تعریف کے گیت گاتا ہوا چلا گیا(حضرت لوقا ۵باب ۲۵آیت)تینوں اناجیل اس کے کھٹولا اٹھانے کاذکرکرتی ہیں۔ اورواسطے کہ اس کی پہلی ناتوانی اورنئی طاقت کا فرق نظرآئے۔ جس چیز نے پہلے اسے اٹھا رکھا تھا اب وہ اسے اٹھا ئے ہوئے ہے پہلے جو شئے اس کی بیماری کا نشان اورثبوت تھی وہی اب اس کی صحت اورطاقت کی ثبوت ہے۔

آیت نمبر۸۔لوگ یہ دیکھ کر ڈرگئے ۔ اورخدا کی بڑائی کرنے لگے جس نے آدمیوں کو ایسا اختیاربخشا۔

حضرت مرقس اورحضرت لوقا بیا ن کرتے ہیں کہ "وہ حیران ہوگئے "حضرت مرقس بتاتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ " ہم نے ایسا کبھی نہیں دیکھا " اور حضر ت لوقا" آج ہم نے عجیب عجیب باتیں دیکھیں۔"

یہ حیرت جوان پر چھاگئی وہ وہی بےآرامی تھی جو گناہ گاروں کے دل میں جاگ اٹھتی ہے جب کہ کوئی بات یا اورکوئی واقعہ ان کو خدا کی حضوری کے قریب کھینچ لاتا ہے ۔ لیکن یہ خوف جلد تعریف میں تبدیل ہوگیا اوروہ خدا کی بڑائی کرنے لگے جس نے آدمیوں کو ایسا اختیاربخشا۔ چونکہ وہ مسیح کوآدمی سمجھتے تھے اس لئے یہ ان کے لئے درست تھا کہ وہ خدا کی بڑائی کرتے اورغالباً انہوں نے اس اختیار اورقدرت کو مسیح کا نہیں سمجھا بلکہ یہ ہی خیال کیاکہ خدا ایسی طاقت آدمیوں کو بخشتا ہے فریسیوں پر جو اثر ہوا اس کا بیان نہیں پایا جاتا ۔ غالباً اس لئے کہ ان پر نیک اثرنہیں ہوا۔ مگر عام لوگوں پر

جو سچائی کے قبول کرنے میں ایسے سخت دل نہ تھے نیک اثر ہوا۔ چنانچہ انہوں نے خدا کا جلال اوربڑائی ظاہر کی۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔پانچ باتیں غورطلب ہیں ۔ نمبر۱۔بیمار کی حالت ،نمبر۲،لوگوں کا ایمان،نمبر۳مسیح کے ہاتھ سے شفا پانا نمبر ۴،فقہیوں کا تعصب ،نمبر۵۔بھیڑ کی تعریف ۔

۲۔مفلوج اوراس کےدوست ،بیمار کی حالت ، بیماری نے اس کو کام اور زندگی کے لطف سے محروم کردیا تھا۔ لوگ جو اس کو لائے ۔مسیح کی قدرت اور رضامندی کے قائل تھے۔ مشکلات پر غالب آنے والے تھے۔انہوں نے وہ ہمدردی اورمحبت ظاہر کی جو ایمان سے پیدا ہوتی ہے۔ مسیح پر سچا ایمان لا نا ہمیشہ ارد گرد کے تباہ ہوتے ہوئے گنہگاروں سے ہمدردی پیدا کرتا ہے ۔

۳۔مسیح کے پا س آنا۔ ایک نئے رشتہ میں شامل ہونا ہے۔ "بیٹا "ہمت بخش الفاظ سننا ہے ۔"خاطر جمع رکھ"گناہوں کی معافی پانا ہے "تیرے گناہ معاف ہوئے ۔

۴۔مسیح کی الوہیت دوباتوں سے ثابت ہے۔نمبر ۱۔فقہیوں کے دلوں کے حال جاننے سے ،نمبر۲۔ گناہ معاف کرنے سے ۔

۵۔تعصب بری شئے ہے ۔ وہ قوت فیصلہ کو خراب کرتا اورجذبات کو بگاڑتا ہے ۔یہ ہی تعصب یہودی قوم کی آخری بربادی کا باعث تھا۔

۶۔مسیح نے یہاں ایک طرح گناہ اوردکھ کا تعلق ظاہرکیا ہے۔ مگر وہ ہمیشہ ایسا نہیں کرتا۔دیکھو (حضرت لوقا ۱۳باب ۵آیت ،حضرت یوحنا ۹باب ۳آیت)یہاں وہ بات جو ظاہر پر نظر کرنے والوں کو نامعلوم تھی اسے معلوم ہوگئی جودلوں کو جانچنے والا ہے ۔ یہودی دکھ اور گناہ کو مترادف سمجھتے تھے۔ اگر چہ ہر دکھ کو گناہ کی سزا سمجھنا صحیح نہیں۔ تاہم یہ غلطی اتنی بری نہیں جتنی وہ بے پرائی جو محض کا م کے عیسائیوں میں پائی جاتی ہے جو کبھی اپنے گناہ آلودہ کاموں میں خدا کی سزا کا ہاتھ نہیں دیکھتے۔

۷۔یہ مفلوج شمعون کی نبوت کا ثبوت ہے (حضرت لوقا ۲باب ۳۴آیت)ایک قسم کے لوگوں کے لئے مسیح امید کی چٹان ہے۔اور دوسری قسم کے لوگوں کے لئے ٹھوکرکھلانے والا پتھر۔

۸۔مسیح کے پاس آنے کا راستہ کبھی بند نہیں ہوتا۔

۹۔دوستی کا اورکوئی کام ا سے بڑھ کر نہیں کہ ہم اپنے دوستوں کو جوبیماررہیں مسیح کے پاس لائیں۔

۱۰۔جنابِ مسیح دلوں کے جانچنے والے ،بیماروں کے حکیم،ہمیشہ کی زندگی کے مالک ہیں۔

۱۱۔گناہ کی معافی ،اسکی تین منزلیں ہیں۔ اول۔جب انسان اس کی تلاش کرتا ہے۔ دوم جب یہ مانتا یا ایمان لاتا ہے کہ مسیح یہ برکت دینے والے ہیں۔ سوم جبکہ وہ اسے پاتا ہے۔

۱۲۔بیماری اکثر برکت کا باعث ہوتی ہے ۔کیونکہ وہ ہم پر ہماری حالت ظاہرکرتی ہے۔ اس کے وسیلے روحوں کے حکیم کا علم حاصل ہوتا ہے۔مسیحی برکت کو استعمال کرنے کا علم حاصل ہوتا ہے ۔جنابِ مسیح کی تعریف کرنےکا علم حاصل ہوتا ہے۔

۱۳۔ایمان نئی برکتوں کا موجد ہے ۔ایمان نئی ہمت کا سرچشمہ ہے۔ دیکھو اس کےدوست کس طرح اورکس جرات کے ساتھ آئے۔

۱۴۔سیدنا مسیح کی علم الغیبی ،تسلی کا چشمہ ہے ۔ پر اسی طرح ہیبت کا چشمہ بھی ہے۔

۱۵۔گناہ کی معافی کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ انسان اپنی جسمانی تکلیف کی نسبت اپنے گناہوں کے لئے زیادہ فکر مند ہوجاتا ہے۔

ایک کوڑھی کو پاک صاف کرنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۸ باب ۱تا ۴آیت ،حضرت مرقس ۱باب ۴۰تا ۴۵آیت ،حضرت لوقا ۵باب ۱۲تا ۱۴آیت)

آیت نمبر۱۔جب سیدنا مسیح اس پہاڑ سے اترے تو بہت سی بھیڑان کے پیچھے ہولی۔

ٹرنچ صاحب کے مطابق یہ معجزہ پہاڑی وعظ کے بعد سرزد ہوا۔لیکن بعض مفسروں کے خیال میں حضرت مرقس اورحضرت لوقا کی عبارتوں کے قرینے سے ایسا معلوم ہوتا ہے (گوپختہ طورپر نہیں کہہ سکتے)کہ یہ معجزہ پہاڑی خطبے سے پہلے واقع ہوا۔ پہلی رائے زیادہ قابل تسلیم معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اپنی تعلیم کی صحت اورصداقت کو ان معجزوں کے وسیلے ثابت کیا جو آپ نے پہاڑی وعظ کے بعد کر دکھائے حضرت لوقا ہم کوبتاتے ہیں یہ معجزہ ایک شہر میں ہوا جو غالباً گلیل کا کوئی شہر تھا۔

آیت نمبر۲۔اوردیکھو ایک کوڑھی نے پا س آکر جنابِ مسیح کو سجدہ کیا اورکہا اے مولا اگر آپ چاہیں تو مجھے پاک صاف کرسکتے ہیں۔

ایک کوڑھی نے۔ اس بیماری کی نسبت غورکرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کئی باتیں توجہ طلب ہیں۔

ایک مصنف بیان کرتا ہے کہ یہ بیماری مصریوں اوراسرائیلیوں میں عام تھی مصر کی آب وہوا اس بیماری کے حق میں مضہر تھی۔ اور ممکن ہے کہ سٹریبوا میسٹیسن کے گمان کے مطابق اسرائیلیوں کے اجسام میں جو مصر میں بہت دن رہے تھے اس بیماری کی رغبت پیدا ہوگئی ہو۔

کوڑھ مختلف اقسام کےہوتے ہیں۔ اور جو قسم بنی اسرائیل کے درمیان پائی جاتی تھی وہ سفید رنگ کی ہوتی تھی۔ اوروہ ایک چھوٹے سے داغ یا آماس سے شروع ہوتی تھی وہ پہلے جلد سے ذرا نیچے دکھائی دیتی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد بال سفید ہونے اورداغ پھیلنے اورکچا چمڑہ دکھائی دینے لگ جاتا تھا۔ شدید بعض حالتوں میں جا بجا بلکہ تمام جسم پر کھڑیا مٹی کی سی سفیدی نمودارہوجاتی تھی۔ اوربعض حالتوں میں بال اورناخن گرجاتے تھے بلکہ دماغی قوتوں میں بھی فرق آجاتا تھا اوربدبودارپیپ بالوں پر جمع ہوجاتی اورناک سے بہ نکلتی تھی پر یہ ضروری بات نہیں کہ یہ تمام علامتیں اس کوڑھ میں پائی جاتی ہوں جس کا ذکر بائبل مقدس میں آتا ہے۔

گو کئی پشتوں تک یہ بیماری پیچھا کرتی تھی تاہم یہ ثابت نہیں کہ وہ متعدی بیماری تھی۔(ٹرنچ)پس کوڑھیوں سے دور رہنے کے متعلق جو ہدائتیں پائی جاتی ہیں۔ اوران کا خود ناپاک ناپاک کہہ کر پکارنا اس سبب سے نہ تھا کہ اوروں کو ان کی بیماری لگ جانے کا خطرہ تھا۔ بلکہ اس سبب سے کہ وہ ناپاک ہوجاتے تھے۔ جس طرح مردہ بدن یادیگر ممنوعہ اشیاء کے چھونے سے ناپاک ہوجاتے تھے۔کوڑھ گویا ایک زندہ موت تھی جو کوڑھیوں کے ننگے سروں پھٹے ہوئے اورڈھنپے ہوئے لبوں سے ظاہر ہوتی تھی۔ (توریت شریف کتابِ احبار۱۳اور ۱۴باب)

یہ بیماری گناہ کی بدی کی علامت تھی۔ لوگ اس کے چھونے سے ناپاک ہوجاتے تھے۔ بعض نے اس پر یہ بحث کی ہے کہ ان کو چھونے کی ممانعت صرف سینٹیری یعنی حفظان صحت کے اصول پر کی گئی تھی۔ اور نہ کہ اس لئے کہ یہ بیماری گناہ کی برائی اوربدی کی علامت تھی وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بیماری متعدی تھی۔

اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ متعدی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ کیونکہ جہاں حضرت موسیٰ کی شریعت رائج نہ تھی وہاں کوڑھیوں سے اس قسم کی جدائی اختیار نہیں کی جاتی تھی جیسی کہ بنی اسرائیل میں کی جاتی تھی ۔ مثلاً نعمان آرامی فوجوں پر حکمران تھا(بائبل مقدس ۲سلاطین ۵باب ۱آیت)۔

اورپھر ان جگہوں میں بھی جہاں موسوی شریعت کا عملدرآمد تھا یہ قوانین پر دیسی اور مسافروں پر چسپا ں نہیں کئے جاتے تھے۔ اگر یہ بیماری متعدی سمجھی جاتی تو ان کو قیود سے آزاد کرنا ان کے اوربنی اسرائیل دونوں کے لئے غیر مفید ہوتا ماسوائے اس کے کاہنوں کو چھونا اورامتحان کرنا پڑتا تھا۔ مگر یہ مرض متعدی سمجھا جاتا تو ان کو چھونے کی کیوں اجازت دی جاتی۔ اورپھر رسمی ناپاکی جو اس کے چھونے سے پیدا ہوتی تھی۔ اس کے سب رسوم ایسے تھے جیسے موت کے ۔پھر بیماری جب سارے بدن میں پھیل جاتی تھی تومجزوم صاف سمجھا جاتا تھا (توریت شریف کتاب احبار ۱۳باب ۱۲تا۱۷آیت)

یہ بیماری لاعلاج تھی۔ انسان کی حکمت کی ادویات سے اچھی نہیں ہوتی تھی۔ مگر کبھی کبھی کسی شخص میں یا اس کی اولا د میں بخوبی جاتی رہتی تھی۔

ان ساری باتوں سے بخوبی روشن ہے کہ کوڑھ علامتی طورپر گناہ کی ناپاکی اورگھنوناپن کو ظاہر کرتا تھا۔ اوراس بیماری سے بڑھ کر اورکوئی بیماری گناہ کی عمدہ علامت نہیں ہوسکتی تھی ۔

سجدہ کیا۔ اس سے ہم یہ دعوے نہیں کرسکتے کہ اس نے اسے خدا سمجھ کر سجدہ کیا۔بلکہ یہ کہ وہ آداب بجالایا اوربڑی عاجزی اور تعظیم سے اس کو سلام کیا۔ تینوں اناجیل کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کیا کیا ۔ بڑی سرگرمی سے منت کرتا ہوا آیا۔ گھٹنوں پر گرا سجدہ کیا اورپھر منہ کے بل گرپڑا۔

اور کہا اے خداوند ۔سیپٹوایجنٹ میں لفظ خداوند یہواہ کے لئے استعمال ہوا ہے اورخطوط میں یہ لفظ مسیح کے لئے آیا ہے جہاں اس کے وسیلے اس کی الوہیت کا اقرارکیا جاتا ہے ۔ لیکن یونانی میں تعظیم کے لئے آتا ہے ۔ اورمساوی ہمارے جناب یا صاحب کے ہوتا ہے۔(حضرت متی ۱۳باب ۲۷آیت ،۲۱باب ۳۰آیت ،۲۷باب ۶۳آیت)مگر جو بزرگی اس لفظ کے استعمال سے متکلم کی طرف سے

مخاطب کوی دی جاتی تھی وہ عبارت کے تعلق اورقرینے سے ثابت ہوجاتی تھی۔

اگرآپ چاہیں تو مجھے پاک صاف کرسکتے ہیں۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ اگرآپ کرسکتے ہیں تو مجھے پاک صاف کریں۔ اسے اس کی قدرت پر شک نہیں تھا۔ اس کو خیال اس کی رضا مندی کا تھا۔ وہ اسی طرح دعا کرتا ہے جس طرح ان برکتوں کے لئے کرنی چاہیے جن کے لئے کوئی صاف وعدہ خدا کے کلام میں نہیں پایا جاتا۔ مگرہم اکثرروحانی برکتوں کے لئے بھی یہی کہا کرتے ہیں۔ اگر تیری مرضی ہوحالانکہ ان کی نسبت اس کی رضا مندی پرکسی طرح کا شک نہیں۔

پاک صاف کرسکتا ہے ۔ وہ نہیں کہتا کہ اگر چاہے تومجھے شفادے سکتا ہے۔ وہ پاک وصاف کرنے کو شفا سمجھتا ہے۔کیونکہ اس کی بیماری غلاظت اورناپاکی کی صورت رکھتی تھی۔ اوراس نے اس کو رسمی شریعت کی رو سے ناپاک بنادیا تھا۔ اس شخص کا ایمان مضبوط تھا۔

آیت نمبر ۳۔اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں توپاک صاف ہو۔وہ فوراًکوڑھ سے پاک صاف ہوگیا۔

جنابِ مسیح نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا۔ اس سے دیکھنے والے متعجب ہوئے ہوں گے کیونکہ کوڑھی کو چھونا گویا رسمی ناپاکی میں گرفتارہونا تھا۔مگرمسیح جب چھوتا ہے تو وہ ہماری ناپاکیوں میں گرفتارنہیں ہوتا بلکہ اپنی پاکیزگی سے ہم کو پاک کرتا ہے۔ اس فعل سے البتہ رسمی شریعت کی حرف شکنی ہوئی۔ مگراس کی روح نہیں ٹوٹی (احبار۱۳باب ۴آیت ،گنتی ۵باب ۲آیت)لوگوں کو کوڑھیوں کی مس کی ناپاکی سے بچانے کے لئے یہ ہدائت کی گئی تھی کہ وہ انہیں جب تک ان کی بیماری آخری درجہ تک نہ پہنچنے علیحدہ رکھیں۔ اس وقت تک کوڑھیوں میں مردوں میں کچھ فرق نہ تھا۔ اورجب وہ پبلک میں آتے تھے توناپاک ناپاک پکارتے ہوئے آتے تھے۔ مگرسیدنا مسیح کے حق میں یہ بات اورمعنی رکھتی تھی۔وہ شریعت کا خداوند ہے ۔ شریعت کا بنانے والا ہے۔اوروہ اس الہٰی اورازلی رحمت کے قانون کی پیروی کرتا ہے جو لکھی ہوئی شریعت کی نسبت بزرگ تر اورقدیم تر قانون ہے۔ اسی طرح ایلیاہ اورالیشع مردہ کے چھونے سے پرہیزنہیں کرتے (بائبل مقدس ۱سلاطین ۱۷باب ۲۱آیت ،۲سلاطین ۴باب ۳۴آیت)۔

اس کا کوڑھی کو چھونا اور ناپاک نہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ وہ ہماری انسانیت کو اپنے اوپر لے کر ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ پاک صاف ہو ۔یہ الفاظ وہی ہیں جو اس کی درخواست میں شامل تھے۔ اس کی دعا کا جواب اس کی درخواست میں داخل تھا۔ قبول ہونے والی دعائیں اسی قسم ہوتی ہیں۔ ان میں وہی باتیں مانگی جاتی ہیں جو باپ کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں اور جو وہ ہم کو دینے کے لئے خوش ہے۔ پرانے عہد میں اورنئے میں بھی مسیح کو چھوڑکر باقی سب ہمیشہ معجزے کی قدرت اورجلال کو خدا سے منسوب کرتے ہیں۔ مگر مسیح اکیلا اس قسم کی عبارت استعمال کرتا ہے "میں چاہتا ہوں کہ تو پاک صاف ہو۔"میں حکم دیتا ہوں کہ تو اس میں سے نکل آ"میں تجھے کہتا ہوں ۔اٹھ "ان معاملات پر بہت بحث ہوئی ہے کہ آیا وہ جنہوں نے جسمانی شفا پائی ،روحانی برکتوں سے بھی بہرہ ورہوئے ؟یا نہیں ۔کئی لوگوں کی نسبت یہ بات صاف ہے۔ کہ انہوں نے روح کی شفا نہیں پائیں۔لیکن کئی ایک نے جسمانی شفا کے وسیلے اس کی معافی بخش قدرت کو بھی دیکھا اور گناہوں کی مغفرت سے مالا مال ہوئے۔لیکن اس کوڑھی کی نسبت ہم فیصلہ نہیں کرسکتے کہ آیا اس نے روحانی نعمت پائی یا نہ پائی ۔ اوریہ نکتہ بھی یادرکھنے کے قابل ہے کہ شروع میں ہمارے خداوند خوشی سے ایمان کی دعاؤں کے جواب میں جلد جلد معجزے دکھایا کرتا تھا۔ لیکن جب لوگوں نے ایمان چھوڑدیا تو ایمان کی کمی کے سبب سے اس کے پچھلے معجزات دیردیر میں ہونے لگے ۔(حضرت مرقس ۶باب ۵آیت ،حضرت متی ۱۳باب ۵۸آیت)لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کوڑھی کی دعا کے سننے میں ذرا دیر نہیں کرتا جب گنہگاردل سے چلاتا ہے تو جواب فوراً آتا ہے ۔"میں چاہتا ہوں کہ تیرے گناہ دورکئے جائیں۔(بائبل مقدس ۱سموئیل ۱۲باب ۱۳آیت)۔

آیت نمبر ۴۔مسیح نے اس سے کہا خبردارکسی سے نہ کہنا بلکہ جاکر اپنے آپ کو کاہن (امام اعظم)کو دکھا اورجو نذر موسیٰ نے مقررکی ہے اسے گذران تاکہ ان پرگواہی ہو۔

خبردار کسی سے نہ کہنا۔ مقابلہ کریں حضرت مرقس کے الفاظ کےساتھ جن سے ظاہرہوتا ہے کہ بڑے تشدد کے ساتھ اس کوتاکید کی گئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح اس جگہ اس کوڑھی کو منع کرتے ہیں کہ وہ اس کی خبرکسی کونہ دے۔ اس ممانعت کا کیا سبب ہے ؟

۱۔اس لئے کہ وہ یروشلم میں جاکر اپنے تیئں دکھانے میں دیر نہ کرے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ قل اس کے کاہن معجزے کے کا حال سنیں۔

وہ شخص ان کے پاس جائے کیونکہ اگر دیر کرتا تو ممکن تھا وہ رشک کے مارے اس کے پاک ہونے کا انکار کرتے اور کہتے کہ وہ اچھا نہیں ہوا۔

۲۔شائد اس لئے کہ اس شخص کا ذاتی نقصان نہ ہو۔ یعنی لوگوں کو اس معجزے پر بہت سا چرچہ اور طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے دیکھ کر اس کی باطنی شکرگزاری میں کسی طرح کا فرق نہ آجائے۔

۳۔حضرت متی ہم کو بتاتے ہیں (حضرت متی ۱۲باب ۱۵تا ۲۱آیت مقابلہ کروساتھ خط فلپیوں ۲باب ۶تا ۷آیت اورخط عبرانیوں ۵باب ۵آیت اور حضرت یوحنا ۸باب ۳۶آیت)۔ کہ حضرت یسعیاہ کی نبوت کے مطابق (دیکھو بائبل مقدس صحیفہ حضرت یسعیاہ ۴۲باب ۲آیت)اس کی خدمت ہر طرح کے شوروغوغا سے آزاد ہونی چاہیے تھی۔

۴۔وہ صرف اسی لئے نہیں آیا تھا کہ حکیم بنے یا اچنبے کرنے والا سمجھا جائے۔بلکہ روحوں کو اپنے مکاشفے اوراپنے نمونہ اوراپنی موت کے وسیلے بچانے کو آیا تھا۔(کمیبرج سریز لوقا) مگر خطرہ تھاکہ اس کے معجزات کی خبر سن کر لوگوں میں ایک طرح کا اشتعال پیدا ہو۔ اوروہ خیال کریں کہ وہ ان کے خیالات کے مطابق اپنی بادشاہی قائم کرنے پر ہے (حضرت یوحنا ۶باب ۱۴آیت)اوریہ بھی ممکن تھاکہ وہ ان باتوں کے سبب سے یہودی سرداروں اوررومی حکام کو مخالفت پر برانگیختہ کرتے اوراس کی تعلیم کی آزادی میں منمل ہوتے ۔ اورہم دیکھتے ہیں (حضر ت مرقس ۱باب ۴۵آیت بمقابلہ حضرت لوقا ۵باب۱۵آیت)کہ کوڑھی نے اس کے حکم کو نظر اندازکرکے یہ نتیجہ واقعی پیدا کردیا ۔(حضرت مرقس ۵باب ۱۹آیت ،حضرت لوقا ۸باب ۲۹آیت)میں جو احکام پائے جاتے ہیں وہ قاعدہ کلیہ کو ثابت کرتے ہیں کیونکہ وہ خاص حالتوں پر دلدالت کرتے ہیں۔ پس اگر ہم ان جگہوں میں یہ پڑھتے ہیں کہ مسیح خود شہرت کا حکم دیتے ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ جھیل کے جنوب مغرب میں یہ خطرہ نہ تھا کہ لوگ انہیں جبراً بادشاہ بنائیں بلکہ وہاں اور قسم کی غلطیاں اس کی نسبت رائج تھیں جن کا سدھارنا اوراصلاح کرنا ضروری تھا۔

جاکر اپنے آپ کو کاہن (امام اعظم)کو دکھا۔ زور"دکھا" پر ہے ۔کیونکہ کاہن کے پاس فقط صحت کی خبر بھیجنا کافی نہ تھا۔"دیکھنے" کے سوائے اورکوئی بات کاہن کو قائل نہیں کرسکتی تھی۔ اس بات کے علم کے لئے کاہن کس طرح کوڑھیوں کے پاک صاف ہونے کا اعلان کیا کرتے تھے۔ (توریت شریف کتاب احبار۱۴پڑھنا چاہیے)۔

اور جونذر حضرت موسیٰ نے مقرر کی ہے (احبار ۱۴باب ۴تا ۱۰آیت)میں اس کا ذکر آتا ہے اوراس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ کیا خرچ اس موقع پر اٹھانا پڑتا تھا۔

تاکہ ان پر گواہی ہو۔ لوگوں پر نہ کہ کاہنوں پر۔ کیونکہ انہیں تو نذر گذراننے سے پہلے ہی ماننا پڑتا تھا۔ کہ آدمی پاک صاف ہوگیا ہے ۔ لیکن لوگوں پر قربانی دینے کے بعد ظاہر ہوتی تھی کہ فلا ں شخص جو پہلے کوڑھی تھا اب پاک صاف ہوگیا ہے ۔ پس اس اشخاص کا قربانی چڑھانا لوگوں کے لئے اس کی صحت کی گواہی تھا۔ ماسوائے اس کے موسوی شریعت کی پابندی بھی ضروری تھی۔کیونکہ مسیح کے مخالف اب اسے اس قصور سے ہتم کرنے لگ گئے تھے۔ٹرنچ صاحب بیان کرتے ہیں کہ شائد یہ مقصد بھی ہوگا کہ یہ گواہی بھی ان کو ملزم ٹھہرائے یعنی ان کی بے ایمانی پر بھی گواہی دے کہ وہ معجزے دیکھتے ہیں اورپھر ایمان لاتے۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔چار سوال پوچھنے کے قابل ہیں۔ اول کیامسیح ہم کو بچاسکتے ہیں۔دوئم کیا مسیح ہم کو بچانا چاہتے ہیں۔ سوم کیاہم کو بچنے کی ضرورت ہے ،چہارم اورکیا ہم بچنا چاہتے ہیں۔ شک اگر ہے تو پچھلے سوال پر ہے۔

۲۔جو کچھ مسیح نے تمہارے لئے کیا ہے اس کی منادی شورمچا کر کردیا نہ کرو۔ جو لازمی امر ہے سو یہ ہے کہ اسے خدا کے حکموں کے مطابق چل کر ثابت کرو۔ یہ ازحد ضروری ہے۔

۳۔کوڑھی زندہ ہوتا تھا مگر مردہ کی مانند سمجھا جاتا تھا ۔ کیونکہ اس کی بیماری کا نتیجہ موت تھا۔ اس کا مرض زندگی کے تمام میٹھے چشمے کو زہریلا بناتا تھا۔ وہ جسم کو رفتہ رفتہ گلا دیتا تھا کہ حتیٰ کہ ایک ایک عضویکے بعد دیگرے گرنے لگ جاتا تھا۔ حضرت ہارون اس کا نقشہ خوب کھینچتے ہیں۔(توریت شریف کتابِ گنتی ۱۲باب ۱۲آیت)یہ بیماری لاعلاج تھی۔ یعنی آدمی اس کا علاج نہیں کرسکتا تھا۔حضرت داؤ د گناہ کی بیماری کو کوڑھ کی مانند سمجھتے تھے۔ کیونکہ جب وہ کہتے ہیں کہ مجھے زوفا سے دھو اورمیں پاک ہوجاؤں گا (زبورشریف ۵۱آیت ۷)تووہ خارجی سے باطنی کی طرف دیکھتا ہے یعنی سچ لہو کی طرف جو چھڑکا جاتا ہے دیکھتا ہے ۔ پس وہ یہاں اپنے تیئں روحانی کوڑھی تصورکرتا ہے ۔ وہ ایسا خیال کرتا ہے کہ اس کا گناہ (جب کہ وہ اس گناہ میں زندگی بسرکرتا تھا)موت تک پہنچانے والا

گناہ تھا۔ اورمحسوس کرتا ہے کہ میں خدا سے پرلے درجہ کی جدائی رکھتاہوں لہذا اس بات کی ضرورت ہے کہ کامل طور پر خدا کے نزدیک لایا جاؤں۔(ٹرنچ) بعض حالتوں میں لگ جانے والی بیماری تھی۔ دکھ پیدا کرنے والی بیماری تھی۔

۴۔مسیح کی مسیحائی کا سب سے بڑا نشان یہ تھا کہ وہ کوڑھیوں کو پاک صاف کرتا تھا۔

۵۔اس کوڑھی کو دعا سچی دعا کا نمونہ ہے سچی دعا فروتن ایمان سے مانگی جاتی ہے اورجواب کو پروردگار کی مرضی پر چھوڑتی ہے۔

۶۔دیکھو گنگار کا اورمسیح کا باہمی تعلق کیا ہے۔ اورکیا ہونا چاہئیے گنہگارمسیح کے پاس لا علاج بیماری کے ساتھ آتا ہے۔ سرگرم منت کے ساتھ آتا ہے۔ جگے ہوئے ایمان کے ساتھ آتا ہے۔ مسیح اس کو زورآوربازو کے ساتھ ملتا ہے۔ رحم سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ ملتا ہے۔ ایک تاکیدی حکم کے ساتھ ملتا ہے۔ خواہ وہ حکم بولنے کا ہو یا خاموشی کا۔

۷۔حکم ماننا قربانی چڑھانے سے بہتر ہے۔

صوبہ دار کے خادم کو اچھا کرنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۸ باب ۵ تا ۱۳آیت ، حضرت لوقا ۷باب ۱تا ۱۰آیت)

ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ یہ معجزہ وہی معجزہ نہیں ہے جو حضرت یوحنا نے انجیل میں بیان کیا۔(انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا ۴باب ۴۳آیت)اورہم نے وہ فرق بھی بتایا ہے جس کے سبب سے ان دونوں واقعات کو جدا جدا سمجھنا چاہئیے ۔ اس معجزہ کو حضرت متی اورحضرت لوقا دونوں نے رقم کیا ہے۔ مگر ان کے بیان میں تطبیق کی ضرورت معلوم ہوتی ہے ۔ حضرت متی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ خود آیا۔ مگر حضرت لوقا کے بیان سے برعکس اس کے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود نہیں آیا بلکہ اس نے اور لوگوں کو مسیح کے پاس بھیجا ۔ واضح ہو کہ حضرت لوقا کا بیان زیادہ مفصل اورباترتیب ہے ۔مگر حضرت متی کا بیان بہت مختصر سا ہے ۔ اوراس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس اصول کو کام میں لاتے ہیں جس کی رو سے ہم اس کا م کو جو اوروں سے کرواتے ہیں اپنا کیا ہوا سمجھتے ہیں۔ اصول تاریخی بیانوں میں جائز مانا جاتا ہے مثلاً جوکچھ سپاہ کرتی ہے وہ بادشاہ کا کیا ہوا سمجھا جاتا ہے ۔ او رہماری روزمرہ زندگی کے تعلقات میں بھی اس اصول کے مطابق کارروائی کی جاتی ہے

۔ ایک مثال حضرت مرقس ۱۰باب ۳۵آیت ،بمقابلہ حضرت متی ۲باب ۲۰موجود ہے ۔ پھر حضرت یوحنا ۳باب ۲۲آیت میں ہے کہ جناب مسیح نے بپتسمہ دیا ۔مگر حضرت یوحنا ۴باب ۱آیت میں اس کی یہ شرح پائی جاتی ہے کہ مسیح کے شاگردوں نے بپتسمہ دیا ۔حضرت یوحنا ۱۹باب۱آیت ،میں ہے کہ پیلاطس نے اس کے کوڑے لگائے حالانکہ اس نے اپنے ہاتھ سے یہ کام نہیں کیا۔ پھر بمقابلہ کرو حضرت متی ۱۴باب ۱۰آیت ،حضرت مرقس ۶باب ۲۷آیت سے۔

آیت نمبر ۵۔اور جب وہ(سیدنا مسیح) کفر ناحوم میں داخل ہوئے۔

یہ معجزہ پہاڑی وعظ کے بعد واقع ہوا۔ حضرت لوقا ۷باب۱آیت ۔جنابِ مسیح اس وقت کفرناحوم میں رہا کرتے تھے۔ اوریہ معجزہ اس وقت سرزد ہوا ۔ جبکہ وہ باہر سے کفر ناحوم میں داخل ہورہا تھا۔

ایک صوبہ دارآپ کے پاس آیا اورآپ کی منت کرکے کہا ۔

صوبہ دار۔ یہ خطاب ان افسروں کا تھا جو رومی فوج کے سو سو سپاہیوں پر حکومت کیا کرتے تھے یہ عہدہ انگریزی کپتان کے عہدے کے نسبت زیادہ ذمہ داری اور فضیلت کا عہدہ تھا۔ معلوم نہیں یہ صوبہ دار ہیرودیس انتپاس کا جو گلیل کا تترارک (چوتھائی ملک کا حاکم)تھا ۔ یا اس کا تعلق اس رومی فوج کے ساتھ جو کفر ناحوم میں مقیم تھی۔ کیونکہ رومی اپنی فوج ایسے صوبجات میں بھی رکھا کرتے تھے جو برائے نام خود مختارہوتے تھے۔ گویہ صوبہ دارغیرقوم تھا۔ مگرکئی غیرقوم لوگوں کی طرح یہ بھی بت پرستی کی خرابی اوربدی کو محسوس کررہا تھا۔ اوراسرائیل کے خدا کی سچی عبادت سے بہرور تھا۔ یہودی مذہب نے ا س کی کئی روحانی حاجتوں کو رفع کیا۔ اور کئی ایک رفع کرنے کی امید اس کے سامنے رکھی جتنے صوبہ داروں کا ذکر انجیل شریف میں آیا ہے وہ سب اچھی طرح یا دکئے گئے ہیں۔ (حضرت متی ۲۷باب ۵۴آیت ،اعماالرسل ۱۰باب ۲۷تا ۴۳آیت)اس صوبہ دا نے بھی قرینلئیس کی طرح یہودی مذہب کی فضیلت کو محسوس کیا۔ او راغلب ہے کہ وہ سن چکا تھاکہ بادشاہ کے ملازم کا بیٹا کس طرح صحت یاب ہوا۔اس بات کے علم نے دیگر باتوں کے ساتھ مل کر جو اس نے مسیح کی نسبت سنی تھیں اس کو کامل یقین دلایا کہ مسیح اس کے نوکرکو شفا بخش دیں گے ۔

ان کے پا س آیا اوران کی منت کرکے کہا۔ جیسا ہم اوپر بیان کرآئے ہیں حضرت متی اس کام کو اس نے دوسروں کے وسیلے کروایا اسی سے منسوب کرتا ہے۔ لیکن حضرت لوقا اس واقعہ کو مفصل طور پر تحریر کرتا ہے چنانچہ اس کی انجیل میں ہم پڑھتے ہیں کہ اس نے یہودیوں کے کئی بزرگوں کو اس کے پاس بھیجا اوراس سے درخواست کی کہ آکر میرے نوکر کو اچھا کردیں۔ وہ خود مسیح کے پاس نہیں جاتا اوراس کے نہ جانے کا سبب حضرت لوقا ۷باب ۶تا ۷آیت میں مذکورہے ۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس لئے نہیں گیا کہ اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ اس کے حضورمیں جائے۔ وہ مسیح کو ایک اعلیٰ اوراپنے آپ کو ایک ادنیٰ دنیا کا بادشاہ سمجھتا تھا ۔ لہذا وہ خود نہیں آتا بلکہ یہودیوں کے بزرگوں کے اس کے پا س بھیجتا ہے ۔ یہ بزرگ خوشی سے اس کے پاس آتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سفارش کے کام کو بڑی سرگرمی سے انجام دیا۔ مثلاً انہوں نے مسیح کی منت کی اور کہا کہ " وہ لائق ہے کہ آپ اس کی خاطر یہ کریں کیونکہ وہ ہماری قوم سے محبت رکھتا ہے۔اور ہماری قوم کے عبادت خانہ کو بھی بنوایا ہے۔ اس بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صوبہ دارغیر قوم میں سے تھا اوران لوگوں کے زمرے میں داخل تھا جنہوں نے یہودی مذہب کو عام طورپر تو قبول کرلیا تھا مگر ختنہ نہیں کروایا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ رومی تھا پر اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ رومیوں میں سے کبھی کسی نے انتپاس کے ماتحت اس قسم کا عہدہ اختیارکیاہو۔ زیادہ غالب یہ ہے کہ وہ یا تو یونانی تھا یاآرامی ۔ (کیمبرج سیریز لوقا)یہودیوں نے کہا اس نے ہمارے لئے عبادت خانہ بنوایا ہے۔ اس کا یہ مطلب یہ نہیں کہ کفر ناحوم میں اس کے سوا اورکوئی عبادت خانہ نہ تھا۔ پر یہ کہ جس عبادت خانہ سے یہ لوگ تعلق رکھتے تھے۔ وہ اس نے بنوایا تھا۔ اورتعجب نہیں کہ وہ کفر ناحوم میں سب سے بڑا عبادت خانہ ہو۔اگر کفرناحوم وہی جگہ ہے جو زمانہ حال میں تلحم کے نام سے موسوم ہے ۔ تو اس کے کھنڈرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عبادت خانے ہیں جن میں سے ایک کی دیواریں جو سفید پتھر کی بنی ہوئی ہیں ہیرودیس کے زمانہ سے علاقہ رکھتی ہیں اورایک اونچائی پر جھیل کے کنارے کھڑی ہیں۔ ممکن ہے کہ جس عبادت خانہ کا ذکر حضرت لوقا کرتے ہیں وہ یہی عمارت ہو جس کی دیواریں اب تک اس زمانہ کی خبر دیتی ہیں۔جو پیغام اس صوبہ دارنے بزرگوں کے ہاتھ بھیجا یہ تھا کہ ۔

آیت نمبر۶۔اے خداوند میرا خادم گھرمیں مفلوج پڑا ہے۔

جس لفظ کا ترجمہ حضرت متی میں خادم ہوا ہے وہ یونانی میں پائیس ( ) ہے جس کے معنی بچے یالڑکے کےبھی ہیں۔رومیوں ،یونانیوں اورعبرانیوں میں نوکر کو لڑکا کہہ کرپکارنے کادستورجاری تھا۔ اسی طرح انگریزی میں بھی نوکر کو ( ) کہہ دیا کرتے ہیں۔ مگر اس جگہ اس لفظ کا ترجمہ "بیٹا "کرنا مناسب نہیں۔ حضرت لوقا جو لفظ استعما ل کرتے ہیں وہ ڈولاس( ) ہے جس کے معنی غلام یا بردہ کے ہیں۔ حضرت پولس اکثراس لفظ کو اپنے حق میں استعمال کرتے ہیں۔ اوراپنے تیئں مسیح کا غلام کہتے ہیں تاکہ اپنا اور مسیح کا رشتہ ظاہرکریں۔

مفلوج پڑا ہے۔ وہ خاص بیماری جس میں صوبہ دارکا نوکرمبتلا تھا۔ اس زمانہ میں فالج کی ایک قسم سمجھی جاتی تھی۔ چونکہ اس میں بہت تکلیف ہوا کرت تھی ۔ لہذا عالموں کا خیال ہے کہ وہ بیماری ( ) ہوگی۔ حضرت لوقا بتاتے ہیں کہ وہ قریب المرگ تھا۔ یعنی بسترسے لگا ہوا تھا۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ خادم اس کو عزیز تھا گویا"یہ یہودیوں کے لئے ایک نمونہ تھا۔ جنہیں تالمود (یہودیوں کی احادیث کی کتاب)نے غلاموں کے لئے ماتم کرنے سے منع کردیا تھا۔"

آیت نمبر۷۔میں آکر اسے اچھا کرونگا۔

لفظ میں پر زورہے۔ حضرت لوقا بتاتے ہیں کہ جب مسیح یہودی سرداروں کے ساتھ اس کے گھر کی طرف چل پڑے ۔ تو اس نے پھر اپنے دوستوں کو ان کے پاس بھیجا اور کہا کہ میں اس لائق نہیں کہ آپ میری چھت تلے آئیں ۔پہلے تو صرف یہی خیال اس کے دل میں پیدا ہوا کہ مسیح ایک نہائیت بزرگ اورپاک شخص ہیں۔ اورمیں ایک ناچیز اورحقیر بشر ہوں۔ اس لئے زیبا نہیں کہ میں خود ان کے پاس جاؤں ۔بہتر ہے کہ یہودیوں کے بزرگ جائیں اورہوسکے تو انہیں اپنے ساتھ لے آئیں۔ مگراب ایک نیا خیال اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ وہ سوچنے لگتا ہے میں اس قابل ہی نہیں کہ مسیح میرے گھرمیں آئے۔ اورنہ اس کے آنے کی ضرورت ہی ہے کیونکہ اس کا کلا کافی ہے۔اس شخص کی سیرت کا ایک ایک عنصر غور کے لائق ہے ۔ یعنی اس کا ایمان اوراس کی گہری فروتنی توجہ کے لائق ہے۔ اوراسی طرح اس کی وہ محبت جو وہ خدا کے لوگوں سے رکھتا تھا اورفیاضی اوروہ ہمدردی جس کے سبب وہ اپنے غلام کے لئے فکر مندتھا۔ (غلام اس زمانہ میں اپنے مالکوں کی ہمدردی سے بہت ہی کم بہرورتھے)غور کے لائق ہے یہ ساری باتیں ایسے اوصاف حمیدہ

تھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص خدا کے ان فرزندوں میں سے تھا جو دنیا میں جا بجا پائے جاتے تھے۔ اورجن کو کلیسیا کی پاک رفاقت میں اکٹھا کرنے کے لئے مسیح آئے تھے۔(حضرت یوحنا ۱۱باب ۵۲آیت)۔

آیت نمبر ۸۔اس لائق نہیں کہ میری چھت تلے آئیں۔

گمان ہے کہ شائد وہ اسی لئے اپنے تیئں نالائق سمجھتا تھا کہ وہ غیر قوم تھا اوریہودیوں کا کسی غیرقوم کے گھر میں جانا رسمی شریعت کے مطابق ناپاک سمجھا جاتا تھا ۔ مگر سارے بیان کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے تیئں اخلاقی طورپر نالائق سمجھتا تھا۔

بلکہ زبان سے کہہ دے ۔ فقط ایک لفظ اپنی زبان سے کہہ دے اور میرا خادم شفا پائے جائے گا ۔ شائد اس کو یا دہوگا کہ اسی جگہ بادشاہ کے ملازم کا لڑکا ایک ہی لفظ کے وسیلے شفا پاگیا تھا۔(حضرت یوحنا ۴باب ۵۰آیت)۔

آیت نمبر ۹۔کیونکہ میں بھی دوسرے کے اختیارمیں ہوں اورسپاہی میرے ماتحت ہیں۔ جب ایک سے کہتا ہوں جا تووہ جاتا ہے ۔ اوردوسرے سے کہ آتو وہ آتا ہے ۔ اورجب اپنے نوکر سے کہتا ہوں کہ یہ کرتو وہ کرتا ہے۔

یہاں وہ اپنے تجربہ سے ایک مثال پیش کرکے اس صداقت کو واضح کرتا ہے کہ جنابِ مسیح اپنے ایک لفظ ہی سے بیماری کو دورکرسکتے ہیں۔

میں بھی دوسرے کے اختیارمیں ہوں۔ صوبہ دارسو سپاہیوں پر حکم کیا کرتا تھا اورہمارے زمانے کے کپتان کا سا عہدہ رکھتا تھا۔ اس کے نیچے ایک سارجنٹ ہوا کرتا تھا۔ اوراسکے اوپر ایک کرنل اورایک جنرل ہوتا تھا۔ پس صوبہ دارایک ایسا شخص تھا جو حکم کرنا اورحکم بجالانا دونوں باتیں جانتا تھا۔ اورچونکہ وہ مسیح کو آسمانی فوجوں کا حکمران سمجھتا تھا لہذا وہ اس بات کا پکا یقین رکھتا تھا کہ اس کاایک لفظ ہی کافی ہے۔ یہاں بیماری ایک شخص تصورکی گئی ہے اسی طرح حضرت لوقا ۴باب ۳۹آیت ،میں آیا ہے "اس نے تپ کو جھڑکا "بعض کا خیال ہے کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح میں دوسروں کے اختیارمیں ہوں اورسپاہی میرے اختیارمیں ہیں اسی طرح مسیحی الہٰی حکم کے ماتحت ہیں۔ اوربیماریاں اس کے ماتحت ہیں" کےساتھ ہے ۔ یعنی میں بھی اختیاررکھتا ہوں اورسپاہی میرے زیر حکم ہیں۔ اسی طرح آپ بھی اختیاررکھتے ہیں اورتمام بیماریاں آپ کے حکم کے تابع ہیں۔

ایک سے کہتا ہوں جا تووہ جاتا ہے اوردوسرے کہتا ہوں کہ آتو وہ آتا ہے۔یہ الفاظ کامل تعمیل پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ میرے حکم کی تعمیل میں کسی طرح کی چون وچرانہیں کی جاتی۔

آیت نمبر۱۰۔سیدنا مسیح نے یہ سن کر تعجب کیا اور پیچھے آنے والوں سے کہا ۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں نے ایسا ایمان اسرائیل میں بھی نہیں پایا۔

مسیح نے دو دفعہ تعجب کیا۔ ایک دفعہ یہاں ایمان کے سبب سے اور ایک دفعہ بے ایمانی کے سبب سے (حضرت مرقس ۶باب ۶آیت)لازم نہیں کہ ہم اس کے تعجب کرنے تعجب کریں اوراس کی تشریح کے لئے اپنی تاویلیں گھڑیں۔اتنا کہنا کافی ہے کہ الوہیت کے اعتبار سے اس میں تعجب اور حیرت کو جگہ نہ تھی۔ اگر اسکی انسانیت میں تعجب کے لئے راہ تھی۔ اس سے زیادہ تشریح کا طالب ہونا اس کے بیان کے زورکو کھودینا ہے۔ اس کا تعجب اس جگہ بڑا لطف دے رہا ہے ۔

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں نے ایسا ایمان اسرائیل میں بھی پایا۔ یہ الفاظ حضرت لوقا اورحضرت متی دونوں میں پائے جاتے ہیں ۔ سینٹ آگسٹین فرماتے ہیں کہ جو بات اس نے زیتوں میں نہ پائی سو جنگلی انجیر میں پائی۔ ایک اورغیرقوم کے مضبوط ایمان کا ذکر (حضرت متی ۱۵باب ۲۲آیت)میں پایا جاتا ہے ۔ ہمیں یقین ہے کہ جو شخص ایسی خوبصورت خاکساری اور ایسا مضبوط ایمان مسیح کے معجزات قدرت کے بارے میں رکھتا تھا وہ اس کی معافی بخش قدرت کا بھی قائل ہوگا۔ یا تھوڑے عرصہ بعد قائل ہوگیا ہوگا۔ (بمقابلہ کرو حضرت متی ۵باب ۳آیت)کیونکہ جنابِ مسیح اس کی فروتنی اور خاکساری کے سبب سے تعجب نہیں کرتے۔ بلکہ ایمان کے سبب سے جو تمام روحانی برکتوں کی جڑ ہے۔ (مقابلہ کریں حضرت متی ۱۵باب ۲۸آیت ،حضرت لوقا ۱۸باب ۸آیت)۔

آیت نمبر۱۱۔اورمیں تم سے کہہ دیتا ہوں کہ بہتیرے پورب اورپچھم سے آکر ابراہیم ،اضحاق اوریعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہت میں کھانے بیٹھیں گے ۔

یہ الفاظ جو حضرت متی کی ۱۱اور۱۲آیت میں درج ہیں حضرت لوقا اس معجزے کے ساتھ درج نہیں کرتے بلکہ ایک اورجگہ بیان کرتے ہیں (حضرت لوقا ۱۳باب ۲۸آیت)ممکن ہے کہ اس جگہ بھی اورلوقا ۱۳باب ۲۸آیت کے موقع پربھی مسیح نے یہ الفاظ کہے ہوں۔

اب وہ یہودیوں کو وہ بات سناتے ہیں جو وہ سننا پسند نہیں کرتے تھے ۔پورب اورپچھم سے (دیکھئیے بائبل مقدس صحیفہ حضرت یسعیاہ ۴۳باب ۶آیت)یعنی دنیا کےدوردراز کناروں سے دوردور کے ممالک سے آئیں گے اورآسمان کی بادشاہت میں داخل ہوں گے یہاں اس بات کا صاف اشارہ ہے کہ مسیحیت تمام قوموں میں پھیل جائے گی۔

ابراہیم ،اضحاق اوریعقوب کے ساتھ ۔ یہودی یہ مانتے تھے کہ ان بزرگوں کی اولاد سے ہونا مسیح کی بادشاہت کی خوبیوں میں داخل ہونے کی پختہ دلیل ہے۔ اورمسیح کی بادشاہت کی خوبیوں میں سے ایک یہ بات سمجھی جاتی تھی کہ اس میں اعلیٰ درجہ کی ضیافتیں ہوا کریں گی جن میں یہ بزرگ شامل ہوں گے ۔ ربیوں کے تحریروں سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے ۔(این امریکن کامنٹری)یہودی غیر قوموں کے ساتھ کھانے سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ اورجنابِ مسیح فرماتے ہیں کہ یہی غیرقوم بزرگوں کے ساتھ کھانے بیٹھیں گے وہ ہر طرف سے آئیں گے۔ اوریہودی خارج کئے جائیں گے ۔ اسی بات پر نبیوں نے بھی اشارہ کیا تھا مگر اسرائیل نے ان کا مطلب نہ سمجھا۔

آسمان کی بادشاہت ۔صرف حضرت متی ہی الفاظ"آسمان کی بادشاہت "استعمال کرتے ہیں دیگر انجیل نویس یہ محاورہ استعمال نہیں کرتے بلکہ خدا کی بادشاہت کہتے ہیں۔ لیکن حضرت متی خدا کی بادشاہت کی محاورہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ محاورہ نیا نہ تھا بلکہ اس کا تصوریہودی تھیوکرسی سے مربوط تھا۔ تھیوکرسی کے معنی خدا کی بادشاہت یا حکومت کے ہیں۔ اورزمین کی بادشاہت اس کا ایک سایہ سا ہے ۔ یہ الفاظ مسیح کی حکمرانی پر دلالت کرتے ہیں (بائبل مقدس صحیفہ حضرت دانی ایل ۷باب ۱۴آیت)مسیح نے ان الفاظ کو ایک نئے اور گہرے معنے دیدئیے۔ (کیمبرج سیریز متی)حضرت متی ۳۰مرتبہ سے زیادہ ان الفاظ کو استعمال کرتے ہیں ۔ واضح ہو کہ "آسمان کی بادشاہت "اورخدا کی بادشاہت میں کچھ فرق نہیں ہے۔ آسمان جو کہ خدا کے رہنے کی جگہ ہے بعض اوقات خدا کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔(دانی ایل ۴باب ۲۶آیت ،حضرت لوقا ۱۵باب ۱۸تا ۲۱آیت)یہودی لوگ جو کہ خدا کا نام لینے میں پس وپیش کیا کرتے تھے۔اکثر اوقات "آسمان کی بادشاہت "کا محاورہ استعمال کیا گیا ہے ۔ حضرت متی جو یہودیوں کے لکھتے ہیں ان کے خیالات کی رعائت کرتے ہیں اورزیادہ تر خدا کی بادشاہت کی جگہ

"آسمان کی بادشاہت " کہتے ہیں۔ لفظ آسمان یونانی میں بصیغہ جمع آیا ہے۔

"آسمان کی بادشاہت "کا خیال نبیوں کی کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے ۔ مثلاً یسعیاہ اور میکاہ میں اس بات کی خبر ہے کہ خدا ایک راستباز بادشاہ کو برپا کرے گا جو اپنے لوگوں کونجات دے گا اقبال مندی سے بہرور فرمائے گا(صحیفہ حضرت یسعیاہ ۱باب ۳۹آیت ،۹باب ۲تا ۷آیت ،۱۱باب ۱تا ۱۰آیت ،صحفیہ حضرت میکاہ ۴باب ۱تا ۸آیت) اس امید کو حضرت یرمیاہ اوران کے ہمعصروں نے کسی قدرتبدیلی سے بیان کیا ہے۔(حضرت یرمیاہ ۲۳باب ۵تا ۶آیت ،حضرت حزقی ایل ۳۷باب ۲۴)یعنی انہوں نے حضرت داؤد کے خاندان کی طرف (مقابلہ کرو ۲تواریخ ۱۳باب ۸آیت)اس طرح اشارہ کیا ہے کہ وہ چنی ہوئی قوم کے کام کی رہنمائی کرے گا۔ لیکن دانی ایل کے زمانہ میں جب کہ اسرائیل ردی حالت میں گرفتار تھا۔ یہ یقین دلایا گیا کہ"آسمان کا خدا" ایک عالمگیر بادشاہی قائم کرے گا۔

آیت نمبر ۱۲۔مگر بادشاہت کے بیٹے باہر اندھیرے میں ڈالے جائیں گے وہاں رونا اوردانتوں کا پیسنا ہوگا ۔

بادشاہت کے بیٹے۔عبرانی محاورہ کے مطابق فرزند یا بیٹے ایک گہرا تعلق یا رشتہ ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً بنی بلعال سے مراد شرارت کے فرزند ہیں یعنی لوگ جو گویا شرارت سے پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی خاصیت شرارت کے چشمہ سے اخذ کی تھی۔ اسی طرح نافرمانی کے فرزند (خط افسیوں ۲باب۲آیت)غضب کے فرزند (خط افسیوں ۲باب ۳آیت) "بادشاہت کے بیٹے یا فرزند "ایسا محاورہ ہے جس سے مسیح یہودیوں کو فرماتے ہیں کہ وہ جو اجنبی ہیں وہ بادشاہت کی نعمتوں سے متمع ہونگے ۔ مگر اس کے اپنے فرزند خارج کئے جائیں گے۔مراد یہودیوں سے ہے ۔

باہر کے اندھیرے میں ڈالے جائیں گے۔ یہ کلام اس نقشہ سے استعارہ کیا گیا ہے ۔ جہاں ایک مکان چراغوں کی روشنی سے بقعہ نور ہورہا ہے۔ لیکن اس کے باہر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ اگر کوئی شخص اس محل سے نکالا جائے تو وہ اندرونی روشنی کے مقابلہ میں بیرونی تاریکی کی کثرت کو وبال جان سمجھے گا ۔(دیکھئے حضرت متی ۲۲باب ۱۳آیت ،۱۵باب ۳۰آیت ،خط یہوداہ اور خط دوم حضرت پطرس ۲باب ۱۷آیت) میں تاریکی کی سیاہی "آیا ہے)۔

وہاں رونا اوردانتوں کا پیسنا ہوگا۔ محل کے اندرضیافت کے سامان
اورخوش گلو کو گوں کی مداح سرائی کے خوش لحن گیت اپنا لطب
دے رہے ہیں۔ لیکن باہر رونا اوردانت پیسنا گلے کا ہاربن رہا ہے۔ یہ
محاورہ چھہ مرتبہ حضرت متی میں آیا ہے ۔(حضرت متی ۱۳باب
۴۲آیت ،۲۲باب ۱۳آیت ،۲۴باب ۵۱آیت ۲۵باب ۳۰آیت) اور
حضرت لوقا میں بھی پایا جاتا ہے (حضرت لوقا ۱۳باب ۲۸آیت)او
رہمیشہ حرف تعریف کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ پس ہمیشہ
آنے والی سزا پر دلالت کرتا ہے (امریکن کامنٹری متی پر)

آیت نمبر۱۳۔اورجنابِ مسیح نے صوبہ دار سے کہا جیسا
تو نے اعتقاد کیا تیرے لئے ویسا ہی ہو۔ اوراسی گھڑی خادم
نے شفا پائی۔

کہا جا۔ نہائت محبت اوردلا سے سے کہا جا۔ نہ کہ درشتی اورسختی
سے ۔جیسا تیرا ایمان بڑا ہے ویسی ہے بڑی برکت بھی تجھے ملے۔
اسی گھڑی ۔ اس پر زور ہے۔ فوراً اسی دم ۔

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔صوبہ دار۔اس کی سخاوت خدا کے لوگوں پر (حضرت لوقا ۷باب۵آیت)اس کی محبت بھری مہربانی ایک نوکر پر (حضرت متی ۸باب ۶آیت ،حضرت لوقا ۷باب ۲آیت)اپنی نسبت اس کی نہائت فروتن رائے۔ (حضرت متی ۸باب ۸آیت)اس کا مسیح پر مضبوط ایمان رکھنا (حضرت متی ۸باب ۸تا ۱۰آیت)اس کی درخواست کا ٹھیک مسیح کی مرضی کے مطابق ہونا اور اس کا علے الفور جواب ملنا۔(حضرت متی ۸باب ۱۳آیت)۔

۲۔خوں ریز لڑائیوں کے پیشواؤں نے بھی بڑی بڑی نذریں مسیح کو چڑھائی ہیں۔ مثلاً یہ صوبہ دار،قرینیلس اور وہ صوبہ دار جو مسیح کی صلیب کا اہتمام رکھتا تھا۔ (حضرت متی ۲۷باب ۵۴آیت) اس کے مطیع تھے۔

۳۔جو اپنے نوکروں کی خدمت کرنا نہیں جانتا وہ اس لائق نہیں کہ اس کی خدمت کی جائے بڑائی کا خیال غرور پیدا نہ کرنے پائے۔ چاہیے کہ ہم نوکروں پر جب نگاہ کریں تو اس وقت۔ یہ یاد رکھیں کہ ہمیں اپنے مالک مسیح پر بھی ایک دن نظر ڈالنا ہے۔ کوئی نوکر شائد اپنے ماسٹر کی بھی اتنی پرواہ نہ کرتا جتنی اس آقا نے اپنے خادم کی کی۔

۴۔جو اپنے تیئں ہیچ سمجھتے ہیں وہی اوروں سے حقیقی عزت پاتے ہیں۔ اور جو اوروں سے عزت پاتے ہیں وہی اپنے تیئں نالائق جانتے ہیں۔ نہ اس لئے کہ وہ اپنی لیاقتوں اور خوبیوں سے واقف نہیں ہوتے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ زیادہ تر نالائقیوں کو دیکھتے ہیں۔ مذہب میں پہلی شے کیا ہے؟فروتنی ۔دوسری شے کیا ہے ؟فروتنی ،تیسری شئے کیا ہے فروتنی۔

۵اگر چہ یہ شخص بڑا اعلے مرتبے والا اور عالیجاہ تھا۔ مگر جب اس نے مسیح کی عظمت اور خوبی دیکھا اور اپنے ناچیزپن کو پہچانا تو کہا کہ میں "اس لائق نہیں"پہلے مسیح کو دیکھو اور پھر اپنے آپ کو دیکھو اور تو تم بھی یہی کہو گے۔ صوبہ دار کا یہ کہنا گویا سب چیزوں کے لائق ہونے کا ثبوت تھا۔

۶۔حکومت اور تابعداری دست بدست چلتی ہیں۔ کاش کو ہم بھی اپنے آقا ومولا سیدنا مسیح کے ایسے ہی نوکر ہوں۔ مگر ہماری حالت دگر گوں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا کو چھوڑو۔ ہم دنیا کی طرف بھاگتے ہیں۔ وہ کہتا ہے میری طرف آؤ ہم اس سے بھاگتے ہیں۔

مسیح کئی لوگوں کے گھروں میں جا کر بیٹھے مثلاایک مغرور فریسی کے گھر میں گئے۔ مگر اس کا اس کا دل اس کی حضوری سے خالی رہا لیکن

اس صوبہ دار کے دل میں اس نے سکونت اختیار کی حالانکہ اس نے اسے اپنے گھر آنے سے روکا۔

۷۔آسمانی برکت ابراہیم ،اضحاق اور یعقوب کا فرزند ہونے پر منحصر نہیں کیونکہ میراث مورثی نہیں۔ بلکہ ایمان پر مبنی ہے۔

کفرناحوم کے عبادت خانہ میں ایک بدروح کے گرفتار کو شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۱باب ۲۳تا ۲۶آیت ،حضرت لوقا ۴باب ۳۳تا ۳۶آیت)

آیت نمبر۲۱۔پھر وہ کفرناحوم میں داخل ہوئے۔

حضرت لوقا مسیح کےکفرناحوم میں داخل ہونے کو اس کے ناصرت میں روکے جانے سے مربوط کرتا ہے۔ اور حضرت متی ۴باب ۱۳آیت جہاں لکھا ہے کہ وہ ناصرت چھوڑکر کفرناحوم میں جا بسا حضرت لوقا کے بیان کی تائید کرتا ہے ۔ واضح ہو کہ حضرت مرقس ۱باب۲۱آیت حضرت لوق کے بیان کی تردید نہیں کرتا۔ یہاں کوئی پوچھ سکتا ہے کہ یوحنا مسیح کے کفرناحوم میں رہنے کا حال کس لئے بیان نہیں کرتا؟اس کا سبب یہ ہے کہ وہ مسیح کے گلیلی کام اور رہائش کا بہت تھوڑا بیان کرتا ہے تاہم وہ اس کے کفرناحوم میں رہنے سے بالکل ناواقف نہیں۔ بلکہ وہ بھی اس کی طرف اشارہ کرتا ہے (دیکھو حضرت یوحنا ۲باب ۱۲آیت ، ۶باب ۵۹آیت)کئی وجوہات سے جنابِ مسیح کا کفرناحوم میں رہنا مفید تھا۔ یہ شہر اس سڑک پر

واقعہ تھا جو بحیرہ اعظم کی جاتی تھی۔ اوروہ صوراورصیدا اورعرب اوردمشق کی باہمی تجارت کا مرکز تھا۔ بہت سے لوگ یہاں جمع رہتے تھے۔ اوراس جگہ سے وہ بآسانی یہودیہ اتوریہ اورگلیل فراز کی طرف انجیل کی منادی کے لئے جاسکتا تھا۔ علاوہ بریں یہاں کاہنوں اور فریسیوں اورفقہیوں کا اتنا زورنہ تھا جتنا یروشلم میں تھا۔ اورپھر اس کے شاگرد پطرس کا گھربھی غالباً اسی جگہ تھا۔ اوروہ اس کے گھرمیں پناہ گزین ہوسکتا تھا۔ آرام کے لئے اس جھیل کے ساحل سے بڑھ کر اور کوئی جگہ عمدہ نہ تھی۔ اور خطرہ کے وقت وہ بآسانی یہاں سے تیتراک فلپ کے علاقہ میں جاسکتے تھے۔ ماسوائے ان تمام وجوہات کے کفر ناحوم کی اخلاقی حالت بگڑی ہوئی تھی اس سبب سے بھی اخلاقی امراض کے حکیم نے اسی جگہ کو اپنا مسکن اختیارکیا ہوگا۔ یہ شہرپرانے عہدنامے میں مذکورنہیں ہوا۔ جھیل کے مغربی ساحل پر گنیسرت کی سرزمین واقع تھا۔(حضرت متی ۱۴باب ۳۴آیت ،حضرت یوحنا ۶باب ۱۷تا ۲۴آیت)اوراتنا بڑا تھاکہ اسے شہر کہہ سکتے تھے(حضرت متی ۹باب ۱آیت)وہ محصول لینے کی جگہ تھی (حضرت متی ۹باب ۹آیت ،حضرت لوقا ۵باب ۲۷آیت)اوررومی سپاہیوں کا ایک دستہ بھی اس میں رہا کرتا تھا۔ (حضرت متی ۸باب ۹آیت ،حضرت لوقا ۷باب ۸آیت)۔

اوروہ فوراً سبت کے دن عبادت خانہ میں جاکرتعلیم دینے لگا۔ اوراس تعلیم میں (حضرت مرقس ۱باب ۱۵آیت)وہ یوحنا بپتسمہ دینے والی کی "توبہ کی منادی " کے علاوہ وقت کے پورا ہونے کی خبربھی دیتا تھا۔اس کی منادی میں توبہ کروکیونکہ "وقت نزدیک ہے"نہیں آتا بلکہ اس کےعوض"وقت پورا ہوگیا ہے " آتا ہے۔ ماسوائے اس کے وہ انجیل پرایمان لانے اوراسے قبول کرنے کی تعلیم بھی دیا کرتا تھا۔

آیت نمبر۲۲۔اورلوگ اس کی تعلیم سے حیران ہوئے کیونکہ وہ ان کو فقہیوں کی طرح نہیں۔ بلکہ اختیاروالے کی طرح تعلیم دیتا تھا۔

لوگ اس کی تعلیم سے حیران ہوئے ۔ناصرت کی نسبت ان لوگوں پر زیادہ اثر ہوا۔ فقہیوں کی طرح نہیں۔فقہیوں کا فرقہ پہلے پہل عزرا کے زمانہ میں سر بلند ہوا۔ فقہیہ شریعت کو نقل کیا اورپڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ اوربزرگوں کی روائتوں کے وسیلہ اس کی محافظت کیا کرتے تھے (حضرت متی ۱۵باب ۲۰آیت)اصل فقہیہ "شمعون راستباز"کے زمانہ تک موجود رہے ۔ یعنی قبل از مسیح ۳۰۰سال تک ۔انجیل شریف میں "ان کو عالم شرع " یا"شریعت کے سکھلانے والے "بھی

کہا ہے (حضرت متی ۲۲باب ۳۵آیت اور حضر ت لوقا ۵باب ۱۷آیت)ان کی تعلیم خارجی وسائل پر مبنی تھی۔ وہ فقط ربیوں کے فیصلوں کو پیش کیا کرتے تھے۔ لیکن ہمارے آقا ومولا کی تعلیم آزادانہ اوربااختیارصورت میں پیش کی جاتی تھی۔وہ نئی اورتازی باتیں بتایا کرتے تھے۔ ان کا بیان ان الفاظ سے شروع ہوا کرتا تھا۔ "پچھلوں نے ایسا کہا ہے"مگرمسیح کے یہ الفاظ تھے۔ میں تم سے کہتا ہوں"۔

آیت نمبر ۲۳۔اورفی الفورعبادت خانہ میں ایک شخص ملا جس میں ایک ناپاک روح تھی۔ وہ یوں کہہ چلا یا۔

(حضرت مرقس آیت ۲۳)اس معجزے کی شرع دیکھو جس میں ان دوشخصوں کا ذکرہے جن پر دیو چڑھے ہوئے تھے۔

آیت نمبر ۲۴۔کہ اے مسیح ناصری ہمیں تجھ سے کیا کام۔کیا تو ہمیں ہلاک کرنے آیا ہے ۔ میں تجھے جانتا ہوں کہ توکون ہے ۔ خداکا قدوس۔(حضرت مرقس ۲۴باب)

کیا تو ہمیں ہلاک کرنے آیا ہے۔ غورطلب بات یہ ہے کہ وہ جوپہلے صیغہ واحد کی صورت میں متکلم ہوتا ہے یہاں وہی جمع کے صیغہ میں سوال کرتا ہے۔ کیا۔تو ہمیں ہلاک کرنے آیا ہے ۔ ممکن ہے کہ وہ یہاں بدروحوں کی جماعت کا قائم مقام ہوکرکلام کررہا ہے۔ گویا تمام بدروحیں اس کے وسیلے مسیح سے ڈررہی ہیں ۔ یہ الفاظ پکی شہادت ہیں۔اس مخالفت کی جو بدروحوں کی بادشاہت اور مسیح کی بادشاہت میں پائی جاتی ہے یہ الفاظ مسیح کے کلی اختیارات اور فضیلت پرگواہی دیتے ہیں۔ شیطانی سلطنت کے ضعف اورتنزل پر دلالت کرتے ہیں۔

میں تجھے جانتا ہوں کہ تو کون ہے ۔خدا کا قدوس ۔جس طرح فرشتوں نے اپنے گیت میں اس اپنے بادشاہ کو پہچانا (حضرت لوقا ۲باب ۱۳تا ۱۴آیت)اسی طرح یہ بدروحیں بھی اس کو فوراً پہچان لیتی ہیں مگرنا امیدی کے نعروں کے ساتھ ۔ ان کی پہچان سے کس طرح کی امید اوراطاعت مترشح نہیں بلکہ سخاوت بغاوت عیاں ہیں۔ دیکھو بدروحیں بھی اس کو مانتی اوراس سے کانپتی ہیں۔ (انجیل شریف خطِ یعقوب ۲باب ۱۹آیت)فقط انسان سے اپنے "بادشاہ کو" اس کے جمال میں نہیں پہچانتا ہے ۔(یسعیاہ ۳۳باب ۱۷آیت) وہ دنیا میں تھا اوردنیا کو اس نے بنایا۔ تو بھی دنیا نے اسے نہ جانا۔(حضرت یوحنا ۱باب ۱۰آیت)۔زمین نے اپنے بادشاہ کو نہ پہچانا ۔ لیکن آسمان اوردوزخ اس پرگواہی دیتے ہیں۔

آیت نمبر۲۵۔ جنابِ مسیح نے اسے جھڑک کر کہا چپ رہ اوراس میں سے نکل جا۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ کیوں جناب ِمسیح اس کی گواہی کو ردکرتے ہیں۔ اس قسم کی تردید کی اورمثالیں بھی ہیں۔ (حضرت مرقس ۱باب ۳۴آیت ،حضرت متی ۸باب ۲۹آیت)یہ بیان اس واقعہ سے مشابہت رکھتا ہے جوپولوس کے وقت میں سرزد ہوا ۔ اورجس کا ذکر (اعماالرسل ۱۶باب ۱۶تا ۱۸آیت) میں درج ہے۔ وہاں ہم ایک لڑکی کو دیکھتے ہیں جوایک بدروح کے بس میں تھی ۔وہ پولوس اوراسکے ساتھیوں کے کام پر گواہی دیتی ہے۔لیکن پولوس اس کی گواہی کو قبول نہیں کرتا ۔ اورمسیح کی طرح اس روح کو حکم کرتا ہے کہ اس لڑکی میں سے نکل جائے۔ اس گواہی کو پڑھ کر تعجب آتا ہے کہ ایسی صریح اورصاف گواہی مسیح کی ذات اورشخصیت کی نسبت ایسے مخالف کی جانب سے آتی ہے ۔ توقع تو یہ تھی کہ یہ بدروح اس کی ذات اورشخصیت کو تاریکی اورغلطی میں ڈالنے کی کوشش کرتی۔ مگر برعکس اس کے اس کی گواہی بالکل صاف ہے۔ اس کا کیا سبب ہے ؟ٹرنچ صاحب نے دو خیال اسکے جواب میں پیش کئے ہیں۔ اول ۔ کہ شائد غلاموں کی طرح اس نے ڈرکے مارے خوشامد اورتملق کی راہ سے ایسا کہا۔ تاکہ اس کا غضب اورغصہ ٹل جائے۔دوم۔ یااس لئے کہ وہ ایک اورطرح اس کے کام کو نقصان پہنچائے۔ یعنی جب لوگ اس کے منہ سے صداقت کی بات سنیں تو وہ مسیح کی سچائی پر شک اورشبہ لائیں۔ ہمارے آقا ومولا کو اس قسم کی گواہی کی ضرورت نہ تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ان بدروحوں پر فتح پانا اوران کو نکالنا بجائے خو دایک عمدہ اورپختہ گواہی اس کے کام کی ہے ۔ وہ ناپاک لبوں سے اپنی تعریفیں نہیں کرواتا ۔(زبور۵۰آیت ۱۶)۔

جھڑک کر کہا۔ میکل کی طرح نہیں (انجیل شریف خطِ حضرت یہوداہ ۱باب۹آیت) نکالتا ۔ بلکہ اسے اپنے نام سے نکالتا ہے۔

آیت نمبر۲۶۔پس وہ ناپاک روح اسے مروڑکر اوربڑی آواز سے چلا کر اس میں سے نکل گئی ۔

کیا اس بدروح نے مسیح کا کہا نہ مانا؟معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ گویا نہ مانا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ بڑی آواز سے چلا کر اس میں سے نکل گئی۔ حالانکہ اس کا حکم چپ رہنے کے لئے تھا۔ لیکن مسیح نے اسے چلانے سے نہیں روکا تھا بلکہ بولنے سے روکا تھا۔ پس اس نے اس کی عدول حکمی نہیں کی۔

ایک اورنکتہ بھی حل طلب ہے۔ او روہ یہ ہے کہ کیا حضرت مرقس اورحضرت لوقا میں اختلاف پایا جاتا ہے ؟کیونکہ حضرت مرقس تو کہتے ہیں کہ یہ روح اسے مروڑکر چلی گئی۔ مگر لوقا کہتا ہے کہ بے ضرر پہنچائے اس میں سے نکل گئی۔ درحقیقت ان دونوں بیانوں میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے ۔ حضرت مرقس کا "مروڑنا " "لوقا کے "پٹکنے " کے برابر اوربے ضرر سے مراد یہ ہے کہ اس نے اس کو کسی طرح کا دائمی نقصان نہ پہنچایا۔ (حضرت مرقس ۹باب ۲۶آیت) پر غورکرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس سے بھی شدید آثار نمایاں ہوئے۔ جب شیطان دیکھتا ہے کہ اب فلاں شخص پر اپنا قبضہ نہیں رکھ سکتا اس وقت وہ اسے برباد کرنے کو شش کرتا ہے۔جس طرح فرعون نے بنی اسرائیل کو اس وقت بہت دکھ پہنچایا جب اسے یہ یقین ہوگیا کہ اب یہ میرے قبضہ میں نہیں رہیں گے ۔ (ٹرنچ)۔

دیکھو شیطان کسی کو اتنا دکھ نہیں دیتا جتنا ان کو جو اس کے قبضہ سے ہمیشہ کے لئے کل جاتے ہیں۔ حضرت متی کی انجیل میں پہلا معجزہ کوڑھی کو چھوکر شفا بخشنا ہے ۔(حضرت متی ۸باب ۴آیت)حضرت یوحنا میں پہلا معجزہ پانی کو مے بنانے کا ہے (حضرت یوحنا ۲باب ۱تا ۱۱آیت)حضرت مرقس اورحضرت لوقا کا پہلا معجزہ (حضرت لوقا ۴باب ۳۳تا ۳۷آیت ،حضرت مرقس ۱باب ۲۳تا۲۶آیت)کفرناحوم کے عبادت خانہ میں ایک بدروح کونکالنے کا ہے۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔دیکھو کس طرح آسمانی اورشیطانی طاقتیں گرجا میں دوچار ہوتی ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عبادت خانہ میں مسیح کا اس بدروح کے گرفتار کو شفا بخشنا ناذیل کی باتوں پر دلالت کرتا ہے ۔ اس بات پر کہ مسیح شیطان کی بادشاہت پر غالب آئے گا۔ اوروہ مصیبت زدوں کو اپنی رحمت سے بچائے گا۔ اوروہ اس معجزہ کے وسیلہ اپنی انجیل کی کامیابی پرمہر کرتا ہے کہ وہ دنیا پر غالب آئے گا۔

۲۔بدوں کی خاصیت یہ ہے کہ ان میں علم ہوتا ہے مگر محبت نہیں ہوتی۔ سچائی سے نفرت کرتے مگر ساتھ ہی خوشامد کرنے کی علت میں بھی گرفتار ہوتے ہیں۔ مسیح سے شریر نفرت کرتا ہے ۔مگر جب اس کے زورآوربازو کو دیکھتا ہے تو خوشامد اورتملق اختیارکرتا ہے ۔وہ غرور سے پر ہوتے مگر اس کے ساتھ ہی بزدل بھی ہوتے ہیں۔ ایسے آدمی اول درجہ کے مغرور ہوتے ہیں۔ پر ذرا سی بات سے ڈر

جاتے ہیں۔ گناہ انسان کو بزدل بناتا ہے حتیٰ کہ وہ ذرا سی بات سے ڈر کر بھاگ جاتا ہے۔

۳۔مسیح اور بدروح کا مقابلہ ۔ مسیح خاموش اورمطمئن ہے۔ بدروح جذبہ میں آئی ہوتی ہے۔اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک کے خیالات ایک جامنجمد اور دوسرے کے منتشر ہیں۔ایک محبت کی روح سے بھر پور اور دوسرا دکھ دینے پر آمادہ ہے۔ایک سرفراز ہوتا ہے اور دوسرا پست ۔ ایک فتح پاتا ہے اور دوسرا مغلوب ہوتا ہے۔۵۔مسیح شیطان کے کاموں کو نیست کرنے آیا ۔اسی بیخ کنی میں اس کا جلال ہے (حضرت یوحنا ۳باب ۸آیت)۔

۴۔مسیح شریر لبو ں کی گواہی قبول نہیں کرتا(زبور شریف .۵آیت ۱۶)۔

۵۔دیکھو شیطان مسیح کو قدوس جانتا ہے۔ مگر نجات دہندہ نہیں مانتا۔

۶۔علم اور ایمان میں کیسا فرق ہے ۔ یہ بدروح مسیح کی ذات اور شخصیت کا خاصہ علم رکھتی ہے مگر ایمان سے بے بہرہ ہے۔ کیا یہ کہنا بیجا ہے کہ اس طرح کاعلم نجات بخش نہیں ہوتا ۔ نجات ایمان سے ہے۔

حضرت پطرس کی ساس اور،اوربیماروں کا شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۸باب ۱۴تا ۱۷آیت ،حضرت مرقس ۱باب ۲۹تا ۳۴آیت، حضرت لوقا ۴باب ۳۸تا ۳۹آیت)

حضرت مرقس اورحضرت لوقا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معجزہ پہاڑی وعظ سے پہلے سبت کے دن کفرناحوم کے عبادت خانہ کو چھوڑنے کے بعد واقع ہوا۔ لیکن حضرت متی جب ان معجزوں کا ذکرکرتے ہیں تو وقت اورجگہ کا لحاظ نہیں کرتے ۔

حضرت متی ۸باب ۱۴آیت ۔اور جنابِ مسیح نے پطرس کے گھرمیں آکراس کی ساس کوتپ میں پڑے دیکھا۔

حضرت مرقس اورحضرت لوقا کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معجزہ اس معجزہ کے بعد سرزد ہوا جس کا تذکرہ ہم نے ابھی ختم کیاہے۔ یعنی عبادت خانہ میں بدورح کونکلنے کے بعد وہ حضرت پطرس کے گھرمیں تشریف لے گئے اور وہاں ان کی سا س کو شفا بخشی۔

پطرس کے گھرمیں آکر۔ اندریاس غالباً اپنے بھائی کے گھرمیں رہتا تھا۔ اوریعقوب اوریوحنا اوراس وقت مسیح کے ساتھ ان کی ملاقات کو آئے ہوں گے ۔ پطرس اوراندریاس بیت صیدا (حضرت یوحنا ۱باب ۲۴آیت) کے رہنے والے تھے ۔ لیکن اغلب ہے کہ یہاں آبسے ہوں گے ۔ یا شائد بیت صیدا کفرنا حوم کے قریب واقعہ ہوگا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ بیت صیدا کفرناحوم کا بندرگاہ تھا۔

دیکھو اندریاس بڑا تھا۔ وہی پطرس کو مسیح کے پاس لایا تھا۔ اوروہی پہلے بلایا گیا تھا۔ تاہم اس کا نہ اس جگہ اورنہ کسی اورجگہ اتنا ذکرآتا ہے جتناپطرس کا۔

اس کی ساس کو تپ میں پڑے دیکھا۔ حضرت لوقا بتاتا ہے کہ "بڑی تپ چڑھی تھی " اس زمانہ میں تپ دو قسموں میں تقسیم کی جاتی تھی ۔ اور حضرت لوقا جوطبیب تھے اصطلاحی لفظ"بڑی تپ " استعمال کرتے ہیں۔ اوربعض کی رائے ہے کہ یہ تپ اپنی علامتوں سے ٹائفیڈ معلوم ہوتی ہے۔ ملیریا فیوریردن کے دہانہ کے نزدیک بسبب دلدل کے عام ہے۔

آیت نمبر۱۵۔جناب ِمسیح نے اس کا ہاتھ چھوا اورتپ اس پر سے اتر گئی اوروہ اٹھ کرآپ کی خدمت کرنے لگی۔

حضرت لوقا بتاتے ہیں کہ اس کی طرف جھکا اورتپ کو جھڑکا ۔ حضرت مرقس اورحضرت لوقا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کی منت کی کہ وہ اسے بخار سے آزاد کرے۔ ہمارا مالک صرف حکم کے وسیلے بڑے فاصلہ سے مریضوں کو اچھا کردیتے ہیں۔ پر عموماً وہ مریض کو چھوا کرتے تھے۔ یاہاتھ سے ان کو پکڑا کرتے تھے۔ اوراس کی یہ غرض تھی کہ یہ بات روشن ہوجائے کہ معجزے کی قدرت کا اصل چشمہ وہ خود ہے۔

اوراٹھ کرآپ کی خدمت کرنے لگی۔ حضرت مرقس اورحضرت لوقا میں ہے "ان کی خدمت کرنے لگی" ۔ یعنی مسیح کی اورآپ کے رفیقوں کی جوآپ کے ساتھ تھے خدمت کرنے لگی ۔ اوراس خدمت سے غالباً مہمان نوازی کے لوازمات کوپورا کرنا مراد ہے ۔ یعنی وہ عام طریقہ جس سے عورت اپنے گھر میں اپنی شکرگزاری ادا کرسکتی ہے۔ مقدس جیروم فرماتے ہیں کہ جس ہاتھ کو چھوا اورشفا بخشی۔وہی اب خدمت کرنے لگ گیا۔ اوریہ نمونہ انکےلئے ہے جو روحانی طورپر شفا پاتے ہیں۔ چاہئیے وہ اپنی نئی طاقت کو مسیح اوراس کے لوگوں کی خدمت میں صرف کریں۔ دوسرا خیال غورطلب یہ ہے کہ اس نے دیرنہیں کی بلکہ فوراً خدمت کرنے لگی۔ واضح ہو کہ سخت بخار کے بعد لوگ کمزور ہوجاتے ہیں۔ اور فوراً اپنے کاموں میں مصروف ہونے کے قابل نہیں ہوتے۔ لیکن یہ شفا ایسی کامل تھی کہ وہ فوراً کام کرنے لگ گئی۔ طاقت بتدریج نہیں آئی بلکہ اسی وقت آگئی۔ پھر یہ بھی غورکے لائق ہے کہ اس نے خدمت میں تاخیرنہیں کی۔

یہ معجزہ اوراس سے پہلے معجزے ایسے مشہور ہوئے کہ شام کے وقت بہت مریض اوربدروحوں کے گرفتاراس سے شفا پانے کے لئے آئے۔ چنانچہ لکھا ہے ۔

آیت نمبر۱۶۔جب شام ہوئی تو لوگ آپ کے پاس بہت سے شخصوں کو لائے جن میں بدروحیں تھیں۔ اس نے روحوں کوکلام ہی ذریعہ نکالا اورسب بیماروں کو اچھا کیا۔

حضرت لوقا بتاتے ہیں کہ" جن کے ہاں طرح طرح کی بیماریوں کے مریض تھے لوگ ان کو سورج کے ڈوبنے پرآپ کے پاس لائے۔

شام کو لائے کیونکہ اس وقت گرمی کم ہوگئی ۔یاشائد اس لئے کہ اس دن سبت تھا اوریہودیوں کے دستور کے بموجب شام کے وقت سبت ختم ہوجاتا تھا۔اس نے روحوں کوبھی نکالا۔ مگرکلام ہی کے وسیلے دیکھو جس طرح مسیح نے کوڑھ اورتپ والوں کوچھوا اس طرح ان اشخاص کوجن بدروحیں تھیں کبھی نہیں چھوا۔

یاد رہے کہ جنابِ مسیح خود سبت کے روز شفا بخشنے سے پس وپیش نہیں کرتے ۔اس نے اس سبت کے روزبھی معجزہ کیا۔ اوراس کے بعد باربارسبت کے دن معجزات دکھائے۔

ایک مسیحی عالم کا یہ ریمارک بہت خوب ہے "سورج جو کہ آج ان مصیبت زدہ بیماروں کی گروہ کودکھ میں مبتلا دیکھ کر غروب ہوا تھا ۔ کل انہیں اپنے طلوع کے وقت تندرست پاتا ہے۔

ہمارے آقا ومولا کےمعجزے بے شمارتھے۔ جوانجیل شریف میں رقم ہیں وہ مشتے نمونہ ازخروارے کا کام دیتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اس نےبے شمارمعجزے کئے۔ مثلاً صرف متی کی انجیل میں دیکھو (۴باب ۲۴آیت ،۹باب ۳۵آیت ،۱۱باب ۴آیت ،۱۲باب ۱۵آیت ،۱۴باب ۳۵آیت ،۱۵باب ۳۰آیت ،۱۹باب ۲آیت)ان بے شمارمعجزوں پر غورکرنے سے معلوم ہوجاتاہے کہ مسیح کس قدراوروں کی بھلائی کے لئے ایسے کام کیاکرتے تھے۔

حضرت متی اس موقع پر ایک نبوت حضرت یسعیاہ کی کتاب سے اقتباس کرتے ہیں۔ جس میں چند مشکلات ہیں جن کا حل کرنا بہترمعلوم ہوتا ہے۔ وہ نبوت یہ ہے "اس نے آپ ہماری کمزوریاں لے لیں اوربیماریاں اٹھالیں"(بائبل مقدس صحیفہ حضرت یسعیاہ ۵۳باب ۴آیت)ان واقعات کی جو الفاظ مذکورہ بالا میں مندرج ہیں نبوت کی گئی تھی۔اوروقت معینہ پرپوری ہوئی۔ یہ چھٹی نبوت ہے جو متی اقتباس کرتے ہیں۔ (دیکھو ۱باب ۲۳آیت ،۲باب ۵آیت ،۱۵باب ۲۳آیت ،۴باب ۱۴آیت)یسعیاہ ۵۲باب ۱۳سے ۵۳باب ۱۲آیت تک مسیح کی ان تکالیف اوردکھوں سے علاقہ رکھتے ہیں۔جو اس نے ہمارا عوضی ہوکرہمارے لئے اٹھائیں۔(مقابلہ کریں انجیل شریف خط اول حضرت پطرس ۲باب ۲۴آیت)اب مشکل یہ ہے کہ حضرت پطرس کے مذکورہ بالا مقام کے مطابق تو مسیح گناہوں کا اٹھانے والا ثابت ہوتا ہے لیکن حضرت متی اس جگہ اسے بیماریوں اورکمزوریوں کا اٹھانے والا بتاتا ہے ۔ اورحضرت متی اصل کے زیادہ قرین معلوم ہوتا ہے ۔ اب اس سے تو یہ ظاہرہوتا ہے کہ گویا مسیح نے ہماری کمزوریاں اوربیماریاں جو ہمارے گناہوں کی سزا یا نتیجہ ہیں اٹھالیں ۔ حضرت متی اورحضرت پطرس میں جو بظاہر جو فرق معلوم ہوتا ہے وہ حل ہوجائے گا ۔ اگر ہم اس بات پر غورکریں کہ نوشتوں میں اخلاقی اورجسمانی دکھ میں بڑا گہرا رشتہ پایا جاتا ہے۔ او رہم دیکھتے ہیں کہ قریباً ہر زبان میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن کا اطلاق اخلاقی اورجسمانی بدی دونوں پر ہوتا ہے ۔ پر مشکل

اس بات میں ہے کہ مسیح نے یہ بیماریاں اپنے اوپر کس طرح لے لیں یا اٹھالیں ؟البتہ اس نے بیماروں کی بیماریاں دورتو کیں مگر اپنے اوپر نہیں لیں۔

ایک حل اس مشکل کا یہ ہے کہ اس کی محنتیں جو وہ بیماروں کو شفا بخشتے وقت اٹھاتا تھا اس روز دن کے خاتمے پر بھی ختم نہ ہوئیں۔بلکہ اس نے غروب آفتاب کے بعد بھی اپناکام جاری رکھا ۔ جس کے سبب سے وہ تھک گیا اور تھکنے سے اس کو جو کامل انسان تھا دکھ پہنچا ۔ لہذا اس معنی میں اس نے اوروں کی بیماریاں اپنے اوپر اٹھالیں کہ ان کی بیماریوں کو شفا بخشنے کے سبب خود تکان اور ماندگی میں گرفتاررہوا۔

ایک شرح یہ پیش کی گئی ہے کہ یہ طاقت اس کی باطنی بھرپوری سے نکلتی تھی۔ اورجس طرح وہ جسمانی طاقت کو صرف کرنے سے تھک جاتاتھا اسی طرح روحانی طاقت کے صرف کرنے سے روحانی طور پر تھک جاتا تھا۔ لہذا اس معنی میں اس کا تھک جانا گویا بیماروں کی بیماریوں کو اپنے اوپر اٹھالینا تھا۔ ٹرنچ صاحب اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اول یہ تعلیم صحیح نہیں اورپھر یہ ثابت نہیں کہ حضرت متی دیگر معجزوں اورکاموں کو نظر اندازکردیتا ہے۔اور فقط اسی دن کی محنتوں پر یسعیاہ کی نبوت کو چسپاں کرتا ہے۔ پس جس طرح اس دن کے معجزوں پر یہ نبوت عائد ہوتی ہے اسی طرح اوردنوں کے معجزوں پر بھی عائد ہوسکتی ہے ۔ مانکہ یہ دن بڑی تکان اورماندگی کا دن تھا۔ توبھی جس طرح اس دن ہوا سی طرح ہر روزان دکھوں اوربیماریوں کا بوجھ اس پر گرتا تھا۔ جو اپنے شفا بخش ہاتھ سے دورکرتا تھا ۔ ٹرنچ صاحب اس قانون کا ذکرکرتے ہیں جو مدد پہنچانے میں کام آتا ہے ۔ اوروہ اصول یہ ہے کہ "تم ایک دوسرے کا بار اٹھاؤ"(انجیل شریف خط گلتیوں ۶باب ۲آیت)اگر تم کسی کا بوجھ اٹھانا چاہتے ہو تو ضرور ہے کہ تم خود اس کے نیچے آؤ۔اور جس غم کوتسلی سے مالا مال کرنا چاہتے ہو۔ ضرورہے کہ خود اس کو محسوس کرو۔ یہ قانون جو ہمدردی اوررحم کے کاموں میں ظاہر ہوتا ہے جنابِ مسیح میں کامل درجہ کو پہنچ جاتا ہے ۔ نہ صرف بیماروں کو شفا بخشنے میں بلکہ اس کی تمام زندگی میں اس قانون کا کمال جلوہ گرہے۔ پس جب اس نے فانی زندگی کو اپنے اوپر لے لیا تو اس نے سب بیماریوں کو بھی اپنے اوپر اٹھالیا۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔جس نے ہمارے لئے سب کچھ کیاہم اس کے لئے کیا کریں؟وہ تواب شخصی طورپر موجود نہیں ہے کہ ہم حضرت پطرس کی ساس کی طرح اس کی خدمت (یعنی بدنی خدمت)کریں۔توبھی ہم اس کے لئے بہت کچھ کرسکتے ہیں۔ اوروں کو اس کے پاس لاسکتے ہیں۔(حضرت یوحنا ۱باب ۴۱آیت)ہم اس کے بیمار اورمصیبت زدہ بندوں کی مدد کرسکتے ہیں۔(حضرت متی ۲۵باب ۴۰آیت)ہم عام طورپر اس کے احکام کی پیروی کرکے اپنی محبت کو ظاہر کرسکتے ہیں(حضرت یوحنا ۱۴باب ۱۵آیت)

۲۔حضرت پطرس کا نمونہ ۔ وہ صاحب خانہ شخص تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خانگی تکلیفیں اس کو اس کے مذہ بی کام سے نہیں روکتی ہیں۔ چنانچہ وہ مسیح کے ساتھ عبادت خانہ کوجاتا ہے ۔وہ اپنی خانگی تکلیف کو اپنے مذہ ب میں جگہ دیتا ہے ۔چنانچہ جناب مسیح سے اپنی مریض ساس کے لئے دعاکرتا ہے وہ اسے شفابخشے۔

۳۔جنابِ مسیح کا دن کس طرح صرف ہوا کرتا تھا۔ دعا کی تازگی سے شروع ہوتا تھا محنت کی برکتوں کے ساتھ ختم ہوتا تھا۔

۴۔جناب مسیح مچھوئے کا گھر بادشاہوں کے محل کی نسبت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

۵۔مسیحی مذہب اورخانگی زندگی میں اتحاد ہے اتفاقی نہیں۔

۶۔دیکھو مسیح کیسا کام کرنے والا تھا۔ رات ہوتی جاتی ہے ۔ وہ تھک جاتا ہے مگر پھر بھی لوگوں کو اپنی شفا بخش خدمت سے فائدہ پہنچارہا ہے۔

یروشلم میں بیت حسدا پر ایک پژمردہ شخص کو شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا ۵باب ۱تا ۱۷آیت)

اس کے بعد یہودیوں کی ایک عید ہوئی اورجنابِ مسیح یروشلم تشریف لے گئے۔یروشلم میں بھیڑدروازہ کے پاس ایک حوض ہے جو عبرانی زبان میں بیت حسدا کہلاتا اورپانچ برآمدوں سے گھرا ہوا ہے ۔ ان برآمدوں میں بہت سے اپاہج جو اندھے ،لنگڑے اورمفلوج تھے پڑے پڑے پانی کے ہلنے کا انتظارکرتے تھے کیونکہ پروردگار کا فرشتہ کسی وقت نیچے اترکر پانی ہلاتا تھا اورپانی کے ہلتے ہی جو کوئی پہلے حوض میں اتر جاتا تھا وہ تندرست ہوجاتا تھا خواہ وہ کسی بھی مرض کا شکارہو۔

آیت نمبر ۵۔ وہاں ایک ایسا آدمی پڑا ہوا تھا جو اڑتیس برس سے اپاہج تھا۔

اس آیت میں اڑتیس سال کاذکر ہے ۔ اس عرصہ سے یہ مراد ہے کہ اسکی عمر کل اڑتیس سال کی تھی اورنہ یہ کہ وہ اڑتیس سال سے اس حوض کے کنارے پر بیٹھا حرکتِ آب کی انتظاری کرتا تھا گو اس کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدت سے وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اصل مطلب یہ ہے کہ وہ عرصہ اڑتیس سال سے بیماری کے پنجہ میں گرفتارتھا۔ لفظی ترجمہ ہے جس نے "اڑتیس سال بیماری میں گزارے تھے ۔"بعض اشخاص جوہر بات سے کوئی نہ کوئی علامتی نکالنے کی کوششیں کرتے ہیں وہ اڑتیس سال سے بنی اسرائیل کی آوارگی مراد لیتے تھے۔ اوربیماری سے مسیح کے آنے تک یہودی کلیسیا کی بے امید حالت اوربیت حسدا سے پرانا عہد نامہ مراد لیتے ہیں۔ جس سے محدود برکت ملتی تھی ۔ یعنی صرف کوئی کوئی اچھا ہوتا تھا۔ مسیح کے شفا بخشنے سے انجیلی برکتوں کا زمانہ مرا دلیتے ہیں۔ یہ خیال دین دارانہ توہیں مگرکوئی بنیاد ان کے لئے اس بیان سے نہیں ملتی۔

آیت نمبر ۶۔اس کو جنابِ مسیح نے پڑا ہوا دیکھا۔۔۔۔۔اس سے کہا کیا تو تندرست ہونا چاہتا ہے ؟

کیا تو تندرست ہونا چاہتا ہے۔ ؟؟بادی النظر میں یہ سوال بالکل فضول سا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنی بیماری سے تندرست ہونا نہ چاہتا ہو۔ علاوہ بریں اس مریض کا اس حوض پر حاضرہونا ہی ثابت کرتا ہے کہ وہ تندرست ہونا چاہتا تھا۔ تاہم مسیح کا یہ سوال کوئی معنی رکھتا ہے۔ یہ شخص اتنی مدت سے

یہاں موجود تھا پر کوئی اس کی مدد نہیں کرتا تھا۔ لہذا وہ بالکل مایوس بیٹھا تھا۔ اس کے دکھ اورلوگوں کی بے پروائی نے اس کے نخل امید کو پژمردہ کردیا تھا پس مسیح کا یہ سوال یہ مطلب رکھتا تھا کہ اس کے دل میں امید کا خیال تازہ ہو۔ اوروہ جانے کہ وہ شخص جومجھ سے ہم کلام ہورہا ہے میرے لئے فکر مند ہے۔ مجھ کو پیارکرتا ہے۔ اور یوں اس کی محبت کومحسوس کرکے ایک قدم اورآگے بڑھنے اوراس کی قدرت کا بھی معتقد ہوجائے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ مسیح پہلے اس شخص کو ایمان کی برکت عطا فرماتے ہیں جو دوسری برکتوں کے حصول کے لئے اشد ضروری ہے۔

اس سوال کا یہ مطلب نہیں جیسا بعض نے خیال کیا ہے کہ مسیح یہ کہتے ہیں کہ آج سبت ہے پر کیا تم سبت کے روزاچھا ہونا چاہتے ہو؟

یہ بات قابل غور ہے کہ انجیل شریف بہ مطابق یوحنا میں جتنے معجزے درج ہیں وہ بادشاہ کے ملازم کو چھوڑکر سب ایسے ہیں کہ مسیح بے پوچھے اوربے کہے خود بخود ان کو وجود میں لاتا ہے۔ یعنی کوئی اس سے درخواست نہیں کرتا بلکہ وہ آپ ہی آپ ان کو وجود میں لاتا ہے۔

آیت نمبر ۷۔اس بیمار نے جنابِ مسیح کو جواب دیا۔۔۔۔کوئی ایسا آدمی نہیں کہ جب پانی ہلے ۔۔۔۔دوسرا مجھ سے پہلے اترپڑتا ہے۔

اس شخص کے جواب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ مسیح کے سوال کا جواب نہیں دیتا۔ بلکہ اسے بتاتا ہے کہ میں کیوں اب تک اس بیماری میں مبتلا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ پانی کی تاثیر تھوڑی دیر تک رہتی ہے۔ اورمیں ایسا کمزورہوں کہ خود اس میں اتر نہیں سکتا اور غیر میری مدد نہیں کرتے لہذا اس بیماری میں اب تک مبتلا ہوں گوہر چند چاہتا ہوں کہ کسی طرح کے پنجہ سے مخلصی پاؤں۔

میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں۔ وہ نہ صرف تندرستی کی نعمت سے محروم ہے بلکہ دوستوں کی دوستی سے بھی محروم ہے۔ یہ جملہ انسان کی بےمہری اورسخت دلی پر دلالت کرتا ہے۔

جب پانی ہلے تو مجھے حوض میں اتاردے ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کسی وقت معینہ پر جنبش نہیں کرتا تھا۔ ورنہ یہاں اتنی دیر تک ٹھہرکر انتظارکرنے کی ضرورت نہ تھی۔

میرے پہنچتے پہنچتے دوسرا مجھ سے پہلے اترپڑتا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جگہ بہت تنگ ہوگی کیونکہ وہ یہ نہیں کہتا کہ دوسرے مجھ

سے پہلے اتر پڑتے ہیں بلکہ یہ کہتا ہے کہ دوسرا مجھ سے پہلے اتر پڑتا ہے ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جگہ بہت تنگ تھی۔ اورصرف ایک ہی اترسکتا تھا۔

آیت نمبر۸۔مسیح نے اس سے کہا اٹھ اوراپنا کھٹولا اٹھا کر چل۔

آخر کاراس کی انتظاری اوربے قراری کا وقت تمام ہوجاتا ہے۔ اور مسیح اسے شفا بخشتے ہیں۔ مسیح اس جگہ اس مریض کے ایمان کےمتعلق کچھ تحقیق نہیں کرتے ۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس میں ایمان ہے ۔ اور وہ بھی اس کے حکم کی تابعداری سے اپنے ایمان کا ثبوت دیتا ہے ۔ اس نے اس کا حکم مانا اورمحسوس کیاکہ اس حکم کے ساتھ اس کی قدرت کا دریا بھی بہ نکلا ہے ۔

کھٹولا ۔ اس سے مراد چٹائی یا کوئی کپڑا مثل دری کے ہوگا۔

دیکھو شفا کی کاملیت ۔ اس میں تین درجہ ہیں۔ اٹھ ۔ کھٹولا اٹھا۔ اس کوکامل شفا ملی۔ واضح ہو کہ یہ شخص وہی شخص نہیں جو چھت کے نیچے اتاراگیا تھا ۔(حضرت متی ۹حضرت مرقس ۲اورحضرت لوقا ۵)وقت اورجگہ اورتفصیل سب ظاہر کرتے ہیں کہ وہ یہ شخص نہ تھا۔ خصوصاً یہ بات کہ معجزا ہذا سبت کے روز وقوع میں آیا اس تفریق کے لئے فیصلہ کن ہے ۔

آیت نمبر۹۔وہ شخص فوراً تندرست ہوگیا اوراپنا کھٹولا اٹھا کرچلنے لگا۔

اس مریض کا کھٹولا اٹھا کرچلنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ معجزہ ایک حقیقی معجزہ تھا۔ کیونکہ سوائے الہٰی قدرت کے اورکوئی چیز اتنے برس کے مریض کو اس قابل نہیں بناسکتی تھی کہ وہ نہ صرف آپ ہی چلے بلکہ بوجھ بھی اٹھائے ۔اعماالرسل ۳باب ۲آیت میں ایک لنگڑے کےشفا یاب ہونے کا ذکر پایا جاتا ہے ۔جو شفا پاکر کودنے اورخدا کی تعریف کرنے لگ گیا۔ وہ شخص ماں کے پیٹ سے لنگڑا پیدا ہوا تھا۔ لہذا اس کا لنگڑا پن اس کے کسی شخصی گناہ کا نتیجہ نہ تھا۔ مگر اس شخص کوکھٹولا اٹھانے کا حکم دیا گیا تاکہ یہ فعل اس کےپرانے گناہ کواسے یاددلائے۔

آیت نمبر۱۰۔وہ دن سبت کا تھا۔ پس یہودی اس سے جس نے شفا پائی تھی کہنے لگے کہ آج سبت کا دن ہے ۔ تجھے کھٹولا اٹھانا روانہیں۔

اس حصه میں یعنی ۱۰تا ۱۸آیت تک اس بحث کا ذکر ہے جو اس معجزہ کے سبب سے برپا ہوئی۔ اوراس بحث سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں اول یہ کہ اس مریض کی شفا یابی الہٰی رحمت اورانصاف کو ظاہر کرتی ہے جیسا کہ مسیح کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے (آیت ۱۴)دوم یہودیوں کا الزام لگانا (آیت ۱۰،۱۶،۱۸)سوم مسیح کا اپنے تیئں ان کے الزام سے بری کرنا (آیت ۱۷)۔

یہودی۔ یہ لفظ مسیح کے مخالفوں کے لئے آیا ہے۔ اوربعض دفعہ عام قوم کے لئے بھی آتا ہے ۔ مگر یہاں دینی پیشواؤں کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ شائد سہنڈرم کے شرکا ء سے مراد ہے (دیکھو ۱باب ۱۹آیت ،نیز دیکھو ۷باب ۱آیت ،۹باب ۲۲آیت ،۱۵باب ۱۲آیت)اب یہ لوگ نکتہ چینی شروع کرتے ہیں اورخصوصاً اس لئے کہ اس وقت ان کے پاس مخالفت کے لئے ایک بہانہ موجود ہے اوروہ یہ کہ اس نے اس مریض کو سبت کے دن کھٹولا اٹھانے کا حکم دیا۔اورہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرح ان کے اعتراض کی تائید پرانہ عہد نامہ اورنبیوں کاکلام بھی کرتا تھا۔(توریت شریف کتاب خروج ۲۳باب ۱۲آیت ،۳۱باب ۱۴آیت ،۳۵باب ۲،۳آیت ،کتاب گنتی ۱۵باب ۳۲آیت ،بائبل شریف صحیفہ حضرت نحمیاہ ۱۳باب ۱۵آیت ،اور خصوصاً صحیفہ حضت یرمیاہ ۱۷باب ۲آیت)سو وہ سمجھتے تھے کہ اب وہ ہمارے چنگل سے کسی طرح نہیں چھوٹ سکتا۔ لیکن یہ ان کی غلطی تھی۔ کیونکہ مسیح کا یہ دعوے تھا ۔ اوروہ واجب دعویٰ تھا ۔کہ سبت کے دن نیکی کرنا روا ہے (حضرت لوقا ۶باب ۹آیت)اوراگریہ دعوےٰ صحیح ہے تو پھر اس شفا یافتہ مریض کا کھٹولا اٹھانا جائزکام نہ تھا کیونکہ اس کا یہ فعل کوئی جداگانہ فعل نہ تھا بلکہ اس کے شفا پانے کا ایک جزو تھا۔ یعنی وہ اس فعل سے ثابت کرتا ہے کہ میں درحقیقت شفا پاگیا ہوں۔ پس اگر شفا پانا واجب نہ تھا تو کھٹولا اٹھا کر چلنا بھی جو اس کا لازمی نتیجہ اورثبوت تھا نہ واجب نہ تھا۔پس بجائے اس کے سبت ٹوٹے اس معجزے سے سبت کی توقیرہوئی ۔کیونکہ سبت کے روز نیک کام کرنا شریعت کے خلاف نہ تھا بلکہ اس کا نہ کرنا خلاف تھا۔

آیت نمبر ۱۱۔اس نے انہیں جواب دیا۔ جس نے مجھے تندرست کیا اسی نے مجھے فرمایا کہ اپنا کھٹولا اٹھا کر چل۔

یہ جواب بالکل سادہ ہے مگر نہائت پر مطلب ہے ۔ ان لوگوں نے مذکورہ بالا مقامات کے زورپر اس قدربے شمارباتیں سبت پرستی کے متعلق پیدا کردی تھیں۔(جن کا ذکر حضرت لوقا ۱۳باب

۱۵،۱۶میں آئے گا) کہ ایک عام اوران پڑھ آدمی یہ فیصلہ نہیں کرسکتا تھا کہ سبت کے روزکیا روا ہے اورکیا ناروا ہے۔ مگر یہ شخص ایسا جواب دیتا ہے جو حکمت اوردانائی سے پر ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ جس نے مجھے صحت یاب کیا اسی نے کھٹولا اٹھانے کا حکم کیا۔ اورمیں اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتا ۔ کیونکہ اگر وہ اس قابل ہے کہ ایسے پرانے اوردیرپامرض کو اپنے کلام کے زور سے دورکردے تو وہ اس لائق بھی ہے کہ اس کی فرماں برادری کلی طورپر کی جائے ۔ اورپھر وہ قادراورہم درحکیم کب مجھے کوئی ایسا کام کرنے کو کہتا جو شریعت کے بر خلاف ہوتا ؟اگر ہمارے مسیحی کاموں سے دنیا ہمارے بر خلاف ہوجائے اورانہیں اپنے دستوروں اوراصولوں کے بر خلاف سمجھے تو ہمیں یہ جواب دینا چاہیے۔(مقابلہ کروحضرت یوحنا ۹باب کے جنم کے اندھے کے جواب کے ساتھ)۔

آیت نمبر۱۲۔انہوں نے اس سے کہا وہ شخص کون ہے جس نے تجھ سے کہا اپنا کھٹولا اٹھا کر چل ؟

ان لوگوں کے حسد اوردشمنی کو دیکھ کر کیسا تعجب آتا ہے۔ وہ یہ نہیں پوچھتے کہ وہ شخص کون ہے جس نے تجھے اچھا کیا ؟بلکہ یہ پوچھتے ہیں " وہ شخص کون ہے جس نے تجھ سے کہا اپنا کھٹولا اٹھا کر چل "؟لازم تھا کہ وہ شخص کی ملاقات کی آرزوظاہر کرتے ہیں جس نے یہ پر فضل کا م کیا تھا۔ پر برعکس اس کے وہ بحث اور فساد کی وجہ ڈھونڈتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ انہوں نے معجزہ کو نظر اندازکیا۔اورمسیح کے حکم کو لے لیا۔شائد وہ جانتے تھے کہ وہ شخص جس نے اسے شفا بخشی ہے کون ہے یا انہوں نے تاڑلیا ہوگا کہ وہ مسیح ہے ۔ اوراب سوال کے وسیلے اس شفا یافتہ مریض کو اس کے بر خلاف کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا اپنے سوال کے وسیلے اس پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ شخص جس نے تجھ سے سبت تڑوایا خدا کی طرف سے نہیں ہوسکتا ۔ کتنے لوگ ان کی مانند اس دنیا میں موجود ہیں جو ہمیشہ نکتہ چینی اورعیب جوئی کے درپے رہتے ہیں۔ اورمسیحی مذہب کے پہلوں کی طرف توجہ نہیں کرتے ۔ اغلب ہے کہ مسیح نے یہ حکم سبت کے متعلق جو غلطیاں پھیل رہی تھیں ان پر حملہ کرنے کے لئے دیا ہو۔

آیت نمبر۱۳۔لیکن جو شفا پا گیا تھا نہیں جانتا تھا کہ کون ہے کیونکہ بھیڑ کے سبب مسیح وہاں سے ٹل گیا تھا۔

نہیں جانتا تھا۔ غالب یہی ہے کہ وہ مسیح سے ناواقف تھا اورکہ اس نے اسے اسی موقعہ پر دیکھا تھا اورصرف اتنا جانتا تھا کہ وہ ایک پر

محبت اور صاحب قدر شخص ہے جس نے میرے پاس آکر مجھ سے پوچھا کہ کیا تو شفا یاب ہونا چاہتا ہے ؟اورپھر اپنی لاثانی قدرت سے مجھے شفا یاب کردیا۔

بھیڑ کے سبب سے مسیح وہاں سے چلے گئے ۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ وہاں سے اس سبب سے چلا گیا کہ نہیں چاہتا تھا کہ اس معجزہ کے سبب اس کی تعریف کی جائے یا شائد غالباً یہ وجہ ہو کہ ابھی اس کا وقت نہ آیا تھا۔لہذا وہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگوں کو کسی برانگیختہ کرے فل "ٹل گیا تھا "اصل میں مساوی سر جھکا کر نکل گیا "یا "تیر کر باہر نکل گیا " کے ہے۔اورزیادہ بہتر خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ناصرت میں (حضرت لوقا ۴باب ۳۰آیت)اورایک موقعہ پر ہیکل میں (حضرت یوحنا ۱۰باب ۳۹آیت)ہوا ویسا ہی اس وقت بھی ہوا۔ یعنی وہ معجزانہ طورپریا کثرت اژدحام کے سبب اس جگہ سے ایسا صاف نکل گیا کہ کسی نے اسے نہ دیکھا۔

آیت نمبر ۱۴۔ان باتوں کے بعد وہ مسیح کو ہیکل میں ملا۔ اس نے اس سے کہا دیکھ تو تندرست ہوگیا ہے پھر گناہ نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ تجھ پر اس سے بھی زیادہ آفت آئے۔

یہ معلوم نہیں کہ کتنے عرصہ کے بعد وہ شخص مسیح کو ہیکل میں ملا ۔غالباً اسی دن ملا ہو کیونکہ امید ہے کہ شفا پانے کے بعد اس نے پہلا کام یہی کیا ہوگا ہیکل میں جاکر شکریہ ادا کیا ہوگا۔

ہیکل میں ملا۔ ان لفظوں پر بزرگ آگسٹین کا خیال قابل غور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مسیح کو بھیڑ میں نہیں پہچان سکتے ۔ ہم تنہائی کے عالم میں اسے پہچانتے ہیں۔ یا یوں کہیں کہ ہیکل میں اسے پہچانتے ہیں۔ اس آدمی نے بھیڑ کے درمیان اس کو پہچاننے کی خوشی حاصل نہ کی پر جب ہیکل میں آیا تو جانا کہ وہ کون ہے ۔ تنہائی میں جاکر جب ہم دعا ومناجات میں مشغول ہوتے ہیں تب مسیح اورمسیح میں خدا ہم پر ظاہر ہوتا ہے ۔

دیکھ تو تندرست ہوگیا ہے پھر گناہ نہ کرنا۔ایسا نہ ہو کہ تجھ پر اس سے بھی زیادہ آفت آئے۔ ہم تو یہ نہیں جانتے کہ اس کا کیا گناہ تھا۔ مگر مسیح اس کے گناہ کو جانتا تھا اور وہ آدمی آپ اپنی ضمیر کی روشنی میں جانتا تھا کہ وہ کیا گناہ ہے۔

مسیح اس جگہ اس مریض کی دیرپا اورضعف افزا بیماری کو اس کے کسی خاص گناہ سے مربوط کرتا ہے ۔ ہم جانتے ہیں کہ اس دنیا میں کئی گناہ ہیں جو اپنی سزا جسم کے امراض میں جو ان کے سبب سے

ناحق ہوتے ہیں پاتے ہیں۔ شائد اس آدمی کے بارے میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ پر ہم خبردارہیں اورلوگوں کے دکھ اورمصیبت کو ہمیشہ ان کی بدی یاکسی گناہ کا نتیجہ نہ سمجھیں۔ کیونکہ دکھ سے اور مطلب بھی پورے ہوتے ہیں۔(دیکھو حضرت یوحنا ۹باب ۳آیت)اورپھر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ خدا ان کو جنہیں پیارکرتا ہے تنبیہ کرتا ہے ۔ تاہم یہ بات بھی نظر اندازنہیں کرنی چاہیئے کہ گو بہت درجہ تک انسان کو اس کے اعمال ناکردنی کی سزاآخرت کے روزملے گی تاہم اس دنیا میں بھی بعض حالتوں میں ہمارے گناہ اپنی سزا اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جو قصورآدمی اوروں کا کرتا ہے ۔وہی قصورلوگ اس کا کرتے ہیں۔ یعقوب کی طرح فریب دینے والا خود فریب کھاتا ہے ۔ اورجو زندگی کے پاک رشتوں کو ناپاک کرتا خود اپنے رشتہ داروں کی عصمت کی تباہی کا زخم داؤد کی طرح کھاتا ہے ۔ اخیاب کا پوتا نبات یزرعیلی کھیت میں فریب سے اتارا جاتا ہے (بائبل مقدس ۱سلاطین ۹باب ۲۳آیت)۔

پھر گناہ نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ تجھ پر اس سے بھی زیادہ آفت آئے۔ اس سے سزائے الہٰی کی سختی اورشدت ظاہر ہوتی ہے ۔ ایک خاص گناہ نے اس کی زندگی کے مزہ کو بالکل بے لطف کردیا۔ چنانچہ اسے اڑتیس سال تک دکھ اٹھانا پڑا۔ اوریہاں اس کو خبر دی جاتی ہے کہ اگرپھر ارتکاب گناہ کرے گا تو اس سے بھی زیادہ ہولناک مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ اگرہم اس جگہ خدا کی سزاؤں کی شدت محسوس کرتے ہیں تو لازم ہے کہ اس کے ساتھ اپنی ذمہ واری کو محسوس کریں۔ اورجانیں کہ وہ بھی بہت بڑی ہے۔

آیت نمبر۱۵۔اس آدمی نے جاکریہودیوں کو خبردی کہ جس نے مجھے تندرست کیاوہ مسیح ہے ۔

یاد رہے کہ اس کا اطلاع دینا اس غرض سے نہ تھا کہ ان کے نائیر غضب اورآتش حسد کو زیادہ مشتعل کرے بلکہ اس لئے کہ شکرگزار دل کے ساتھ انکواس کی جس نے اسے شفا بخشی خبردے ۔وہ اگرچہ اس سے بخوبی واقف نہ تھا تاہم اتنا غالباً کئی ذرائع سے جان گیا ہوگا کہ وہ ایک نبی ہے گو اسے یہ خبرنہ تھی کہ یہی نبی مسیح ہے۔پس اس نے خیال کیا ہوگا کہ جس کی نسبت اس قدربحث ہورہی ہے میں اس کی خبران کو جاکر دیدوں اورجب وہ ان کو ملے گا تو خود ان کے منہ بند کردے گا ۔ یایوں کہیں کہااس پر سبت توڑنے کا الزام لگایا گیا تھا اورہم نے دیکھا کہ اس نے اس کی مدافعت میں یہ کہا تھا کہ " جس نے مجھے شفا بخشی ہے اسی نے مجھے کھٹولا اٹھانے کو کہا ہے

"اوراب جب کہ وہ اسکے نام سے واقف ہوجاتا ہے وہ اپنے بیان کی تصدیق کے لئے یہ خبران کو پنچادیتا ہے کہ جس کے حکم کی تعمیل میں میں نے کھٹولا اٹھایا تھا وہ مسیح ہے۔

آیت نمبر ۱۶۔اس لئے یہودی جنابِ مسیح کو ستانے لگے کیونکہ وہ ایسے کام سبت کے دن کرتا تھا۔

لیکن اس مریض کے بیان یا اطلاع سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ وہ اور بھی ناراض ہوئے۔ نہ اس لئے کہ اس نے صرف اسی شخص کو سبت توڑنے کی تعلیم دی بلکہ خود بھی سبت کو توڑڈالا۔ کیونکہ اس مریض کو سبت کے روزشفا بخشی۔ لیکن مسیح اپنے جواب کے وسیلے ان کو سکھاتے ہیں کہ سبت کوکس نظر سے دیکھنا چاہئیے اورنیز چاہتا ہے کہ وہ اس بات کو سمجھیں کہ وہ باپ (پرودردگار)کا ازلی بیٹا (نعوذ باللہ جسمانی نہیں بلکہ روحانی بیٹا) ہے اس سے کیا تعلق رکھتا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

آیت نمبر۱۷۔میرا باپ (پروردگار)اب تک کام کرتا ہے اور میں بھی کام کرتا ہوں۔

اس آیت میں جنابِ مسیح اس الزام کوآپ پرلگایا گیا رفع کرتے ہیں۔ وہ گویاہ یہ کہتے ہیں کہ اگر خدا سبت کو توڑتا ہے تو میں بھی توڑتا ہوں۔ کیونکہ وہ اپنی قدت کاملہ سے ہر دم اورہر لمحہ خلقت کے کام کو سنبھالے رہتا ہے ۔ یہ مختصر سا جواب ہے ۔ مگراس سے زیادہ پرزوراورمدلل جواب اورنہیں ہوسکتا۔

اب تک۔خلقت کی ابتدا سے لے کراب تک کام کرتا ہے۔

اگرہم مسیح کے جواب کو مفصل طورپربیان کرنا چاہیں توشائد اس کا مطلب اس طرح بیان کرسکتے ہیں ۔"میرا باپ (پروردگار)اب تک انتظام پروردگاری کے وسیلہ کام کرتا ہے ۔ وہ اپنی رحمت اورفضل سے تمام کائنات کو بر قرار رکھتا ہے۔ اپنی تمام مخلوقات کی ضروریات کو رفع فرماتا ہے ۔ ہرطرح کی زندگی کو محفوظ رکھتا ہے ۔ آسمان سے مینہ برساتا اورطرح طرح کی موسمیں وجود میں لاتا ہے ۔ اوریہ سارے کام وہ جس طرح اور دنوں میں کرتا ہے اسی طرح سبت کے روز بھی کیا کرتا ہے ۔اوراگر وہ ایک دن ان کاموں کو بند کردے توتمام سلسلہ درہم برہم ہوجائے پس جب اس نے پیدائش کے کام سے آرام کیا تو پروردگاری کے کام سے آرام نہیں کیا ۔ اسی طرح میں جواس کا بیٹا ہوں میں بھی یہ اختیاررکھتا ہوں کہ سبت کے دن رحمت اورفضل کے کام کیا کروں۔اورجس طرح ان کاموں کے کرنے سے خدا سبت کو نہیں توڑتا اسی طرح میں بھی نہیں توڑتا ہوں۔

میرے پروردگار نے یہ حکم دیا کہ سبت کی تعظیم کی جائے لیکن اس نے سورج کو طلوع ہونے منع نہیں کیا اورنہ سبزے کو اگنے سے روکا۔ اسی طرح میں جو پروردگار کے ساتھ ایک ہونے کا دعوےٰ کرتا ہوں سبت کی تعظیم کرتا ہوں مگر محبت اوررحم کے کاموں کو کرنا نہیں چھوڑتا ۔"اس جواب سے دو باتیں صاف ظاہر ہیں۔ اول یہ کہ سبت کے دن کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی بالکل اس روزسست بن جائے اور کسی طرح کا کام نہ کرے ۔ بلکہ روشن ہے کہ سبت انسان کے لئے ہے ۔ اس کے فائدہ اورتسلی اوربہبودی کے لئے ہے۔رحمت کے کام اور وہ کام جو زندگی کی بہبودی اورمضبوطی کے لئے ضروری ہیں اس دن کئے جاسکتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسیح اس جگہ اپنی الوہیت اورخدا کے برابر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ البتہ اس جواب کی نسبت یہ بھی کہا جاسکتا ہے وہ یہاں خدا کے نمونہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اوریوں سبت کے دن نیک کاموں کا جوازقائم کرتے ہیں مگر اس سے بھی عمیق مطلب تھا جو خداوند کومد نظر ہے۔ اوروہ یہ کہ میں خدا کا پیارا بیٹا ہوں۔ میں اور پروردگار ماہیت اورعزت اور جلال اوراختیارمیں ایک ہیں جوکچھ وہ کرتا ہے سو میں کرتا ہوں اورکرنے کا اختیاررکھتا ہوں۔ جس طرح وہ سبت کا مالک ہے اسی طرح میں ہوں۔ اوردوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی اس کا مطلب تھا کیونکہ وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ اس پر کفر کا الزام لگاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ تقریر آتی ہے جس میں باپ اوربیٹے کے تعلق کا ذکر ہے ۔ مگر ہم چونکہ فقط معجزوں پر لکھ رہے ہیں لہذا اس پرکچھ تحریرنہیں کرسکتے ۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔مسیح عید کو جاتے ہیں تاکہ اپنے اسرائیلی ہونے کے فرائض ادا کریں۔ تاکہ جو موقعہ انجیل سنانے کا ہے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔نہ صرف یروشلم کے باشندوں کو بلکہ جو باہر آئے تھے انہیں بھی سنائے۔ ہم بھی ایسے موقعوں کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اورفضل کے وسائل کی بے قدری نہ کریں۔

۲۔گناہ کیسی مصیبتیں دنیامیں لایا ہے۔ پس ہم کس قدرگناہ سے نفرت کرنی چاہیئے۔ گناہ خوشی سے کیا جاتا ہے مگر درحقیقت وہ زہر ہے۔

۳۔جو سب سے زیادہ مصیبت زدہ وہی مسیح کی توجہ زیادہ کھینچتا ہے ۔ مسیح کا رحم بے نظیرہے اس کی خوشی رحم میں ہے ۔ (بائبل شریف صحیفہ حضرت میکاہ ۷باب ۱۸آیت)۔

۴۔ہمیں خدا کی مدد کے منتظر رہنا چاہیئے۔ پر یاد رہے کہ ایک انتظار واجب اوردوسرا غیر واجب ہے۔ جوکچھ ہم خود کرسکتے ہیں اس کا انتظار نہ کریں۔

۵۔مسیح دیانت دار خواہش کو بھی بعض وقت ایمان کی جگہ قبول کرتے ہیں۔ پر صرف اسی وقت جب کہ وہ خواہش اس سے برکت پانے کی ہو وہ سب لوگوں کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ کوئی اپنی نالائقی کے سبب سے نہ رکے۔

۶۔جنابِ مسیح صرف ہماری مرضی چاہتے ہیں نارضامندی انسان کی بدبختی کا باعث ہے۔ مسیح کا سوال شائد ہم پر بھی عائد ہے۔کیا تو اپنی بیماری سے آگاہ ہے ۔ کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے اچھا کروں ؟کیا تو چاہتا ہے کہ میں جس طرح چاہوں اسی طرح شفا بخشوں۔کیا تو راضی ہے کہ میرا نسخہ استعمال کرے ؟کیا تو چاہتا ہے تو شفا پائے۔ کیا تو ایمان لاتا ہے؟

۷۔وہ کہتا ہے کہ جس نے مجھے شفا بخشی اسی نے مجھے کھٹولا اٹھانے کو کہا۔ اقرار ہوخواہ کیسا ہی خفیف کیوں نہ ہو۔ ہم اپنی روشنی اورلیاقت کے بموجب مسیح پر گواہی دیں۔ اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ فرما ں برداری مزید برکتوں کا باعث ہوتی ہے۔

ہماری یہی درخواست ہو۔ اے مولا تو نے مجھے بچایا اب تیرا کیا حکم ہے ؟

۸۔ہر بیماری اورغم گویا خدا کی ایک آواز ہے ۔ ہر دکھ میں ایک پیغام نہاں ہے ۔ مبارک ہیں وہ جو اسے سنتے اوردیکھتے ہیں۔

۹۔دیکھو یہ حکیم کیسا ہے ۔بیماری کو بخوبی سمجھتا ہے اور شفا بخشنے پر قادر ہے ۔پر محبت ہے ۔بیمار سے سارا حال دریافت کرتا ہے۔ پیار سے سارے خطروں سے آگاہ کرتا ہے۔جو چاہتے ہیں ان کو شفا بخشنے کا ذمہ لیتا ہے۔

۱۰۔ایمان کی مشق زورپیدا کرتی ہے ۔ اس نے یہ نہیں کہا میں میں کس طرح چلوں مجھ میں تو طاقت نہیں ہے ۔ اس نے کھٹولا اٹھایا اور چل دیا۔

۱۱۔دیکھو کہ دنیا کیسی خود غرضی کی جگہ ہے ۔ مدت سے یہ شخص یہاں تھا پر کوئی اس کی مدد نہیں کرتا ۔ جتنا زیادہ ہم جیتے اتنا ہی زیادہ یہ سیکھتے ہیں کہ دنیا خود غرض ہے۔

۱۲۔اے تو جو شائد اڑتیس ہفتہ بلکہ اڑتیس گھنٹے دکھ کے شکنجہ میں نہیں کھینچا گیا۔ جس کی تکلیف بہت ہی کم ہے۔ اس اڑتیس برس

کے بیمار کے دکھوں کی طرف دیکھ اورخدا کا شکر بجالا اورصبر کرنا سیکھ۔

ہم جس قدردکھ میں ثابت قدم رہتے ہیں اسی قدر ہماری آزمائش تسلی بخش ثابت ہوتی ہے۔

۱۳۔کیا مسیح کا کلام کن فیکون کی حقیقت ظاہر نہیں کرتا ؟

۱۴۔اے نوجوانو کیا یہاں تمہارے لئے سبق نہیں؟ان جوانی کے گناہوں سے بچو جو انسان کو عمر بھر کے لئے بے کاراوربدنام بنادیتے ہیں۔

اس شخص نے غالباً جوانی میں گناہ کیا جو اڑتیس سال تک اس کا پھل کھایا۔ مسیح کے الفاظ سے جو اس نے ہیکل میں اس کی طرف مخاطب ہوکر بیان فرمائے یہی صادرہوتا ہے۔

۱۵۔ہمیں اچھے کاموں سے کبھی تعطیل نہیں ملتی ۔ سبت کے روزبھی چھٹی نہیں۔

۱۶۔سبت کی شریعت ایک ایسے شخص کی شریعت ہے جو کبھی نیکی کے کاموں سے دست بردارنہیں ہوتا۔

"میرا باپ اب تک کام کرتا ہے اورمیں بھی کام کرتا ہوں "ان لفظوں کے وسیلے مسیح اپنی الوہیت کی خبردیتا ہے۔

نائن کی بیوہ کے لڑکے کو زندہ کرنا

(انجیل شریف بہ مطابق ۷باب ۱۱تا۱۶آیت)

آیت نمبر ۱۱۔تھوڑے عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ جنابِ مسیح شہر نائن کو گئے۔اوراس کے شاگرد اوربہت سے لوگ اس کے ہمراہ تھے۔

شہر نائن کا ذکر اورکسی جگہ بائبل میں نہیں پایا جاتا ۔ اس کا نام صرف اس بیوہ کے لڑکے کے سبب سے زندہ ہے لہذا مفصل بیان اس شہر کا پیش نہیں کیا جاسکتا تاہم اس کی جائے وقوع پر کسی طرح کا شک نہیں ہے ۔ یہ شہر ہرمون خورد کے شمال مغربی کنارہ پر ناصرت سے چھ میل جنوب مشرق کے رخ واقع تھا۔ لفظ نائن کے معنی "صاف یا" خوب صورت " کے ہیں اورشائد یہ نام اس واسطے اس کو دیا گیا تھا کہ وہ کوہ ہرمون کے ڈھلوان پر جہاں پہاڑمیدان اسدر لان سے مل جاتا ہے آباد تھا۔ اس زمانہ میں یہ شہر غالباً ایک قصبہ کی مانند تھا۔ لیکن اب بہت ہی گھٹ گیا ہے۔

اوراس کے شاگرد اوربہت سے لوگ اس کے ہمراہ تھے۔ لفظ شاگرد اس جگہ وسیع معنوں میں منتعل ہوا ہے۔ البتہ بارہ رسول بھی ان

میں شامل تھے۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ وہ عمدہ رسالت پر مامور ہوئے تھے اورآج اس عجیب معجزے کا وقوع میں آنا ان کے ایمان کی تقویت کا باعث ہوا ہوگا۔

آیت نمبر ۱۲۔جب وہ شہر کے پھاٹک کے نزدیک پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک مردے کو باہر لئے جاتے ہیں۔وہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا اوربیوہ تھی۔ اورشہر کے بہتیرے لوگ اس کے ساتھ تھے ۔

مردے کو باہر لئے جاتے تھے۔ کیونکہ قبرستان شہر کے باہر تھا۔ یہودی بھی اپنے مردوں کو اہل مشرق کی طرح شہر کے اندر نہیں گاڑا کرتے تھے۔

اس بیوہ کے اکلوتے بیٹے کا مرجانا ایک افسوس ناک اوردل گداز واقع تھا۔ اوراسی سبب سے بہت لوگ جنازہ کے ہمراہ جارہے تھے۔ حضرت لوقا رقت انگیز سادگی اوراختصار کے ساتھ اس اندوناک نظارے کی تصویر کھینچی ہے ۔"ایک مردے کو باہر لئے جاتے تھے وہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔اوروہ بیوہ تھی "اکلوتے بیٹے کے لئے جو غم اورماتم کیا جاتا تھا۔ وہ ضرب المثل تھا۔ مثلاً حضرت یرمیاہ کہتا ہے "اے میری قوم کی بیٹی کمر پرٹاٹ باندھ اورراکھ میں لوٹ آپ کو اس میں اس طرح آیا ہے "اوردے اس پر جسے انہوں نے چھیدا ہے نظر کریں گے اوردے اس کے لئے ماتم کریں گے جیسا کوئی اپنے اکلوتے کے لئے کرتا ہے ۔"(بائبل شریف صحیفہ حضرت ذکریا ۱۲باب ۱۰آیت)۔پھر حضرت عاموس کہتے ہیں "اورمیں تمہاری عیدوں کو ماتم سے اورتمہاری گیتوں کو نوحہ سے مبدل کروں گا ۔۔۔۔اورمیں ایسا ماتم کرواؤں گا جیسا اکلوتے پر ہوتا ہے ۔"(بائبل شریف صحیفہ حضرت عاموس ۱۸باب ۱۰آیت)۔

آیت نمبر ۱۳۔اسے دیکھ کر خداوند(یعنی جنابِ مسیح) کو ترس آیا اوراس سے کہا رونہیں ۔

خداوند۔ یہ لفظ حضرت لوقا کی انجیل میں بہت دفعہ نجات دہندہ کے لئے آیا ہے۔(۱۰باب ۱۰آیت ،۱۱باب ۳۹آیت ،۱۲باب ۴۲آیت ،۱۳باب ۱۵آیت ،۲۲باب ۶۱آیت)۔اوراس سے مسیح کی وہ الہٰی اور شاہانہ بزرگی اورجلال ظاہر ہوتا ہے جو اس کے کلام اورکام میں نظر آتا ہے ۔

رونہیں۔ جس طرح جنابِ مسیح نے یائیرس کے خوف کو پہلے دورکیا اسی طرح اس عورت کے غم کو معجزہ دکھانے سے پہلے دورکرتا ہے۔ یہ ترس ہمدرد سردار کاہن (امام اعظم)کا ترس ہے جس کا ذکر

مفصل طور پر عبرانیوں کے خط میں آتا ہے (انجیل شریف خطِ عبرانیوں ۳باب ۱۶آیت ،۴باب ۱۴آیت)۔

رو نہیں۔ یہ الفاظ جب آپ کی زبان مبارک سے نکلتے ہیں تو کیسا مطلب رکھتے ہیں۔ لوگ اکثر اپنے دوستوں کو رونے دیکھ کر کہا کرتے ہیں۔ رونہیں مگر وہ ان کے لئے کچھ نہیں کرسکتے اورنہ یہ بتاسکتے ہیں کہ ہم کس اختیار سے رونے سے بند کرتے ہیں۔ لیکن وہ جو خدا کے اس کلام کو کہ " خدان کی آنکھوں سے ہرایک آنسو پونچھیگا اورپھر موت نہ ہوگی اورغم اورنہ نالہ اورنہ پھر دکھ ہوگا کیونکہ اگلی چیزیں گذر گئیں"پورا کرنے کو آیا ۔ اس وقت اس مجروح بیوہ کے آنسو پونچھ کر اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ میں ہی اکیلا دکھوں اورغموں کو دور کرسکتا ہوں ۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ مسیح کا سب سے بڑا مقصد یہ نہ تھا کہ فقط اس بیوہ کا غم دورہوجائے۔ البتہ اس کے معجزہ کا ایک قرینی نتیجہ یہ بھی تھا۔ مگراس کا اعلیٰ مقصد یہ تھا کہ اس مردہ شخص کے اندرایک اعلیٰ زندگی پیدا ہواوروہ اس کی ماں کی حقیقی اور سچی خوشی کا باعث ٹھیرے۔مگر یہ نتیجہ ابھی بخوبی واضح نہ ہوا تھا۔

آیت نمبر۱۴۔پھر جنابِ مسیح نے پاس آکر جنازے کو چھوا اوراٹھانے والے کھڑے ہوگئے اورآپ نے فرمایا اے جوان میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ۔

پاس آکر۔ جنازے کو چھوا۔ غالباً اس سے جنابِ مسیح کا یہ مطلب تھاکہ وہ ان لوگوں کو جو جنازہ لے جارہے تھے ٹھیرائے ۔ اوروہ فوراً ٹھیرگئے۔ نا ممکن نہیں کہ یہ لوگ مسیح سے واقف تھے۔ اس کے بعد وہ اس مردہ جوان کو اٹھنے کا حکم دیتے ہیں۔ "میں تجھ سے کہتا ہوں "میں جو قیامت اورزندگی ہوں۔ جو نیستی سے ہست کرنے والا ہوں تجھ کو اٹھنے کا حکم دیتا ہوں ۔ یہ زندگی کے شہزادہ کا باقدرت کلام ہے۔ مقابلہ کرو حضرت لوقا ۸باب ۵۶آیت ،حضرت یوحنا ۱۱باب ۴۴آیت)۔

آیت نمبر۱۵۔وہ مردہ اٹھ بیٹھا اوربولنے لگا اورآپ نے اسے اس کی ماں کو سونپا۔

مردوں کے اٹھ بیٹھنے اورکلام کرنے سے صاف روشن ہے کہ نہ صرف ان میں زندگی واپس آتی تھی بلکہ زندگی کے ساتھ طاقت اورصحت بھی بخشی جاتی تھی۔ زندہ کرنے کے بعد ہی ہمارے مولا وآقا اس

جوان کو اس کی ماں کے سپرد کردیتے ہیں اوراس محبت کے فعل سے اپنی قدرت کے معجزے کو کامل کرتے ہیں۔

یہ بات غورطلب ہے کہ مسیح مردوں کو زندہ کرنے کے بعد ان کی طرف خاص طورپر توجہ کرتے ہیں۔ یائیرس کی بیٹی کے زندہ ہونے کے بعد اس کے رشتہ داروں کو حکم دیتے ہیں کہ اسے کھانے کو کچھ دیں۔ لعزرکے کفن کو کھولنے کا حکم کرتے ہیں یہاں وہ اسے زندہ کرکے ا سکی ماں کے سپرد کرتے ہیں۔

اسی طرح وہ ایک دن "اٹھ" کہہ کر زندہ کرے گا جو اب اس میں سورہے ہیں۔ اورانہیں ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کے سپرد کردے گا ۔ تاکہ وہ انہیں پہچانیں اورسدا خوشی کے ساتھ باہم اکھٹے رہیں ۔ اس کا وعدہ اورثبوت ہم کو تین مردوں کے زندہ ہونے میں ملتا ہے ۔ اورسب سے بڑھ کر خود مسیح کے مردوں میں سے جی اٹھتے ہیں۔

آیت نمبر۱۶۔اس سے سب پردہشت چھاگئی اوروہ خدا کی بڑائی کرکے کہنے لگے کہ ایک بڑانبی ہم میں آیا ہے اوریہ کہ خدا نے اپنی امت پر توجہ کی ہے۔

دیکھنے والوں پر اس معجزہ کا اچھا اثر پیدا ہوا۔ چنانچہ ان پر اس خیال اوراحساس سے کہ ہم ایک پاک شخص کے حضورمیں کھڑے ہیں دہشت پیدا ہوئی۔ البتہ سب پر یکسا نہیں ہوئی ہوگی۔ اوراغلب ہے کہ ان کے خیال میں کچھ نہ کچھ غلطی بھی شامل ہوگی۔ تاہم سب نے شکرگزاری کے ساتھ خدا اورمسیح کے نام کی تعریف کی ۔ اوریہ نتیجہ نکالا کہ یہ نبی کوئی عام قسم کا نبی نہیں بلکہ ایک بڑا نبی ہے ۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔مسیح اس جگہ دو صورتوں میں نظرآتے ہیں۔ اول نبی جو اپنے کلام کو معجزوں سے ثابت کرتا ہے۔ دوم سردارکاہن جو آنسو پونچھتا ہے۔ سوم زندگی کا شاہزادہ جو موت پر غالب آتا ہے ۔

۲۔اس معجزہ میں موت کس کس صورت میں نظرآتی ہے ۔ اول جوان کو بھی گرادیتی ہے۔ دوم ۔بڑے گھرے اورقریبی رشتہ داروں کو توڑ ڈالتی ہے۔سوم۔آٹھ آٹھ آنسو رلا تی ہے ۔چہارم پرآخرکا رمسیح سے مغلوب ہوجاتی ہے ۔

۳۔نائن کا دروازہ وہ اسکول ہے جہاں ہم دکھ اورتسلی کا سبق سیکھتے ہیں۔

۴۔سچے مسیحی اپنے آقا ومولا سیدنا عیسیٰ مسیح کی پیروی ہر جگہ کرتے ہیں خواہ وہ قانا (شادی) کے مکان میں جائے خواہ نائن کو جائے جہاں ماتم اورآنسو ہیں۔

پانچ ہزارکوآسودہ کرنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۱۴باب ۱۵تا ۲۱آیت ،حضرت مرقس ۶باب ۳۵تا ۴۴آیت ،حضرت لوقا ۹باب ۱۲تا ۱۷آیت ،حضرت یوحنا ۶باب ۵تا ۱۴آیت)

شروع میں دوتین باتوں کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اوروہ یہ ہیں۔ کہ کب اور کہاں یہ معجزہ واقع ہوا؟

حضرت متی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معجزہ حضرت یحییٰ یعنی یوحنا بپتسمہ والے کی موت سے مربوط ہے ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یوحنا بپتسمہ دینے والے شہید کئے گئے تو مسیح نے اس جگہ سے جہاں وہ اس وقت تھے کوچ کیا۔ پس وہ بیابان کی طرف روانہ ہوئے۔اسی طرح حضرت مرقس اورحضرت لوقا کے بیان سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کا معجزہ حضرت یوحنا کی شہادت کے بعد وقع میں آیا مگران کے بیان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مسیح اس بیابان میں حضرت یوحنا کی شہادت کے سبب سے آئے۔ بلکہ حضرت مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیابان میں آنے کا سبب یہ تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ رسولوں کو کہ جو ابھی اپنے مشن سے واپس آئے تھے تنہائی میں روح کی تازگی اور تقویت حاصل کرنے کا موقعہ ملے۔ (حضرت مرقس ۶باب ۳۱آیت)۔

مسیح کشتی میں سوار ہوکر روانہ ہوئے۔ لیکن خشکی کے راستے اوران میں سے بہت پیدل روانہ ہوئے۔اورایسی تیزی اورسرعت سے انہوں نے راہ طے کی کہ آپ کے پہاڑ سے لوٹنے سے پہلے وہاں جاپہنچے ۔ اب اگرچہ اس وقت ان لوگوں کو یہاں آنا اس کی تجویز اورمنشا کے خلاف تھا کیونکہ وہ اس وقت تنہائی چاہتا تھا تاہم وہ سر تاپا محبت خوشی کے ساتھ ان سے ملتے اوران سے خدا کی بادشاہت کی باتیں کرتے ہیں اورجو شفا پانے کے محتاج ہیں انہیں شفا ء بخشتے ہیں (حضرت لوقا ۹باب ۱۱آیت)۔

حضرت یوحنا بتاتے ہیں کہ یہودیوں کی عید فسح نزدیک تھی"اس نے یہ بات شائد اس واسطے ہمیں بتائی کہ معلوم ہوجائے کہ یہ بھیڑ کس طرح یہاں جمع ہوئی۔جو لوگ یروشلم کو جایا کرتے تھے ان میں سے بہت جھیل کے مشرق کی طرف سے گزرا کرتے تھے۔ لیکن (حضرت یوحنا ۶باب ۲۴آیت)اس قیاس کے برخلاف ہے کیونکہ اس مقام کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر بعد یہی لوگ مسیح کی تلاش میں کفرناحوم کو چلے جاتے ہیں اوراس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا ارادہ یروشلم کو جانے کا نہ تھا۔

لیکن کیا یہ خیال زیادہ زیبا نہیں کہ حضرت یوحنا عید فسح کا ذکر اس لئے کرتے ہیں کہ جو کلمات مسیح کی زبان سے اس معجزہ کے بعد نکلے ان کا تعلق اس عید سے ہے۔ مسیح کے وہ الفاظ حضرت یوحنا کی انجیل میں قلمبند ہیں۔ مسیح جانتے ہیں کہ یہ موقع عید فسح کا ہے اورلوگ فسح کے برے کی نسبت اپنے دلوں میں غوروفکر کررہے ہیں۔ پس وہ پہلے ان کو سیر کرتا اورپھر یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ زندگی کی روٹی میں ہوں اورزان بعد اپنے گوشت اورخون کا ذکر کرتااوراس سے پتہ دیتا ہے کہ میں ہی وہ حقیقی برہ ہوں جس کی علامت فسح کا برہ ہے۔

پہلی تین اناجیل اورچوتھی انجیل میں جو بیان معجزہ زیر نظر متعلق پایا جاتا ہے اس میں کچھ کچھ فرق ہے ۔ پس اس کی تطبیق ضروری معلوم ہوتی ہے وہ فرق یہ ہے ۔ کہ پہلی تین اناجیل سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا پہلے شاگردوں نے مسیح سے کہا کہ اس جماعت کو رخصت کر تاکہ وہ جاکر اپنے کھانے کا بندوبست کرے۔ لیکن حضرت یوحنا کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جناب مسیح نے فیلبوس کی معرفت اپنے شاگردوں سے کہا "ہم ان کے کھانے کے لئے کہاں سے روٹیاں مول لے لیں"(حضرت یوحنا ۶باب ۵آیت)لیکن یہ اختلاف

بہت جلد رفع ہوسکتا ہے ۔ ممکن ہے کہ لوگوں کے جمع ہونے کے تھوڑی دیر بعد پہلے مسیح نے یہ بات فیلبوس سے کہی اور پھر خاموش ہورہا تاکہ وہ آپس میں گفتگو کرکے معجزے کے لئے تیار ہوجائیں۔وہ چاہتا تھاکہ اپنا معجزہ اس وقت دکھائے جب کہ سب کہ سب اس بات کو جان لیں کہ نیچرل امداد کی اس وقت کوئی صورت نہیں رہی اورسوائے الہٰی قدرت کے اورکوئی قدرت کام نہیں کرسکتی۔

مسیح نے یہ سوال فیلبوس سے اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہ اسے کوئی صلاح دے یا کوئی ایسی تجویز بتائے جس سے یہ دقت رفع ہوجائے کیونکہ وہ جانتا کہ میں کیا کروں گا ۔ پس اس نے یہ سوال جیسا حضرت یوحنا خود بتاتے ہیں فیلبوس کو آزمانے کے لئے کیا تاکہ دیکھے کہ فیلبوس نے مجھے مسیح سمجھ کو قبول کیا ہے مجھ پر کتنا بھروسہ رکھتا ہے ۔آپ کو یاد ہوگاکہ فیلبوس نے نتھنیل سے یہ کہا تھا (حضرت یوحنا ۱باب ۴۵آیت)"جس کا ذکر موسی، نے توریت میں اورنبیوں نے کیا ہے وہ مجھ کو مل گیا ہے "اب مسیح فیلبوس کو آزماتا ہے مگرگویا وہ اس سوال کے وسیلے یہ کہتا ہے اے فیلبوس تو یہ مانتا ہے کہ موسی،اورنبیوں نے میرا ذکرکیا ہے۔پرتو یہ بھی جانتا ہے کہ موسیٰ نے بھوکے بنی اسرائیل کو من کھلایا اورنبیوں میں سے جو میری خبر دیتے ہیں الیشع نے بھی اسی قسم کا ایک معجزہ دکھایا(بائبل شریف ۲سلاطین ۴باب ۴۲،۴۴آیت)اب کیا تو مجھے مسیح موعود جانتا ہے اورموسیٰ اورانبیاء سے بزرگ ترسمجھتا ہے۔ یہ بھی مانتا ہے کہ مجھے ان لوگوں کو سیرکرنے کے لئے کھانا مول لینے کی ضرورت نہیں بلکہ اپنی قدرت سے ان پانچ ہزار کو آسودہ کرسکتا ہوں۔ ٹرنچ صاحب اپنی کتاب میں بیان کرتے ہیں کہ بزرگ سرل صاحب بتاتے ہیں کہ فیلبوس کیوں اس سوال کے لئے انتخاب کیا گیا۔وہ حضرت یوحنا ۱۴باب ۸آیت کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ فیلبوس روحانی باتوں کے سمجھنے میں کم زورتھا لہذا ضرورت تھی کہ اسے اس معاملے میں سبق دیا جائے۔یہ خیال درست ہو یا نہ ہو یہ بات بالکل صحیح ہے کہ فیلبوس اس وقت امتحان میں پورا نہ نکلا۔ گو وہ بڑی مدت سے مسیح کے ساتھ رہتا تھا۔ پر ابھی تک اس نے باپ کو بیٹے میں نہیں دیکھا تھا (حضرت یوحنا ۱۴باب ۹آیت)اس نے ابھی اس بات کو محسوس نہیں کیا تھا کہ اس کا خداوند وہی خداوند ہے جو اپنی مٹھی کھولتا ہے اور سب جانداروں کو ان کا قوت پہنچاتا ہے اوروہی سب مخلوقات کو ابتدا

ئے عالم سے سنبھالتا آیا ہے۔پس وہ اس قابل ہے کہ ان چند ہزار اشخاص کو اپنی پروردگاری سے سیر وآسودہ کرے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ نیچرل وسائل کے سوائے اورکسی طاقت کا قائل نہیں چنانچہ وہ کہتا ہے کہ وہ دو سو دینار کی روٹیاں بھی ان کے لئے کافی نہ ہوں گی اورشائد اس کا یہ بھی مطلب ہو کہ اتنا روپیہ ہمارے پاس نہیں ہے۔اب خداوند اس کے منہ سے اس قدراقرارکروا کے بات کو چھوڑدیتا ہے تاکہ وہ اور دیگر شاگرد اس پر غورکریں۔ لیکن کچھ مدت کے بعد اس کے شاگرد اس کے پاس آتے ہیں اوریہ صلاح دیتے ہیں۔

حضرت متی ۱۴باب ۱۵آیت ۔جب شام ہوئی تو شاگرد آپ کے پاس آکر بولے کہ جگہ ویران ہے اوراب وقت گزرگیا ہے۔ لوگوں کو رخصت کردے تاکہ گاؤں میں جاکر اپنے واسطے کھانا مول لیں۔

لفظ شام توجہ طلب ہے ۔ یہودی ایک دن میں دو شام مانا کرتے تھے۔ پہلی شام ۳ بجے سے شروع ہوتی تھی اورغروب ِآفتاب کے وقت ختم ہوتی تھی اور دوسری شام سورج کے غروب ہونے پر شروع ہوتی تھی اوررات تک جاتی تھی۔ آیت زیرنظر میں پہلی شام کی طرف اشارہ ہے۔ اور۲۳آیت میں دوسری شام کی طرف۔ الفاظ "وقت گزرگیا ہے " سے یہ مراد نہیں کہ کھانے کا وقت ٹل گیا ہے۔شائد یہ مراد ہے کہ دیربہت ہوتی جاتی ہے۔ لوگوں کو رخصت کردے تاکہ گاؤں میں اپنے واسطے کھانا مول لیں۔ حضرت مرقس اور حضرت لوقا بستیوں کا ذکربھی کرتے ہیں۔ اورحضرت لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد نہ صرف ان کے کھانے کی نسبت مسیح سے گفتگو کرتے ہیں بلکہ ان کے رہنے کی نسبت بھی ۔ تاکہ وہ جاکر جگہ تلاش کریں۔
لیکن جناب ِمسیح فرماتے ہیں۔

آیت نمبر۱۶۔اِن کا جانا ضرورنہیں تم انہیں کھانے کو دو۔

لفظ تم پرزورہے کیونکہ انہوں نے ان کے بھیج دینے کی رائے دی تھی۔ اب وہ یہ جواب دیتے ہیں"کیا ہم جاکر اوردوسو دینار کی روٹیاں مول لے کر انہیں کھلائیں؟(حضرت مرقس ۶باب ۳۷آیت)معلوم ہوتا ہے کہ فیلبوس نے ان کے پاس اس گفتگو کا جو اس کے اورجنابِ مسیح کے درمیان ہوئی ذکرکیا اوربتایاکہ میں نے ان سے کہا ہے کہ وہ دو سودینار سے کم انکے کھانے کے لئے کافی نہ ہوں۔ گے۔ دیگرشاگرد اس خیال میں اس کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں اورآکر خداوند سے کہتے ہیں کہ بے شک دو سودینار سے کم کی ضرورت نہیں اورہمارے پاس اتنا

روپیہ موجود نہیں ۔ اس جواب سے انکے ایمان کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے ۔حالانکہ مسیح کے الفاظ سے دلالت کے طورپر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کی مدد کے لئے تیارہے بلکہ جنابِ مسیح نے یہ حکم بھی دیا کہ جوکچھ تمہارے پاس ہے وہ لے آؤ۔اب اسی عرصہ میں وہ یا تو پانچ روٹیاں اوردو مچھلیاں خرید لائے اوریا خریدنے کا انتظام کرآئے ۔ پہلے تین انجیل نویسوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا روٹیاں اور مچھلیاں شاگردوں کی تھیں پر حضرت یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک لڑکے کی تھیں۔ اس فرق کا حل یہ ہے کہ حضرت یوحنا اپنے بیان میں روٹیوں اورمچھلیوں کے پہلے مالک کا ذکر کرتا ہے اورپہلے تین انجیل نویس اس وقت کومد نظر رکھتے ہیں۔ جب یہ روٹیاں اور مچھلیاں خریدی جا چکی تھیں۔

اب ہمارے آقا ومولا سیدنا مسیح ان روٹیوں اورمچھلیوں کو لے کر بے شمارلوگوں کوآسودہ کرنےکا بیڑا اٹھاتے ہیں اوران کو حکم دیتے ہیں کہ وہ ان کواس کے پاس لائیں اورترتیب واربٹھائیں۔ اس کے حکم کے مطابق وہ لوگ پچا س پچاس اورسو سو قطارمیں ہر گھاس پر بیٹھ گئے۔اس انتظام سے ترتیب کا خیال مترشح ہے۔ہرقسم کی ابتری اورگڑبڑی کا انتظام قرارداد واقعی شروع ہی میں کیا جاتا ہے۔ یتیم لڑکے اورکمزوراوربیوہ عورتیں اس خطرہ سے آزاد ہیں کہ زورآورمرد ان کو پیچھے ہٹا دیں اورخودآگے بڑھ کر روٹی چھین لیں۔ہر قسم کی بد انتظامی اوربد ترتیبی کا انسداد شروع ہی سے کیا جاتا ہے۔

دوسری بات غورطلب یہ ہے کہ جنابِ مسیح لذیزاورنفیس کھانوں کا دسترخوان ان کے لئے آراستہ نہیں کرتے بلکہ معمولی کھانے سے ان کو سیرکرتے ہیں۔ جو بات ان کو مد نظر ہے وہ سیری اورآسودگی ہے نہ یہ کہ لذیزکھانے ان کو کھلائے جائیں۔ اسی واسطے حضرت یوحنا ۶باب ۹تا ۱۳آیت)میں بتاتا ہے کہ روٹیاں جو کی تھیں۔

پہاڑکے سر سبز ڈھلوان پر پانچ ہزارمرد قطاربیٹھے تھے اورشام کے وقت ان کے رنگین کپڑوں پر جب سورج کی کرنیں گرتی تھیں توایک عجیب سماں پیدا ہوتا ہوگا۔ ایک کنارہ پرمسیح اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائے کھڑا ہے کیونکہ وہ ان روٹیوں اورمچھلیوں سے جواس کے ہاتھ میں ہیں۔ اس جم غفیرکوآسودہ کرنے پر ہے۔ منجملہ اور فوائد کے اس ترتیب کا ایک یہ فائدہ بھی تھا کہ اس سے یہ معجزہ سب پرظاہرہوگیا کیونکہ سب مسیح کی طرف دیکھتے تھے اورجاننے تھے کہ وہی ہمارا کھلانے والا ہے اورنیز اس سے لوگوں کا شمارکرنا بھی

آسان ہوگیا اور شاگرد بآسانی قطاروں کے درمیان پھر کر کھانا تقسیم کرسکتے تھے۔

آیت نمبر۱۹۔آسمان کی طرف دیکھ کر برکت چاہی ۔

سب اناجیل اس بات کا ذکر کرتی ہیں۔ یہودیوں میں یہ ایک نہائت عمدہ دستور تھا کہ کھانے کے پہلے شکر کرنا لازمی سمجھتے تھے۔ تالمود (یہودیوں کی احادیث کی کتاب)میں ایک جگہ اس کے متعلق یوں کہا ہے ۔ جو شخص بغیر شکریہ ادا کرنے کے کسی چیز کو استعمال میں لاتا ہے وہ گویا خدا کو لوٹتا ہے ۔" جو الفاظ مسیح کی زبان سے اس وقت نکلے وہ قلمبند نہیں کئے گئے ۔لیکن اغلب ہے کہ وہ وہی ہوں گے جو بنی اسرائیل کے درمیان مروج تھے۔ یا شائد اس نے جیسا حضرت لوقا سے ظاہر ہوتا ہے (حضرت لوقا ۹باب۱۶آیت)روٹیوں اور مچھلیوں کو برکت دی (حضرت یوحنا ۱۱آیت)شکر گزاری کا ذکر کرتا ہے ۔غالباً اس دعا میں دونوں باتیں شامل تھیں۔ اس کے بعد اس نے "انہیں (روٹیوں کو)توڑکر شاگردوں کو دیا اورشاگردوں نے لوگوں کو" بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تین جگہ ان روٹیوں کی مقداربڑھی اول مسیح کے ہاتھ میں۔ دوم شاگردوں کے ہاتھ میں سوم کھانے والوں کے ہاتھ میں۔ ممکن ہے ایسا ہوا ہو اور ممکن ہے کہ جنابِ مسیح ہی کے ہاتھ میں یہ عجیب ترقی پیدا ہوئی ہو۔بہر کیف سب کھانے والے سیر ہوگئے چنانچہ لکھا ہے "سب کھانے والے سیر ہوگئے۔"(حضرت یوحنا ۶باب ۱۱آیت)ظاہر ہوتا ہے کہ جو جس قدر چاہتا تھا اتنا روٹیوں اورمچھلیوں سے اس کو ملتی تھی۔

اب اس بات کی کھوج کرنا روٹیاں اور مچھلیاں کس طرح بڑھیں بے فائدہ کوشش ہے کیونکہ یہ معاملہ بالکل فوق العادت ہے جوکچھ خیالات لوگوں نے اس امر پر ظاہر کئے ہیں وہ آگے چل کر بیان کئے جائیں گے ۔ فی الحال یہ بات غور کے لائق معلوم ہوتی ہے کہ جنابِ مسیح کیسی سرعت سے فوق العادت کو چھوڑکر پھر نیچرل عالم میں داخل ہوتا ہے چنانچہ وہ ان کو حکم دیتا ہے کہ بچے ہوئے ٹکڑوں کو جمع کرو تاکہ کچھ ضائع نہ ہوں (حضرت یوحنا ۶باب ۱۲آیت)اور حضرت متی اوردیگر انجیل نویس بتاتے ہیں کہ "بچے ہوئے ٹکڑوں سے بھری ہوئی بارہ ٹوکریاں اٹھائیں (حضرت متی ۱۴باب ۱۹آیت)میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ اس نے روٹیوں کو توڑا اوراپنے شاگردوں کو دیا۔ اب حضرت متی آیت ۲۰میں جو اسم "ٹکڑوں "استعمال کیاگیا ہے وہ اسی فعل سے مشتق ہے جس کا ترجمہ "توڑکر "آیت ۱۹میں کیا گیا ہے۔

پس ان ٹکڑوں سے جو انہوں نے اٹھائے وہ ٹکڑے مراد نہیں جو کھاتے وقت ہاتھوں سے گرگئے تھے بلکہ وہ جو مسیح نے توڑتوڑکردئے تھے۔ ایک شخص بیان کرتا ہے کہ اس زمانہ میں جو یہودی اٹلی میں رہا کرتے تھے ان کا دستورتھا کہ سفرمیں اپنے ہاتھ ایسا کھانا ٹوکریوں میں رکھ کر لے جاتے تھے جو چھونے سے ناپاک نہیں ہوتا تھا ۔ تعجب نہیں کہ فلسطین میں بھی کچھ اسی قسم کا رواج جاری ہوا اورگواں موقعہ پرلوگوں کے پاس کھانا موجود نہ تھا مگرٹوکریاں موجود تھیں۔ شائد بارہ شاگردوں میں سے ہرایک نے ایک ایک ٹوکری اپنے لئے لی ہو۔ اوریہی بارہ ٹوکریاں بھری ہوئی اٹھائی گئی ہوں۔

الہٰی فیاضی کے ساتھ عجیب قسم کی کفایت شعاری لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح نےپانچ روٹیوں اوردو مچھلیوں کو اس قدرترقی دی کہ پانچ ہزاراشخاص آسودہ ہوئے اب اس بات کے لئے فکرمند ہے کہ جوٹکڑے بچ رہے ہیں ان میں سے کچھ ضائع نہ ہو۔ اورجب وہ جو خالق اورپروردگارہے جوکی روٹیوں کے لئے اس قدرفکر مند ہے تو ہم کو لازم ہے کہ کوئی چیزخواہ ہم کیسے ہی متمول اور صاحب مال ومنال کیوں نہ ہوں ضائع نہ کریں اوردوسرا خیال جو غورکے لائق ہے یہ ہے کہ ان ٹوکریوں کا بھرا ہوا اٹھانا علامت ہے اس الہٰی محبت کی جو محبت کرنے سے ختم نہیں ہوتی بلکہ محبت کے کاموں کے سبب آگے کی نسبت اورزیادہ وسیع اوربھرپورنظرآتی ہے ۔ دینے اورخرچ کرنے میں ہمیشہ بڑھتی اورترقی ہوتی ہے۔ امثال کے مصنف کی یہ قول درست ہے کہ کوئی توایسا ہے جوکھنڈاتا ہے تو بھی مال بڑھتا ہے ۔ پھرکوئی ہے جو نیکی سے ہاتھ زیادہ کھینچتا ہے پر فقط کنگال پن کی طرف ہوتا "(بائبل شریف کتاب امثال ۱۱باب ۲۴آیت)۔

آیت نمبر۲۱۔اورکھانے والے سوا عورتوں اوربچوں کے پانچ ہزارمرد کے قریب تھے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اوربچوں کا شماربہت کم ہوگا ورنہ حضرت مرقس اورحضرت لوقا اورحضرت یوحنا اس کونظرانداز نہ کرتے ۔

اب اس معجزے کا اثرجو کچھ لوگوں پرہوا اس کا ذکرصرف حضرت یوحنا کرتے ہیں۔ اور وہ بڑا گہرا اثرتھا۔وہ کہتے ہیں کہ "جو نبی دنیا میں آنے والا تھا فی الحقیقت یہی ہے (حضرت یوحنا ۶باب ۱۴آیت)شائد اس نبی سے مراد وہ نبی ہے جس کی نبوت موسیٰ نے کی ہے (توریت شریف کتاب۔ استشنا ۱۸باب ۱۵تا ۱۸آیت ،انجیل

شریف بہ مطابق ۷باب ۲۱تا ۲۵آیت ،اعماالرسل ۳باب ۲۲آیت
،۷باب ۳۷آیت)پر سب یہودی اس نبی کو جس کا ذکر موسیٰ نے کیا
مسیح نہیں مانا کرتے تھے ۔مگر جن لوگوں کا ذکر یہاں پایا جاتا ہے وہ
"اس نبی سے "مسیح مراد لیتے ہیں کیونکہ وہ اسے پکڑ کر بادشاہ بنانا
چاہتے ہیں" (حضرت یوحنا ۶باب ۱۵آیت)شائد ان کا یہ مطلب تھا
کہ وہ مسیح کو جبراً یروشلم لے جائیں اوروہاں وہ خواہ رضا مند ہو
یا نہ ہو عید فسح کے موقعہ پر بادشاہ بنائیں۔

پرانے زمانے کے مسیحیوں نے اس معجزہ کی جزویات کو علامتی
معنی دیئے ہیں۔ مثلاً مقدس جیروم بیان کرتے ہیں کہ لڑکے سے مراد
حضرت موسیٰ اورپانچ روٹیوں سے اس کی پانچ کتابیں مراد ہیں اورکہ
سو سو کی قطار سے یگانگت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ سو کامل نمبر ہے
اورپچاس سے گناہوں کی معافی کیونکہ پچاس سے اشارہ شال یوبال اور
پینتکوست کی طرف ہے ۔ یہ باتیں محض واہمہ کا کھیل ہیں اور
حقیقت سے بالکل خالی ہیں۔

قبل ازیں کہ ہم اس معجزے کو چھوڑکر آگے بڑھیں دو تین باتوں کا
ذکرکرنا ضروری معلوم ہوتا ہے ۔

اول۔انجیلوں میں دو مرتبہ اس قسم کے معجزے کا ذکر پایا جاتا
ہےاوروہ دونوں موقعے مختلف تھے لیکن معترضوں نے یہ حملہ کیا
ہے کہ یہ دونوں بیان ایک ہی واقعہ کے ہیں اورلکھنے والوں نے غلطی
سے ان کو علیحدہ علیحدہ کردیا ہے۔ لیکن وقت اور دیگر حالات کے
اختلاف پرغورکرنے سے فوراً معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ قیاس صحیح
نہیں ہے ۔ مثلاًکھانا اورکھانے والوں کا شماراوربچے ہوئے ٹکڑوں کی
مقداروغیرہ سب باتیں دونوں موقعوں پر جداجدا تھیں ۔ علاوہ بریں
ہم دیکھتے ہیں کہ ایک میں یہ بتایا گیا ہے کہ پہلے ہی دن مسیح نے بھیڑ
کو آسودہ کیا اوردوسرے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب لوگ تین دن
تک مسیح کے ساتھ رہ چکے تب اس نے ان کو کھلایا ۔ پھر یہ بھی ثابت
ہے کہ جو واقعات ان معجزوں میں سے ہر ایک کے پہلے اور پیچھے
وقوع میں آئے ان میں بھی بڑا فرق ہے۔ مثلاً ایک سے ظاہر ہوتا ہے
کہ مسیح نے معجزے سے پہلے مغربی ساحل سے عبورکرتا ہے اوراس
کے بعد دریا پر چلنے کا معجزہ سرزد ہوتا ہے پر دوسرے سے یہ ظاہر
ہوتا ہے کہ وہ معجزہ دکھانے سے پہلے صوبہ فینکی اوریردن کےمنبع
کےارد گرد کے علاقوں کا دورہ کرکے مشرقی ساحل پر آتا ہے
اورمعجزے کے بعد گلیل کے فریسیوں اورصدوقیوں کی آخری جنگ

اس کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ معجزے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جولوگ جمع ہوئے وہ ان شہروں سے آئے جوجھیل کے مغربی کنارے پرآباد تھے۔ لیکن دوسرے معجزے سےمعلوم ہوتا ہے کہ وہ ان پہاڑوں سے جمع ہوئے جو مشرقی اطراف میں واقع تھے۔ اوراسی طرح وقت بھی فرق تھا۔ ایک معجزہ موسم بہار کے شروع میں واقع ہوا اوردوسرا بہت مدت بعد یعنی ایسٹر کے بعد اورسخت گرمیوں کےدنوں میں۔

دوم۔دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ لوگوں نے طرح طرح کی تشریحیں اس بات کو حل کرنے کے لئے ہیں کہ یہ معجزہ کس طرح وقوع میں آیا۔وہ رکیک اورناقص تاویل جو ریشنلسٹ پیش کرتے ہیں کئی صورتیں اختیارکرتی ہے۔ مثلاً پالس جوجرمنی کا رہنے والا تھا یہ کہتا ہے کہ جس طرح مسیح نے اپنی روٹیاں اورمچھلیاں نکالیں اسی طرح اس کے نمونہ پر باقی لوگوں نے بھی کیا اوراپنی اپنی روٹیاں اورمچھلیاں نکالیں اورپھر سب کے سب بیٹھ گئے اوراپنا اپنا کھانا نکال کرکھانے لگ گئے۔ مسیح کے شاگردوں نے اس کو معجزہ بنالیا۔ دوسری اسی قسم کی تاویل یہ ہے کہ چونکہ پرانے عہد نامہ میں (توریت شریف کتابِ خروج ۱۶باب ،بائبل شریف ۱سلاطین ۱۷باب ۸تا ۱۶آیت ،۲سلاطین ۴باب ۴۲تا۴۴آیت) کچھ کچھ اس قسم کے معجزات کا ذکر پایا جاتا ہے لہذا اسی کی نقل پریہ معجزہ تجویزکیا گیا تاکہ مسیح کی نسبت جو خیالات عام طور پر مروج تھے وہ پورے ہوں۔ مگران باتوں کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تاویلیں اس تواریخی سادگی کا جواس بیان سے صادرہے خون کرتی ہیں۔سوائے اس کے وہ باتیں جواس معجزے کے بعد وجود میں آئیں ایسی ہیں کہ اگر یہ معجزہ وقوع میں نہ آتا تووہ بھی واقع نہ ہوتیں ۔ مثلاً اگرمسیح نے یہ معجزہ حقیقت میں نہ دکھایا ہوتاتو کب یہ لوگ اس کو بادشاہ بنانے کی کوشش کرتے اورپھر ہم دیکھتے کہ کئی اس کے شاگردوں میں سے بھی اس کو چھوڑکرچلے جاتے ہیں۔ اس عجیب تبدیلی کی کوئی اور وجہ نہیں ہوسکتی سوائے اس معجزہ کے جس کے سبب سے مسیح کو یہ دعوےٰ کرنے کا موقع ملا کہ میں زندگی کی روٹی ہوں اورمیرا خون اورگوشت حقیقی حیات اورطاقت کا چشمہ ہے ۔ اگریہ معجزہ ایک متھ (بناوٹی قصہ) ہے توپھر کوئی بات تواریخی اورحقیقی واقعہ نہیں ہو سکتی ۔ جیسا ہم اوپر عرض کرچکے ہیں کہ ہم کو یہی خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ فوق العادت اورسو پر نیچرل معاملات کی کہنہ دریافت کرنے میں انسان کی عقل ناقص ہے ۔ پس ہم یہ مانتے

ہیں کہ وہ جس نے عالموں کو خلق کیا اس قابل تھا کہ روٹیوں کو بڑھائے تاہم جہاں تک نیچرل وسائل کام میں آسکتے ہیں وہاں تک وہ ان کو کام میں لاتا ہے ۔ جو روٹی موجود ہے اسے ترک نہیں کرتا اور جو نیچرل وسائل سے نہیں ہوسکتا اسے اپنی خانقانہ قدرت سے وجود میں لاتا ہے ہم اس بات کے انکاری نہیں کہ اورمعجزات کی طرح اس معجزے سے بھی مشکلات وابستہ ہیں۔ مگر ہم اس بیان کی سادگی اور سچائی کے سبب اور نتائج کی وجہ سے جومسیح کےکام میں اس معجزے سے پیدا ہوئے اوران اخلاقی اورروحانی فوائد کے باعث جواس سے برآمد ہوئے وہ اب تک جاری ہیں اوراس کی الہٰی قدرت کے سبب جواس معجزہ کودکھانے والا تھا اسے ایک سچا تاریخی واقعہ قبول کرتے ہیں۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔حضرت متی سے معلو م ہوتاہے کہ ہمارے آقا ومولا نے اس ضیافت کے بعد جس کے سبب سے حضرت یوحنا شہید کردئیے گئے اس بیابان کی راہ لی۔ پریہاں وہ خود ایک ضیافت تیارکرتا ہے ۔دیکھو دونوں ضیافتوں میں کیسا فرق ہے ہیرددیس کی ضیافت بڑے جشن کے ساتھ شروع ہوئی۔ جرم بیچ میں آیا اورفکر اورغم اس ضیافت کے آخر میں دامن گیر ہوئے۔ لیکن مسیح کی ضیافت جسم کی ضرورت رفع کرنے کی نیت سے شروع ہوئی لیکن پھر روح کی سیری بھی عطا کی گئی اورآخر میں آسمانی خوشی کئی ایک کو نصیب ہوئی۔

۲۔جنابِ مسیح کا نمونہ ۔(۱)دانائی کے ساتھ خطرے کی جگہ سے ہٹ جانے میں (۲) اپنے اور اپنے شاگردوں کے لئے دماغی آرام ڈھونڈنے میں (۳)دوسروں کی بھلائی کے لئے اپنے آرام کو ترک کرنے میں۔

۳۔بھیڑ کوکھلانا ہم کوکئی سبق دیتا ہے (۱)ترس کھانے میں (۲)فرماں برداری کرنے میں (۳)ترتیب رکھنے میں (۴)کفائت شعاری کے ساتھ چلنے میں۔

۴۔تنہا مکانوں میں جاکردعا مانگنا بڑی برکت کا باعث ہوتا ہے ۔

۵۔جنابِ مسیح کا رحم کیسی نئی نئی صورتیں اختیار کرتا ہے ۔ (۱)شفا دیتا ہے (۲) تعلیم دیتا ہے ۔(۳)آسودگی عطا کرتا ہے اوران برکتوں کے لئے ایک پیسہ بھی نہیں لیتا ہے ۔

۶۔آسمانی بادشاہت کی برکتوں کی کثرت میں ہمیشہ خبرداری اور کفائت شعاری داخل ہوتی ہے ۔ پانچ ہزارسیرکئے جاتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک ٹکڑا تک ضائع نہیں ہونے

پاتا۔ اسی طرح خدا اپنی ساری برکتوں کی نگہبانی کرتا ہے (۱) فطرت میں (۲) روحانی عالم میں (۳) جلالی دنیا میں۔

۷۔ ہمیشہ عقل پر تکیہ کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ خدا کے فضل اورقدرت بالغہ کو عقل پر ترجیح دینی پڑتی ہے۔ شاگرد عقل کے پابند ہوکردیناروں کا فکر کرتے ہیں اورمسیح کی قدرت اور فضل کو جیسی جگہ دینی چاہیئے نہیں دیتے ۔ پر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم مناسب وسائل کو ترک کردیں کیونکہ خدا ان کی قدرکرتا ہے۔

۸۔ ہم اپنے سرمائہ کی کمی پر اتنا زغور نہ کریں جتنا خدا کی برکت پر۔

۹۔ غریبوں کی مدد کرنا ہم کو کبھی غریب نہیں بناتا۔

۱۰۔ ہر خاندان کے سرگروہ کو مسیح کا نمونہ اختیار کرنا چاہیئے (۱) کھانے سے پہلے خدا کی برکت مانگنی چاہیئے۔ (۲) اس کی برکتوں کو خبرداری سے استعمال کرنا چاہیے۔ (۳) ان کی حفاظت کرنی چاہیئے ۔(۴) انتظام سے کام لینا چاہیئے۔ (۵) ترتیب کے معاملے میں اسکے نقش قدم پر چلنا چاہیئے۔

۱۱۔ مسیح اس معجزے کے وسیلے ظاہر کرتا ہے کہ میں ساری دنیا کی سیری کے لئے ضروری روٹی ہوں۔ وہ سب کی بھوک مٹاتا وہ لوگوں کے کھانے سے ختم نہیں ہوتا ۔ کیونکہ ساری زندگی کا سرچشمہ اور سوتا وہی ہے اسی میں اس قدر خوراک موجود ہے کہ ہمارے سیر ہونے کے بعد بھی سب دنیا کے لئے کافی بچ جاتا ہے۔

۱۲۔ جب لوگ اندازہ لگاتے ہیں تو اسباب کی کمی وبال جان ہوتی ہے۔ پر جب مسیح اندازہ لگاتے ہیں تو بڑھتی ہوتی ہے۔

۱۳۔ سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ مسیح اپنے شاگردوں سے کہتے ہیں کہ تم انہیں کھانے کو دو۔ دنیا کے بھوکوں کی ذمہ داری مسیحی ناظر آپ پر ہے ۔ جتنا آپ کے پاس ہے اسے استعمال کرو۔ خداوند اسے بڑھائے گا اوراسی کے وسیلے بہتوں کو سیر کرے گا ۔ تم انہیں کھانے کو دو۔

جنابِ مسیح کا سمندر پر چلنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۱۴باب ۲۲تا ۳۳آیت ،حضرت مرقس ۶باب ۴۵تا ۵۲آیت،حضرت یوحنا ۶باب ۱۵تا ۲۱آیت)

یہ معجزہ تین انجیلوں میں پایا جاتا ہے۔اورتینوں اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ ہزار کوکھانا کھلانے کےمعجزے کے بعد لیکن اسی روزوقوع میں آیا۔

حضرت متی ۱۴باب ۲۲آیت ۔اور جنابِ مسیح نے فوراً شاگردوں کو مجبورکیاکہ کشتی پر سوار ہوکر اس سے پہلے پار چلے جائیں جب تک وہ لوگوں کو رخصت کرے۔

سوال برپا ہوتا ہے کہ کہ اس نے کیوں ان کو مجبورکیا کہ "وہ چلے جائیں۔"اس کا جواب ہم کو انجیل یوحنا سے ملتا ہے۔ وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اس کا پہلا معجزہ دیکھ کراس بات کے جوڑتوڑمیں لگ گئے تھے کہا سے اپنا بادشاہ بنائیں اور شاگرد جو اس بات کو دل وجان سے چاہتے تھے اگر وہاں رہ جاتے توضروران کےساتھ اتفاق کرتے کہ ان کا استاد سرفرازی کے زینہ پر قدم رکھے۔ مگروہ نہیں چاہتا تھا کہ انہیں اس خطرے میں پڑنے دے لہذا اس نے اس بات پر زور دیاکہ وہ کشتی پر سوار ہوکر روانہ ہوجائیں۔ جیروم صاحب عام طور پر "مجبورکرنے " کی یہ وجہ بتاتے ہیں کہ شاگرد اس سے ایک دم کے لئے جدا ہونا گوارا نہیں کرتے تھے ۔ مسیح اوراس کے شاگرد اس جگہ تنہائی کے لئے آئے تھے اورچونکہ یہ مقصد ان کا پورا نہ ہوا اورچونکہ خطرہ تھا کہ یہاں زیادہ دیر تک ٹھیرنے سے مسیح کے مخالفوں کی دشمنی کا شعلہ زیادہ بڑھ جائے اورچونکہ وہ اس وقت اکیلا تنہائی میں رہنا پسند کرتا تھا لہذا اس نے مناسب سمجھا کہ مجمع کو برخاست کرے پس سب سے پہلے اپنے شاگردوں کو روانہ کیا۔ مرقس بتاتاہے کہ وہ لوگ بیت سیدا کی طرف روانہ ہوئے چنانچہ حضرت مرقس ۶باب ۴۵آیت میں آیا ہے "اورفوراً"اس نے اپنے شاگردوں کو مجبورکیاکہ کشتی پرچڑھ کر اس سے پہلے اس پاربیت صیدا کو چلے جائیں جب تک وہ لوگوں کو رخصت نہ کرے "مگر حضرت یوحنا کہتے ہیں کہ "کشتی پر چڑھ کر جھیل کے پا رکفر ناحوم کوچلے "(حضرت یوحنا ۶باب ۱۷آیت)اس اختلاف کا حل یہ ہے کہ اس نام کے دو شہر موجود تھے ایک وہ بیت صیدا جو جولیاس کہلاتا تھا اور دوسرا فیلبوس اور اندریاس اور پطرس کا شہر تھا۔ یہ دوسرا بیت صیدا کفرناحوم کی راہ پر واقع تھا اوراس سے بہت نزدیک آباد تھا۔

معجزہ ماقبل کے ضمن میں بتادیاگیا ہے کہ یہودیوں کے درمیان یہ دستورتھاکہ وہ قریباً تین بجے سے لے کر غروب آفتاب تک ایک شام اور پھر اس کے بعد رات تک دوسری شام مانا کرتے تھے پس جب وہ کشتی پر سوار ہوئے اس وقت ان کے شماروقت کے مطابق دوسری شام تھی ۔ (مقابلہ کرو حضرت لوقا ۹باب ۱۲آیت)جہاں دن ڈھلنے سے پہلی شام مراد ہے۔ ایسی مقدس جگہ اور ایسے اژدحام کے وقت اپنے خداوند کو چھوڑنا ان کے نزدیک دل پسند کا م نہ تھا۔ مگر جب خداوند ہم کو کسی کام کے لئے جو مشکل اور ہماری مرضی کے خلاف ہو بلائے تو اسے بجالانا ہمارا فرض ہے۔

آیت نمبر ۲۳۔اور لوگوں کو رخصت کرکے علیحدہ دعا مانگنے کے لئے پہاڑ پر چڑھ گیا اور جب شام ہوئی تو وہاں اکیلا تھا۔

ا ن کو رخصت کرنے کے بعد خود پہاڑ پر چلا گیا تاکہ وہاں دعا مانگے۔ غالباً یہ پہاڑ جہاں دعا مانگنے کے لئے گیا ایک اونچا پہاڑ ہوگا اور وہاں رات کو دیر تک دعا مانگتا رہا۔ (دیکھو حضرت متی ۲۵آیت ۔رات کے چوتھے پہر تک)مسیح نہ صرف باقاعدہ طورپر اور بار بار دعا مانگا کرتا تھا۔ ۔(حضرت مرقس ۱باب ۳۵آیت ،حضرت لوقا ۵باب ۱۶آیت ،۱۱باب ۱آیت)۔بلکہ جب کوئی خاص موقع اس کی زندگی میں آتا تھا تو اس وقت خاص طورپر دعا کیا کرتا تھا۔ مثلاً جب اس نے بارہ شاگردوں کو رسالت کے عہدے پر مامور فرمایا (حضرت لوقا ۲باب ۱۲آیت)تو اس نے خاص طورپر دعا کی او رپھر اسی طرح گتسمنی میں جان کنی کے موقعہ پر دعامیں لگا رہا اور اس وقت اسکے خاص طوردعا مانگنے کا یہ سبب تھا کہ ایک طرف تو لوگ اس کو بادشاہ بنانے کے درپے تھے۔ اوردوسری طرف ہیرودیس اورفریسی حسد کے مارے جل رہے تھے۔ پس ان وجوہات کے سبب سے وہ اس وقت ایک نہائت نازک حالت میں تھا۔لہذا اسے باپ کی ہدائت اورمحافظت کی اشد ضرورت تھی ۔اس مجذوب گروہ کے وسیلے شیطان پھر دنیا وی بادشاہت اس کو دینے کا وعدہ کرتا ہے اوراس شرط پر کہ وہ دینوی حکمت عملی اختیارکرے (دیکھو حضرت متی ۴باب ۸آیت)اوروہ باتیں جو وہ دن بھر اپنی بادشاہت کے متعلق سکھاتا رہا تاکہ لوگوں کے دل سے غلط فہمیاں دور ہوجائیں ۔(حضرت لوقا ۹باب ۱۱آیت)اپنے مطلب کو پورا کرنے میں قاصر نکلیں اوراس نے دیکھا کہ نہ لوگ میرے خیالات سے اتفاق رکھتے ہیں اورنہ یہی ممکن ہے کہ میں اپنے خیالات کو ترک کرکے انکے خیالات کو اختیارکروں گا اوراگر

انکار کرتا ہوں تو یہ خطرے کی یہی لوگ جو مجھے بادشاہ بنانا چاہتے ہیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد میرے برخلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور حکام کی مدد کریں گے وہ مجھے جان سے مارڈالیں پس ان باتوں کے سبب وہ اس وقت خاص قسم کی دعا کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

آیت نمبر ۲۴۔مگر کشتی اس وقت جھیل کے بیچ میں تھی او رلہروں سے ڈگمگارہی تھی کیونکہ ہوا مخالف تھی۔

کشتی اس وقت جھیل کے بیچوں بیچ جا پہنچی تھی اورباد مخالف کے تھپیڑے کے کھارہی تھی۔ حضرت یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسیح ان کے پاس آیا اس وقت وہ کل تین یا چارمیل کے قریب نکلی تھی ڈگمگارہی تھی۔ یہ وہی فعل ہے جو حضرت متی ۸باب ۶آیت میں "تکلیف میں ہے اورمتی ۸باب ۲۹آیت میں "عذاب میں ڈالے "اورحضرت مرقس ۶باب ۴۸آیت میں "بہت تنگ ہیں"ترجمہ کیا گیا ہے حضرت یوحنا "ہوا مخالف تھی "کے عوض "بڑآندھی "کا ذکر کرتا ہے جس کے سبب سے موجیں اٹھنے لگیں او رملاح کہتے کہتے عاجز ہوگئے جب مسیح ان کے پاس آئے تو اس وقت صبح ہونے پر تھی تاہم انہوں نے بہت راستہ طے نہ کیا۔

حضرت مرقس ہمیں بتاتا ہے کہ (حضرت مرقس ۶باب ۴۸آیت)اس نے ان کو اس مصیبت کی حالت میں دیکھا۔ انکو اس جھیل میں اکیلا بھیجنے کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ وہ ان کے ایمان کی تربیت کرے۔ ایک مرتبہ پہلے وہ لوگ طوفان کے خطرات میں مبتلا ہوئے۔ مگر اس وقت مسیح ان کے ساتھ تھا۔ اوروہ خیال کرتے تھے کہ اگر خطرہ بہت بڑھ جائے گا تو ہم اس کو جگالیں گے ۔ لیکن اس وقت وہ ان کے ساتھ نہ تھا اورچاہتا تھا کہ وہ اس بات کو سیکھیں کہ وہ ان کی مدد نہ فقط اس وقت کرسکتا ہے جب کہ ان کے ساتھ ہو بلکہ اس وقت بھی ان کی مدد کرنے پر قادر ہے جب کہ بظاہر ان سے غیر حاضر ہوکیونکہ جس وقت جسمانی طورپر ان کے ساتھ نہیں اس وقت بھی ان کی حالت سے بخوبی آگاہ ہے۔جب وہ دورہوتا ہے تب بھی اپنے بندوں کے نزدیک ہوتا ہے۔ جب وہ ان کو آخرتک آزما چکو"رات کے چوتھے پہر جھیل پر چلتا ہوا ان کے پاس آیا "اوراس سے ان کو سکھایا کہ آنے والی آزمائشوں کے چوتھے پہر جھیل پر چلتا ہوا ا ن کے پاس آیا "اوراس سے ان کو سکھا یا کہ آنے والی آزمائشوں کے طوفان اورآندھیوں میں مجھے ہمیشہ اپنے پاس سمجھو۔ اگر تمہاری آنکھیں مجھے نہ دیکھیں اگرمدد کی تمام صورتیں مفقود ہوجائیں تو

کچھ مضائقہ نہیں تم یہ مانتے رہو کہ میں دکھ اورمصیبت کے وقت تمہاری مدد کرنے کے لئے ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔

آیت نمبر ۲۵۔جنابِ مسیح چوتھے پہر جھیل پر چلتے ہوئے ان کے پاس آئے۔

یہودی رات کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا کرتے تھے او رہر حصہ میں چار گھنٹے شامل تھے۔ یہی طریقہ یونانیوں میں مروج تھا مگر پمپے کی فتح کے بعد جو ۶۳قبل ازمسیح وقوع میں آئی رومی طریقہ مروج ہوگیا۔ اوروہ یہ تھاکہ رومی لوگ رات کو چارحصوں میں تقسیم کرتے تھے اورہر حصہ میں چار گھنٹے شامل تھے۔ پس رات کا چوتھا پہر صبح کے تین بجے سے چھ بجے تک ہوتا تھا۔ اس چوتھے حصہ میں کسی وقت مسیح کا ان کوجھیل پرچلتا ہوا دکھائی دیا۔

آیت نمبر ۲۶۔شاگرد اسے جھیل پر چلتے ہوئے دیکھ کر گھبراگئے اور کہنے لگے کہ یہ کوئی بھوت ہے۔ اورڈر کے مارے چلا اٹھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بھوت پریت کو مانا کرتے تھے ۔مگر جو بات قابل غورہے وہ اس بیان کی سچائی اورسادگی ہے۔وہ مسیح کو آتے دیکھ کر اسے بھوت خیال کرتے ہیں اورڈر جاتے ہیں کیونکہ ان کو اندیشہ تھا کہ اب ہماری مصیبت اوربھی زیادہ ہوجائے گی ۔ لیکن اناجیل کے مصنف اس بات کو چھپاتے نہیں بلکہ بڑی وفاداری سے بیان کردیتے ہیں۔ ٹرنچ صاحب اس جگہ بڑے معنی خیز ریمارک پیش کرتے ہیں۔ ان کے ریمارکوں کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح لوگ عموماً مسیح کی حضوری کی شناخت کے متعلق غلطی میں گرفتار ہوجاتے ہیں ۔اسی طرح اس وقت ہوا۔ وہ اکثراپنے لوگوں کے پاس کسی غیرمعمولی صورت یاکسی غیرمانوس طریقے سے آتا ہے وہ کسی تکلیف یا کسی صلیب کے ذریعہ ان کے پاس آتا اوربرکت اپنے ساتھ لاتا ہے۔ مگر وہ اسے نہیں پہچانتے بلکہ اسے ایک دہشت ناک بھوت تصورکرتے ہیں۔ اورجب تک اس کی زبان سے "خاطر جمع رکھو میں ہوں ڈرونہیں"نہیں سن لیتے تب تک نہیں آرام نہیں پاتے۔

لیکن حضرت مرقس اس جگہ یہ بھی بتاتا ہے کہ "وہ ان کے پاس آیا اور ان سے آگے نکل جانا چاہا۔"سوال برپا ہوتا ہے کہ اگروہ ان کی مصیبت کودیکھ کر ان کی مدد کے لئے آیا تھا توپھر ان سے آگے نکلنا کیوں چاہتا تھا ؟(دیکھو حضرت مرقس ۶باب ۴۸آیت)بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک وہ چلاتے نہیں تب تک وہ ان کی کشتی میں قدم نہیں رکھتا۔اس کا کیا سبب ہے ؟اس بات کو سوائے ان کے جو کہ ایمان کی

حقیقت سے واقف ہیں اورکوئی نہیں سمجھ سکتا ۔ واضح ہو کہ اس آگے نکل جانے اورایک طرح کی بے پرواہی دکھانے کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کو سکھائے کہ وہ مدد کے لئے مددمانگیں اور کہیں کہ اے مالک آپ ہمیں نہ چھوڑیں۔ یہی طریقہ وہ ہمیشہ کام میں لاتا ہے ۔جب وہ ان دو شاگردوں کو ملاجو عماؤس کو جارہے تھے تب بھی وہ آگے نکلنا چاہتا تھا۔(حضرت لوقا ۲۴باب ۱۳آیت)اور جب ان شاگردوں نے اس سے منت کی کہ تو ہمارے ساتھ رہ تب ان کے ساتھ اندرگیا۔ ---------------- بے انصاف قاضی اورسوے ہوئے دوست کی تمثیلوں (حضرت لوقا ۱۸باب ۲آیت ،۱۱باب ۵آیت)کو دیکھو کہ وہاں بھی اسی قسم کی دیر اورتاخیر خدا سے منسوب کی جاتی ہے جب تک باربار دعا کے نالے اس کی درگاہ میں نہیں پہنچتے تب تک وہ مدد کا ہاتھ درازنہیں کرتا۔ اورپھر ایک اور موقعہ کو دیکھو بیت عینا لعزرکی نہیں اس کی حضوری کی ضرورت بشدت محسوس کرتی ہیں مگر وہ نہیں آتا ۔ بہت دیر لگاتا ہے اورکیا خدا پرست لوگوں کے ایسے نالے۔ "آے خداوند تو کیوں اپنا چہرہ چھپاتا ہے "اسی بات کا ثبوت نہیں کہ خدا چاہتا ہے کہ دیر کےوسیلے اپنے لوگوں کے ایمان کو حرکت میں لائے اورنہیں آمادہ کرے کہ دست دعا درازکریں اوراس سے باربار التجا کریں کہ اے خداوند توآ اورہمیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑ۔

پر اب وہ ان کے نالے اور چلانے کی آوازسن کر ان کو تسلی دیتا ہے چنانچہ لکھا ہے ۔

آیت نمبر ۲۷۔مسیح نے فوراً ان سے کہا کہ خاطر جمع رکھوں میں ہوں ڈرونہیں۔

رائل صاحب اپنی تفسیر حضرت یوحنا میں لکھتے ہیں۔"کہ بہت سی باتیں جواب مسیحیوں کوڈراتی اورانہیں فکر وتشویش سے بھردیتی ہیں ایسا کرنا چھوڑدیں۔ اگر وہ ہر ایک بات میں مسیح کو دیکھا کریں۔ کہ وہی ہر واقعہ کو وجود میں لاتا اوروہی ہر بات پر قابو رکھتا ہے اورکہ اس کے حکم کے بغیر ایک پتامک نہیں گرتا۔ مبارک وہ جو اس کے ان الفاظ کو "میں ہوں ڈرونہیں۔" گھرے بادلوں اورکثیر تاریکی اورپرشور آندھی اورسخت طوفان میں گونجتے سنتے ہیں "صاحب موصوف یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس سے یہودی بخوبی واقف تھے لیکن رائل صاحب کے خیال میں عبارت کے تعلق اورقرینے سے اس خیال کی تصدیق نہیں ہوتی کیونکہ شاگرد کسی شخص کو پانی پر چلتے ہوئے دیکھ کر ڈرگئے تھے اورانہیں جانتے تھے کہ وہ کون ہے اب مسیح یہ بتانا

چاہتا ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں اوراس کے لئے وہ وہی یونانی الفاظ استعمال کرتا ہے جن کا ترجمہ "میں ہوں "کیا گیا ہے۔ اورجو اس کے مطلب کو بخوبی اداکرسکتے تھے۔

آیت نمبر ۲۸۔حضرت پطرس نے اس سے جواب میں کہا اے خداوند اگرتو ہے تومجھے حکم دے کہ پانی پر چل کر تیرے پاس آؤں۔

یہ بیان صرف حضرت متی کی انجیل میں پایا جاتا ہے۔ پر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جوکچھ پطرس اس وقت کہتا ہے وہ کی جلد بازی اورتیزی طبع سے پورے پورے طورپر موافقت رکھتا ہے۔ اورجوانکار وہ بعد میں کرتا ہے اس کی صورت کچھ کچھ اس واردات میں بھی نظر آتی ہے۔ ماسوائے اس کے اس میں ایمان کی خاصیت اورکیفیت کا بھی پتہ ملتا ہے اوروہ یہ کہ ایمان کیا کچھ کرسکتا ہے نیز ہمیں اس میں انسان کی اعلیٰ روحانی حالت کی وہ فضیلت نظرآتی ہے جووہ نیچر کے ادنےٰ قوانین پر رکھتا ہے اورجسے ہمارا خداوند باربارظاہر فرماتا ہے ۔(دیکھو حضرت متی ۱۷باب ۲۰آیت ،۲۱باب ۲۱آیت)۔

اگر تو ہے۔ ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ لفظ اگر سے یہ مطلب نہیں لینا چاہئیے کہ پطرس مسیح کی موجودگی پر شک لاتا تھا۔ اگرتوما ہوتا تو ہم کہتے کہ وہ ضروریہ چاہتا تھا کہ پہلے یہ بات ثابت ہوجائے کہ بولنے والا حقیقت میں مسیح ہے اورپھر اسے کشتی میں جگہ دی جائے ۔لیکن حضرت پطرس اس کمزوری میں مبتلا نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جو بول رہا ہے وہ خداوند مسیح ہی ہے ۔لہذا اس "اگر"کو "چونکہ"کا مترادف سمجھنا چاہیے۔"اے خداوند چونکہ تو ہے اس لئے مجھے حکم دے کہ پانی پرچل کرتیرے پاس آؤں۔"

پطرس کس لئے مسیح کے پاس جانا چاہتا تھا؟شائد اس کے دل میں یہ آرزوہوگی کہ میں اپنے خداوند کے ساتھ رہوں۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت دلیربن کراس کم اعتقادی کی تلافی کرنا چاہتے تھا جو شاگردوں کے اظہار خوف سے ظاہر ہوئی اورجس میں وہ خود بھی شامل تھا۔ پر ان تمام باتوں کے ساتھ کچھ ایسی باتیں بھی ملی ہوئی تھیں جن سے اس کی خودی کی بوآتی تھی۔ وہ اورشاگردوں پر سبقت لے جانا چاہتا تھا۔ پس اس کا قصور اس درخواست میں نہاں تھا۔"مجھے حکم دے "وہ اپنے ایمان کی ایک زورآورگواہی پیش کرکے اوروں سے ممتازہونا چاہتا تھا۔ گویا وہ ایک طرح سے اس وقت بھی وہی دعوے کرتا ہے جو اس نے مسیح کا انکارکرنے سے پہلےکیا۔"اور اٹھوکرکھائیں پرمیں نہ کھاؤں گا۔

آیت نمبر ۲۹۔جنابِ مسیح نے فرمایاآ۔حضرت پطرس کشتی سے اتر کر جناب مسیح کے پاس جانے کے لئے پانی پر چلنے لگے۔

اس نے کہا ۔یہ حکم ان شاہانہ احکام میں سے ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے آقا ومولا اپنی الہٰی قدرت کو جانتا تھا کہ وہ کیا ہے اورکیسی ہے۔پریہاں اس "آ" سے بیشتر اجازت دینا مراد ہے۔ وہ فرماتاہے کہ اگر آنا چاہتے ہو تو آؤ۔لیکن جانتے ہیں کہ پطرس کا حوصلہ ٹوٹ جائے گا۔پس اس "آ" سے ہم یہ نہ سمجھیں کہ گویا مسیح یہ وعدہ کرتے ہیں کہ توکامیاب نکلے گا اورکبھی نہیں گرے گا بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت پطرس کہتے ہیں "آپ مجھے حکم دیں "پر اس کے جواب میں مسیح نہیں کہتے کہ "میں حکم دیتا ہوں "پطرس کہتا ہے کہ "پانی پر چل کر تیرے پاس آؤں"مسیح یہ نہیں کہتا کہ "ہاں پانی پر چل کر میرے پاس آ۔"پطرس آنا چاہتا ہے اورمسیح اسے روکتا نہیں کیونکہ وہ اس کی دلیری اورہمت کو جو زمینی آلائشوں سے پاک ہوکر اس کی خدمت میں کام آسکتی تھی انکار سے دبانا یا چورچورکرنا نہیں چاہتا لہذا اس کے سوال کے جواب میں صرف "آ" کہتا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ اگر تم آنا چاہتے ہو تو آؤاورآزماؤ تاہم اس "آ" میں یہ وعدہ شامل ہے کہ پطرس پانی میں ڈوبنے نہیں پائے گا۔ گو یہ وعدہ داخل نہیں کہ وہ اس تک پہنچنے میں کامیاب نکلے گا۔ یہ بات اس کے اعتقاد کی مضبوطی پر منحصر تھی۔ اگر اس کا اعتقاد آخر تک مضبوط رہتا تو وہ کامیاب نکلتا۔لیکن مسیح جانتے تھے کہ اس کی دلیری ایمان کی دلیری نہیں اورکہ وہ آزمائش کی شدت میں پھنس کر خوف اورکم اعتقادی میں تبدیل ہوجائے گی۔ اورایسا ہی ہوا چنانچہ اس نے

آیت نمبر ۳۰۔جب ہوا دیکھی تو ڈرگیا اورجب ڈوبنے لگا تو چلا کر کہا اے مالک مجھے بچائیے ۔

بعض نسخوں میں لفظ تیز ہوا کی صفت میں واقع ہوا ہے۔ جب تک پطرس اپنے مولا کی طرف دیکھتا رہا یعنی جب تک اس کا اعتقاد قائم رہا وہ چلتا رہا لیکن جب اس نے تیز ہوا کی طرف دیکھنا شروع کیا تو وہ ڈرگیا اورنتیجہ یہ ہوا کہ وہی جو اپنی دلیری کو دیگر شاگردوں پر ظاہر کرنا چاہتا تھا اب ان کے سامنے اپنی دہشت زدگی کا اقرارکرتا ہے۔ وہ اپنی گھبراہٹ کے عالم میں تیرنے کا فن بھی بھول گیا۔(حضرت یوحنا ۲۱باب ۷آیت)۔ایمان کے معاملے میں نیچر اورفضل کو مرکب نہیں کرسکتے ۔ ہاں ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ شخص جو فضل کے عالم

میں قدم رکھتا ہے جس وقت چاہے ان میں داخل ہو اورجس وقت چاہے اس میں سے نکل جائے اورپھر نیچر کے وسائل کا پیروہو۔نہیں جو فضل کی دنیا میں داخل ہوتا ہے اس نے ان کو چھوڑدیا ہے اس نے اب نئی زندگی اورنئے وسائل اختیارکئے ہیں۔ اورچاہیئے کہ جوزندگی اس نے شروع کی ہے اس میں لگارہے ورنہ ناکامی سے دوچارہوگا۔

لیکن جنابِ مسیح نے پطرس کو ہلاک نہیں ہونے دیا۔ اس کا تجربہ زبور نویس کے تجربہ کے موافق نکلا جو ان الفاظ سے مترشح ہے۔"جس وقت میں نے کہا میرا پاؤں پھسل چلا سوائے خداوند تیری رحمت نے مجھ کو تھام لیا ۔"(زبور شریف ۹۴آیت ۱۸)چنانچہ جس وقت اس نے کہا "اے خداوند مجھے بچا"اسی وقت جنابِ مسیح نے اپنا ہاتھ بڑھایا اوراسے بچالیا۔ لکھا ہے۔۔۔

آیت نمبر۳۱۔جنابِ مسیح نے فوراً ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑلیا اوراس سے کہا اے کم اعتقاد تونے کیوں شک کیا؟

دیکھوپہلے اس کو بچایا اورپھر محبت سے اس کی کم اعتقادی کے سبب اس کوملامت کی۔ غورکرو مسیح اس کو "کم اعتقاد " کہتا ہے۔۔بے اعتقاد نہیں کہتا ۔پھریہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ وہ اسے یہ نہیں کہتا کہ "توکیوں آیا"پریہ کہتا ہے کہ "تونے کیوں شک کیا" وہ اس پریہ نہیں ظاہر کرتا کہ تیرا قصوراس میں ہے کہ تونے اتنے بڑے کام کا بیڑا اٹھایا بلکہ اسے دکھاتا ہے کہ اس کا قصوراس بات میں ہے کہ وہ اس قدرت پر جو اسے کامیابی تک پہنچاسکتی تھی شک لایا۔اورجب تک وہ اس خائف شاگرد میں بھروسہ کی روح پھر تازہ نہیں کردیتا تب تک اس کو ملامت نہیں کرتا"توکیوں شک لایا"یہ صیغہ فعل ماضی کا ہے اورظاہر کرتا ہے کہ اب وہ شک کا فورہوگیا تھا۔ گویا مسیح یہ کہہ رہا ہے شک کرنے سے پہلے تو سمندرکی موجوں پر چل رہا تھا"اب جبکہ تیرا سینہ شک سے صاف ہے تو تو پھر اس پر چل رہا ہے۔ پس اب تونے دیکھ لیا کہ ایمان دار کے لئے سب کچھ ممکن ہے۔ لفظ"شک لانا "جس یونانی فعل کا ترجمہ ہے اس کے معنے "بے ارادہ دوراہوں کی طرف جانے "کے ہیں۔ پس پطرس کی حالت دودلی کی حالت تھی۔یہی لفظ حضرت متی ۲۸باب ۱۷آیت میں مستعمل ہے۔

یاد رہے کہ پطرس کا یہ قصہ علامت کا کام بھی دیتا ہے ۔ یعنی جو حالت اس کی اس موقعہ پر تھی وہی عموماً ہر ایما ن دارکی کمزوری اورخوف کے وقت ہوا کرتی ہے۔ جب تک ایمان دارایمان میں قائم ہے تب تک وہ دنیا کی آندھیوں اورطوفانوں کو اپنے تلے روندتے ہیں۔ یعنی جب تک وہ مسیح کو دیکھتے رہتےہیں تب تک وہ مضبوط رہتے

ہیں لیکن جب اس کی طرف سے نگاہ ہٹا کر تیز ہواؤں کو دیکھنے لگ جاتے ہیں تب ڈوبنے لگتے ہیں اوراگر مسیح ہاتھ بڑھا کر ایسے موقعوں پر ان کو نہ بچائے تو وہ بالکل ڈوب جائیں۔

آیت نمبر ۳۲۔اور جب وہ کشتی پر چڑھ آئے تو ہوا تھم گئی۔

حضرت یوحنا کہتے ہیں"پس وہ اسے کشتی پر چڑھالینے کو خوش ہوئے۔"بعض لوگ ان بیانوں میں بھی اختلاف دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت متی اورمرقس تو کہتےہیں کہ وہ کشتی پر چڑھ گیا۔ لیکن حضرت یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چڑھا نہیں بلکہ اسکے شاگرد اسے کشتی میں چڑھانے کو خوش تھے۔لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان بیانوں میں کچھ فرق نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ ایک بیان سے یہ پتہ لگتا ہے کہ انہوں نے اسے کشتی میں لے لیا۔ اوردوسرے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل کے وقوع سے پہلے ان کی یہ آرزو تھی کہ وہ ان کےپاس کشتی میں آجائے۔پس وہ جو کچھ چاہتے تھے سو انہوں نے کرلیا یعنی اس کوکشتی پر لے لیا۔ ایک شخص ان کی خواہش کا اوردوسرا ان کی خواہش کی تکمیل کا ذکرکرتا ہے ۔ حضرت متی اور مرقس صرف ہوا کے تھم جانے کا ذکرکرتے ہیں مگر حضرت یوحنا یہ بھی بتاتے ہیں کہ فوراً وہ کشتی وہاں پہنچی جہاں وہ جاتے تھے۔"

آیت نمبر ۳۳۔اورجو کشتی پر تھے انہوں نے اسے سجدہ کرکے کہاآپ بے شک خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

حضرت مرقس یہ بتاتے ہیں کہ اس ساری واردات کو دیکھ کر شاگرد اپنے دل میں نہائت حیران ہوئے ۔اور حضرت متی کے بیان سے معلوم ہوتاہے کہ یہ حیرت نہ صرف آپ کے شاگردوں پر طاری ہوئی بلکہ ان پر بھی جو آپ کے ساتھ کشتی پر سوارتھے۔ یہ لوگ غالباً ملاح اوردیگر مسافرتھے جوکشتی پرسوارتھے انہوں نے بھی آپ کے جلال کی ایک جھلک دیکھ لی۔ اورآکر سجدہ کیا اور کہا "آپ بے شک خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔"انہوں نے محسوس کیا کہ جسے ہم اس وقت دیکھ رہے ہیں وہ ایک عجیب شخص ہے۔ حضرت متی کی انجیل میں یہ پہلا موقع ہے جہاں انسان مسیح کو خدا کا بیٹا مانتا ہے۔ اس کے ۳باب ۱۷آیت میں خدا اس کو اپنا بیٹا بتاتا ہے ۔۴باب ۳آیت ،میں شیطان اس کی آزمائش کے وقت اسے خدا کا بیٹا کہہ کر اسے مخاطب ہوتا ہے اور۸باب ۲۹آیت میں بدروحیں اسے خدا کا بیٹا کہتی ہیں۔ اوریہاں انسان سے یہ لقب دیتا ہے۔ اس لفظ سے عام

معنی کے مطابق مسیح مراد نہیں بلکہ اس سے اس کی الہٰی سیرت اور خاصیت جیسی کے انجیل شریف میں ظاہر ہوئی ہے مراد ہے اس میں شک نہیں کہ لفظ بیٹا کے سامنے حرف تعریف اس جگہ نہیں آیا لہذا معنی عام اورکشادہ ہیں۔ مگر ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ مسیح جس طرح خاص معنوں میں ابن آدم ہے اسی طرح خاص معنوں میں خدا کا بیٹا بھی ہے۔اوریہ لوگ جو انہیں خدا کا بیٹا کہتے ہیں یہودی ہیں لہذا وہ ایسے سنجیدہ موقعہ پر اس لفظ کو بت پرستوں کے دستوراورمعنوں کے مطابق خداکا بیٹانہیں کہتے بلکہ ان کا یہ مطلب ہے کہ جو شخص اس معجزہ کا موجد ہے وہ واقعی الہٰی قدرت سے ملبس ہے۔ مقدس جیروم کہتےہیں کہ یہ ملاح اس کا صرف ایک معجزہ نہیں طوفان کو تھمانے کو معجزہ دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں کہ "تو خدا کا بیٹا ہے ۔"مگر ایریس یہ منادی کرتا ہے کہ وہ محض ایک مخلوق ہے (لینگی)۔

اب ہم دوتین باتیں اس معجزے کی حقیقت پر تحریر کرکے دوسرے معجزے کی طرف رجوع کریں گے۔

معجزات کے مخالف یہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ مسیح نے حقیقت میں یہ معجزہ نہیں دکھایا۔ وہ صرف کنارے پرٹہل رہے تھے مگر اس وقت اس کے شاگرد وں پر ایسی ہیبت چھائی ہوئی تھی کہ اپنی زوراعتقادی سے انہوں نے یہ خیال کیاکہ وہ پانی پر چل رہا ہے ۔ ایسی ایسی تاویلیں انہی لوگوں کو سجتی ہیں جو معجزات کے امکان کے منکر ہیں۔ لیکن ہمارے رائے میں یہ تاویل ا س تاریخی بیان سے کچھ موافقت اور مطابقت نہیں رکھتی جو دوچشم دید گواہوں (حضرت متی اوریوحنا)کی شہادت پر مبنی ہے اورنیزایک اورشخص کی گواہی سے تقویت پاتا ہے ۔(حضرت مرقس)جو اسی پطرس کا رفیق ہے جو اس معجزے میں پانی پر چلا۔

ہم پوچھتے ہیں (۱)کہ اگر شاگرد جھیل کے وسط میں کنارے سے دو تین میل کے فاصلے پر تھے توکب اسے جھیل کے کنارے پر چلتا ہوا دیکھ سکتے تھے؟

۲۔اوراگر "اندھیرا "ہوگیا تھا تو بالکل نا ممکن تھاکہ کسی شخص کو کنارے پر دیکھتے خواہ فاصلہ دومیل سے بھی کم ہوتا ہے۔

۳۔اوراگر آندھی زور سے چل رہی تھی اورموجیں اٹھ رہی تھیں تو کنارے پر کے لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنا سراسر ناممکن بلکہ محال تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس قسم کی تاویلوں کو ماننے کے لئے زیادہ زود اعتقادی کی ضرورت ہے ۔کیونکہ جویبان یہاں پایا جاتا ہے اس کا

ماننا ان بناوٹی تاویلوں کے ماننے کی نسبت زیادہ آسان ہے۔ اب اگر ہم یہ مانیں کہ متی اور مرقس اوریوحنا یہاں بالکل نادرست واقعات قلمبند کرتے ہیں تو یہ تاویل بھی نادرست معلوم نہ ہوگی۔ مگر اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ انجیل نویسوں کی کوئی بات بھی ماننے کو لائق نہ رہے گی۔ اورمعجزات کے مخالف شائد اسی طرف ہماری رہنمائی کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ معجزات کے انکار کے بعد رفتہ رفتہ جس منزل پر انسان پہنچتا ہے وہ یہی ہے کہ اس کے نزدیک نہ بائبل کچھ چیز رہتی ہے اورمسیحی مذہب۔

اورتشریحیں بھی اس معجزات کی کی گئی ہیں۔ مثلاًیہ کہ مسیح کا بدن قوانین نیچر کی قیود سے آزاد تھا لہذا اس کا پانی پر چلنا نا ممکن نہ تھا۔ یہ ڈوسیٹک ( )خیال ہے ۔ اورپھر یہ پانی اس کے پاؤں کے نیچے سخت ہوگیا ۔ یہ سب خیال بے بنیاد ہیں۔ اصل حل یہ ہے کہ جس نے پانی کو خلق کیا وہ اس قابل تھاکہ ان کی سطح پر اپنی قدرت کاملہ سے چلے۔ اس کی مرضی کے وسیلے ایک اعلیٰ قانون اورادنےٰ قوانین پر حاوی ہوا اوربڑے بڑے نتائج کو پیدا کرنے کے لئے اپنا کرشمہ دکھاگیا۔

نصیتحیں اورمفید اشارے

۱۔اگر جنابِ مسیح ہمیں کسی جگہ بھیجیں جہاں خطرہ دکھائی دیتاہے تو ہم ایمان سےاس پر بھروسہ کرکے وہاں جائیں وہ ہمیں وہاں اکیلا نہ چھوڑے گا۔

۲۔مسیح کی حضوری خطروں میں محبت ظاہر کرتی ہے ۔ اس کے لوگوں کو خوشی بخشتی ہے ۔مثلاً شیوں پر کبھی نہ کبھی اپنے تیئں ظاہر کرتی ہے ۔

۳۔اسکی آنکھ اپنے بندوں کو ہروقت دیکھتی ہے۔ اس وقت پہاڑپر سے دیکھتی تھی اب آسمان پر سے دیکھتی ہے "اس نے ان کو اس مصیبت کی حالت میں دیکھا ۔"

۴۔میں ہوں ۔اے کاش کہ یہ آوازجناب مسیح کی ہمارے کان میں آتی رہے ۔

۵۔اگرہم مسیح میں سے اپنی مصیبتوں کو دیکھیں تو ہماری مصیبتیں کافورہوجائیں پرہم حضرت پطرس کی مسیح کو دیکھتے دیکھتے تیزہوا کو دیکھنے لگ جاتے ہیں۔

٦۔ہم مسیح کی حضوری کی قدرکرنا اس وقت سیکھتے ہیں جس وقت ہم اس کی غیرحاضری سے بیدل ہوتے ہیں۔

۷۔حضرت موسیٰ نے خدا کے حکم سے سمندرکو دوٹکڑے کیا۔ مگر جنابِ مسیح نے جوسب چیزوں کا مالک ہے آپ ہی سمندرپر چلتا ہے ۔

جنم کے اندھے کو شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا ۹باب)

جس اندھے کاذکراس باب میں پایا جاتا ہے اس کی تاریخ اسی تفصیل اورتازگی سے پر ہے کہ وہ معجزہ جس پر اب ہم غورکرنے کو ہیں انسان کی بناوٹ نہیں سمجھا جاسکتا ۔ بلکہ برعکس اس کے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا رقم کرنے والا چشم دیدہ واقعات کو قلمبند کررہا ہے۔اس معجزے کی تاویلیں بھی قسم قسم کی پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ جو شخص اندھا بتایا گیا ہے اس کی آنکھیں صرف سوجی ہوئی تھیں اورمسیح نے فقط سوج کو دورکیا۔ کوئی کہتا ہے کہ ۳۹آیت کی غلط فہمی سے اس معجزہ کا خیال برپا ہوا۔اوربعض کی یہ رائے ہے کہ یہودیوں میں یہ کہانی مروج تھی کہ نعمان کو کوڑھ یردن میں غسل کرنے سے جاتا رہا ۔انجیل نویس اس کی نقل میں ایک اندھے کو شیلوخ کے حوض میں غسل دلاتے ہیں تاکہ الیشع کی طرح مسیح کی بھی عزت کی جائے۔ پھر بعض یہ کہتے ہیں کہ صرف تعلیمات کی غرض سے یہ معجزہ گھڑا گیا ہے۔لیکن جو

لوگ بے تعصب اورانصاف پسند ہیں وہ بیان کی تفصیل اورسادگی اور تازگی کو دیکھ کر ان بے اورفضول تاویلوں کو رد کریں گے ۔

آیت نمبر۱۔پھر جناب مسیح نے جا تے ہوئے ایک شخص کو دیکھا جو جنم کا اندھا تھا۔

لفظ"پھر"اس تاریخی بیان کو آٹھویں باب سے ربط دیتا ہے (۸باب ۵۹)عید خیام کے خاتمہ کے ایک روزبعد یہ معجزہ وقوع میں آیا۔ کیونکہ یہ معجزہ سبت کے دن واقع ہوا ۔ اورعیدخیام کے آخر میں جو دن آتا تھا وہ بھی سبت کا دن ہوتا تھا۔(دیکھوآیت ۴)بمقابلہ توریت شریف کتاب احبار ۲۳باب ۳۹آیت)اور جس جگہ پر یہ معجزہ وقوع میں آیا وہ کہیں ہیکل کے آس پاس ہوگی جہاں لنگڑے اندھے اوردیگرمریض بیٹھے رہا کرتے تھے (انجیل شریف اعماالرسل ۳باب ۱تا ۲آیت)لیکن اس خیال پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ ۸باب سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اکیلا تھا جس وقت وہ ہیکل سے نکلا ۔ مگر اس جگہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے شاگرد بھی ان کے ساتھ تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مسیح اکیلا خطرہ سے بچ نکلا اسی طرح اس کے شاگرد بھی ایک ایک کرکے نکل آئے ۔لیکن باہر آکرپھراس سے مل گئے ۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ۸باب سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح سنگسار کئے جانے کے خطرے میں تھے۔ پس ہو نہیں سکتا کہ وہ اسی روز خاطر جمعی اورسکون دلی کے ساتھ اوراسی جگہ کے قریب وجوار میں ایک ایسا معجزہ دکھاتے جیسا کہ یوحنا ۹باب میں درج ہے۔ لیکن واضح ہو کہ مسیح اسی قسم کے موقعوں پر کمال استقلال اور بے ضطرابی سے محبت اور فضل کے کاموں میں مشغول ہوکر یہ ثابت کیا کرتا تھا کہ میں خداوندوں کا خداوند اوربادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔ یہاں ہم اس کے اطمینان اوررحم کی ایک نہائت خوب صورت فوٹو پاتے ہیں ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بہ مشکل تمام ابھی ابھی یہودیوں کے پتھروں سے بچا ہے اوراب بھی اس کی جان معرض خطرے میں ہے مگرپھر بھی وہ اس کا رخیر کو انجام دینے کے لئے ٹھہر جاتا ہے (مقابلہ کرو اس کے ساتھ ۱۱باب ۷تا ۱۱آیت)اس مقام میں بھی وہی استقلال وہی دلیری وہی بے اضطرابی عیاں ہے۔ جو اس ۹باب سے مترشح ہے۔ لکھا ہے کہ یہ شخص جنم کا اندھا تھا۔ شائد اس آدمی کی تاریخ شاگردوں کو معلوم ہوگئی ہوگی۔کیونکہ یروشلم کے گداؤں میں مشہور تھا۔ بہت لوگ اس کے حالات سے واقف تھے (دیکھو آیت ۸)یا شائد وہ خود لوگوں کو بتادیتا تھاکہ میں جنم کا اندھا ہوں

تاکہ وہ اس پر ترس کھائیں اور اسے خیرات دیں ممکن ہے کہ شاگردوں نے ان صورتوں میں سے کسی صورت میں اس کے حالات سے واقفیت پیدا کی۔ مسیح نے اس اندھے کو دیکھا اور شاگرد جو اس کے اصول سے واقف تھے اس سے ایک سوال کرتے ہیں جو دوسری آیت میں درج ہے۔

آیت نمبر۲۔اورآپ کے شاگردوں نے آپ سے پوچھا کہ اے مولا کس نے گناہ کیا تھا جویہ اندھا پیدا ہوا۔ اس شخص نے یا اس کے ماں باپ نے؟

اب سوال یہ ہے کہ شاگردوں کا یہ سوال کس بنا پر مبنی ہے ؟اس سوال کےدوسرے حصے کا حل سہل ہے کیونکہ وہ ٹکڑا اس شرح کے مطابق ہے جو فریسی (توریت شریف کتابِ خروج ۲۵باب ۵آیت)کیا کرتے تھے ۔وہاں اس بات کا ذکر پایا جاتا ہے کہ خدا باپ دادوں کی بدیوں کی سزا ان کی اولا د کو کئی پشت تک دیتا ہے ۔لیکن ان کے سوال کے پہلے حصہ کی تشریح کرنا ذرا مشکل کام ہے۔ تین چار رائیں اس امر میں مروج ہیں (الف) بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہودی آواگون کو مانتے تھے۔ پس شاگرد خیال کرتے تھے کہ اس شخص کے اندھا پیدا ہونے کا یہ سبب ہوگاکہ اس نے کسی پہلی جون میں ضرورکوئی گناہ کیا ہوگا ۔ یہ عقیدہ عام یہودیوں کے درمیان مروج نہ تھا مگر بعد میں بعض فلسفانہ طبعیت کے یہودی کیبلسٹس اس عقیدہ کو ماننگ لگ گئے تھے (ب)بعض خیال کرتے ہیں کہ یہودی یہ بھی مانا کرتے تھے کہ روحیں دنیا میں آنے سے بہت پہلے خلق کی جاتی ہیں اورجسم میں داخل ہونے سے پہلے گناہ کرسکتی ہیں۔ یہ خیال بھی پکے اورسچے یہودیوں کے درمیان عام نہ تھا ۔ افلاطونی فلسفہ کے وسیلے اس خیال نے اسکندریہ کے یہودیوں کی تھیالوجی میں راہ پائی مگرعام یہودی اس کے بالکل قائل نہ تھے (ج) یہودیوں کے درمیان یہ خیال بھی مروج تھاکہ بچہ ماں کے رحم میں بھی گناہ کرسکتا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں وہ یعقوب اورعیساؤکا قصہ پیش کیا کرتے تھے ۔(توریت شریف کتابِ پیدائش ۲۵باب ۲۰تا ۲۳آیت)لائٹ صاحب اس خیال کو ترجیح دیتے ہیں اوران کے بعد کئی اورمفسر بھی اسی رائے کو ماننے لگ گئے کہ شاگردوں کا سوال یہودیوں کے اس عقیدے پر مبنی ہے (د)پھر ایک شرح یہ بھی ہے کہ شاگرد یہ مانتے تھے کہ خدا نے پہلے ہی سے جان لیا تھا کہ یہ شخص دنیا میں جاکر فلاں گناہ کا مرتکب ہوگا۔ پس اس نے اس کو اس کے گناہ کی سزا پہلے ہی سے دیدی اوروہ جنم ہی سے اندھا پیدا ہوا۔ مگر اس خیال کی کوئی

نظیر کلام الہٰی میں موجود نہیں اورکبھی کسی شخص نے دنیا کی خرابی اوردکھ کی یہ شرح نہیں کی اور نہ کوئی کرسکتا ہے ۔کیونکہ ہم سب مانتے ہیں کہ جیسا کوئی کرتا ہے ویسا بھرتا ہے ۔ مگر یہ بات بالکل انسان کی طبعیت اوراصول کے خلاف ہے کہ کسی شخص کو جرم کے ارتکاب سے پہلے سزا دی جائے ۔

بزرگ کری ساسٹم صاحب فرماتے ہیں کہ جب مسیح نے بیت حسدا کے حوض پر ۳۸برس کے بیمار کو شفا بخشی ۔ اسوقت اس نے اس کو کہا کہ اگر تو پھر گناہ کرے گا تو اس سے زیادہ مصیبت میں گرفتارہوگا۔ اوران لفظوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ گویا اس کی بیماری کسی خاص گناہ کا نتیجہ ہے شاگرد اس وقت مسیح کے ساتھ تھے اور انہوں نے مسیح کے الفاظ کو سنا تھا۔ پس اب انہوں نے اس مریض کو دیکھا تو خیال کیا شائد اس نے بھی کوئی گناہ کیا ہوگا جس کے سبب سے یہ اندھا پیدا ہوا۔ سو وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ اے مولا کیا اس نے کوئی گناہ کیا تھا جو یہ اندھا پیدا ہوا۔ ہماری ناقص رائے میں یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے وہ اس بات کو مانا کرتے تھے کہ انسان اپنی ماں کے پیٹ میں نیکی اوربدی کا مرتکب ہوسکتا ہے ۔ پر یہ خیال ہم کو درست نہیں لگتا کہ شاگرد یہ سوال اس واسطے کرتے ہیں کہ یہودیوں کے درمیان آواگون کا عقیدہ مروج تھا۔

تاہم یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دکھ گناہ کانتیجہ ہے کہ گو یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ ہر تکلیف کسی خاص گناہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور نہ یہ فیصلہ درست ہے کہ جس قدر کوئی شخص اس دنیا میں مصیبت زدہ ہوتا ہے اسی قدر اس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ فیصلہ کچھ اسی قسم کا ہے جس قسم کا حضرت ایوب کے دوستوں نے کیا تھا۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ ہر بشر اس گناہ آلودہ دنیا میں گناہ کے خمیر کے ساتھ آتا ہے اورخدا جو ہر شے سے اپنا جلال ظاہر کرواتا ہے موجودہ بدی کو بھی اپنے قبضہ میں رکھ کر (گو اس کا بانی نہیں ہے)اس کے وسیلے سے اپنی بزرگی ظاہر فرماتا ہے ۔

آیت نمبر ۳۔جنابِ مسیح نے جواب دیاکہ نہ اس نے گناہ کیا تھا اورنہ اس کے ماں باپ نے بلکہ یہ اس لئے ہواکہ خدا کے کام اس کے ذریعے سے ظاہر ہوں۔

سیدنا مسیح کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندھا پیدا ہونے کی وجہ اس کا کوئی خاص گناہ ہے اورنہ اس کے ماں باپ کا بلکہ کچھ او رہی مطلب ہے۔ٹرنچ صاحب کہتے ہیں۔ کہ سیدنا

مسیح نہ اس کے ماں باپ کے گناہ کا اورنہ اس کے گناہ کا انکارکرتے ہیں بلکہ وہ اس جگہ صرف اپنے شاگردوں کو اس ناقص عادت سے منع کرتے ہیں جس میں ہمدردی نہیں پائی جاتی اورجو دوسرے لوگوں کے پوشیدہ معاملات کی نسبت طرح طرح کے فرضی خیالات قائم کرتی رہتی ہے ۔ جو حضرت ایوب کے دوستوں کی طرح لوگوں کے دکھوں کی شرح کے لئے یہ تصورکرتی ہے کہ ضرورانہوں نے کوئی نہ کوئی گناہ کیا ہے جس کی سزا اب بھگت رہے ہیں۔ پس مسیح کا مطلب یہ تھا کہ اس شخص کا اندھا پن اس کے یا اس کے ماں باپ کے کسی خاص گناہ کا پھل نہیں لہذا اندھا پن کی وجہ نہ اس شخص کے اورنہ اس شخص کے ماں باپ کے گناہ میں ڈھونڈنی چاہیے۔ پر یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو دکھ دنیا میں پایا جاتا ہے اسکی وجہ اورخصوصاً اس اندھے کے اندھا پن کی کیا عمدہ شرح کی جاسکتی ہے ۔ اوروہ یہ ہے کہ اس نابینا کی کورچشمی ایک اعلیٰ مقصد رکھتی ہے یعنی یہ کہ "خدا کے کام اس کے ذریعہ ظاہر ہوں"یایوں کہیں کہ اس بیماری اوراس بیماری کی مدافعت کے وسیلے خدا کی رحمت اورجلال آشکارا ہوں تو بھی ہم مسیح کے ان الفاظ سے یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ خدا کا یہ مطلب تھا کہ اس شخص کو صرف ایک وسیلہ بنائے اوراس کے دکھ

کے رفع کرنے سے مسیح کی قدرت دوسروں پر ظاہر کرے۔ کیونکہ مسیح کے کاموں کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے اوراس میں اس شخص کی دائمی بہبودی بھی شامل تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ جوکام اس اندھے پرکیا جائے وہ دنیا پرظاہر ہومگر اسی طرح اس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ مسیح کی قدرت کااظہارخود اس شخص پربھی طالع ہو۔ پس خدا کی تجویزمیں یہ بات بھی داخل تھی کہ اس شخص کو ہمیشہ کی زندگی کے نورمیں لانے کے لئے تھوڑی دیر تک بظاہر تاریکی میں رکھے تاکہ پھراس کی آنکھ کی تاریکی اورنیزاس کے دل کی تاریکی پر ایک دم اعلیٰ نورکی شعائیں جلوہ گرہوں اورآفتاب صداقت اپنے پروں میں شفا لئے ہوئے اس پرطالع ہو تاکہ اس کی تمام جسمانی اورروحانی بیماریاں دورہوجائیں مگریہ اس کی کامل تجویزکا صرف ایک حصہ تھا یا یوں کہیں کہ اس کے ازلی ارادے کے موافق یہ حصہ اس بڑی تجویز میں شامل تھاجس کے وسیلے خدا کے اکلوتے کا جلال اورقدرت دنیا پرظاہرہونے والا تھا (انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا ۱۱باب ۴آیت اورخط اہل رومیوں ۵باب ۲۰آیت ،۹باب ۱۷آیت ،۱۱باب ۲۵آیت)۔

واضح ہو کہ مسیح یہ نہیں کہتے کہ اس آدمی نے اوراس کے ماں باپ نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اس کامطلب صرف یہ ہے کہ اس کااندھا پن نہ اس کے اورنہ اس کے ماں باپ کے کسی خاص گناہ کا نتیجہ ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ خدا کے کام وہی کام ہیں جو مسیح کے وسیلے کئے جاتے ہیں۔ جو کام اس سے باہر ہوتے ہیں وہ اس کے نہیں ہیں۔

آیت نمبر ۵،۴۔جس نے مجھے بھیجا ہے ہمیں اس کے کام دن ہی دن میں کرنے ضرورہیں۔ وہ رات آنے والی ہے جس میں کوئی شخص کام نہیں کرسکتا ۔ جب تک میں دنیا میں ہوں دنیا کانورہوں۔

چوتھی اورتیسری آیت کو لفظ "کام " باہم ملاتا ہے یعنی جنابِ مسیح کا یہ مطلب ہے کہ اندھوں کی بینائی دینا ان کےبڑے بڑے کاموں میں میں سے ہے جو خدا نے میرے لئے مقررکئے ہیں۔ اورمجھے لازم ہے کہ میں اس کام کو "د ن ہی دن " یعنی اپنی زندگی کے زمانہ میں انجام دوں الفاظ "دن ہی دن "اور"رات آنے والی ہے "کا تعلق ہمارے مولا کی زمینی زندگی کےسا تھ ہے۔ یعنی جب وہ دنیا میں تھے تو وہ اس کے لئے کام کا وقت تھا ہر کام دن کو کیا جاتا ہے لہذا وہ زمانہ دن سے مشابہ تھا۔ اورجب وہ یہاں سے چلا گیا تو اس کے ذاتی اورشخصی طورپر کام کرنے کا زمانہ بند ہوگیا۔ یہ خیال ہمارے دن اورہماری رات سے ا ستعارہ کیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں دن کام کا وقت ہے اور رات بہ سبب اپنے اندھیرے کے کام کے حق میں موزون نہیں ہوتی کیونکہ اس میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ اب کو اس اپنی حضوری سے دنیا کو منورکرنے کا موقعہ حاصل تھا۔ پس وہ خود اپنے ہاتھ سے کام کرسکتا تھا۔ اورجانتا تھا کہ وقت آنے والا تھا جس میں پھر یہ موقعے اس طرح کا کام نہ کرنے کو مجھ نہ ملیں گے ۔

اس تشریح میں بعض نے یہ مشکل محسوس کی ہے کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ مسیح یہ کہے کہ میرے بعد کوئی شخص کسی طرح کا کام نہ کرے گا۔ کیونکہ اس کے بعد اس کے شاگردوں نے بڑے بڑے کام کئے اوران کو بہت سی روشنی حاصل ہوئی اس دقت کا جواب یہ ہے کہ مسیح کے ان الفاظ "رات آنے والی ہے جس میں کوئی شخص کام نہیں کرسکتا "یہ مطلب نہیں کہ اس کے بعد کوئی کام نہیں کرے گا۔ بلکہ یہ جس شخص نے دن کو کام نہیں کیا وہ رات کو بھی اسے کبھی نہیں کرسکے گا ۔ اوراس مثل کو اپنے ہی اوپر چسپاں کرتا ہے۔

جس نے مجھے بھیجا ہے ہمیں اس کے کام ۔ غورکیجئے کہ مسیح پہلے جملہ میں واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرتا ہے یعنی خدا کی طرف سے بھیج جانے میں وہ شاگردوں کو اپنے ساتھ شامل نہیں کرتا ۔ کیونکہ شاگردوں کا بھیجنے والا وہ خود ہے پر خدا کے کاموں کی انجام دہی میں شاگرداس کے ساتھ شامل ہیں۔ وہ اسکے ہم خدمت ہیں۔

جب تک میں دنیامیں ہوں۔یہ الفاظ عام اوروسیع طورپر ہمارے مولا کے اس دنیا میں آنے کے مقصد کو ظاہر کرتے ہیں گویا وہ یہ فرماتے ہیں کہ میں اس دنیا میں آفتاب اور روحانی رہنما بن کر آیا ہوں تاکہ انسان کو اس کے ذاتی اندھیرے سے رہائی دوں لہذا لازم ہے کہ جب تک میں اس دنیا میں ہوں تب تک پورے پورے طورپر اس کا نوربنوں یعنی اپنے تئیں بنی آدم کی روحوں کا نجات دہندہ اوران کے جسموں کو شفا دینے والا ثابت کروں۔ پس مطابق اس خیال کے وہ اس اندھے کو دیکھ کر کہتا ہے کہ میں دنیا کا نورہوں اوراس سے بڑھ کر اورکون ساکام میری خاصیت سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے کہ میں اس اندھے کو جس نے کبھی روشنی کی صورت نہیں دیکھی نوربصارت سے مالا مال کروں اوریہ ظاہر کروں کہ یہ میرے اس اعلیٰ کام کی علامت ہے جس سے میں روحانی تاریکی کو دورکرکے لوگوں کو روحانی نورسے بہرورکرتا ہوں۔

آیت نمبر ۶،۷۔یہ کہہ کر سیدنا مسیح نے زمین پر تھوکا اور تھوک سے مٹی سانی اوروہ مٹی اندھے کی آنکھوں پر لگا کر اس سے کہا جا شیلوخ کے حوض میں دھولے (جس کا ترجمہ بھیجا ہوا ہے)پس اس نے جاکر دھویا اوربینا ہوکرواپس آیا۔

ہمارے مولا نے جوکچھ یہاں تھوک کے ساتھ کیا وہی ایک بہرے گونگے کو شفا بخشنے میں کیا (انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۷باب ۳۳آیت)اوروہی ایک اوراندھے کو شفا بخشتے وقت کیا۔ (حضرت مرقس ۸باب ۲۳آیت)لیکن مٹی کا ساننا اس معجزے کے ساتھ خاص ہے اب ہم یہ نہیں بتاسکتے کہ اس فعل سے مسیح کی کیا غرض تھی۔ بیشک نہ تھوک میں اورنہ اس مٹی میں جو تھوک سے سانی گئی تھی کوئی ادنی شفا بخش صفت پائی جاتی تھی کہ اس سے آنکھ روشن ہوجاتی ۔ تاہم یہ سوال برپا ہوتا ہے کہ مسیح نے کیوں اس وسیلے کو استعمال کیا؟اورکیوں اس نے فقط اپنے کلام سےاس کو شفا نہ بخشی ؟

واضح ہو کہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ ان وسائل میں کوئی ایسی قدرت نہ تھی جس کے بغیر وہ یہ معجزہ نہ کرسکتا تھا ۔ وہ اس قسم کے وسیلوں کا محتاج نہ تھا چنانچہ ہم دیکھتے کہ ایک اوراندھے کو بصارت عطا کرتے وقت اس نے کوئی اس قسم کا وسیلہ استعمال نہ کیا۔ (دیکھو حضرت متی ۲۰باب ۳۰تا ۳۴آیت)پس ان وسائل کو استعمال کرنے کا مطلب صرف اخلاقی ہوسکتا ہے اوروہ یہ کہ اس اندھے شخص کے دل میں ان ظاہری وسیلوں کے استعمال سے ایمان پیدا کیا جائے اوراس کے ایمان کی آزمائش بھی کی جائے۔علاوہ بریں وہ ہم کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ وہ نیک کام کرنے میں ایک ہی طریقہ کا پابند نہیں بلکہ لوگوں کی روحوں اورجسموں کا بھلا کرنے میں طرح طرح کے طریقے کام میں لاتا ہے۔ اورپھر یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں طاقت ہے کہ مادی اشیاء میں اگر چاہے تو اپنی مرضی سے ایسی طاقت بھردے جو فی ذاتہ ان میں موجود نہیں۔پس مٹی نے اس اندھے کی آنکھوں کو بینا نہیں کیا بلکہ مسیح کے کلام اور قدرت نے ۔ تاہم مٹی استعمال کی گئی ۔ اسی طرح پیتل کے سانپ میں بذاتہ کوئی خاصیت زہر کو دورکرنے کی موجود نہ تھی ۔تاہم خدا نے اس وسیلے کو استعمال کیا اوربنی اسرائیل کو جنہیں سانپوں نے کاٹ لیا تھا شفا بخشی ۔ بعض اشخاص کا گمان ہے کہ مٹی میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ابتدا میں خدا نے آدم کومٹی سے بنایا۔ جس نے مٹی سے اس آدمی کی آنکھوں کو روشن کیا اسی نے شروع میں مٹی ہی سے آدمی کوبنایا اوراس کی ساری طاقتیں اورحواس خمسہ اس کو عطا کئے۔

کہا جا شیلوخ کے حوض میں دھولے (جس کا ترجمہ بھیجا ہوا ہے)اس حکم کو سن کر الیشع کا حکم یادآتا ہے جو اس نے نعمان کودیا "جااوریردن میں نہا"(بائبل مقدس ۲سلاطین ۵باب ۱۰آیت)اس حوض کا پانی دیگر حوضوں کی پانی کی مانند تھا۔ لہذا اس میں کوئی شفا بخش خصوصیت نہ تھی۔ لیکن جو حکم دیا گیا تھا وہ ایمان کی آزمائش پر دلالت کرتا تھا۔ اوراس حکم کی اطاعت میں اس اندھے نے وہ برکت پائی جس کا وہ محتاج تھا۔

یہ حوض یروشلم کے پاس ایک وادی میں واقع تھا۔ اوراپنے پانی کے سبب جو ایک برساتی نالہ سے میں گرتا تھا نہائت مشہور تھا۔ اب تک اس حوض کی جگہ بتائی جاتی ہے اوراس میں کوئی شک نہیں کہ وہ وہی ہے جہاں مسیح کے زمانہ میں یہ حوض موجود تھا۔ اس حوض کاذکر نحمیاہ ۳باب ۱۵آیت اور یسعیاہ ۸باب ۶آیت میں آتا ہے۔

لائٹ فٹ صاحب فرماتے ہیں کہ بیت حسدا اور شیلوخ کے حوضوں میں ایک ہی نالے سے پانی آتا تھا۔

جس کا ترجمہ بھیجا ہوا ہے۔اس جملے کے متعلق ایک سخت مشکل پائی جاتی ہے اوروہ اس سوال کے وسیلے ظاہر ہوتی ہے کہ یہ جملہ معترضہ اس جگہ کیوں داخل کیا گیا ہے ؟کیوں حضرت یوحنا ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ شیلوخ کے معنی "بھیجا ہوا ہے" ضرور اس کا ترجمہ دینے میں اس کا کچھ نہ کچھ مطلب ہوگا ورنہ شیلوخ بغیر ترجمہ کے رقم کرنا کافی ہوتا۔ سب جوابوں سے عمدہ حل یا جواب اس سوال یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حوض کے نام کے وسیلے اس اندھے کے دل کی توجہ اس کی طرف راجع کی گئی جو مسیحا یعنی خدا کا بھیجا ہوا تھا۔ سب خدا پرست ان الفاظ سے جو باربار انجیل میں آتے ہیں "وہ جس کو خدا نے بھیجا ہے" مسیح مراد لیتے تھے۔ پس جب اس نے شیلوخ کا نام استعمال کیا تو اس بات کی طرف اشارہ کیاکہ جوشخص شیلوخ میں جانے کا حکم دیتا ہے وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے جو ہر طرح کی بیماریوں کو دورکرنے والا ہے۔ پس حضرت یوحنا کا مطلب اس حوض کے معنی بیان کرنے سے یہ تھا۔ کہ گویا مسیح کے لئے اس حوض کا نام لینا نہائت موزون تھا۔ کیونکہ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "وہ جو خدا کا بھیجا ہوا" تھا ایسے حوض میں اپنا معجزہ دکھائے جو "بھیجا ہوا" کہلاتا تھا۔

جس طرح مسیح اپنے بندوں اوراپنی کلیسیا کے لئے اس انجیل کے پانچویں باب میں بیت حسدا (رحمت کا گھر) ہے اسی طرح وہ اس باب میں ظاہر کرتا ہے کہ میں ہی شیلوخ وہ بھیجا ہوا ہوں جو تمام برکتوں کا سرچشمہ ہوں۔

پس اس نے جاکر دھویا اوربینا ہوکر واپس آیا۔ اس شخص نے مسیح کا کہنا مانا۔ جیسا اس کو کہا گیا تھا ویسا اس نے کیا ۔ اور اس فرمانبرداری کا یہ پھل اس کو ملاکہ اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔

واپس آیا۔ بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسیح کے پاس واپس نہیں آیا بلکہ اپنے گھر یا اسی جگہ جہاں اکثر رہا کرتا تھا گیا۔ اوراس کے دوست اورہمسایہ اس نئے وقوعہ سے پہلے پہل واقف ہوئے۔

آیت نمبر۸،۹۔ پس پڑوسیوں اورجن جن لوگوں نے اس کو بھیک مانگتے دیکھا تھا۔ کہا کیا یہ وہ نہیں جو بیٹھا بھیک مانگا کرتا تھا۔ بعض نے کہایہ وہی ہے اوروں نے کہا نہیں کوئی اس کے ہمشکل ہے ۔ مگراس نے کہا میں وہی ہوں۔

یہ لوگ جو اس کو دیکھتے ہیں حیران ہوکر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ وہی نہیں جو بیٹھا بھیک مانگ کرتا تھا۔ اس کی آنکھوں کے کھل جانے سے اس کی صورت میں بڑا فرق آگیا تھا۔ اسی واسطے بعض کہتے تھے کہ یہ وہی ہے اور بعض کہتے تھے کہ اس کا ہم شکل ہے جو لوگ یہ کہتے تھے کے یہ وہی ہے وہ غالباً اس کے ہمسایہ تھے جو اس کو بخوبی جانتے تھے مگر جو اس کو اس طرح گہرے طور پر نہیں جانتے تھے وہ کہتے تھے کہ اس کے ہمشکل ہے ۔ مگر یہ شخص خود ان کو یقین دلاتا ہے کہ میں وہی ہوں۔

اس پر وہ اس سے دریافت کرتے ہیں کہ ۔

آیت نمبر۱۰۔تیری آنکھیں کس طرح کھل گئیں۔

کس نے تجھے کو شفا بخشی ۔ وہ اس کا یہ جواب دیتا ہے ۔

آیت نمبر۱۱۔اسی شخص نے جس کا نام عیسیٰ مسیح ہے مٹی سانی اور میری آنکھوں پر لگا کر مجھ سے کہا کہ شیلوخ کے حوض پر جاکر دھولے ۔ پس میں گیا اور دھوکر بینا ہوگیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے مسیح کا نام ان لوگوں میں سے کسی سے سنا ہوگا۔ جو اس وقت پاس کھڑے تھے جبکہ مسیح اس سے گفتگو کررہے تھے۔ یقین ہے کہ ہمارے مولا اس وقت تک یروشلم میں مشہور ہوگئے تھے اور بہت لوگ کم ازکم اس کے نام سے واقف تھے۔یہ شخص بھی اس کی نسبت صرف اتنا ہی جانتا تھاکہ جس نے میری آنکھیں کھولیں ہیں وہ وہ ہے "جس کا عیسیٰ مسیح ہے "جس نے یروشلم میں ایک قسم کی حرکت پیدا کررکھی ہے۔ اس سے بڑھ کر وہ اس کی نسبت کچھ نہیں جانتا لیکن جو کچھ مسیح نے اس کی آنکھیں روشن کرنے میں کیا تھا وہ اس کو خوب اچھی طرح یاد ہے۔ چنانچہ اسے یاد ہے کہ اس نے پہلے "مٹی سانی اور میری آنکھوں پر لگائی اور کہا شیلوخ کے حوض میں جاکر دھولے "ایک ایک بات اس کو یاد ہے۔ پس میں گیا اور دھوکر بینا ہوگیا۔ یہ اس کی گواہی ہے جو وہ مسیح کے کام اور اپنی اطاعت کے پھل پر دیتا ہے ۔

آیت نمبر۱۲۔انہوں نے اس سے کہا وہ کہاں ہے ۔ اس نے کہا میں نہیں جانتا۔

لوگ اس کو دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ خواہش انسانی طبعیت کے موافق تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان لوگوں کا یہ ارادہ نہ تھا کہ مسیح کوکسی طرح کی تکلیف دیں بلکہ وہ صرف اس کو دیکھنے کی آرزو رکھتے تھے پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لوگ چونکہ فریسیوں کے قبضے میں اور ان کے اصولوں کے پابند تھے لہذا سبت کے روز اس معجزے

کے وقع میں آنے کو بہت اچھا نہ سمجھتے تھے۔وہ غالباً اسے فریسیوں کے پاس لے جانا چاہتے تھے ۔ لیکن وہ ان کو جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے ۔ مسیح کو یہ آرزو نہ تھی کہ وہ اپنے کاموں کے سبب لوگوں کے درمیان مشہور ہو۔ پس وہ اس اندھے کو شیلوخ میں جاکر غسل کرنے کا حکم دے کر چلا گیا تھا اوراس کو معلوم نہ تھا کہ وہ کدھر چلا گیا ہے۔

آیت نمبر ۱۳،۱۴۔لوگ اس شخص کو جوپہلے اندھا تھا فریسیوں کے پاس لے گئے۔ اورجس روزمسیح نے مٹی سان کر اس کی آنکھیں کھولی تھیں وہ سبت کا دن تھا۔

جو لوگ اس معاملے کو شروع کرتے ہیں وہ اس شخص کے ہمسائے ہیں۔ ٹرنچ صاحب کا خیال ہے کہ ان لوگوں کی نیت بد نہ تھی مگر چونکہ اتنا بڑا معجزہ سبت کے روزواقع ہوا تھالہذا انہوں نے مناسب سمجھا کہ اس کی خبردینی پیشواؤں کی دی جائے۔

لفظ"فریسیوں " سے اس جگہ مراد غالباً سہنڈرن سے ہے جس کے سامنے مسیح نے ۵باب میں اپنی صفائی اوربریت کے لئے تقریر کی۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سنہیڈرن کے شرکاء صرف فریسی ہی نہ تھے بلکہ ان میں صدوقی بھی شامل تھے مثلاً قیافا صدوقی تھا (نیز دیکھو اعماالرسل ۲۳باب ۶آیت)لیکن فریسی تعداد میں زیادہ تھے اور ان کا اختیارعام لوگوں پر بہت چلتا تھا لہذا صرف فریسیوں کا یہاں ذکرکیا گیا ہے اوریہی لوگ ہمارے مالک کے سخت دشمن تھے۔

آیت نمبر ۱۵،۱۶۔پھر فریسیوں نے بھی اس سے پوچھا۔۔۔اس نے ۔۔۔ کہا ۔۔۔ مٹی سانی ۔۔۔ پس بعض فریسی کہنے لگے کہ یہ آدمی خدا کی طرف سے نہیں کیونکہ سبت کے دن کو نہیں مانتا مگر بعض نے کہا کہ گنہگارآدمی کیونکر ایسے معجزے دکھا سکتا ہے ۔ پس ان میں اختلاف ہوا۔

اب معجزہ کا اصل امتحان شروع ہوتا ہے۔ فریسی اس سے پوچھتے ہیں "توکس طرح بینا ہوا؟"یہ شخص ان کو سادگی کے ساتھ بتادیتا ہے کہ کس طرح اس کی آنکھیں روشن ہوئیں۔لیکن وہ بڑی چالاکی کے ساتھ یہ ہتھ کنڈا کھیلتے ہیں کہ اپنی فتنہ پردازی سے پہلے اس کے ایمان میں رخنہ اندازی کرنا چاہتے ہیں ۔لہذا وہ اس کی رائے لینے سے پہلے اپنی رائے اس کو دیتےہیں کہ تمہیں اس آدمی کو خدا کی طرف سے نہیں سمجھنا چاہئیے کیونکہ وہ سبت کو نہیں مانتا ۔اگر وہ خدا کی

طرف سے ہوتا تو سبت کے دن کوئی کام نہ کرتا۔ گویا وہ اب اشارتاًاس پر وہی الزام لگاتے ہیں جو انہوں نے ایک اورموقعہ پر صاف صاف طور پر لگایا تھا۔ او رکہا تھا "تو بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے (حضرت متی ۹باب ۳۴آیت)لیکن ایسے لوگ بھی سنہیڈرن میں مو جودتھے جو نقودیمس اوریوسف ارمتیار کی مانند تھے وہ صداقت کی مخالفت کو دیکھ کہ کہتے ہیں کہ "گنہگار آدمی کیونکر ایسے معجزے دکھا سکتا ہے ؟"(مقابلہ کروحضرت یوحنا ۷باب ۵۱آیت)لیکن اس قسم کے لوگ بہت تھوڑے تھے اوران میں سے بھی بہت سے لو آخر کارمسیح کے دشمنوں کے گرداب مخالفت میں گرفتارہوگئے۔ مگر اس موقعہ پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ سچائی کی طرف ہوکر اپنی آوازبلند کرتے ہیں۔ مگر ان کا سوال ایسے الفاظ اور طرزپر پیش کیا گیا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی قدربزدل اورڈرنے والے تھے۔ اورمعلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سوائے اس سوال کے اورکچھ نہ کیا۔ ان سے یہ نہ بن آیا کہ وہ باقی ممبروں کو سمجھائیں کہ کسی شخص بغیر اس کی سنے فتوے لگانا انصاف سے بعید ہے ۔ ان لوگوں کا خیال یہ تھا اوروہ بالکل صحیح تھا کہ جو شخص اس معجزے کا دکھانے والا ہے وہ ضرورخدا کی طرف سے ہوگا اس نے خدا ہی کی مدد سے یہ معجزہ دکھایا ہے۔ کیونکہ اگر خدا کے ساتھ نہ ہوتا تو وہ کب ایسا معجزہ وجود میں لا سکتا۔

"ان میں اختلاف ہوا۔"تین فعہ یہی جملہ حضرت یوحنا کی انجیل میں مستعمل ہوا ہے۔(یہاں اور۷باب ۴۳آیت اور۱۰باب ۱۹آیت میں)۔

آیت نمبر ۱۷۔انہوں نے پھر اس اندھے سے کہا کہ اس نے جو تیری آنکھیں کھولیں تو اس کے حق میں کیا کہتا ہے اس نے کہا وہ نبی ہے۔

ٹرنچ صاحب بیان کرتے ہیں کہ بعض اشخاص اس سوال کو دوسوالوں میں تقسیم کرتے ہیں۔"تواس کے حق میں کیا کہتا ہے ۔کہ " اس نے تیری آنکھیں کھولیں ہیں؟"لیکن وہی ترجمہ صحیح ہے جو ہماری انجیل میں پایا جاتا ہے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سوال نہیں بلکہ ایک ہی سوال کیا گیا تھا تاکہ اس شخص کی رائے مسیح کی نسبت معلوم ہو۔ اوراس کے جواب سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ۔چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "وہ نبی ہے "واضح ہوکہ یہ سوال اس خالص نیت سے نہیں کیا گیا تھاکہ اس اندھے کی رائے اس معاملے میں لی جائے بلکہ غالباً اس لئے کیا گیا تھاکہ وہ اس کو اس سوال کے

وسیلے اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال لیں۔وہ چاہتے ہیں کہ ان کا اشارہ پاکران کی مرضی کے مطابق جواب دے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ (کرساسٹم) کہ یہ سوال ان لوگوں نے کیا تھا جو زیادہ راست پسند تھے اورمسیح کے نبی ہونے کے قائل تھے۔ ان کا خیال تھاکہ اس آدمی کی رائے لے کر اس کے مخالف کچھ نرم ہوجائیں گے لیکن یہ گمان درست نہیں معلوم ہوتا۔

اس اندھے کا جواب غورطلب ہے وہ اپنے جواب میں یہ نہیں کہتا کہ میں اسے "خدا کا بیٹا" سمجھتا ہوں اورنہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں اسے مسیح موعود جانتا ہوں۔ ابھی ان باتوں کا علم اس کو حاصل نہیں ہوا۔ ابھی وہ صرف اس قدرجانتا ہے کہ جس شخص نے مجھے شفا بخشی وہ عجیب قسم کی قدرت رکھتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کا نبی ہے۔ لہذا وہ کمال دلیری سے اس پر گواہی دیتا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ میری رائے اس کی نسبت یہ ہے کہ وہ خدا کا نبی ہے۔ اسی گواہی سے اس کا ایمان شروع ہوتا ہے۔ وہ لوگ اس سے معجزے کی حقیقت دریافت نہیں کرتے۔ بلکہ معجزہ دکھانے والے کے بارے میں اس کی رائے لینا چاہتے ہیں وہ ان کو یہی جواب دیتا ہے کہ میں اسے ایلیاہ اورالیشع کی مانند بڑا نبی جانتا ہوں۔

آیت ۱۸سے ۲۳تک۔ اس مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اب اس اندھے کے ماں باپ کو بلاتے ہیں۔ غالباً ان کی یہ غرض تھی کہ ان سے جھوٹ بلواکر یہ شہادت دلوائیں کہ وہ اندھا نہیں پیدا ہوا۔ لیکن وہ ان سے بھی کچھ مدد نہیں پاتے۔ کیونکہ اس کے والدین کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے فریب میں آنا نہیں چاہتے مگر اس کے ساتھ یہ بھی روشن ہے کہ وہ سچائی کے سبب کسی تکلیف میں بھی گرفتارنہیں ہونا چاہتے سو وہ خود تو مشکل سے نکل جاتے ہیں مگر اپنے بیٹے کو اس پھنسا رہنے دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے بیٹے کی بلوغت کو غنیمت سمجھتے ہیں اوراسی آڑمیں اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔ وہ اس سوال پر بحث کرنے سے بالکل انکارکرتے ہیں کہ اس کی آنکھیں کس طرح روشن ہوئیں۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ وہ اندھا پیداہوا تھا مگر اس بات کی نسبت خاموش ہیں کس طرح اس کو نوربصارت نصیب ہوا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر ہم ساری حقیقت بیان کریں تو ہمیں کچھ نہ کچھ مسیح کی توصیف میں کہنا پڑے گا۔ لیکن اس سے ہمیں وہ سزا اٹھانی پڑی گی جو سنہیڈرن نے مقرر کی ہے۔"واضح ہو کہ سنہیڈرن نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ مسیح نعوذ باالل ہ جھوٹے یا فریبی ہیں۔ ان کا فیصلہ یہ تھاکہ جب تک اس کے دعاوی کی سچائی یا

جھوٹ معلوم نہ ہوجائے اوراس پر سنہیڈرن کا جو کہ دینی پیشواؤں کی جماعت تھی فتوےٰ نہ لگ جائے تب تک کوئی اس کی رسالت کا اقرار نہ کرے اور اگر کوئی کرے گا تو وہ عبادت خانہ یعنی کلیسیائی رفاقت سے خارج کیا جائے گا۔

۱۸آئت میں یہ لفظ آئے ہیں۔"جب انہوں نے اس کے ماں باپ کو جو بینا ہوگیا تھا بلا کر"وغیرہ عبارت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کے ماں باپ سے دریافت کرنے کے بعد انہوں نے معجزے کا یقین کرلیا پر ایسا نہیں ہوا بلکہ برعکس اس کے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اس کے ماں باپ سے پوچھنے کے بعد بھی اس پر ایمان نہیں لاتے۔اورنہ اندھے کی بات کوسچ مانتے ہیں ۔

۱۹آئت۔ کری ساسٹم صاحب خیال کرتے ہیں کہ یہودیوں کے الفاظ "تمہارا بیٹا" جسے تم کہتے ہو کہ اندھا پیدا ہوا" سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا یہودی اس کے ماں باپ کو فریبی سمجھتے تھے کیونکہ وہ پوچھتے ہوئے کہتے ہیں "جسے تم کہتے ہو کہ اندھا پیدا ہوا ۔"حالانکہ یہ ٹھیک نہیں۔پس تم مسیح کے ساتھ سازش کرکے ہر جگہ مشہور کرتے پھرتے ہو کہ وہ جنم کا اندھا تھا۔ اورمسیح نے اس کی آنکھیں کھولی ہیں۔

آیت ۲۲۔"یہودیوں سے ڈرسے "یہ الفاظ چارمرتبہ حضرت یوحنا کی انجیل میں آئے ہیں۔ایک مرتبہ اسی جگہ پھر ۷باب ۱۲آیت ۱۲باب ۴۲آیت ،۱۹باب ۳۸آیت میں)۔

"یہودی ایکا کرچکے تھے کہ اگر کوئی اس کے مسیح ہونے کا اقرارکرے تو عبادت خانے سے خارج کیا جائے گا۔ ان الفاظ سے بے ایمانی کا کمینہ پن ظاہر ہوتا ہے۔یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح کی مخالفت میں لوگ کس درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ نیزیہ امربھی توجہ طلب ہے کہ گواہی اورشہادت سے ایمان پیدانہیں ہوتا۔ اگر انسان صداقت کے ترک کرنے پرکمربستہ ہوتوگواہی اوردلیل کارگرنہیں ہوتی۔

آیت نمبر۲۳۔اس واسطے اس کے ماں باپ نے کہا وہ بالغ ہے اسی سے پوچھو۔

مذہبی حقوق سے خارج کئے جانے کے ڈرسے وہ کسی طرح کی ذمہ داری اپنے اوپر لینا پسند نہیں کرتے ۔ وہ کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نہیں نکالتے جس سے مسیح کی تعریف ہو کیونکہ وہ یہودیوں سے ڈرتے ہیں۔ پس وہ ساری تحقیقات کا باراپنے بیٹے پر ڈال کر اپنا پیچھا چھڑاتے ہیں۔

آیت نمبر۲۵،۲۴۔پس انہوں نے اس شخص کو جو اندھا تھا دوبارہ بلا کر کہا کہ خدا کی تمجید کر۔ ہم تو جانتے ہیں کہ یہ آدمی گنہگار ہے ۔ اس نے جواب دیا میں نہیں جانتا کہ وہ گنہگار ہے یا نہیں۔ ایک بات جانتا ہوں کہ میں اندھا تھا اب بینا ہوں۔

دوبارہ بلاکر۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب ماں باپ کے اظہار لئے جاتے وقت اس وقت یہ شخص جو شفایاب ہوا تھا باہر تھا۔ اب وہ اسے پھر اند ربلاتے ہیں اورایسے طورپر اس سے مخاطب ہوتے ہیں کہ گویا انہوں نے کل حل دریافت کرلیا ہے اوراب انہیں اس کی فریب دہی میں کسی طرح شک وشبہ نہیں رہا۔ لہذا اب اس کے لئے اپنے قصورکو چھپانا عقل مندی کا کام نہیں ۔ وہ اس سے اصل حال دریافت کرنے کی خواہش نہیں رکھتے بلکہ اس پر ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ اوروں نے اپنی تقصیر کا اقرار کرلیا ہے۔اب تیرا فرض ہے کہ تو بھی اپنا قصور مان لے۔ورنہ نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ پس بہتر ہے کہ تو اقرار کرکے خدا کی تمجید کر۔ اس فقرے سے بعضوں نے یہ مطلب لیا ہے کہ وہ اس بات کوتو مانتے تھے وہ جنم سے اندھا ہے اوراس بات کو بھی کہ اس کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ مگر اس بات کو نہیں مانتے تھے کہ مسیح نے اس کی آنکھوں کو معجزانہ طورپر کھولا ہے۔پس وہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنی بصارت ازسر نو پانے کے متعلق خدا کی تعریف کرے اوراسے مسیح کی قدرت سے منسوب نہ کرے۔لیکن بعضوں کی یہ رائے ہے کہ وہ سرے سے اس بات کے انکاری تھے کہ اس کی آنکھیں کھولی گئی ہیں کہ وہ یہ نہیں مانتے تھے کہ وہ ندھا پیدا ہوا ہے او رکہ مسیح نے اس کی آنکھوں کو روشن کیا ہے۔ بلکہ وہ خیال کرتے تھے کہ یہ ان کی سازش تھی۔پس وہ اس کو ایک طورپر حلف دے کر کہتے ہیں کہ تو سچ بول اورخدا کی تمجید کر اوراس میں شک نہیں کہ یہ الفاظ حلف دے کر اقرار کروانے کے موقع پر استعمال کئے جاتے تھے (بائبل مقدس کتاب۔ یشوع ۷باب ۱۹آیت ۔۱سموئیل ۶باب ۵آیت ،عزرا ۱۰باب ۱۱آیت ،خط دوم اہل کرنتھیوں ۱۱باب ۳۱آیت)۔

ہم تو جانتے ہیں کہ یہ آدمی گناہ گار ہے۔ اب وہ اپنے خیالات کی تصدیق میں یہ فتویٰ مسیح پر لگاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ تو سبت کا توڑنے والا ہے لہذا گناہگار آدمی ہے۔ اورخدا گنہگاروں کو ایسے ایسے عجیب معجزے دکھانے کی طاقت نہیں دیتا۔

لیکن وہ شفا یافتہ شخص جونہائت دقیقہ سنج اورحاضر جواب آدمی تھا جناب مسیح کی سیرت کی نسبت ابھی کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ بڑی حکمت سے یہ جواب دیتا ہے کہ اس کے گنہگار ہونے یا نہ ہونے کے

بارے میں کوئی رائے نہیں دیتا مگر میں اس وقوعہ کی حقیقت کا جوسرزد ہوچکا ہے انکارنہیں کرسکتا۔میرے حواس مجھ کو یہ بتاتے ہیں کہ میں آگے دیکھ نہیں سکتا تھا پر اب دیکھتا ہوں ۔ میں اپنے حواس کی گواہی کوکس طرح نادرست جانوں ؟پس میں ایک بات جانتا ہوں کہ میں اندھا تھا۔ اب بینا ہوں۔"اب اس سے تم جو نتائج نکالنا چاہو نکال لو۔ یاد رہے کہ اس کے اس کلام سے یہ ظاہر نہیں ہوتاکہ وہ مسیح کی بے گناہی کی نسبت شک میں تھا۔

آیت نمبر۲۶تا ۳۴تک۔ ان آیات سے معلوم ہوتاہے کہ اب پھر نئی تحقیقات کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ پہلی دفعہ کی تحقیقات اس امرکی نسبت کی گئی تھی کہ آیا معجزہ واقع ہوا ہے یا نہیں اب اس بات کی تفتیش کی جاتی ہے کہ کس طرح وہ معجزہ وقوع میں آیا ؟اورجوجواب وہ شخص ان لوگوں کو دیتا ہے وہ بھی ان آیات میں قلمبند ہے۔

آیت نمبر۲۶۔پھر انہوں نے اس سے کہا کہ اس نے تیرے ساتھ کیا کیا؟کس طرح تیری آنکھیں کھولیں؟

ان کا پہلا سوال یہ تھاکہ کس نے معجزہ کیا ؟اب دوسرا سوال یہ ہے کہ کس طرح کیا؟سوال کرنے والوں کو اب تک یہی یقین ہے کہ شائد کبھی کوئی نہ کوئی بات ایسی اس کے منہ سے نکلے گی جس کی بنا پر ہم مسیح کو گرفتارکرسکیں گے۔

آیت نمبر۲۹،۲۸،۲۷۔ اس نے انہیں جواب دیا میں تم سے کہہ چکا اور تم نے نہ سنا دوبارہ کیوں سننا چاہتے ہو۔ کیا تم بھی اس کا شاگرد ہونا چاہتے ہو؟انہوں نے اسے برا بھلا کہہ کر۔۔۔ہم جانتے ہیں۔۔۔وغیرہ۔ معلوم ہوتاہے کہ یہ شخص ان کے سوالات کی فضول اور غیر ضروری تکرار سے تنگ آگیا تھا۔ وہ دیکھتا ہے کہ یہ لوگ مجھے مجبور کررہے ہیں کہ میں اپنے حواس کی گواہی کو رد کروں۔پس وہ کہتا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ تم کو اپنی شفایابی کا تمام قصہ سنا دیا پر تم نے کچھ توجہ نہ کی۔ اب سر نو اس بات کو پھر دھرانا کچھ فائدہ نہیں رکھتا۔ یاکیا اب اس لئے اسی قصے کو سننے کی درخواست کرتے ہو کہ " تم بھی اس کا شاگرد ہونا چاہتے ہو"اس آخری جملہ کی نسبت بعض کی یہ رائے ہے کہ اس شفا یافتہ شخص نے سنجیدہ طورپریہ سوال نہیں کیا یعنی وہ دل سے اس بات کا قائل نہ تھا کہ اس سوال کا حقیقی منشا یہ ہے کہ سوال کرنے والا بھی اس پر ایمان لا نا چاہتے ہیں بلکہ وہ جانتا تھا کہ وہ کبھی ایمان نہ لائیں گے ۔پس اس نے یہ سوال صرف ظرافت او تمسخر کی راہ سے کیا تھا تاکہ وہ انہیں چھیڑے لیکن بعض

مفسروں کی یہ رائے ہے کہ یہ سوال سنجیدہ طورپر کیا گیا تھا اوریہ شخص اس سوال کے وسیلے دریافت کرنا چاہتا تھا کہ کیا وہ بھی اس کا شاگرد ہونا چاہتے تھے۔وہ کہتے ہیں کہ یہ خیال اس جواب سے سنہیڈرن کے شرکاء نے دیا مناسبت رکھتا ہے۔ مثلاً شرکاء سنہڈرن جواب دیتے ہیں "تو ہی ا س کا شاگرد ہے ۔ ہم تو موسیٰ کے شاگرد ہیں"اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے گویا سنہڈرن کے ممبروں نے یہی سمجھا کہ یہ شخص سنجیدگی کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہے۔ لہذا وہ عیش میں آکر اس کو یہ جواب دیتے ہیں تو ہیں ہم کو کیوں اس کے شاگرد بنیں۔ ہم تو موسیٰ کے شاگرد ہیں جس کی نسبت ہم کو پختہ یقین ہے کہ وہ خدا کا فرستادہ تھا۔ پر ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص کہاں سے ہے ہم جانتے ہیں کہ خدا موسیٰ سے ہم کلام ہوا اوراسے اپنے احکام پہنچائے۔ وہ صاحب اختیاراورصاحب قدرت نبی تھا۔ پر اس مسیح کی نسبت کوئی بات یقینی طورپر ثابت نہیں اورنہ کوئی ثبوت ہے کہ خدا نے اسے بھیجا ہے۔

آیت نمبر ۳۳،۳۰۔اس آدمی نے جواب میں ان سے کہا وغیرہ۔

۳۰.آیت کا مطلب اس طرح بیان کیاجاسکتا ہے ۔"تمہارا انکار مجھے عجیب معلوم ہوتا ہے۔کوئی شخص اس بات کا انکارنہیں کرسکتا کہ ایک عجیب معجزہ وقوع میں آیا ہے مگر باوجود اس کے آپ لوگ یہی رٹے جاتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ کہاں کا ہے اوراسکی قدرت کہاں سے آئی ہے ۔آیت ۳۳میں "تم " پر زورہے۔ تم جو عالم اورفاضل ہوا اوردین کے بھیدوں سے واقفیت رکھتے ہو اورجن کو اوروں کی نسبت اس بات کی زیادہ خبر ہونی چاہیئے تھی کہ یہ معجزہ دکھانے والا کہاں سے ہے ۔اس کے اختیاراوردعوے کا قطعی انکارکرتے ہو۔ یہ سخت تعجب کی بات ہے۔

۳۱آیت میں وہ ان کوانہیں کے اصول سے قائل کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم ابھی ابھی یہ فتوےٰ دے چکے ہو کہ یہ شخص گنہگار ہے۔ اوریہ مسلمہ امر ہے کہ خدا شریروں کی دعا نہیں سنتا ورنہ انہیں معجزات دکھانے کی طاقت دیتا ہے فقط وہی جو اس سے ڈرتے اوراس کی مرضی بجالاتے ہیں اجابت دعا کا تجربہ حاصل کرتے اوربڑے بڑے کاموں کو بجالانے کی قدرت اس سے پاتے ہیں۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ اس نے میری آنکھیں کھولنے کی طاقت کہاں سے پائی ؟تم جانو یا نہ

جانو مگرمیں جانتا ہوں کہ وہ کہاں سے ہے ۔ وہ خدا کی طرف سے ہے کیونکہ اگر نہ ہوتا توکبھی وہ کام نہ کرسکتا جواس نے کیا۔

۳۲اور۳۳آیات میں وہ نتیجہ قلمبند ہیں جویہ شخص مسیح کی نسبت نکالتا ہے۔ گویا وہ یہ کہتا ہےکہ "جنم کے اندھے کی آنکھوں کو بینا کرناایک ایسا فعل ہے جو انسان کی طاقت سے بعید ہے اورکبھی کسی نے اپنی قدرت سے ایسا کام دنیا کی ابتدا سے نہیں کیا۔ صرف خدا کی قدرت ایسا کرسکتی ہے ۔لیکن اس آدمی نے یہ عجیب کام کیا ہے۔ پس ثابت ہے کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ اگر وہ اس کا بھیجا ہوا نہ ہوتا تو وہ کوئی معجزہ نہ دکھا سکتا۔ بہر کیف میری آنکھیں کبھی نہ کھول سکتا ۔"اس شفایافتہ شخص کی یہ برہان نقودیمس کی دلیل سے بہت مشابہ ہے کوئی یہ معجزے نہیں دکھا سکتا جب تک اس کے ساتھ نہ ہو (حضرت یوحنا ۳باب ۲آیت)۔

آیت نمبر۳۴۔انہوں نے جواب میں اس سے کہا وغیرہ۔

فریسی اس شفایافتہ شخص کی برہان کے زورکومحسوس کرتے ہیں۔ بلکہ جان جاتے ہیں کہ وہ لا جواب ہے۔ لہذا اب غصے اوروشنام سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "توایک بدبخت اورگنہگارسا آدمی ہے۔ اورگند میں پیدا ہوا ہے کیا تو یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ تو ہم سے زیادہ جانتا ہے اورہم کوسکھاسکتا ہے۔

تو تو بالکل گناہوں میں پیدا ہوا ہے۔ یہ جملہ اس کی پرانی بیماری یعنی اندھا پن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ گویا وہ اس کو یہ طعنہ دیتے ہیں۔ "تیرا اندھا پن ظاہر کررہا ہے کہ توشریر آدمی ہے۔ تیرا نا بینا پن تیری شرارت پر ایک قسم کی مہر ہے۔ تیری روح اورجسم دونوں گناہ کے سبب خرابی میں مبتلا ہیں۔

انہوں نے اسے باہر نکال دیا۔ اس کا صرف یہی مطلب نہیں کہ جس جگہ وہ بیٹھے تھے اس جگہ سے اس کو باہر نکال دیا۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ مذہبی اور قومی شراکت سے خارج کردیا یا جیسے مسیحی کہا کرتے ہیں کلیسیا سے خارج کردیا۔

آیت نمبر۳۵تا ۴۱۔ مسیح نے سنا کہ انہوں نے اسے باہر نکال دیا۔۔۔وغیرہ وغیرہ

ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ اس شخص میں ایک خاص طور پر مسیح کے الفاظ پورے ہونے کو تھے "جب ابن آدم کے سبب لوگ تم سے عداوت رکھیں اورتمہیں خارج کردیں اورلعن طعن کریں اور تمہارا نام برا جان کر کاٹ دیں تومبارک ہو۔"(حضرت لوقا ۶باب

۲۲آیت)وہ ایک ادنےٰ درجہ کی شراکت سے خارج کیا جاتا مگر اعلیٰ رفاقت میں داخل ہوتا ہے۔اس بادشاہت سے جو گزشتنی تھی نکل کر دائمی بادشاہت میں آجاتا ہے عبادت خانہ سے نکل کرکلیسیا میں شامل ہوتا ہے۔یہودیوں نے اسے خارج کیا مسیح نے اسے قبول کیا۔ وہ مسیح سے نہ شرمایا اوراب مسیح اس سے نہیں شرماتا بلکہ ایسے طورپراس پر ظاہر ہوتا ہے کہ آگے ویسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ اب وہ اس کے لئے صرف ایک نبی ہی نہیں رہا بلکہ خداکا بیٹا ثابت ہوگیا۔

جب سید نا مسیح نے سناکہ یہودیوں نے اس کو خارج کردیا ہے تو وہ اس کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ "اورجب وہ اسے ملے "غالباً ہیکل میں (مقابلہ کریں حضرت یوحنا ۵باب ۱۴آیت)"تو کہا کیا تو خدا کے بیٹے پر ایمان لاتا ہے ۔"وہ اس خطاب یا لقب کا مطلب تو بخوبی سمجھتا تھا۔ یعنی جانتا تھا کہ اس سے مراد مسیح موعود ہے۔ مگر ابھی تک وہ یہ نہیں جانتا کہ ایک شخص بھی ہے جو مسیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہے پر اس کا بھروسہ اس شفا بخشنے والے دوست پر ایسا پختہ اور کامل ہے کہ وہ اس سے پوچھتا ہے "اے مالک وہ کون ہے کہ میں اس پر ایمان لاؤ۔"یہ سن کر" سیدنا مسیح نے اس سے فرمایا تو نے اسے دیکھا ہے اورجو تجھ سے باتیں کرتا ہے وہی ہے ۔ "جب خداوند یہ فرماتے ہیں کہ تونے اسے دیکھا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس وقت سے پہلے تونے اسے دیکھا ہے کیونکہ اس کی ملاقات مسیح سے فقط اس وقت ہوئی جب وہ نابینا تھا۔ مگرآنکھیں کھلنے کے بعد اس کو نہیں ملا تھا۔ پس مراد جناب مسیح کے یہ ہے کے جسے تو اب دیکھ رہا ہے اورجو تجھ سے اس وقت باتیں کررہا ہے ۔ وہی خداکا بیٹا ہے۔

اب یہ سارا واقع عجیب تھا جن لوگوں کو نابینا ثابت ہونا چاہیئے تھا ان کی روحانی نابینائی ظاہر ہوئی اوروہ جو اندھا تھا جسمانی اور روحانی طورپر بینا کیا گیا۔ چنانچہ سیدنا مسیح فرماتے ہیں "میں دنیا میں عدالت کے لئے آیا ہوں۔"وغیرہ مراد یہ ہے کہ میں انسان کے اندرونی حالات اورباطنی خیالات کو ظاہر کرنے آیا ہوں۔میں خدا کا مظہر ہوں۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔پروردگار کے کام سیدنا مسیح کے وسیلے ۔وہ نبی اوراستاد تھے پس خداکا کام انہیں کرنا تھا۔

۲۔جو سیدنا مسیح کی خاطر رد کئے جاتے ہیں مسیح ان کو چھوڑتے نہیں۔ اورانہیں اپنی کلیسیا میں جگہ دیتے ہیں۔

۳۔یادرہے کہ یہ شخص مسیح کی گزرگاہ میں موجودنہ ہوتا تو نور بصارت سے بہرورنہ ہوتا۔

۴۔چوتھی آیت میں مسیح ہمارے لئے ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔ دنیا کی نفرت ،دشمنوں کی مخالفت خون کے پیاسوں کی تجویزیں اور دوستوں کی کمزوریاں اورغلط فہمیاں اورٹیڑھے سوال اس کو ناامید نہیں بناتے ۔ بلکہ کمال بھروسہ کے ساتھ وہ اپنے موقعوں کوکام میں لاتے ہیں۔

۵۔دیکھو مسیح حقیقی شیلوخ یعنی خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ وہی تمام برکتوں کا سرچشمہ ہے ۔

۶۔اندھے کا نمونہ قابل تقلید ہے ۔ مسیح نے اسے شیلوخ میں آنکھ دھونے کا حکم کیا۔ اس نے کسی طرح کی چون چراں نہیں کی۔ بلکہ اس کا حکم مانا اوراس تابعداری میں آنکھوں کی روشنی حاصل کی ۔

ایک شخص کو جس کا ہاتھ سوکھ گیا تھا شفابخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۱۲باب ۹تا ۱۳آیت ،حضرت مرقس ۳باب ۱تا ۵آیت ،حضرت لوقا ۶باب ۶تا ۱۱آیت)

یہ معجزہ سبت کے روز وقوع میں آیا۔ مگرہم جانتے ہیں کہ یہ پہلا معجزہ نہ تھا جو سبت کے دن واقع ہوا بلکہ جو معجزہ ہم نے ابھی ختم کیا ہے وہ بھی سبت کے دن سرزد ہوا تھا۔ پرچونکہ یہ اچھا موقع ہے اس لئے بہترمعلوم ہوتا ہے کہ ہم اس جگہ اس بات کا ذکرکریں کہ ہمارے مولا سیدنا مسیح یہودی سبت کی نسبت کیا رائے رکھتے تھے۔ اس معجزے کےمتعلق اور نیز اس بحث کے متعلق اس معجزے سے پہلے حضرت متی کی انجیل میں پائی جاتی ہے کہ ہمارے آقا ومولا سیدنا مسیح نے اس مضمون پر اپنے خیالات ظاہرکئے اورنہائیت پرمعنی الفاظ اپنی زبان مبارک سے بیان فرمائے ۔ جب ہم حضرت متی کے ۱۲باب کی چندآیات ہٹ کرپڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فریسی ہمارے مولا کے سامنے آپ کے شاگردوں پر سبت توڑنے کا الزام لگاتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ

"آپ کے شاگرد وہ کام کرتے ہیں جو سبت کے دن کرنا روا نہیں ۔"اس الزام کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سبت کے دن بالیں توڑکر کھائی تھیں۔ پر یاد رہے کہ الزام یہ نہ تھا کہ انہوں نے کسی غیر کی ملکیت کو لوٹ لیا ہے ۔ کیونکہ بالیں کھانا روا تھا ۔(توریت شریف کتاب استشنا ۲۳باب ۲۵آیت)پس الزام یہ تھا کہ انہوں نے سبت کے روز بالیں کھا کر چوتھے حکم کو توڑڈالا ہے ۔

اب جناب مسیح ان کو بتاتے ہیں کہ میرے شاگردوں کے فعل کو کس نظر سے دیکھنا چاہیئے ۔دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ وہ ان کو سکھاتے ہیں کہ شریعت کے حرف کو نہیں بلکہ روح کو دیکھنا چاہیئے۔ اوراس مقصد کو پورا کرنے کے لئے وہ دو مثالیں پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک وہ مشہور تاریخی واقعہ تھا جو حضرت داؤد کی زندگی میں سرزد ہوا جب کہ وہ حضرت ساؤل کے حضور سے بھاگ نکلے (بائبل شریف ۱سیموئیل ۲۱باب ۱تا ۶آیت)دوسری مثال ہیکل (بیت اللہ)کی خدمات سے علاقہ رکھتی تھی ۔پہلی مثال ان کے نزدیک اس لئے بڑی وقعت رکھتی تھی کہ حضرت داؤد ایک نبی اور نیک بادشاہ سمجھے جاتے تھے۔ ہمارے مولا فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد نے سبت کے روز پاک روٹی لی اورکاہن (امامِ اعظم)نے ان کو دی پر تم ان کاموں کی نکتہ چینی نہیں کرتے ۔ دوسری مثال ہیکل کی عبادت اور خدمت کے ساتھ علاقہ رکھتی تھی اوراس لئے پہلی کی نسبت ایک طرح زیادہ زورآور تھی کیونکہ اس کا تعلق شریعت کے اس حصہ سے تھا جو لاویوں کی خدمات سے علاقہ رکھتا تھا جنابِ مسیح کے خیالات کو اس مثال کے متعلق یوں بیان کرسکتے ہیں۔ گویا وہ یہ کہتے ہیں کہ "عملی طورپر تم خود اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ سبت کے آرام کو بڑی خدمت کے واسطے یعنی ہیکل کی خدمات کے واسطے ترک کردینا جائیز ہے اورجس اصول کے پابند ہوکر تم ایسا کرتے ہو وہ یہ ہے کہ چھوٹی خدمت کو بڑی خدمت پر تصدق کرنا واجب ہے ۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ قربانیاں اوران کے لوازمات سبت کے روز برابر جاری رہتے ہیں ۔ (توریت شریف کتاب گنتی ۲۸باب ۸تا ۹آیت)اورجو کچھ ان کی تکمیل کے لئے ضروری ہوتا ہے وہ کیا جاتا ہے۔ اورکاہن ان سب کاموں کو انجام دیتے ہیں پر کوئی ان کو سبت کے توڑنے والے نہیں کہتا۔ بلکہ اگروہ ان خدمات کی انجام دہی سے غافل ہوجائیں تو سبت کے توڑنے والے کہلائیں ۔"

اورپھر یہ خیال کرکے مبادافریسی یہ کہیں کہ ہیکل کی عبادت کجا اور آپ کے شاگردوں کا سبت کے روز بالیں توڑکر کھانا کجا ۔چہ نسبت

خاک راباعالم پاک ۔ ان دونوں باتوں کا آپس میں کیا رابطہ ہے ؟اس اعتراض کو پہلے ہی سے محسوس کرکے اس طرح کا جواب دیتا ہے ۔ "یہاں وہ (سیدنا مسیح) ہے جو ہیکل سے بڑا ہے۔اب ہم دیکھیں گے کہ یہ الفاظ کس طرح ان کا منہ بند کردیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھاکہ شائد تم میرے الفاظ پر یہ اعتراض کرو گے کہ ہیکل اور ہیکل کی خدمات ایک نہائت افضل اور بزرگ تر معاملہ ہے لہذا ان میں سبت کے روزمشغول ہونا اوربات ہے پر آپ کے شاگردوں کا بالیں کھانا دوسری بات ہے پر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کس طرح ان دونوں باتوں میں نسبت قائم کرتا ہوں اوروہ اس طرح کہ جب ہیکل کے خادموں کی خدمات سبت کے روزناواجب نہیں سمجھی جاتی ہیں۔ تو میرے خادموں کی خدمات بھی ناجائز نہ سمجھنی چاہیے کیونکہ "میں تو ہیکل سے بڑا ہوں۔" میرے خادموں نے جوکچھ کیا وہ میری خدمت کے لئے کیا اوراس خدمت میں ایسے مصروف تھے کہ انہیں اتنی فرصت بھی نہیں ملی کہ اپنا کھانا تیارکریں۔اورجب کہ وہ جو ہیکل کی خدمات میں مشغول ہیں جو سچی اور حقیقی ہیکل کا صرف ایک سا یہ یا نمونہ ہے۔ سبت کے روزکام کرنے سے سبت کو توڑتے نہیں بلکہ اس کی توقیر کرتے ہیں تو کس قدرزیادہ وہ سبت کی عزت کرتے ہیں جو اس ہیکل کی خدمت میں مشغول ہیں جو ہاتھ سے نہیں بنائی گئی۔ تم کلام اللہ سے واقف ہو اوران کی بہتیری چھان بین کرتے ہومگران کے اصل مطلب سے واقف نہیں اگرہوتے تو اس کے معنی جانتے کہ "میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں تو بے قصوروں کو قصوروارنہ ٹھہراتے ۔"یہ مقام صحیفہ حضرت ہوسیع ۶باب ۷آیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔

جناب مسیح ان کو بتا نا چاہتے ہیں کہ اے یہودیواگر تم جانتے کہ حقیقی خدمت کسے کہتے ہیں کہ تو تم یہ بھی جانتے کہ میرے شاگرد وہی خدمت بجالار ہے ہیں۔ کیونکہ گنہگاروں کی روحوں کوجو بربادی کے چنگل میں گرفتارہیں بچانے کے لئے ایسے رحم اورمحبت سے کام کررہے ہیں کہ انہیں اپنا کھانا تک یاد نہیں رہتا ۔ اوراسی واسطے انہوں نے چلتے ہوئے بالیں توڑیں۔ ان کا قصور (جو تمہارے زعم میں قصورہے) جو محبت اوررحم کے سبب سرزد ہوا تمہاری بے مہراورسخت گیرغیرت سے خدا کو زیادہ پسند ہے ۔

اب حضرت متی اس معجزے کو جو اس وقت زیر نظر ہے اسی واقع کے ساتھ مربوط کرتا ہے اورایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا جس سبت کے روزبحث مذکورہ ہذا آاوربحث مذکورہ بالا ایک ہی سبت کے روز

وقوع میں نہیں آئے ۔ پر ہم یاد رکھیں کہ اس فرق کو ہم اختلاف نہیں کہہ سکتے ۔ کیونکہ حضرت متی میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو حضرت لوقا کے بیان کی تردید کرتی ہو کیونکہ حضرت متی ترتیب وقت کا پابند نہیں ہے۔ حضرت مرقس ۳باب ۷آیت سے معلو م ہوتا ہے کہ یہ جگہ جہاں یہ معجزہ واقع ہوا گلیل میں واقع تھی مگر اس سے بڑھ کراس کی تخصیص نہیں کی جاتی ۔

آیت نمبر۸۔اوروہ (یعنی سیدنامسیح)وہاں سے چل کر ان کے عبادت خانہ میں گئے ۔

یہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ یہ عبادت خانہ گلیل میں واقع تھا یہ معجزہ بھی کئی اورمعجزات کی مانند عبادت خانہ میں کیا گیا (مثلاً حضرت لوقا ۱۳باب ۱۱آیت ،حضرت مرقس ۱باب ۲تا ۳آیت)۔

آیت نمبر۹۔اوردیکھو وہاں ایک آدمی تھا جس کا ہاتھ سوکھا ہوا تھا۔

حضرت لوقا ہمیں بتاتے ہیں کہ اس کا دہنا ہاتھ سوکھاتھا۔ اس بیماری کی نسبت بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ بیماری تھی جسے سوکھے کی بیماری کہتے ہیں اوراس شخص کی حالت میں اس کا اثر صرف ایک ہی عضو میں ہوا تھا۔ یہ بیماری بہ سبب ناقص غذا یا قوت تغذیہ کے ضعف سے پیدا ہوتی ہے ۔ اس شخص کو بھی یہی بیماری تھی اوراس کے سبب سے اس کا ہاتھ بالکل مردہ ہوگیا تھا۔ یعنی اس میں کسی طرح کی حس وحرکت نہ رہی تھی۔ لہذا انسان اس کو نیچرل علاج سے ہرگز شفا یا ب نہیں کرسکتا تھا۔ دیکھو اس کا ہاتھ سوکھ گیا تھا سو دہنا ہاتھ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس ہاتھ سے وہ اپنی روزی کماسکتا تھا وہی جاتا رہا تھا۔

آیت نمبر۱۰۔انہوں نے اس پر الزام لگانے کے ارادے سے یہ پوچھا کہ کیا سبت کے دن تندرست کرنا روا ہے۔

تینوں راویِ انجیل کے بیان کےمقابلے سے معلو م ہوتاہے کہ اس سوال کی نسبت ان میں کچھ کچھ فرق پایا جاتا ہے حضرت متی سے ظاہر ہوتاہے کہ گویا سوال فریسیوں نے کیا مگر اس کے برعکس حضرت مرق اور حضرت لوقا سے یہ معلو م ہوتا ہے کہ یہ سوال جنابِ مسیح نے کیا۔ کیاہمیں اس اختلاف کہیں؟نہیں ۔کیونکہ دونوں بیانوں میں بآسانی تطبیق دکھائی جاسکتی ہے۔ اوروہ اس طرح کہ پہلے فریسی اس سے پوچھتے ہیں کہ "کیا سبت کے دن تندرست کرنا روا ہے۔"مسیح ان کے سوال کا جواب ایک اورسوال میں دیتے ہیں اور وہ اکثر ایسا کیاکرتے تھے (دیکھو حضرت متی ۲۱باب ۲۴آیت)اگر ہم

فریسیوں کے سوال کو مسیح کے سوال کے ساتھ جو لوقا میں پایا جاتا ہے ملا کر پڑھیں تو بخوبی معلوم ہوجائے گا کہ مسیح ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ آیا سبت کے دن نیکی کرنی روا ہے یا بدی کرنی جان بچانا یاہلاک کرنا(حضرت لوقا ۶باب ۹آیت)اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے فریسیوں نے آپ سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا سبت کے روز شفا بخشنا روا ہے ؟جنابِ مسیح ان کو جواب دیتے ہیں یانہیں مگر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ سبت کے دن نیکی کرنی روا ہے یابدی کرنی ؟یہ سوال اس کا جواب ہے۔ اوربات یاد رکھنے کے قابل ہے اوروہ یہ کہ حضرت مرقس اورحضرت لوقا بتاتے ہیں کہ "فریسی آپ کی تاک میں تھے"اب حضرت متی اس بات کا ذکر نہیں کرتے ۔ پر اس کی خاموشی سے حضرت مرقس اور حضرت لوقا کے بیان کی تردید یا تکذیب نہیں ہوتی۔ حضرت متی صرف اس بات کا ذکرکرتا ہے کہ وہ اس پر الزام لگا نا چاہتے تھے۔ کہاں ؟شائد عدالت کے سامنے (حضرت متی ۵باب ۲۱آیت)اس سے غالباً وہ عدالت گا ہ مراد ہوگی جو خاص ان کے شہرمیں لوکل طورپر موجود تھی۔

آیت ۱۱،۱۲۔اس نے ان سے کہا تم میں سے ایسا کون ہے جس کی ایک بھیڑہوا اوروہ سبت کے دن گڑھے میں گرجائے تو وہ اسے پکڑ کر نہ نکالے۔ پس آدمی کی قدرتوبھیڑ سے بہت ہی زیادہ ہے اس لئے سبت کے دن نیکی کرنی روا ہے۔

ہم اوپر دیکھ آئے ہیں کہ جب بالیں توڑنے کے موقعہ پر سبت شکنی کا الزام جنابِ مسیح کے شاگردوں پر لگایا گیا۔ توآپ نے ان کی بریت کے لئے دو مثالیں پیش کیں تاکہ ان کودکھائے کہ بعض ایسے کام ہیں جن کے کرنے سے سبت نہیں ٹوٹتا ۔ اب اس جگہ وہ ان کے رواج اور برتاؤسے ایک اورمضبوط دلیل ان کے سامنے پیش کرتا ہے کہ ان کے منہ بند کرے۔ واضح ہوکہ یہ دلیل صرف حضرت متی قلمبند کرتے ہیں ا ورحضرت لوقا اس قسم کی دلیلیں دوسری جگہ رقم کرتے ہیں ۔(حضرت لوقا ۱۳باب ۱۵آیت ،۱۵باب ۵آیت)حضرت مرقس بتاتے ہیں کہ (دیکھو حضرت مرقس ۳باب۳آیت)کے جنابِ مسیح نے اس کو حکم دیاکہ وہ بیچ میں کھڑا ہوجائے شائد اس لئے کہ دیکھنے والوں کے دل میں اس کی طرف ہمدردی پیدا ہو۔ اوروہ اس کی شفا کی ضرورت اوردرستی کو محسوس کریں۔ "ایک بھیڑہو"سیدنا مسیح کا مطلب ہے کہ ایک بھیڑجو آدمی کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی جب گڑھے میں گرجاتی ہے تو اس کا مالک اس کو سبت کے دن باہرنکال لاتا ہے۔ پس اگرآدمی جوبھیڑسے ہزارہا درجہ افضل ہے شفا

یا ب کیا جائے تو اس کو نکالنا کیا عیب کی بات ہے کہتے ہیں تالمود (یہودی احادیث کی کتاب)میں طرح طرح کے خیالات اس مضمون پر لکھے ہوئے ہیں مثلا بعض ربی یہ مانتے تھے کہ اگرکوئی جانور سبت کے روزگڑھے میں گرجائے تو اسے وہاں صرف چارہ دینا چاہئیے پر اورکچھ نہیں کرنا چاہیئے۔ پھر بعض ربی یہ سکھلاتے تھے کہ کوئی چیزاس کے پاؤں کے نیچے رکھ دینی چاہئے اوراگر وہ آپ ہی نکل آئے تو مضائقہ نہیں بعض کی یہ رائے تھی کہ اسے ذبح کرنے کی نیت سے نکال لینا چاہیئے خواہ بعد میں نیت تبدیل ہی ہوجائے۔ غرضیکہ اخلاق کو ایک مجموعہ دستورات بنانے کا نتیجہ ہوا کہ لوگ طرح طرح کی غلط بیانیوں میں گرفتارہوگئے تھے۔ مگر باوجود یہ کہ سبت کے متعلق طرح طرح کی تعلیمیں ربیوں نے ایجا د کردی تھیں پھربھی کوئی مالک یہ نہیں چاہتا تھاکہ میری بھیڑگڑھے میں گری رہے بلکہ نکال ہی لیتا تھا۔ ایڈرشام صاحب فرماتےہیں کہ اس میں شک نہیں کہ ضرورہرآدمی جس کی بھیڑگڑھے میں گرتی تھی کوئی نہ کوئی صورت نکال لیتا تھا تاکہ وہ وہاں سے نکالی جائے حالانکہ (رسمی) شریعت جناب مسیح کے وقت ایسی سختی سے مانی جاتی تھی جیسی کہ تالمود میں سختی سے بیان کی گئی ہے۔"

بس آدمی کی قدرتو بھیڑسے بہت بہتر ہے۔ یہ نتیجہ ہے ان دعوؤں کا جو اوپرکئے گئے جناب مسیح فرماتے ہیں کہ گوبھیڑکچھ حیثیت نہیں رکھتی مگرتاہم اس کا مالک اس کو ضرورسبت کے روزگڑھے سے نکال لیتا ہے۔ اب آدمی تو اس سے کہیں افضل اوربزرگ تر ہے ۔ اسی قسم کی تاویلیں ہمارے مولا اکثر دیتے ہیں (حضرت متی ۶باب ۲۶آیت اور۱۰باب ۲۹تا ۳۱آیت)اوریوں انسان کی فضیلت جانوروں پر دکھاتے ہیں۔ حضرت مرقس اورحضرت لوقا سے جیسا ہم اوپر بیان کرآئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جناب مسیح نے خود ان سے سوال کیاکہ سبت کے روزنیکی کرنی روا ہے یا بدی کرنی ۔ یہ سوال جوآپ نے ان سے الٹ کرکیا سارا بوجھ ان پر ڈال دیتے ہیں اوران سے طلب کرتے ہیں کہ وہ فیصلہ کریں کہ سبت کے دن کیا کرنا روا ہے۔ وہ ہمدردی دکھانے کو نیکی اوراس سے غافل رہنے کو بدی کہتے ہیں اوریوں ان کوقائل کرتے ہیں کہ ہمدردی اوربھلائی کے کاموں سے سبت نہیں ٹوٹتا بلکہ اس کی توقیر ہوتی ہے۔ اورہمدردی کرنا نا روا نہیں بلکہ نہ کرنا روا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جب تم اپنی بھیڑ وں کو نہیں چھوڑتے تو میں سچا گڈریا ہوں کس طرح اپنی بھیڑکو ایک ذی روح انسان کو جسے باپ نے مجھے دیا ہے اورجو عام بھیڑوں سے کہیں بڑ

ھ کر ہے۔ نہ بچاؤں ؟تم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا سبت کے روز شفا بخشنا روا ہے ۔ میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ سبت کے روز چونکہ نیکی کرنا روا ہے اس لئے تندرست کرنا بھی روا ہے۔ حضرت مرقس ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ یہ سن کر"چپ رہے "لاجواب ہوگئے ۔آپ کی دلیل کا جواب نہ دے سکے۔

آیت نمبر۱۳۔تب جنابِ مسیح نے اس آدمی سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھا اس نے بڑایا اوردوسرے ہاتھ کی مانند ہوگیا۔

یہاں ہمارے آقا ومولا سیدنا مسیح کوئی خارجی وسیلہ کام میں نہیں لاتے ۔ صرف اپنے کلام سے اسے شفا بخشتے ہیں۔ اورفریسیوں نے دیکھا ہوگا کہ ہم اسے سبت شکنی نہیں کہہ سکتے کیونکہ سیدنا مسیح نے کوئی چیزاستعمال نہیں کی بلکہ صرف اپنے کلام کی تاثیر سے اسے اچھا کردیا ہے۔

حضرت مرقس اورحضرت لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کی سخت دلی کے سبب غمگین ہوکر اورچاروں اطراف ان پر غصے سے نظر کرکے اس آدمی سے کہا اپنا ہاتھ بڑھا وغیرہ (حضرت مرقس ۳باب ۵آیت)یہاں ہم غم اورغصہ دونوں ایک ہی سینے میں پاتے ہیں۔ مگر اسے اجتماع ضدین نہیں کہہ سکتے ۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں

کہ اس کے دل میں جو کامل محبت اورکامل پاکیزگی تھی گنہگار کے سبب غم کھانا اورگناہ کے سبب غصے ہونا دونوں جذبے پہلو بہ پہلو پائے جاتے ہیں۔ چونکہ انسان خدا کی مخلوق ہے لہذا وہ اس کے لئے غمگین تھا۔ مگر گناہ کے سبب جو شیطان کی افترا پردازی سے پیدا ہوہے غصہ کرتا تھا۔ پس مسیح کا یہ غصہ وغصہ نہ تھا جو انسان انسان کے خلاف ظاہر کیاکرتا ہے اورجس کی وجہ سے وہ اپنے ابنائے جنس کو نقصان پہنچانے پرآمادہ ہوجاتا ہے۔

اس مریض نے مسیح کا کلام سنا اور شفا یافتہ ہوگیا۔ اسے ہاتھ بڑھانے کا حکم ہوا اس نے بڑھایا اورکامل شفا پائی۔

حضرت لوقا بتاتے ہیں کہ وہ آپے سے باہر ہوکر" پرانے ترجمہ میں ہے " دیوانگی سے بھر کر"(حضرت لوقا ۶باب ۱۱آیت) کہنے لگے دیکھو یہودیوں کی دشمنی اعلیٰ درجہ کوپہنچ گئی کیونکہ نہ صرف اس نے ان کی روائتوں وغیرہ پر حملہ کیا بلکہ انہیں سب کے سامنے شرمندہ کیا۔ اب اس دیوانہ پن کی حالت میں وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح ہوسکے مسیح کو جان سے مارڈالیں ۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے وہ بالکل تیارہیں کہ ہیردویوں کے ساتھ مل جائیں جو اپنی عادات میں رومی اور ہیرودیس انتپاس کے خواہ تھے۔ اسی طرح وہ بعد میں پھر ایک موقعہ

پر مل جاتے ہیں (حضرت متی ۱۲باب ۱۶آیت)تاکہ اسے اپنے پنجہ میں پھنسائیں۔دنیا کا یہی حال ہے کہ وہ باہمی مخالفتوں کو بالائے طاق رکھ دیتی ہے تاکہ اپنی قوتوں کو جمع کرکے صداقت کا مقابلہ کرے ہیردویس پلاطوس کے ساتھ ملنے کے لئے تیار ہے ۔ (حضرت لوقا ۲۲باب ۱۲آیت)تاکہ وہ اس اتحاد سے مسیح کو تباہ کرسکیں۔ اب یہودی آپ کو پکڑنے کی ادھیڑبن میں ہیں۔ مگرآپ گلیل کی طرف جاکر ان کے حسد سے رہائی پاتے ہیں۔

نصیتحیں اورمفید اشارے

۱۔مسیح کے شاگردوں کے بے بدکاموں کی عیب گیری کرنا نئی بات نہیں۔ جو لوگ اپنے ایجاد کردہ خیالات کو رواج دینا چاہتے ہیں وہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

۲۔اگر وہ جو اوروں کو سکھاتے ہیں خود فریسیوں کی طرح نوشتوں کے حقیقی معنوں سے ناواقف ہوں توبڑے افسوس کی بات ہے ۔

۳۔مسیح کے مغلوب دشمن (۱)وہ اسے ایک سوال کے جال میں پھنسانا چاہتے ہیں (حضرت متی آیت ۱۰)(۲)پر وہ آپ کی دلیل کا جواب نہیں دے سکتے (آیت ۱۱) وہ آپ کے کام میں کسی طرح کا نقص نہیں پکڑ سکتے (آیت ۱۳)(۴)اورجب کچھ نہیں ہوسکتا توآپ کو مارنے کا منصوبہ باندھتے ہیں۔

۴۔غور کیجئے کہ مسیح کس طرح اپنے دعووں کے ثبوت میں کلام اللہ کو پیش کرتے ہیں۔ اورکس طرح ان کے اختیارپر مہر کرتے ہیں۔ اس ساری بحث کو غورسے پڑھ کر دیکھنا چاہئے کہ وہ کس طرح کلام اللہ کو کام میں لاتے تھے اوراپنے مخالفوں کا منہ اسی سے بند کیا کرتے تھے۔

۵۔دیکھئے عبادت خانہ میں ہمارے آقاومولا سیدنامسیح کس طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ (۱)وہ انسانی دل کے اندرونی خیالات کا جاننے والا ثابت ہوتا ہے۔ (۲)اس کی رحم سے بھرپور ہمدردی ظاہر ہوتی ہے (۳)اس کی نجات بخش قدرت اپنی جھلک دکھاتی ہے (۴)اس کا صبربھی مترشح ہے ۔

۶۔خدا کی محبت کسی چیز کو ناپاک نہیں کرتی بلکہ سب چیزوں کو پاک کرتی ہے۔

۷۔جوش بغیرمحبت کے نفرت انگیز شے ہے ۔

ایک کبڑی عورت کو شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۱۳باب ۱تا ۱۷)

باب ۱۳آیت ۱۰،۱۱۔پھر جنابِ مسیح سبت کے دن کسی عبادت خانہ میں تعلیم دے رہے تھے اورکیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت وغیرہ۔

اس معجزے کا بیان صرف حضرت لوقا ہی بیان کرتے ہیں یہ معجزہ بھی اورکئی معجزات کی مانند سبت کے روز وقوع میں آیا۔ اس کے مطالعہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے مولا کی نسبت کیا خیالات رکھتے تھے اورکس طرح اپنے مخالفوں کو جواب دیا کرتا تھا۔

ہم یہ نہیں بتاسکتے کہ یہ معجزہ کہاں واقع ہوا۔ ہم کو صرف اتنا بتایا گیا ہے کسی عبادت خانہ میں واقع ہوا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہیکل تو صرف ایک ہی تھی جو یروشلم میں واقع تھی اورسب یہودی ہر جگہ سے وہیں مقرری اوقات پر حاضر ہوا کرتے تھے لیکن ان کے عبادت خانہ جا بجا پائے جاتے تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ انہیں عبادت خانوں میں سے کسی عبادت خانہ میں جاکر جنابِ مسح حسب معمول تعلیم دے رہے تھے۔ جو لوگ وہاں حاضر تھے ان کے درمیان ایک عورت نظر آتی جو "اٹھارہ برس سے کسی بدروح کے باعث کمزوری "میں مبتلا تھی۔ ا سکی کمزوری اس کے کبڑے پن میں ظاہر ہورہی تھی۔ ہمارے پرانے ترجمہ میں ہے " جس کو اٹھارہ برس سے کسی روح کے باعث کمزوری تھی "اور انگریزی میں پرانے اورنئے دونوں ترجموں میں ( )(کمزوری کی روح)پایا جاتا ہے ۔ پر ہمارے نئے ترجمہ میں "بدروح کے باعث "آیا ہے۔ پر جب ہم جنابِ مسیح کے الفاظ کو جو آپ نے بعد میں فرمائے دیکھتے ہیں تو کسی طرح کا اس بات میں شک وشبہ نہیں رہتا کہ یہ عورت بھی سچ مچ کسی بدروح کے قبضہ میں گرفتار تھی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں "جس کو شیطان نے اٹھارہ برس سے باندھ رکھا تھا "ان لفظوں سے بخوبی ظاہر ہے کہ وہ فی الحقیقت انہیں لوگوں کے زمرہ میں شمار ہونی چاہیئے جو بدروح کے قبضے میں گرفتار تھے۔گو ا سکی مصیبت ایسی شدید نہ تھی جیسی بعض اورلوگوں کی تھی جو بدروح کے پنجہ میں مبتلا تھے۔ اوریہی بات اس کے پبلک عبادت میں حاضر ہونے سے ظاہر ہوتی ہے۔ غالباً اس کی بیماری پہلے اس کی روح سے شروع ہوئی اورپھر ا سکا اثر اس کے بدن پر بھی پڑا۔ ایسا کہ وہ کبڑی ہوگئی اورسیدھی نہ ہوسکتی تھی۔

آیت نمبر ۱۲۔جنابِ مسیح نے اسے دیکھ کر پاس بلایا اوراس سے کہا اے عورت تو اپنی کمزوری سے چھوٹ گئی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے آقا ومولا اس کمزورعورت کو قبل اس کے کہ وہ آپ کی مدد طلب کرے خود اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور اسے شفا کا مژدہ دیتے ہیں۔ البتہ عبادت خانہ کے سردار کے الفاظ مذکورہ ذیل سے ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ صحت پانے ہی کے لئے یہاں آئی تھی اورکہ اس کا یہاں حاضر ہونا بذات خود ایک درخواست شفا یابی کی تھی۔عبادت خانہ کاسردار کہتا ہے "چھ دن میں جن میں کام کرنا چاہیئے پس انہیں میں آکر شفا پاؤنہ کہ سبت کے دن "ان لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی شفا دہی کی خبر ہر جگہ مشتہر ہوگئی تھی اوریہ عورت اس لئے آئی تھی کہ شفا پائے ۔ پر سیدنا مسیح اس کے بولنے اوردرخواست کرنے سے پہلے اس کو فرماتے ہیں "اے عورت تو اپنی کمزوری سے چھوٹ گئی "ان لفظوں کے وسیلے وہ گویا اس کو تیارکرتا ہے اس جسمانی برکت کو جو وہ دینے پر تھے پانے کے لئے متوجہ ہو۔

آیت نمبر ۱۳۔اورجنابِ مسیح نے اس پر اپنے ہاتھ رکھے۔ اسی دم وہ سیدھی ہوگئی اورخداکی بڑائی کرنے لگی۔

آپ کے ہاتھ گویا اس اعلیٰ زندگی کا چشمہ تھے جس کے وسیلے سے اس کے جسمانی اور روحانی بند کھل گئے۔ اوراس میں نئی طاقت کے سوتے پھوٹ نکلے ۔اوراسی وقت یہ نتیجہ پیدا ہواکہ وہ جسمانی طور پر تندرست ہوگئی اورنیز روحانی طور پر بھی شفا یاب ہوئی جیسا کہ ان لفظوں سے مترشح ہے "خدا کی بڑائی کرنے لگی "اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے شفا دہندے کی تعریف بھی کرنے لگ گئی ہوگی اوراسی سے عبادت خانہ کا سردارزیادہ ناخوش ہوا ہوگا۔ (مقابلہ کرو حضرت متی ۲۱باب ۱۵تا ۱۶آیت)۔

آیت نمبر ۱۴۔عبادت خانہ کا سرداراس لئے کہ مسیح نے سبت کے دن شفا بخشی خفا ہوکر لوگوں سے کہنے لگا چھ دن ہیں جن میں کام کرنا چاہیئے۔ پس ان میں آکر شفا پاؤ نہ کہ سبت کے دن ۔

اس وقت عبادت خانہ کا سردارسبت کی غیرت کے سبب خفا ہوتا ہے۔ لیکن غورکرنے کا مقام ہے کہ اس کی غیرت اوراس کے خوف میں ایک قسم کا سخت تخالف پایا جاتا ہے ۔ یعنی ایک طرف تو وہ سبت کے لئے اپنے تئیں غیرت مند ثابت کرتا ہے اوردوسری جانب ایک قسم کا ڈربھی اپنے دل میں رکھتا ہے جس کے سبب سے وہ بات

جو مسیح کو کہنا چاہتا ہے براہ راست کہنے کی جرات نہیں رکھتا بلکہ دوسروں کی طرف متوجہ ہوکر کہتا ہے حالانکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ مسیح اس کے لفظوں کو سنے اورپھر سبت کے روز معجزہ نہ دکھائے۔ پرکیا وہ حقیقت میں سبت کے لئے غیرتمند تھا؟یا جنابِ مسیح کی تعریف کی سن کرجل گیا تھا ؟جس طرح سرداراورکاہن ایک اورموقعہ پرلڑکوں کو"ابن داؤد کوہوشعنا" کہتے ہوئے سن کر"خفگی" سے بھرگئے تھے اسی طرح یہ شخص بھی خفا ہوا۔ اس شخص کی اصل خاصیت یا سیرت ۱۵آیت سے کھلتی ہے جہاں وہ "ریاکار" بتایا جاتا ہے ۔پس تعجب نہیں کہ اس کی ظاہری غیرت ایک آڑتھی۔ جس کے پیچھے وہ اپنی اصل حالت دوسرے لوگوں کی نظروں سے یا خود اپنی ہی نظروں سے چھپاتا ہوگا۔ اس کی وہ نفرت جو وہ الہٰی اور پاک چیزوں سے رکھتا تھا اس پردہ‌تلے چھپی ہوئی تھی۔ اب وہ سردارہونے کی حیثیت سے لوگوں کی طرف مخاطب ہوکرایسے کام کو جو خدا کی عزت اوربزرگی کو ظاہرکرنے والا تھا۔ اورجس نے ایک آدمزاد کے بد ن اور روح کو بحال کیا جس نے بھاری بندھنوں اور شیطان کی سخت زنجیروں کوتوڑڈالا تھانا جائزبتاتا ہے۔

آیت نمبر۱۵،۱٦۔جنابِ مسیح نے اسے جواب میں کہا کہ اے منافقو کیا ہر ایک تم میں سے سبت کے دن اپنے بیل یاگدھے کو تھان سے کھول کرپانی پلانے نہیں جاتا۔ پس کیا یہ واجب نہ تھا کہ جو آلِ ابراہیم کی بیٹی ہے جس کو شیطان نے اٹھارہ برس سے باندھ رکھا تھا سبت کے دن اس بند سے چھڑائی جاتی۔

ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنابِ مسیح اس جگہ یہ دعویٰ کرتےہیں کہ میں نے سبت بالکل نہیں توڑا لینگی کی تفسیرمیں ذکر ہے کہ لائٹ فٹ اور دیگر عالموں نے ثابت کیا ہے کہ سبت کے روز جانوروں کو پانی پلانے کے لئے جانا یہودیوں کےدستورکے مطابق روا تھا۔ اب جو بات حیوانوں کے لئے روا تھی وہ کیونکر انسان کے لئے نارواہوسکتی تھی ؟ ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ گویا جنابِ مسیح اپنے جواب کے ذریعہ ان سے یہ کہہ رہا ہے۔ کہ "تم خود سبت کے بہت پابند نہیں ہو اورجہاں دیکھتے ہو کہ کسی کام کے نہ کرنے سے تمہارا نقصان ہوتا ہے وہاں سبت کے خیال کو بہت مداخلت کرنے میں نہیں دیتے۔ مثلاً تمہارے بیل اورگدھے تمہاری نظر میں ایسے

بیش قیمت ہیں کہ تم ان کے متعلق سبت کے روز کی چندا پروا نہیں کرتے بلکہ ان کو پانی پلانے لے جاتے ہو۔ کیاان کو کھولنا اور لے جانا ایک انسانی روح کے آزاد کرنے اوراس کے بند کھولنے سے بہتر اورزیادہ بیش قیمت ہے ؟ خواہ تم سبت کی پابندی کا کیسا ہی دعویٰ کرو پریاد رکھو کہ تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے جانوروں کو کھولتا اور لے جاتا ہے اورکبھی خیال نہیں کرتا کہ سبت ٹوٹ گیا ہے۔ پر تعجب ہے کہ ایک انسان کو جو اٹھارہ برس سے شیطان کے بند میں گرفتار ہے رہا کرنا تمہارے نزدیک سبت کو توڑتا " ہے۔ تم اپنے جانوروں کے کھولنے اور باندھنے میں کتنی دیر لگاتے ہو اوراپنا کام کرتے رہتے ہو۔ مگر میں اپنے کلام کے وسیلے ایک دم میں زنجیروں کو کھول دیتا ہوں پر تم پھر بھی اس پر اعتراض کرتے ہو۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ انسان میں اورباقی حیوانات میں زمین وآسمان کا فرق ہے گو انسان اپنے جسم کے اعتبار سے ایک طرح کی مشارکت بھی ان کے ساتھ رکھتا ہے۔پرتا ہم اشرف المخلوقات ہے (مقابلہ کروانجیل شریف خط اول کرنتھیوں ۹باب ۹آیت اورزبور شریف ۸باب ۸آیت)۔ما سوا اس کے یہ بھی یادرکھنا چاہیئے کہ یہ عورت نہ صرف بنی آدم میں شامل ہونے کے سبب سے جانوروں پر فوقیت رکھتی تھی بلکہ آل ابرہیم کی بیٹی بھی تھی۔ اس رشتے کے متعلق بعضوں کا یہ خیال ہے اس سے صرف یہ مراد ہے کہ وہ عورت برگزیدہ قوم میں شامل تھی۔ کہ اس بیان سے صرف اس کا جسمانی تعلق جو وہ حضرت ابراہیم کی اولاد کے ساتھ رکھتی تھی ظاہر کیا گیا ہے۔ گو شفا پانے کے بعد وہ ایمان کے لحاظ سے بھی حضرت ابراہیم کی بیٹی بن گئی۔ مگر بعض کی رائے ہے کہ ابراہیم کی بیٹی کہنے سے جنابِ مسیح اس کے ایمان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اوراس کے ثبوت میں وہ یہ کہتے ہیں کہ (۱)جنابِ مسیح نے ایک مرتبہ بھی اس کے ایمان کی نسبت سوال نہیں کیا اوراس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایمان پہلے ہی سے موجود تھا۔(۲)اورکہ اس کا معجزے کے بعد فوراً خدا کی بڑائی کرنا اس کی دیندارانہ طبعیت پر دلالت کرتا ہے۔(۳)کہ اس کوکوئی اس قسم کی بات نہیں کہی گئی "تیرے گناہ معاف ہوئے"۔

شیطان نے اٹھارہ برس سے باندھ رکھا تھا۔ ان لفظوں سے جیسا ہم اوپر بتا آئے ہیں ہی ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے مولا اس عورت کی کمزوری کوشیطان کے حملہ سے مربوط کرتا ہے ۔ پر اس کے ساتھ یہ

ماننا ناممکن نہیں کہ جسمانی طاقت کے کافور ہوجانے پر بھی ایمان کا شعلہ اس عورت کے دل میں جلتا رہا۔

نصیحتیں اور مفید اشارے

۱۔اس معجزے میں عورت کی بیماری جس کی نسبت مسیح نے فرمایا کہ اسے شیطان نے اٹھارہ برس سے باندھ رکھا ہے۔ اس قید اور اسیری کی علامت ہے جس میں انسانی روح گرفتار ہے اوراس کی شفا نجات اوررہائی کی علامت ہے۔

۲۔اس معجزے کی حقیقت عبادت خانہ کے سردار کی گواہی سے ثابت ہے۔ وہ اس کے وقوع سے ناخوش ہوتا ہے پر اس کی حقیقت کا انکارنہیں کرتا۔

۳۔دکھیوں کے لئے عمدہ آرام گاہ وہی جگہ ہے جہاں خدا کی عبادت کی جاتی اورکلام سنایا جاتا ہے۔

۴۔شیطان کا خطرناک غلبہ جو وہ روح اورجسم پررکھتا ہے ہم کو اس جگہ نظرآتا ہے۔

۵۔پھر سبت کو ماننے کا نمونہ اس جگہ موجود ہے ۔ خداوند جیسا چاہیئے ویسا سبت کو مانتا تھا۔

۶۔جو لوگ خدا کو نہیں جانتے ان کی نظر میں محبت کے جلالی نظارے کچھ وقعت نہیں رکھتے ہیں۔ وہ عبادت خانہ کے سرداروں کی مانند ہیں۔

۷۔منافقت ۔ مسیح یہاں ریاکاری پر طرح طرح سے فتوے لگاتے ہیں (۱)عقل کے دربار میں "کیا ہر ایک تم میں سے سبت کے دن ۔۔۔وغیرہ "تم اپنے جانوروں کی بہبودی کے لئے اپنی عقل کو کام میں لاتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ حیوانوں کی زندگی کے لئے ضرورہے کہ تم ہر روزا ن کوپانی پلاؤ۔ لہذا خواہ سبت ہی کیوں نہ ہو تم انہیں پانی پلانے لے جاتے ہو۔ مگر انسان کے بارے میں اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے اورنہیں سوچتے کہ وہ جانوروں سے بہتر ہے ۔ (۲)ضمیر کے دربار میں ان پر فتوے لگاتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ کیا واجب نہ تھا" وغیرہ انسان جو خدا کی صورت پر بنا ہے ۔ اس کا بچانا تمام فرائض سے بڑا فرض ہے ۔ (۳)ہمدردی کے دربار میں ان پر فتوے لگاتے ہیں۔ تم اپنے جانوروں سے کیسی ہمدردی کرتے ہو پر ابراہیم کی بیٹی سے کچھ ہمدردی نہیں رکھتے۔

ایک جلندر کے مریض کو شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۱۴باب۲آیت)

یہ معجزہ بھی حضرت لوقا کے ساتھ خاص ہے اورغالباً مسیح کے اس سفر میں واقع ہوا جس کا اشارہ (حضرت لوقا ۱۳باب ۲۲آیت)میں پایا جاتاہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مالک پھرایک فریسی کی دعوت قبول کرتے ہیں اوراس کے گھرکھانا کھانے جاتے ہیں ۔اگرچہ آپ کے کام کا خاتمہ نزدیک آتا جاتا ہے اورآپ کے مخالفوں کی عدوات بڑھتی جاتی ہے تاہم وہ چاہتا ہے کہ ان فریسیوں میں سے کم ازکم بعض اس کی بادشاہت میں داخل ہونے کی ترغیب پائیں۔

یہ ضیافت سبت کے روز وقوع میں آئی ۔یہودی سبت کے روز ملاقات کرنے اور ضیافت دینے کو برا نہیں سمجھتے تھے (نحمیاہ ۸باب ۱۰آیت)اوران کے نزدیک ایسا کرنے سے سبت نہیں ٹوٹتا تھا کیونکہ ان کوآگ سلگانا اورکھانا پکانا وغیرہ نہیں پڑتا تھا کیونکہ ان کا کھانا سبت سے ایک دن پہلے تیارکرلیا جاتا تھا۔ ٹرنچ صاحب کہتے ہیں کہ سبت کی عملی خرابیاں یہ تھیں کہ لوگ اسے شراب خوری اور عیاشی کا دن بناتے جاتے تھے۔ پراس جگہ یہ خیال کرنا ضروری نہیں کہ ضیافت کوئی پبلک جشن تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے کئی بارہمارا مالک لوگوں کے گھرمیں صرف ان کے خاندان کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے مدعوہوچکا تھے ۔ مسیح کا دسترخوان پربیٹھنا اس کی پاک اورخالص انسانیت کوظاہرکرتا ہے ۔

ہمارے آقا ومولا سیدنا مسیح نے اس فریسی کی دعوت سے قبول کی لیکن الفاظ وہ اس کی تاک میں تھے "ظاہرکرتے ہیں کہ دعوت دینے والوں نے نیک نیتی سے دعوت نہیں کی تھی۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اس کی گفتگو یا حرکات میں کوئی ایسی بات پائیں جس سے وہ اس پر تازہ الزام لگائیں۔ افسوس کیسے برے طورپروہ لوگ مہمان نوازی کے اصول کوپامال کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۔اورکیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص مسیح کے سامنے ہے جسے جلندرہے ۔

اس آیت کے پہلے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص گویا یک بیک یہاں مسیح کی نظرسے گذارا اوربعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا فریسی کے گھرمیں خود بخود اوربے بلائے چلاناآنا ممکن نہ تھا اور کہ یہ واقعہ کچھ ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت لوقا ۷باب ۳۶تا ۳۷آیت)میں درج ہے ۔ پربعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کو

فریسیوں نے خود بلایا اور ایسی جگہ بٹھایا تھا جہاں وہ فوراً مسیح کی نظر سے گزر جائے ۔ اور ان کا خیال یہ تھا کہ وہ اس بیماری کو شفا نہیں دے سکے گا۔ لہذا اس کو بہت شرمندہ ہونا پڑے گا ۔ اس سازش اور کینہ وری کے ثبوت میں وہ لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ پہلی آئت میں صاف بتایا گیا ہے کہ وہ "اس کی تاک میں تھے "پس جب یہ لوگ اس شخص کو لائے تب اس کو کچھ معلوم نہ تھا کہ مجھے کس غرض کے لئے لے چلے ہیں۔ مگر بعد میں انہوں نے اس کے ساتھ مسیح کی نسبت گفتگو کی ہوگی اور فریب سے اس کو امید دلائی ہوگی کہ آوہ تم کو شفا بخشے گا حالانکہ درپردہ ان کے دل میں یہ خیال تھا کہ مسیح یہ بیماری دور نہیں کرسکے گا اب گو انہوں نے فریب کے ساتھ اس سے گفتگو کی پر اس کے دل میں ایک قسم کی امید اور ایمان پیدا ہوگیا۔ اور چونکہ وہ خود اس سازش میں شامل نہ تھا لہذا جنابِ مسیح نے اسے ہاتھ لگا کر شفا دی اور چھوڑدیا۔"

مگر پیشتر شفا دینے کے اس نے سبت کے روزشفا بخشنا کا الزام جو اس پر لگ سکتا تھا دور کیا جیسا کہ وہ ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ اس نے گویا اپنے مخالفوں پر ظاہر کیا کہ میں تمہارے خیالات سے واقف ہوں اور میں تمہارے منصوبوں اور سازشوں کو جانتا ہوں۔ تم کہتے ہو کہ اگر میں نے یہ معجزہ کامیابی سے کردیا تو مجھ پر سبت شکنی کا الزام لگاؤ گے اور اگر میں معجزہ دکھانے میں ناکام نکلا تو میری تضحیک کروگے ۔ پر میں ان میں سے کسی بات میں بھی تمہارے پنجہ میں نہیں پھنسونگا اب سے شرع کے عالمو اور فریسیوں تم مجھے یہ بتاؤ کہ "سبت کے دن شفا بخشنی روا ہے کہ نہیں۔

شرع کے عالموں اور فریسیوں کی ہم آگے شرح کرچکے ہیں۔ جنابِ مسیح ان سے یہ سوال کرتے ہیں اور بیمار آپ کے سامنے خاموش کھڑا ہے ۔ شائد اس لئے کہ ایسے ایسے بڑے لوگوں کے سامنے بولنے کی جرات نہیں رکھتا یا اس لئے کہ اس بات کا امیدوار ہے کہ مسیح سے کوئی ہمت بخش کلمہ سنے ۔

انہوں نے دل کی خرابی سے یہ انتظام کیا تھا۔ اب جنابِ مسیح اپنی فضیلت اور ان کی شرارت اس سوال سے ظاہر کرتا ہے اور ان کو انہیں کے جال میں گرفتار کردیتا ہے ۔ اور وہ اس طرح کہ اگر وہ اس کے سوال کے جواب میں ہاں کہتے تو اپنے منہ سے سبت کے روز معجزے کرنے کی اجازت دیتے اور اگر نہ کرتے تو ہمدردی اور محبت کی کمی ان کے انکار سے ظاہر ہوتی۔ پس اس سوال سے ان کا ایسا منہ بند ہوگیا کہ " وہ

چپ رہے " آیت ۴اورپھر اس کے بعد "اس نے اسے ہاتھ لگا کر شفا بخشی اورچھوڑدیا ۔آیت ۴۔

اور جس طرح کئی موقعوں پر (مثلاً حضرت متی ۱۲باب ۱۱آیت ،حضرت لوقا ۱۳باب ۱۵آیت)اس نے ان کو دکھایا کہ جس بات کا الزام تم مجھ پر لگاتے ہو وہ ایسی ہے کہ تم خود اس میں اپنے دینوی فوائد کے لئے گرفتارہو جاتے ہو۔ اسی طرح اس موقع پربھی وہ ان کو یا دلاتا ہے ۔

آیت نمبر ۵۔تم میں سےکون ایسا ہے جس کا گدھا یا بیل کو ئیں میں گرپڑے اوروہ سبت کے دن اس کو فوراً نہ نکالے۔

جناب مسیح پھر روزمرہ زندگی کے دستوروں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مگر ایسی صورت میں جو اس معجزہ کے ساتھ خاص طور علاقہ رکھتی ہے ۔ یعنی (حضرت لوقا ۱۳باب ۱۶آیت) میں جہاں ایک عورت کے شیطان کے بند میں گرفتارہونے کا ذکرآتا ہے وہاں گدھے اوربیل کے کھولنے کی تشبیہ سے اپنا مطلب اداکرتا ہے ۔ اوریہاں چونکہ ایک جلندرکی بیماری کا شکارہے جس کے پیٹ میں پانی بھرا ہوا ہے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ اس لئے کہ وہ کوئیں کا ذکرکرتا ہے ۔ اس سے ایک تو عام طورپر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انجیل نویس بڑی خبرداری سے وہ خاص خاص باتیں جو مسیح کی زبان سے نکلیں تحریرکرتے ہیں اوردوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص سبت کے معجزوں کو دیکھ کرسٹراس کی طرح یہ الزام لگاتے ہیں کہ جو مختلف معجزے سبت کے روزواقع ہوئے وہ ایک ہی قصے کےمختلف بیان ہیں برسر راستی نہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم کے معجزات میں سے ہر معجزہ اپنی اپنی خصوصیتیں رکھتا ہے جن کے سبب سے وہ دو سرے معجزات سے جو سبت کے روزواقع ہوئے امتیازکیا جاسکتا ہے ۔

مطلب اس سوال کا اس طرح اداکیا جاسکتا ہے کہ "تم نہیں چاہتے کہ میں سبت کے دن اس شخص کو اس پانی سے جو اس کا دم بند کررہا ہے رہائی دوں۔لیکن یہی پانی جو اسے تکلیف دے رہا ہے جب تمہارے جانوروں میں سے کسی جانورکی تکلیف کا موجب ہوتا ہے اورتمہارے گدھے یا بیل کو خطرے میں ڈالتا ہے تو تم سبت کی ذرا پروا نہیں کرتے بلکہ اسے اس خطرے سے نکال لاتے ہو۔ پر یاد رکھو کہ انسان حیوان سے بڑھ کرہے" یہ بات سن کروہ چپ ہوگئے اور"ان باتوں کا جواب نہ دے سکے ۔"آیت ۶دیکھو وہ چپ تو ہوگئے مگر

صداقت کووہ قبول کرنے والے نہ بنے ۔ اوراغلب ہے کہ دہی دل میں چیں بجبیں بھی ہوئے ہونگے۔ (حضرت متی ۱۲باب ۱۴آیت)۔

نصیتحیں اورمفید اشارے

۱۔دشمنوں کی سازشیں مسیح کو اس کے نیک کاموں سے نہیں روکتی ہیں۔

۲۔مسیح ان آہوں کو جو دل ہی دل میں رہتی ہیں اورباہرنہیں نکلتی ہیں جانتے ہیں اس جلندر کے بیمار نے اپنی درد انگیزآوازسے ابھی اس کو اپنی سخت مصیبت سے آگاہ نہیں کیا کہ وہ خود بخود اس کے دل کی آرزو سے واقف ہوجاتا ہے ۔

۳۔ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے جانوروں کی خبرداری کریں تاہم ایسا کبھی نہ ہونے پائے کہ ہم اپنی خود غرضی سے اپنے جانوروں کو اپنے ابنائے جنس پر ترجیح دیں۔

۴۔شقی الطبع اورکینہ ورلوگوں کے درمیان بھی بھلائی کرنے اورمسیحی خدمت بجالانے کا بہترا موقع ملتا ہے ۔

۵۔اپنے بھائیوں کی جسمانی مصیبتوں کے ہلکا کرنے کو سب کوئی اچھا جانتے ہیں۔ اگران کے جسموں کو بچانا اچھا کام ہے توکس قدران کی روحوں کو بچانا زیادہ اچھا کام ہے ۔

۶۔اس کل معجزے سے (۱)جنابِ مسیح کی بے قیاس محبت ٹپکتی ہے ۔ (۲)اس کی بے نظیر حکمت درخشا ں ہے (۳)اس کی خاکسار طبعیت اورسنجیدگی ہویدارہے ۔

دس کوڑھیوں کو شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۱۷باب ۱۱تا ۱۹آیت)

آیت نمبر ۱۱۔اور ایسا ہوا کہ یروشلم کو جاتے ہوئے وہ سامریہ اورگلیل کے بیچ سے ہوکر جارہا تھا ۔

سامریہ اورگلیل کے بیچ سے ہوکر جارہے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے وسط سے گذرا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو گلیل پہلے آتا ۔ لہذا مراد صرف یہ ہے کہ وہ ان دونوں کی سرحدوں کے بیچ سے گذرہے تھے ۔

آیت نمبر ۱۲۔اور ایک گاؤں میں داخل ہوتے وقت دس کوڑھی سیدنا مسیح کو ملے ۔

کوڑھ کی بیماری پر ایک پچھلے معجزہ کے ضمن میں مفصل بحث ہوچکی ہے (حضرت لوقا ۵باب ۱۲تا ۱۶آیت ،حضرت متی ۸باب ۱تا ۴آیت ،حضرت مرقس ۱تا ۵ ۴آیت)

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ کئی کوڑھی ایک جگہ اکھٹے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی مصیبت اورضرورت کو محسوس کرکے ایک جا فراہم ہوگئے تھے۔ اسی طرح ہم ۲سلاطین ۷باب ۳آیت میں بھی دیکھتے ہیں کہ چار کوڑھی اپنی ضرورت کے سبب سے آپس میں مل گئے ۔ چونکہ کوڑھی ناپاک سمجھے جاتے تھے ۔اس لئے ان کو تندرستوں سے یعنی ان سے جو اس مرض میں مبتلا نہ تھے ہمیشہ ایک مقرری فاصلہ پر رہنا پڑتا تھا (دیکھو توریت شریف کتاب احبار ۱۳باب ۴آیت ،گنتی ۵باب ۲آیت)کیونکہ کوڑھ روحانی ناپاکی اورروحانی بیماری کی بلکہ روحانی موت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اورجب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان کوڑھیوں کو بھی اس تنہا جگہ میں مسیح کی خبر پہنچ گئی تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی شہرت دوردور پھیل گئی تھی۔اگر چہ یہودیوں اور سامریوں کے درمیان عداوت چلی آتی تھی مگر اس سخت بیماری کی وجہ سے ان کوڑھیوں میں قومی امتیازمٹ گیا اورہم دیکھتے ہیں کہ یہ سامری کوڑھی یہودی کوڑھیوں کے ساتھ مل گیا ماسوائے اس کے یہ جگہ سرحد پر واقعہ تھی پس بآسانی دونوں اطراف کے لوگ مل سکتے تھے۔

آیت نمبر ۱۳۔انہوں نے دور کھڑے ہوکر بلند آواز سے کہا۔اے مسیح اے صاحب ہم پر رحم کریں۔

اوپر ہم بتلا چکے ہیں کہ ان کو ایک مقرری فاصلہ پر رہنا پڑتا تھا۔ ان کو اجازت نہ تھی کہ دوسرے شخصوں کے پاس جائیں۔ مگر ان کو

مسیح کی معجزانہ قدرت اوراس کے رحیمانہ فضل کی خبر مل گئی تھی لہذا وہ دعا کی آوازبلند کرتے ہیں۔ اس وقت بڑے سرگرم نظرآتے ہیں اوربڑے جوش سے صحت کے لئے ملتجی ہیں مگر شفا پاکرسوائے ایک کے سب یہ سرگرمی کھودیتے ہیں ۔ یعنی اچھے ہوکر اس جوش وخروش کے ساتھ اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے ۔ پر یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گووہ سیدنا عیسیٰ کو مسیح موعود ہونے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے تاہم اس کو ایک زورآورنبی مانتے تھے ۔ان میں ایمان تو تھا لیکن کامل نہ تھا۔ اورجناب مسیح ان کے ایمان کی صداقت کے سبب ان کو پاک وصاف کرتے ہیں۔ مگر اس وقت ایک عجیب طریقہ کام میں لاتے ہیں ۔ کچھ اس لئے کہ بیماروں کے ایمان کو آزمائے اورکچھ اس لئے کہ شاگردوں کو دکھائے کہ شفا بخشی کے کام میں وہ طرح طرح کے طریقہ استعمال کرسکتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۴۔جنابِ مسیح نے انہیں دیکھ کر کہا جاکر اپنے آپ کوکاہنوں کو دکھاؤ اورایسا ہوا کہ وہ جاتے جاتے پاک وصاف ہوگئے ۔

دو تین باتیں اس جگہ غورکرنے کے قابل ہیں۔ (۱)یہ کہ وہ ان کے ساتھ جو اس کے پاس صحت کے لئے آتے تھے اپنی عجیب حکمت کے مطابق طرح بطرح سلوک کیاکرتے تھے۔ کبھی کبھی جہاں مضبوط ایمان دیکھتے تھے دیر کیا کرتے تھے تاکہ ایمان اور بھی مضبوط ہوجائے ۔ اورکبھی کبھی کمزورایمان کو دیکھ کرنہائت ملائمت سے پیش آتے تھے تاکہ وہ آزمائش میں گرفتارہوکرکافورنہ ہوجائے کسی کو پہلے معاف کرتے ہیں اورپھر تندرست کرتے ہیں اورکسی کو پہلے شفا بخشتے ہیں کیونکہ اپنی حکمت سے دیکھتے ہیں کہ اس میں ایمان کی اعلیٰ برکت اسی طرح پیدا کی جاسکتی ہے ۔ اورپھر اسے معاف کرتے ہیں (۲)دوسری بات غورطلب یہ ہے کہ وہ ان کوڑھیوں کے ایمان کوآزماتے ہیں۔ دیکھئے کہ ابھی شفا کے آثارنمایاں نہیں ہونے پاتے کہ وہ ان کو کاہنوں کے پاس بھیجتے ہیں گویا یہ طلب کرتے ہیں کہ وہ ایمان سے اس بات کو مانیں کہ وہ حقیقت میں شفایافتہ ہوگئے ہیں۔ اورانہوں نے اس بات کو مان لیاکیونکہ حکم کے ساتھ ہی وہ اپنے تیئں کاہنوں کو دکھانے کے لئے روانہ ہوئے یا یوں کہیں کہ وہ ان کو ایسا کام کرنے کو کہتے ہیں جس کی حقیقت کا کوئی ظاہری نشان اب تک پیدا نہیں ہوا۔مگر وہ ایمان سے اس بات کو مان لیتے ہیں ۔ (۳)پرگو ان سب میں ایمان کا آغازسا تو نظرآیا مگر صرف ایک میں کمالیت کوپہنچا۔ اس میں شک نہیں کہ ان سب نے مسیح کی بات کوسچ مانا

کیونکہ اگر نہ جانتے تو کاہنوں کے پاس نہ جاتے وہ خوب جانتے تھے کہ کاہن شفا نہیں دے سکتے ۔ ان کا صرف یہ کام ہے کہ جب کوئی شفا یاب ہوجائے تو اس کی بابت چند رسومات کی تعمیل کے بعد سب کے سامنے منادی کردیں کہ یہ شخص صحت یاب ہوگیا ہے ۔ اوربس تاہم سوائے ایک کے اورکسی میں پورا ایمان نہیں پایا جاتا تھا۔ جہاں سچا اورکامل ایمان ہوتا ہے۔ وہاں نہ صرف مسیح کی بابت درست مانی جاتی ہے بلکہ اسی پر سچا بھروسہ اورتکیہ بھی کیا جاتا ہے کیونکہ ایمان داراسی کوسب برکتوں کا چشمہ سمجھاتا ہے۔ (۴)اس میں ان کی شکرگزاری اورنا سپاسی کے پرکھنے کا مطلب بھی چھپا ہوا تھا۔ اگر ان کو اسی وقت جبکہ انہوں نے درخواست کی تھی اوراسی جگہ جہاں درخواست کی تھی شفا مل جاتی تو ان کے لئے شکرگزاری ادا کرنا کچھ مشکل نہ ہوتا۔ مگر دور سے لوٹ کرآنا اورشکرگزاری ادا کرتا جب کہ وہ خود پاس نہ تھا اورنہ کوئی دوسرا شخص ان کو مجبورکرنے والا تھا بڑی ہمت کا کام تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت انہوں نے صحت کے آثار محسوس کرنے شروع کئے اس وقت کسی قدردورنکل گئے تھے۔ گو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کتنی دورنکل گئے تھے۔

(۵)جنابِ مسیح اس جگہ شریعت کے احکام کی عزت کرتے ہیں۔ تاکہ وہ جو اپنے تیئں اس کے محافظ بتاتے ہیں کسی طرح کی حرف گیری نہ کرسکیں ۔ (دیکھیں توریت شریف کتاب ِاحبار۱۳باب ۲آیت ،بمقابلہ ۱۴باب ۲آیت)۔

آیت نمبر۱۶،۱۵۔پھر ان میں سے ایک یہ دیکھ کر کہ میں شفا پاگیا بلند آواز سے خدا کی حمد کرتا ہوا لوٹا۔ اورمنہ کے بل جنابِ مسیح کے پاؤں میں گر کران کا شکر ادا کرنے لگا ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مسیح کے حکم کے مطابق پہلے یروشلم کو گیا اورجب کاہنوں نے اس کو دیکھ لیا اوروہ اپنی قربانی چڑھا چکا اورلوگوں کو معلوم ہوگیاکہ وہ شفا پاگیا ہے تب لوٹ کرآیا۔ لیکن عبارت سے کوئی اس قسم کا خیال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ برعکس اس کے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جب وہ کوڑھی کچھ فاصلہ طے کرگئے اور صحت کے آثاران کو دکھائی دینے لگ گئے تب یہ شخص شکرگزاری کی روح سے بھرا ہوا واپس آیا تاکہ خدا کی حمد اوراپنے شفا بخشنے والے کا شکریہ ادا کرے۔ جس طرح نعمان الیشع کے پاس واپس آیا کہ اپنا ہدیہ گزرانے (۲سلاطین ۵باب ۱۵آیت) اسی طرح یہ شخص بھی اپنے پاک صاف کرنے والے کے پاس آیا ۔ مگرباقی نوکبھی نہ لوٹے ۔ چاہئیے

تھا کہ وہ بھی لوٹ کر آتے اورسیدنا مسیح کے پاؤں پر گرتے مگر انہوں نے کبھی اس بات کا خیال نہ کیا۔ یہ گناہ کیسا عام اورعالمگیر ہے ؟ایک بزرگ نے خوب کہا ہے کہ جس طرح یہ لوگ پہلے مسیح کی مدد کے لئے اپنامنہ کھول کر چلاتے تھے اسی طرح ہم بھی "اپنا منہ جب تک کہ ہمارے آقا ومولا سیدنا مسیح اپنی برکتوں کا ہاتھ دراز نہیں کرتے کھولے رکھتے ہیں۔ مگر جب برکت مل جاتی ہے تو ایسے خاموش اوربے پرواہ ہوجاتے ہیں کہ گویا اس برکت نے ہمارا منہ بالکل بند کردیا ہے۔

اوروہ سامری تھا۔ چونکہ سامری یہودیوں کے نزدیک غیرقوموں سے بہت بہترنہیں سمجھے جاتے تھے ۔ لہذا حضرت لوقا کی انجیل میں جو کہ غیرقوموں کے لئے لکھی گئی اس بات کا مذکورہ کہ " وہ سامری تھا " خالی ازدلچسپی نہیں۔ یہ سامری جو غیرقوموں کے برابر سمجھا جاتا تھا لوٹ کر شکر گزاری کے لئے آیا اوربڑی بڑی برکتوں کا وارث ہوا۔ مگر وہ جو یہودی ہونے کہ سبب وعدے کے فرزند اورآل ابراہیم میں سے تھے ان میں سے کوئی واپس نہ آیا۔ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہودی اپنی ناشکری کے سبب خدا کی بادشاہت سے خارج ہوسکتے ہیں۔ اورغیر قوم اپنے ایمان سے اس کی لازوال برکتوں میں شریک ہوسکتے ہیں۔

اس شخص کی شکر گزاری راست قسم کی تھی۔ وہ پہلے خدا کی تمجید کرتا ہے اورپھر اپنے شفا بخشنے والے کے پاؤں پر گرتا ہے ۔

آیت نمبر ۱۸،۱۷۔جنابِ مسیح نے جواب میں کہا کہ کیا دسوں پاک صاف نہ ہوئے پھر وہ نو کہاں ہیں۔ کیا سوائے اس پردیسی کے اورکوئی نہ نکلا جو لوٹ کر خدا کی تمجید کرے۔

سیدنا مسیح جو جانتے ہیں کہ انسان میں کیا ہے ۔اورجو بار بار اپنے محسونوں کی ناشکری اورنا سپاسی دیکھ چکے ہیں ان نوکوڑھیوں کی ناشکری سے متعجب ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا دسوں پاک صاف نہ ہوئے پھر وہ نو کہاں ہیں؟"گویا وہ خدا کی تمجید اورتوصیف کی امید ان لوگوں سے زیادہ رکھتا ہے جو وعدوں کے وارث اوراسرائیل کی جمہوری سلطنت میں شامل ہیں جو پردیسی نہیں کیونکہ وہ خدا کے لوگ اوراس کے خاندان میں شامل ہیں۔ یہاں یہودیوں اورسامریوں کا مقابلہ پایا جاتا ہے۔ وہ نو کہاں ہیں؟کیا ان لفظوں میں سے ایک افسوس ناک صدانہیں آتی ؟ ہمارے مالک ایک افسوس ناک سرگرمی

سے ان نو شفایافتہ کوڑھیوں کا حال دریافت کرتے ہیں۔ ہم یہ خیال نہ کریں کہ سیدنا مسیح اس جگہ اپنی عزت کے خواہشمند ہیں۔ وہ اپنی عزت کی اتنی پروا نہیں کرتے جتنا ان کو اس بات کا خیال ہے کہ خدا کی وہ شکر گزاری جو اپنے انسانی محسنوں اور فیض رسانوں کی طرف مخاطب ہوکر ایک کلمہ بھی نہیں کہتی۔ دل سے پیدا نہیں ہوتی ۔ اس سامری نے خدا کی حقیقی بڑائی کی کہ وہ اس کے پاؤں پر جس نے اس کو شفا بخشی تھی آگرا۔ مسیح خوب جانتے تھے کہ یہودیہ میں میرے برخلاف کیسی سازشیں ہورہی ہیں۔ مگر باوجود اس علم کے وہ پھر اس جگہ جو گلیل کی سرحد پر واقعہ تھی اپنی شفا بخش محبت کو آشکارا کرتے ہیں۔ پر انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اب حالت بہت بدل گئی ہے۔ کیونکہ ایک دفعہ پہلے جب صرف ایک کوڑھی کو شفا بخشی گئی تو سینکڑوں زبانیں آپ کی تعریف میں زمزمہ پرداز ہوئیں۔ مگر اب دس پاک صاف کئے گئے اوران میں سے نو بے پروا نکلے ۔ اوران میں سے کسی نے ایک لفظ شکریہ میں نہ کہا اور نہ گاؤں کے لوگوں میں سے کسی نے اس کی محبت اورقدرت کو پہچانا ۔ وہ اس آخری سفر میں بھی شریعت اور کہانت کی عزت کرتا ہے ۔ مگر لوگ پھر بھی بدسلوکی سے پیش آتے ہیں۔ اس بات کا احساس ہمارے مولا کے دل کو افسوس سے بھردیتا ہے ۔ کیونکہ اس نے اپنے تیئں ان کوڑھیوں کو پاک صاف کرکے ہمدرد سردار کاہن ثابت کیا ۔ مگر اب لوگوں کی بے قدری اور بے پروائی کے وسیلے دیکھتا ہے کہ لوگ اپنے مسیح موعود کی حقارت کرتے ہیں۔ لہذا اس کے کلام سے ایک قسم کا افسوس اور ایک قسم کا شکوہ ٹپکتا ہے ۔ اوراس کا شکوہ بے جا نہیں کیونکہ جب ہم اس معجزے کی بے نظیر خاصیت پر غورکرتے اورساتھ ہی اس بات کو سوچتے ہیں کہ جنہوں نے شفا پائی وہ کسی طرح کا استحقاق نہیں رکھتے تھے۔ اور نیز جب اس برکت کی عظمت کو جو انہیں ملی دیکھتے ہیں۔ تو ماننا پڑتا ہے کہ اس کی شکائت بجا تھی۔ مگر یہی شکائت جو ایک طرف اس کے دلی رنج اورافسوس کو ظاہر کرتی ہے دوسری جانب اس آدمی کو شکر گزاری کی تعریف کرتی ہے جو خدا کی بڑائی کرتا ہوا لوٹا اورآپ کے پاؤں پر گرا۔

آیت نمبر ۱۹۔پھر اس سے فرمایا اٹھ کر چلا جا تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا۔

یہی اکیلا ان مبارک الفاظ کو سننے کی برکت سے مالا مال ہوتا ہے ۔ اسے شروع میں ایک ادنیٰ برکت یعنی جسم کی صحت نصیب ہوئی مگر اس نے اپنے شفا بخشنے والے کی بزرگی ظاہر کی اوراس کا شکریہ ادا

کیا۔ اس کے صلہ میں اس کو بڑی برکت ملی اس کی روح کا کوڑھ بھی جاتا رہا۔ اس کا لوٹ کر مسیح کے پاس آنا ۔ اس کا خدا کی تمجید کرنا۔ اس کا مسیح کے پاؤ ں پر گرنا۔ اور مسیح کا اسے قبول کرنا اور اس کی طرف مخاطب ہوکر یہ فرمانا " تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا" وغیرہ یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ نہ صرف اس کے جسم کا کوڑھ دور ہوا بلکہ اس کا روحانی کوڑھ بھی جاتا رہا۔ کئی مفید باتیں ہم اس بیان سے سیکھ سکتے ہیں (۱)یہ کہ ہم ایمان لائیں کہ مسیح ہمارے کوڑھ کو دور کرسکتے ہیں ۔ ہم اس کے کلام کو سچا سمجھیں یعنی جب وہ یہ کہتے ہے کہ جو کوئی مجھ پر ایمان لاتا ہے ہلاک نہ ہوگا بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے گا تو ہم اس کی بات کو مانیں۔ اس کی روح پاک کی قدرت پر جو ہماری کمزوریوں اور بیماریوں اور ناپاکیوں کو دور کرنے والی روح ہے ایمان لائیں اور اسے اپنے دلوں میں قبول کریں۔ اور جو وسائل فضل کے اس نے ہماری روحانی زندگی کی تقویت کے لئے مقرر کئے ہیں انہیں کام میں لائیں ۔ اگر ہم ایسا کریں تو جو اس کا وعدہ ہے وہ پورا ہوگا۔ (۲)دوسری بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ ہم کبھی اپنی پہلی بیماریوں کو جن سے مسیح نے ہم کو شفا بخشی ہے بھول نہ جائیں۔ ان نوکوڑھیوں نے اپنے کوڑھ کو یاد نہ رکھا۔ وہ گویا ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ہم کبھی بیمار ہی نہیں ہوئے ۔ پر لازم ہے کہ اپنی پہلی آزمائشوں کو پہلی تکلیفوں کو ہمیشہ یاد رکھیں تاکہ وہ ہمیں اس کے پاؤں کے پاس لائیں جس نے ہم کو گناہ کے کوڑھ سے رہائی دی۔

نصیتحیں اور مفید اشارے

۱۔ایمان کی آنکھ وہ آنکھ ہے جو اس بات کو پہچانتی ہے کہ مسیح نہ صرف ہمارے کوڑھ کو دور کرنے کی قدرت رکھتے ہیں بلکہ اسے دور کرنے کے لئے رضا مند بھی ہیں۔

۲۔وہ ہمارے ایمان کو خوشی سے دیکھتے ہیں۔ عجیب طرح سے آزماتے ہیں پر کبھی شرمندہ نہیں ہونے دیتے ۔ دیکھئے ان کوڑھیوں کے ایمان کو اس نے دیکھا آزمایا اور اپنی شفا بخشی سے مالا مال فرمایا۔

۳۔جناب ِمسیح کی مدد کا مطلب اور مقصد یہ ہے کہ ہم اس بات کو پہچانیں کہ سچی مدد کا منبع وہی ہے کہ ہم اسکی مدد کو شکر گزاری کے ساتھ قبول کریں۔ اور اسکے وسیلے پاکیزگی میں ترقی کریں۔ ان کوڑھیوں میں سے صرف ایک نے اس مطلب کو پہچانا۔

۴۔ایک توجہ طلب سوال۔ نو کہاں ہیں ؟اس سوال سے اورکئی سوال پیدا ہوتے ہیں شفا پانے سے پہلے وہ کہاں تھے؟ اب کہاں ہیں؟بعدمیں کہاں ہوں گے ؟اس میں سے صرف ایک لوٹا اورنوچلے گئے ۔ کیوں ؟اپنی ناشکری کے سبب شائد اب بھی یہی نسبت پائی جاتی ہے ۔یعنی ہر دس میں سے مشکل سے ایک شکرگزار ملتا ہے ۔ یہ نو کوڑھی شائد جلد جلد جاکر اپنے دوستوں کو خوشی کی خبر دینا چاہتے تھے کہ ہم اچھے ہوگئے ہیں۔ شائد وہ ہیکل میں جاکر ضروری رسومات کو جلد جلد ادا کرنا چاہتے تھے تاکہ ا ن سوشل حقوق کو جو سب بیماری کے چھن گئے تھے پھر واپس پائیں لیکن ان میں سے ایک ان سب باتوں کو بھول جاتا ہے اورصرف ایک ہی بات یاد رکھتا ہے اور وہ یہ کہ اپنے شفا بخشنے والے کا شکریہ اداکرے ۔ اوراس کے صلہ میں اس نے زیادہ برکت پائی چنانچہ جنابِ مسیح نے اسے فرمایا "تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا۔"

۵۔مقابلہ ۔ان کوڑھیوں کی سرگذشت سے معلوم ہوتا ہے۔(۱)کہ اگر ایک طرف غائت درجہ کی تکلیف یادکھ ہے تو اس کے مقابلہ میں دوسری طرف غائت درجہ کی رحمت بھی ہے (۲)بہت لوگ غائت درجہ کے ناشکر گزار ہیں۔ صرف ایک غائت درجہ کا شکر گذرا ہے (۳)اسرائیلی اپنی ناشکری کے سبب اعلیٰ برکت سے محروم رہتے ہیں۔ مگرایک اجنبی بڑی برکت سے مالا مال ہوتا ہے۔

۶۔سچی شکرگزاری خدا کی برکتوں کا اقرارکرتی تعریف اورتمجید کے گیتوں میں ظاہر ہوتی مسیح کے پاؤں پر گرکر فروتنی کے پیرایہ میں اپنے تیئں آشکاراکرتی ہے۔

۷۔جنابِ مسیح کے حیرت افزا احکام کا مقصد سوائے اس کے کہ اس کے بندوں کا ایمان زیادہ مضبوط ہو اور کچھ نہیں ہوتا دیکھوکوڑھی ابھی اچھے نہیں ہوئے کہ وہ انہیں حکم دیتا ہے کہ تم جاکر اپنے آپ کو کاہن کو دکھاؤ۔مگر اسی عجیب حکم میں ان کے ایمان کی تقویت اورجسموں کی صحت کا وعدہ نہاں تھا۔ اس سے ہم یہ بھی سیکھتے ہیں کہ جو کچھ مسیح کے قول کے مطابق ایمان سے کیا جاتا ہے وہ بے نتیجہ نہیں رہتا۔

۸۔خدا کی شکرگزاری حقیقت میں مسیح کی شکرگزاری کے وسیلے ادا ہوتی ہے۔

۹۔جو خدا کی برکت کی قدرکرتے وہ زیادہ برکت پاتے ہیں۔

۱۰۔ہم شمارکی کثرت کی پروا نہ کریں۔ نو نہ شکروں کی سنگت چھوڑکر ایک شکرگزاری کی صحبت اختیارکرنا بہتر ہے ۔

۱۱۔دیکھیں جنابِ مسیح کس طرح لوگوں کی ناشکرگذاری کی شکائت کرتے ہیں؟کیا یہ شکائت ہم پربھی عائدہوتی ہے یا ہم اس کی رحمتوں کے سبب اس کے پاؤں پرگراس کے نام کی تمجید کرتے ہیں۔

سورفینکی عورت کی بیٹی کو شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق ۱۵باب ۲۱تا ۲۸آیت ،حضرت مرقس ۷باب ۲۴تا ۳۰آیت)

آیت نمبر ۲۱۔پھر جنابِ مسیح وہاں سے نکل کر صور اور صیدا کے علاقہ کو روانہ ہوئے۔

وہاں سے ۔غالباً کفرناحوم سے نکل کر۔

آپ کے جانے کا سبب یہ تھا کہ ایک تو چوتھائی ملک کا حاکم ہیرودیس آپ سے حسد کرتا تھا (حضرت متی ۱۴باب۱آیت)اورپھر فریسی بھی آپ کی جان کے درپے تھے (حضرت متی ۱۲باب ۱۴آیت ،۱۵باب ۱و۱۲آیت)۔لہذاآپ مجبورہوئے کہ دوسری جگہ جاکر جو کہ ہیرودیس کے حدود سے باہر تھی پناہ گزین ہو۔

لیکن اس سفر کے متعلق جو بات زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ آیا ہمارے آقا ومولا سیدنا مسیح اس موقعہ پر صرف صوراورصیدا کی حدود تک پہنچے یا ملک فینکی کے اندربھی داخل ہوئے۔ اورجن لفظوں کے سبب بحث برپا ہوتی ہے وہ الفاظ "علاقے "(حضرت متی ۱۵باب۲۱آیت)"سرحدوں "(حضرت مرقس ۷باب ۲۴و۳۱آیت

اورحضرت متی ۱۵باب ۲۲آیت)ہیں ۔ جس لفظ کا ترجمہ علاقہ کیا گیا ہے اس کے اصل معنے " حصوں" یا "ٹکڑوں" کے ہیں۔ مطابق اس ترجمہ کے آئت کو گویا اس طرح پڑھنا چاہئیے۔ "پھر مسیح وہاں سے نکل کر صوراورصیدا کے حصوں کو روانہ ہوئے ۔" البتہ اس کا مطلب صوراورصیدا کے علاقہ ہی سے ہے ۔ پرانے ترجمہ میں اطراف آیا ہے۔

اب بعض لوگ تو یہ مانتے ہیں کہ ہمارے آقا ومولا سیدنا مسیح یہودیوں کے ملک کی سرحدوں سے پرے کبھی نہیں گئے ۔ وہ حضرت متی کے "علاقے "کو جو آیت ۲۱میں آیا ہے متی کی سرحدوں کے ساتھ جو آیت ۲۳میں مستعمل ہے اورحضرت مرقس کی "سرحدوں " کے ساتھ جو حضرت مرقس ۷باب ۲۴آیت میں مذکور ہے مقابلہ کرکے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ صرف سرحدوں تک پہنچے ۔ مگر صوراور صیدا کے علاقہ میں نہیں گئے۔ اوراس تائید میں یہ کہتے ہیں کہ اس کا شخصی کام صرف یہودی ملک کے ساتھ مخصوص تھا۔ او رکہتے ہیں کہ ماسوائے اس کے صاف بتایا گیا ہے کہ جو عورت اس وقت آپ کے پاس آئی وہ سرحدوں سے نکل کر آئی تھی۔

لیکن جو یہ مانتے ہیں کہ وہ صوراورصیدا کے علاقہ میں داخل ہوئے اپنے دعوے کے ثبوت میں کہتے ہیں کہ حضرت متی ۱۵باب ۲۱آیت میں "سرحدوں " کا لفظ نہیں آیا بلکہ "حصوں"کالفظ آیا اوراس کے معنی سرحد کے نہیں ہوتے ۔ بلکہ جہاں جہاں اورجگہ یہ لفظ آیا ہے (حضرت متی ۲باب ۲۲آیت ،۱۶باب ۱۳آیت ،حضرت مرقس ۸باب ۱۰آیت ،اعماالرسل ۲باب ۱۰آیت ،۱۹باب ۱آیت ،۲۰باب ۲آیت)اور ان مقاموں میں کسی جگہ اس سے سرحد مراد نہیں۔ اس خیال کے ماننے والے اس مشکل کو محسوس کرتے ہیں کہ حضرت متی جو لفظ استعمال کرتے ہیں اس سے تو ملک کا اندرونی حصہ مراد لیا جاسکتا ہے مگر حضرت مرقس ۷باب ۲۴آیت میں صاف "سرحدوں"کا لفظ کام میں لاتا ہے۔مگراس دقت کو دورکرنے کے لئے وہ حضرت مرقس ۷باب ۳۱آیت پیش کرتےہیں جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ مسیح "پھر صورکی سرحدوں سے نکل کر صیدا کی راہ سے دکپلس کی راہ ہوتے ہوئے گلیل کی جھیل پر پہنچے ۔ گویا صور کی سرحدوں سے نکلنا اورصیدا کی راہ سے جانا ثابت کرتا ہے کہ وہ ملک فینکی کے اندرونی حصہ سے گذرے۔ وہ لوگ جو مسیح کے صوراور صیدا کے علاقہ میں داخل ہونے کو مانتے ہیں کہتے ہیں کہ وہ وہاں پر

کام کرنے نہیں گئے تھے۔ لہذا یہ کہنا کہ چونکہ وہ بذات خود صرف بنی اسرائیل میں کام کرنے آیا تھا صور اور صیدا کے علاقہ میں جا نہیں سکتا تھا بڑا زبردست اعتراض نہیں۔

صوراورصیدا۔ سیدنا مسیح نے ان شہروں کے علاقہ کو غالباً اس لئے چن لیا کہ وہ نزدیک تھا۔ اوریہ شہر اس شرارت کے لئے جو بڑے بڑے شہروں میں ہوا کرتی ہے مشہور تھے اوریہاں بعل کی پوجا کی جاتی تھی ان شہروں کی شرارت کا ذکر اکثر جوئیل ،عاموس ،یسعیاہ اور یرمیاہ نے کیا ہے۔ اورخاص کر صورکی بربادی کا حزقئیل نے کیا ہے (باب ۲۶آیت ۲۸)۔

آیت نمبر ۲۲۔اوردیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی اورپکارکر کہا اے مالک ابن داؤد مجھ پر رحم کریں۔ ایک بدروح میری بیٹی کو بری طرح ستاتی ہے ۔

حضرت مرقس اس سے پہلے یہ بھی بتاتے ہیں کہ "وہ ایک گھر میں داخل ہوئے اورنہیں چاہتے تھے کہ کوئی جانے مگر پوشیدہ نہ رہ سکے (حضرت مرقس ۷باب ۲۴آیت)جس طرح مشک چھپا نہیں رہتا بلکہ اس کی مہک ہر جگہ پھیل جاتی ہے اسی طرح جنابِ مسیح بھی چھپ نہیں سکتے تھے۔ اورجن لوگوں کو ان کی شمیم خلق نے اپنی طرف کھینچا ان میں سے ایک یہ عورت تھی۔ حضرت متی کہتے ہیں کہ یہ عورت کنعانی تھی اورحضرت مرقس بتاتے ہیں کہ وہ یونانی اور قوم کی سورفینکی تھی (حضرت مرقس ۷باب ۲۶آیت)۔

قدیم زمانہ میں فینکی کنعانی کہلاتے تھے (بائبل شریف کتاب قضات ۱باب ۳آیت) یعنی وہ اس قوم سے علاقہ رکھتے تھے جنہوں نے بعد میں اس تمام سرزمین کو کنعان کا نام دیا۔ اغلب ہے کہ یہودی یہ نام فینکی کے تمام باشندوں کو دیتے رہے گو ان میں سے جو بعد میں آکر بسے کئی مختلف قوموں کے ہوں گے ۔ حضرت متی کی انجیل کے پڑھنے والے جو بالتخصیص یہودی تھے فوراً لفظ "کنعانی " سے سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ عورت غیر قوموں میں سے تھی۔ لیکن حضرت مرقس جو غیر قوموں کے لئے لکھ رہے ہیں بتاتے ہیں کہ وہ یونانی تھی اورقوم کی سورفینکی تھی۔ ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ پہلے لفظ سے اس کا مذہب اوردوسرے سے اس کا حسب نسب ظاہر ہوتا ہے ۔ اورسورفینکی اس واسطے کہا کہ لبیا اورکارتھج کے فینکوں سے امتیازکی جائے ۔

سرحدوں سے نکلی ۔ یعنی صوروغیرہ کے علاقہ سے نکلی ۔ اورپکارکر کہا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زور سے چلائی تھی اوراس کی تصدیق

شاگردوں کے الفاظ سے ہوتی ہے وہ کہتے ہیں "ہمارے پیچھے چلاتی ہے" حضرت مرقس کے بیان سے جو مسیح کے ایک گھر میں داخل ہونے کا ذکر کرتا ہے اور پھر اس عورت کے فی الفور آنے کا حال رقم کرتا ہے ایسا خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ گویا جنابِ مسیح کی اوراس عورت کی ملاقات اس گھر میں ہوئی جہاں وہ تشریف رکھتے تھے۔ مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ حضرت متی کی تحریر کےمقابلہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں آکر پہلے ایک گھر میں اترے ۔ اورپھر جب ایک دن اپنے شاگردوں کے ساتھ جارہے تھے تو یہ عورت مدد کے لئے چلاتی ہوئی آپ کے پیچھے ہولی۔

مجھ پر رحم کریں ۔ غورطلب بات ہے کہ یہ عورت یہ نہیں کہتی کہ میری بیٹی پر رحم کریں بلکہ یہ کہتی ہے کہ مجھ پر رحم کریں۔ اس کی بیٹی کا دکھ گویا اس کا دکھ ہے ۔ کیا ہم اپنے بیٹے اوربیٹیوں کے روحانی امراض کے لئے ایسے رنجیدہ اورغمگین ہیں کہ گویا ہم خود بیمارہیں۔ اورجنابِ مسیح کے پا س باربارجاکر کہتے ہیں۔ اے مالک مجھ پر رحم کریں۔ میرے بیٹے یا بیٹی کویہ بیماری ہے ۔

ابن داؤد۔ ان لفظوں کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنابِ مسیح کو مسیح موعود سمجھتی تھی۔ اوریہ علم اس کے لئے نا ممکن نہ تھا کیونکہ وہ یہودیوں کے ملک کے پاس رہتی تھی اورغالباً سارپت کی عورت کی طرح سچے خدا کی بندگی اورعبادت کرنے والی تھی۔ اور تعجب نہیں کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ جو صوراورصیدا سے گئے تھے (حضرت مرقس ۳باب ۸آیت)گئی ہو۔ اورجنابِ مسیح کی باتوں کو سنا ہو۔

ایک بدروح میری بیٹی کو بری طرح ستاتی ہے ۔ حضرت مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکی چھوٹی تھی ۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "جس کی چھوٹی بیٹی میں ناپاک روح تھی (حضرت مرقس ۷باب ۲۵آیت)ناپاک روحوں پر ہم پہلے ایک دوجگہ بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔

آیت نمبر۲۳۔مگر جنابِ مسیح نے کچھ جواب اسے نہ دیا۔ اورآپ کے شاگردوں نے پاس آکرآپ سے یہ عرض کی کہ اسے رخصت کردیں کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے۔

وہ عورت آپ کی شہرت سن کرآئی تھی۔ اس نے سنا ہوگا کہ ابن آدم رحمت اورفضل مجسم ہیں۔ اورجو ان کے دردولت پرجاتا ہے خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ بلکہ وہ خود دعوت دیتے ہیں کہ جو تھکے اوربڑے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں میرے پاس آئیں اورمیں انہیں آرام دوں گا ۔ لیکن یہاں آکر وہ دگرگوں حالت پاتی ہے ۔ وہ اس کی بات کا جواب

تک نہیں دیتے ۔ ٹرنچ صاحب اس موقعہ پر بزرگ کری ساسٹم کے ا لفاظ نقل کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ " کلمہ ایک کلمہ نہیں بولتا۔ چشمہ فیض گویا بند ہوگیا ہے ۔ حکیم اپنی ادویات کے دینے سے دریغ کرتا ہے "شاگردآپ سے عرض کرتے ہیں کہ اسے رخصت کردیں ۔ ٹرنچ صاحب کہتے ہیں کہ گویا وہ اپنے تیئں اپنے مالک سے زیادہ نرم دل اور کریم النفس ظاہر کرتے ہیں۔ وہ گویا یہ کہتے ہیں کہ اس کی منت کو سنئیے اوراسے جانے دیجئے مگراس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ درحقیقت ان کی یہ درخواست خود غرضی پرمبنی تھی وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کے چلانے سے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوکران کو تکلیف دیں۔ یا وہ کسی طرح معرض خطر میں گرفتارہوجائیں۔ کیاہم اس سے یہ نہیں سیکھتے کہ ایک قسم کی وہ مدد یا خیرات بھی ہے جس میں دلی محبت شامل نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی جڑمیں یہ غرض نہاں ہوتی ہے کہ مدد دینے والا اپنا پیچھا چھڑائے ۔ جس طرح بے انصاف قاضی نے بیوہ کا انصاف اس ڈرکے مارے کیا کہ اگروہ باربارآتی رہی تومجھے حیران کردے گی اسی طرح بہت دفعہ غریبوں کی مدد کی جاتی ہے تاکہ ہم خودآرام پائیں۔

ایک شخص نے خوب کہا ہے کہ اگرسچ پوچھا جائے تو شاگردوں کی یہ درخواست بجائے اس کے کہ اس عورت کے حق میں مفید ہو درحقیقت اس کے خلاف تھی کیونکہ وہ اسے رخصت کرنے کو کہتے ہیں۔ دوسرے پرمعنی الفاظ میں یوں کہیں کہ وہ اسے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے روانہ کردے ۔ ہم کئی باتیں اس عورت کے برخلاف پاتے ہیں جو ایمان کو گویا ایک طرح چکنا چورکرنے والی تھیں۔ مسیح کی ظاہری بے توجہی اس کے خلاف تھی۔ شاگردوں کی دعا اس کے بر خلاف تھی اورمسیح کا جواب جو بعدمیں اس کو ملتا ہے وہ بھی سراسر ہمت پست کرنے والا تھا مگرپھربھی یہ عورت بے دل نہیں ہوتی ۔

مسیح کی خاموشی اورعورت کا چلانا غورطلب مقابلہ ہے ۔ اس سے عورت کے ایمان نے ترقی کی ۔ اوروہ مضبوط اورظاہرہوا۔ اب بھی یہی حال ہے۔ اگرہم خداوند کی حکمت اورمحبت پربھروسہ رکھ کر مانگتے جائیں تووہ جوکچھ ہمارے لئے بہتر سمجھے گا ہمیں دے گا ۔ جب وہ جواب دینے میں دیرکرتا ہے تواس وقت بھی اس کو ہماری بہتری مدنظرہوتی ہے ۔ شاگردوں نے مسیح کی ظاہری بے توجہی کی حکمت اورمحبت کو نہ پہچانا۔

آیت نمبر ۲۴۔سیدنا مسیح نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اورکسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔

جناب مسیح کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی درخواست کا ضرورکچھ نہ کچھ یہ مطلب تھا کہ وہ اس کی منت کو سن کراس کا جواب دے ۔ اورما سوائے اس کے کہ ایک اورسبب بر خلاف اس خیال کے کہ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ وہ اس کو جانے کا حکم دے یہ ہے کہ انہوں نے اب تک کبھی اسے کسی کو خالی ہاتھ بھیجتے نہیں دیکھا تھا۔ تاہم کامل محبت ان کے دل میں نہ تھی۔ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا۔ مقابلہ کریں (حضرت متی ۱۰باب ۶آیت کے ساتھ اور یسعیاہ ۵۳باب ۶آیت ،یرمیاہ ۵۰باب ۶آیت ،حزقیل ۳۴باب ۵آیت)میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں۔ ہمارے مالک نے اپنا کلام قریباًبنی اسرائیل یا یہودیوں پر ہی محدود رکھا ۔ اگوآپ نے یہ بھی کہا کہ میری اوربھیڑیں بھی ہیں۔ جواس بھیڑسالہ کی نہیں ہیں (حضرت یوحنا ۱۰باب ۱۶آیت)پس یہ اعزازیہودی قوم کو حاصل ہوا کہ پہلے انجیل کی خوش خبری انہیں سنائی جائے ۔ (حضرت لوقا ۲۴باب ۴۷آیت ،اعماالرسل ۱۳باب ۴۶آیت ،خط اہل ِرومیوں ۱باب ۱۶آیت)پر ہمارے مالک نے باربار اس بات کو ظاہر کیاکہ یہ تخصیص مدت تک نہ رہے گی ۔ (حضرت متی ۸باب ۱۱آیت ،۱۰باب ۱۸آیت ،۲۱باب ۴۳آیت ،۲۲باب ۹آیت ،۲۴باب ۱۴آیت)۔

او رہم جانتے ہیں کہ آپ نے کئی غیر قوم بیماریوں کو شفا بخشی ۔(حضرت متی ۴باب ۲۴آیت ،۱۵باب ۳۰آیت)پریہ سب یہودیوں کی سرزمین میں واقع ہوا۔ مگراب وہ جیسا اوپر بتایا گیا غیرقوموں کی سرزمین میں تھا لہذا وہ عام طورپر اپنا کام شروع نہیں کرسکتے تھے۔ یہودیوں کی سرزمین میں ہی فقط کام کرنے کا یہ مطلب تھا کہ وہ اس قوم کو تیارکریں تاکہ اس کے وسیلے دنیا کی قوموں کو اس کی انجیل کی برکت پہنچائی جائے (خط اہلِ رومیوں ۵باب ۸تا ۱۰آیت)اس کی یہ تجویز تھی کہ جب میرا شخصی کام تمام ہوجائے تب میرے شاگرد یروشلم میں اورتمام یہودیہ اورسامریہ میں اوردنیا کے کناروں تک میرے گواہ ہوں (اعماالرسل ۱باب ۸آیت)اگر جناب مسیح ا س کام کوآپ نے اپنے رسولوں کے لئے رکھ چھوڑا تھا اورجسے وہ اپنے کام کاایک حصہ سمجھتے تھے (حصرت یوحنا ۱۰باب ۱۶آیت)پہلے ہی سے شروع کردیتے تو مسیح کے کام کی خاصیت اورمقصد کے بر خلاف

ہوتا۔ یہودی قوم کی تیاری اس خیال کو قبول کرنے کے لئے غیر قومیں بھی مسیح کی بادشاہت میں حصہ پائیں گی بہت آہستہ آہستہ ہوئی جیسا کہ اعمال کی کتاب سے روشن ہے اگر مسیح اپنا کام یک بارگی غیر قوموں کے درمیان شروع کردیتے تو یہودی بالکل منحرف ہوجاتے۔

لیکن اس عورت کے سچے ایمان اور فروتن اصرار کے سبب آپ نے اس ملک میں بھی معجزہ دکھایا اوراس کی مدد کی ۔ "نہیں بھیجا گیا" جناب مسیح کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا وہ پروردگار کے ماتحت ہیں۔ اوریہ مقام ان مقاموں میں سے ہے جہاں جنابِ مسیح جو الہٰی انسان اوردرمیانی تھے ۔ اپنے عہدے اورکام کے لحاظ سے ایسا کلام استعمال کرتے ہیں پس یہ اس خیال کے برخلاف نہیں ہے کہ وہ پروردگار کے ہمتا (یعنی مثل)بھی تھا (حضرت یوحنا ۲باب ۱آیت ،خط اہل رومیوں ۹باب ۵آیت)۔

آیت نمبر ۲۵۔مگر اس نے آپ کو سجدہ کیا اور کہا ۔ اے مالک میری مدد کریں۔

انہیں سجدہ کیا۔ جھک کراوراگرکرآپ کی تعظیم کی پر اس سے غالباً یہ مطلب نہیں کہ آپ کو خدا سمجھ کر سجدہ کیا۔ فعل سجدہ کیا ماضی استمراری ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو سجدہ کرتی رہی۔ اب جنابِ مسیح اس کو وہی جواب دیتے ہیں اور زیادہ سختی کے ساتھ جوآپ کے شاگردوں کو دیا تھا۔ چنانچہ ۔

آیت نمبر۲۶۔آپ نے جواب میں کہا کہ لڑکوں کی روٹی لے کرکتوروں کو ڈال دینی اچھی نہیں۔

اب ہمارے مالک جیسا ہم نے اوپر کہا اس عورت کو بھی یہ بتاتے ہیں کہ مسیح کی بادشاہت کے فوائد یہودیوں کے ساتھ خاص ہیں۔ البتہ ا سکا مطلب جیسا ہم اوپر بتا آئے ہیں یہ بھی تھا کہ آپ کی شخصی خدمت اسی قوم کے لوگوں کے درمیان محدود تھی۔ زاں بعد آپ کےشاگردوں کے وسیلے مسیحی برکتیں اور قوموں کے پاس پہنچنے کو تھیں۔

آیت نمبر۲۷۔اس نے کہا ہاں مالک کیونکہ کتورے بھی ان ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں جو ان کے مالکوں کی میز سے گرتے ہیں۔

اس عورت کے جواب سے نہ صرف ا س کی فروتنی اورایمان مترشح ہے بلکہ اس کی خدادا دانائی اورہوشیاری بھی ٹپکتی ہے۔ شائد یہ دانائی اورہوشیاری مادرانہ محبت اوردرد سے پیدا ہوئی گی کیونکہ وہ

اس سخت کلام کوجو آپ کی گویا دل شکنی اورمایوسی کے لئے کہا گیا تھا ایک دلیل اپنی بہبودی اوربہتری کے لئے بنالیتی ہے ۔

آیت نمبر ۲۸۔اس پر جنابِ مسیح نے جواب میں اس سے کہا اے عورت تیرا بڑا ہی ایمان ہے جیسا تو چاہتی ہے تیرے لئے ویساہی ہو۔ اوراس کی بیٹی نے اسی گھڑی شفا پائی۔

سیدنا مسیح اس جگہ اس عورت کے ایمان کی تعریف اسی طرح کرتے ہیں کہ جس طرح آپ نے صوبہ دار کے ایمان کی تعریف کی تھی (حضرت متی ۸باب ۱۰آیت)وہ بھی غیرقوم تھا۔ دنیا ہمیشہ جہاں بزرگی اورعظمت دیکھتی ہے تعریف کرتی ہے۔ لوگوں کی تیزی عقل جودت طبع متانت مزاج خوبے علم اورکثرت مال اورشجاعت بے مثال کے لئے تعریف کی جاتی ہے۔ مگرمسیح یہاں اس عظمت کی جو حقیقی عظمت ہے اورایسے لفظوں میں جن سے بڑھ کراوروسیع نہیں ہوسکتے تعریف کرتے ہیں حضرت مرقس میں ہے "اس کلام کے سبب جا ۔ " غالباً یہ لفظ جنابِ مسیح نے اس کے ایمان کی تعریف کرنے کے بعد فرمائے ہوں گے ۔ حضرت متی کہتےہیں کہ "جیسا چاہتی ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو"ٹرنچ صاحب فرماتے ہیں کہ "وہی جس کے سلوک سے پہلے معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس پر ذرا مہربانی نہیں کرے گا۔ اب اپنے فضل کے گنج کے دروازے کھول دیتا ہے اور فرماتاہے کہ جو تجھے چاہئیے لے جا۔کچھ عرصہ کے لئے اس نے اس کو وہ سختی دکھائی جو یوسف نے اپنے بھائیوں کی دکھائی تھی۔ مگروہ یوسف کی طرح اس سختی کو دیر تک کام میں نہ لاسکے۔ یا یوں کہیں کہ جس قدردیر کی ضرورت تھی اسی قدردیر لگائی اوراس سے ایک منٹ زیادہ تاخیرکرنا روانہ رکھا۔ پس اس عورت کے جواب کے بعد جو ایسے ایمان سے دیا گیا جس میں شک نہ تھا تو خیر کرنے کی ضرورت نہ رہی ۔" ہمارا خداوند اس کی فروتنی کی تعریف نہیں کرتا گو وہ بہت بڑی صفت تھی۔ کیونکہ وہ ایمان سے خاکساری پیدا ہوتی ہے ۔ اوردونوں حالتوں میں یہ اولاد اپنی اپنی اصل جڑ کی تقویت کا باعث ہوتی ہے ۔ اس کے ایمان سے وہ اثرپیدا ہوا جو کہ یعقوب کے اصرار کے مطابق تھا۔ وہ بھی اسی ازلی کلمہ سے ایمان کی کشتی لڑا (توریت شریف کتاب پیدائش ۳۲باب ۲۴آیت)اس وقت یہ ازلی مجسم نہ تھا مگراب مجسم تھا۔

اسی گھڑی ۔ (دیکھیں حضرت متی ۸باب ۱۳آیت ۹باب ۱۰آیت)حضرت مرقس یہ بھی بتاتے ہیں کہ "اس نے اپنے گھر میں

جاکر دیکھا کہ لڑکی پلنگ پر پڑی ہے اوربدروح نکل گئی ہے جو آرام اس کو ایک مدت سے نصیب نہیں ہوا تھا اب مل گیا۔

نصیتحیں اورمفید اشارے

۱۔سیدنا مسیح صوراورصیدا جاتے ہیں (۱)ہیرودیس کی دشمنی اور حسد کے سبب سے (۲)اپنے ہم وطنوں کے منصوبوں کے سبب سے مگر جہاں جاتے ہیں وہیں نیک کام کرتے ہیں (حضرت متی ۱۴باب ۱۴آیت ،۱۵باب ۲۸تا ۳۰آیت ،۱۷باب ۱۸آیت)۔

۲۔سورفینکی عورت مسیح پر ایمان لاتی ہے مسیح کے سخت کلام کی برداشت کرتی ہے مسیح کے انکارکو ایک زورآوردلیل میں تبدیل کرتی ہے اپنی مراد پاتی اوراعلیٰ قسم کی تعریف سے خوش وقت ہوتی ہے۔

۳۔جب مسیح کے چہرے پر خاموشی اور سختی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اس وقت بھی محبت اس کے دل میں نہاں ہوتی ہے ۔

۴۔دیکھیں یہ عورت اپنی بیٹی کے دکھ کو کس طرح اپنا بناتی ہے۔ کیا ہم اپنے بچوں کی روحانی بیماریوں کو ایسا محسوس کرتے ہیں کہ گویا ان کا مرض ہمارا مرض ہے۔ یہ سبق ماں باپ کے لئے نہائت ضروری ہے ۔

۵۔مسیح کی دیر ہمیشہ پر مطلب ہوتی ہے ۔ اچھے نتیج پیدا کرتی ہے۔ مریم اورمارتھا چاہتی ہیں کہ وہ جلد آئے اورلعزرکو بیماری سے بچائے پر اگروہ دیر نہ کرتے تو ہم کب ا سکی زبان سے وہ کلمات سنتے جو اس نے لعزر کے مرنے کے بعد آکر بیان فرمائے۔ "قیامت اور زندگی میں ہوں۔"

۶۔اگریہ عورت پہلی دفعہ مانگ کر اپنی مراد پالیتی تو دعا کے اصرارکی خوبی اس پر ظاہر نہ ہوتی ۔لیکن اب اس نے سیکھ لیا کہ اگر ایک دفعہ کے مانگنے سے جنابِ مسیح نہ سنے تو مجھے بہ دل نہ ہونا چاہئیے بلکہ اوربھی سرگرمی سے مانگنا چاہیے ۔

۷۔دیکھوسفارشی دعا کیسا زور رکھتی ہے۔ وہ اپنی بیٹی کے لئے دعامانگتی ہے ۔ اس کی دعا سنی جاتی ہے ۔ پر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر اورہمارے لئے دعا کریں تو ہم اسی پر اکتفا نہ کریں۔ بلکہ خود بھی سرگرمی سے دعا کرنا نہ چھوڑیں۔ اس عورت کے لئے رسولوں نے دعا کی مگر اس نے خود دعا کرنا نہ چھوڑا اورہم دیکھتے ہیں کہ اس دعا نے جو اس نے خود کی بڑا کام کیا ۔

ایک بہرے اور ہکلے کو شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ،باب ۳۱ تا ۳۷ آیت)

حضرت متی عام طورپر ہمیں بتاتے ہیں کہ مسیح جب صوروصیدا کے حدود سے لوٹ آئے تو ایک بڑی بھیڑلنگڑوں اندھوں گونگوں اور بہت سے اوربیماروں کو اپنے ساتھ لے کرآپ کے پاس آئی اورانہیں آپ کے پاؤں میں ڈال دیا (حضرت متی ۱۵باب ۳۰آیت)۔لیکن حضرت مرقس ان میں سے ایک بہرےاورہکلے کو چن لیتے اوراس کا حال بیان کرتے ہیں۔ شائد اس لئے کہ اس شخص کے حالات اور بیماروں کی نسبت کسی قدرزیادہ رقم کرنے کے لائق سمجھتے ہیں ۔

آیت نمبر۳۲۔لوگوں نے ایک بہرے کو جو ہکلا بھی تھا آپ کے پاس لا کرآپ کی منت کی کہ اپنا ہاتھ اس پر رکھیں۔

اس شخص کی قوت سمع جاتی رہی تھی اورزبان میں کچھ ایسا نقص آگیا تھا کہ وہ اپنے خیالات اچھی طرح الفاظ میں ادا نہیں کرسکتا تھا۔ لوگ اسے مسیح کے پاس لا کرآپ کی مند کرتے ہیں کہ "اپنا ہاتھ اس پر رکھ" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ جانتے تھے کہ مسیح کوئی اسباب یا وسائل استعمال نہیں کرتے بلکہ اس کے چھونے میں اس کے مس میں ایسی قدرت ہے کہ بیماراچھا ہوجاتا ہے۔ لیکن ہمارے آقا ومولا سیدنا مسیح وہ طریقہ استعمال نہیں کرتے جو یہ لوگ بتاتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ وہ اس پر اپنا ہاتھ رکھے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرتے ۔

حضرت متی ۹باب ۳۲آیت میں جس گونگے کاذکر ہے وہ اورآدمی تھا۔ اس کی بیماری بدروح کی وجہ سے تھی لیکن اس شخص کی بیماری کی کوئی روحانی وجہ نہیں بتائی جاتی ہے اورنہ ہم کو اختیارہے کہ ہم یہ کہیں کہ یہ شخص بھی کسی بدروح کے سبب بیمارہوا تھا۔

آیت نمبر۳۳۔آپ اس کو بھیڑمیں سے الگ لے گئے۔ اوراپنی انگلیاں اس کے کانوں میں ڈالیں اور تھوک کر اس کی زبان چھوئی۔

اس بات کا ذکر ہم پہلے کرچکے ہیں کہ جنابِ مسیح مریضوں کو شفا دیتے وقت مختلف قسم کے طریقے استعمال کیا کرتے تھے اور کہ ان متفاوت طریقوں میں مسیح کی عجیب حکمت اور گہرے مطالب نہاں ہیں۔ جس طرح وہ انسان کی حالت سے واقف تھا اگر اسی طرح ہم بھی اس کی روحانی حالت اورخاص کیفیتوں سے واقف ہوتے تو ہم بھی جانتے کہ وہ کیوں ایک شخص کو بھیڑ کے درمیان شفا بخشتے

تھے اور دوسرے کو بھیڑ سے دور بلکہ شہر سے باہر لے جاکر شفا بخشتے تھے؟کیوں ایک آدمی فی الفوراورکامل طورپر شفا پا جاتا تھا اور دوسرے شخص کچھ دیر کے بعد شفا پاتے تھے ؟مثلا جیسے وہ اندھا جس کی آنکھیں رفتہ رفتہ روشن ہوئیں۔ جس نے پہلے لوگوں کو درختوں کی طرح چلتے دیکھا ۔ہمیں ان باتوں کو دیکھ کریہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئیے کہ یہ مختلف طریقے ہمارے مولا کی قدرت کا نقص ظاہرکرتے ہیں ۔ بلکہ یہ خیال کرنا چاہئیے کہ ان گونا گوں طریقوں کے استعمال کا باعث شفا پانے والے کی باطنی اور روحانی حالت پر منحصر تھا۔ گوہم اپنی محدود نظر کے سبب یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا حکمت تھی جس کے سبب آپ نے یہ طرح طرح کے طریقے استعمال کئے ۔

اس موقعہ پرآپ اسے جو اچھا ہونے کے لئے آیا تھا بھیڑسے الگ لے گئے۔ حضرت متی ۸باب ۲۳آیت میں آپ ایک اندھے کو شہر سے باہر لے گئے۔ اب سوال برپا ہوتا ہے کہ آپ اسے الگ کیوں لے گئے بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ اس لئے باہر لے گئے کہ وہ اپنی قدرت کی نمائش اوردکھاوے کو پسند نہیں کرتے تھے پر اس کے جواب یہ کہا جاتا ہے کہ تمام معجزات میں صرف دو ایسے ہیں جن میں بیمار کو علیحدہ لے جانے کا ذکر پایا جاتا ہے ۔ ان کے سوائے اورکسی میں اسی قسم کی علیحدگی اختیارنہیں کی گئی۔ پس کیا باقی معجزوں میں آپ کو یہ شوق دامنگیر تھا کہ آپ کی بڑائی ہو۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ اس واسطے علیحدہ لے گئے کہ وہاں جاکرآزادگی سے دعا مانگ سکے ۔ پر اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کئی معجزوں کے موقعہ پر کوئی خفیہ اورخلوتی دعا آپ نے نہیں مانگی ۔اورنہ مانگنے کی ضرورت تھی کیونکہ آپ کا دل ہر دم دعا سے پر تھا۔

ایک یہ خیال ہے کہ آپ اس کو واسطے الگ لے گئے کہ آپ نے دیکھا کہ یہ شخص بھیڑکے شوروغوغا سے علیحدہ ہوکر اس تاثیر کو شافی مطلق سے نکلنے کو تھی قبول کرسکے گا۔ اورجیسا کہ وہ کیا کرتا ہے۔ یعنی جس روح کو شفا دینا چاہتے ہیں اسے اکثر بیماری کے بستر پر علیحدہ لے جاتا ہے یا عزیزوں کی مفارقت کے سبب تنہائی میں پہنچاتا ہے تاکہ دنیا کے شوروغل سے کچھ عرصہ علیحدہ ہوکر اس کی آوازکو صاف صاف طورسنے اوراسکی روح کی تاثیروں کو قبول کرے ۔

ٹرنچ

ایک اورخیال یہ ہے کہ وہ اس وقت دکپلس کے شہروں میں تھا اوروہ پورے پورے طورپر یہودی ملک میں داخل نہ تھے لہذا وہ اپنے تیئں

مشہور نہیں کرنا چاہتا ۔ کیونکہ اگر کرتا تو سب غیر قوم جمع ہو جاتے اوراس بات سے یہودیوں کا حسد اورمخالفت بڑھ جاتی (لینگی تفسیر حضرت مرقس) ہمیں اس سے پہلا خیال بہتر معلوم ہوتا ہے۔

اپنی انگلیاں اس کے کانوں میں ڈالیں اورتھوک کر اس کی زبان چھوئی ۔ ان وسائل کے استعمال سے اس نے اس شخص کے دل میں جو سوائے دیکھنے اورچھونے کے باقی سب حواس کھو بیٹھا تھا یہ امید وارایمان پیدا کیا وہ شفا بخش سکتا ہے ۔ پہلے اس کے کان میں انگلیاں ڈالیں کیونکہ قوت سمع کے کھوئے جانے سے وہ سن نہیں سکتا تھا اور غالباً اسی سبب سے طاقت گویائی میں بھی نقص آگیا تھا لہذا اس نے پہلے اُسکے کان کھولے اوراس کے لئے اپنی انگلیاں اس کے کانوں میں ڈالیں اوریہ فعل اس بات کی علامت تھا کہ وہ تمام رکاوٹیں جو آواز کو اس کے کانوں کے پردے تک پہنچنے نہیں دیتی تھیں دورکردی گئیں ہیں۔ اورپھر اس نے اپنے تھوک سے اس کی زبان کو چھوا اوریہ فعل ظاہر کرتا ہے تھا کہ گفتار کی قوت بھی اس کو دی گئی ہے۔

آیت نمبر ۳۴۔اورآسمان کی طرف نظر کرکے ایک آہ بھری اوراس سے کہا "افتح" یعنی کھل جا۔

یہ حضرت مرقس کا معمول ہے کہ آنخداوند کی چھوٹی چھوٹی باتوں اورحرکتوں کو بڑی خوب صورتی اوررنگینی سے بیان کرتے ہیں۔ اس آیت میں اس کے آہ بھرنے کا ذکر ہے جس کی نسبت بعض کی رائے ہے کہ اس کا آسمان کی طرف نظر کرکے آہ بھرنا اس کے دعا مانگنے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ (۱)آپ اس وقت ایک ایسے ملک میں تھے جو آدھا بت پرست تھا لہذا وہاں بیمار کو شفا بخشنا ہمارے مولا کے لئے گویا ایک خاص قسم کی سخت مخالفت پر غالب آنا تھا۔ (۲)اس لئے دعا کی کہ اس بت پرست ملک میں جادوگری مانی جاتی تھی ۔ اور وہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ میں اپنا کام پروردگار کی مدد سے کرتا ہوں (حضرت متی ۱۴باب ۱۹آیت ،حضرت یوحنا ۱۱باب ۴۱تا۴۲آیت)(۳)کہ خداوند اس بہرے کو اپنے کلام سے کسی طرح موثر نہیں کرسکتا تھا۔ لہذا اس نے آہ کے وسیلے ایسا اشارہ کیا جسے وہ دیکھ سکتا تھا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ جس طرح آپ نے لعزر کے رشتہ داروں کے غم کو دیکھ کر آہ بھری (حضرت یوحنا ۱۱باب ۳۱آیت)کیونکہ آپ نے محسوس کیا کہ جو دکھ اس دنیا میں پایا جاتا ہے وہ گناہ کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح اس شخص کو دیکھ کر ہمدردی کی آہ بھری ۔ افتح ارامی فعل

ہے اورامر واحد حاضر کا صیغہ ۔ یہ لفظ خاص اسی زبان کا لفظ ہے جو ہمارے مالک جناب مسیح بولا کرتے تھے ظاہر کرتا ہے کہ لکھنے والے کو وہ لفظ یاد ہے جومسیح کی زبان مبارک سے نکلے ۔ یا اس نے خود سنا اوریا (جیسا) اس حالت میں اغلب ہے)کسی سننے والے سے سنا۔

۳۵آیت ۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے افتح کہا ۔ اسی وقت وہ رکاوٹیں دورہوگئیں جن کے سبب شنید اورگویائی کے حواس بے کارہوگئے تھے۔

آیت نمبر۳۶۔اورآپ نے انہیں حکم دیاکہ کسی سے نہ کہنا ۔ لیکن جتنا آپ ان کو حکم دیتے رہے اتنا ہی زیادہ وہ چرچا کرتے رہے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب مسیح اس مریض کوبھیڑسے علیحدہ لے گئے اس وقت کئی لوگ آپ کےساتھ گئے جنہوں نے اس ماجرے کو بچشم خود یکھا۔ جنابِ مسیح ان لوگوں کو اوراس شفایافتہ بہرے کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اس کا چرچا نہ کریں۔ ہم اس سے پہلے ان اسباب کا ذکرکرچکے ہیں جن کی وجہ سے وہ خاموشی طلب کیا کرتے تھے اورنیزیہ بھی بتاچکے ہیں کہ اس خصوص میں نافرمانی سے کیا نقصان برآمد ہوئے ۔ لہذا یہاں ان باتوں کو دہرانا ضروری نہیں۔

آیت نمبر۳۷۔اورانہوں نے نہائت ہی حیران ہوکر کہا جو کچھ آپ نے کیا سب اچھا کیا۔ وہ بہروں کو سننے اورگونگوں کو بولنے کی طاقت دیتے ہیں۔

جوکچھ آپ نے کیا سب اچھا کیا۔ یہ الفاظ پیدائش ۱باب ۳۱آیت کے الفاظ یاد دلاتے ہیں ۔ اوران کو یاد کرنا نازیبانہیں کیونکہ مسیح کا کام بھی ایک قسم کی خالقیت کا کام ہے۔

حضرت متی جو اس واقعہ کے متعلق عام طورپر اس بات کاذکرکرتے ہیں کہ لوگ طرح طرح کے بیماروں کو مسیح کے پاس لائے ۔ اپنے بیان کے آخر میں کہتے ہیں کہ انہوں نے "اسرائیل کے خدا کی بڑائی کی" جیسا اوپر بتایا گیا یہ جگہ قریباً بت پرستی کے پنجہ میں گرفتار تھی لہذا یہ تعریف کے کلمات یہ مطلب رکھتے ہیں۔ کہ ان بت پرستوں نے ان معجزات کو دیکھ کر اسرائیل کے خدا کی بڑائی کی یعنی یہ تسلیم کیاکہ اسرائیل کے خدا سے بڑا اورکوئی معبود نہیں۔

نصیتحیں اورمفید اشارے

ہم اس معجزے سے کیا سیکھتے ہیں ۔(۱)کہ اس مریض کے حواس ناقص تھے۔ سننے اور بولنے کی طاقتیں زائل ہوگئی تھیں۔ یہی حال روحانی طور پر انسان کا ہے۔ اس کےدوست اسے مسیح کے پاس لائے ۔ ہم بھی اپنے دوستوں کو اس کے پاس لائیں۔ جس طرح مسیح نے اس کے کانوں کو اپنی انگلیوں سے اور اس کی زبان کو تھوک سے چھوا۔ اسی طرح اب بھی وہ ہم کو اپنے دست قدرت سے چھوتے اوراپنی قدرت سے ہمارے نقصوں کو دورکرتےہیں ۔ ان کا آسمان کی طرف آہ بھرنا آپ کی ہمدردی اور دعا پر دلالت کرتا ہے ۔ او رہم جانتے ہیں کہ وہ ہمدرد سردارکا ہن جو آسمان میں ہماری سفارش کرتے ہیں اب بھی ہمارے ساتھ ہمدردی کرتے اورہمارے لئے دعا مانگتے ہیں۔ آپ کامنع کرنا بھی مطلب رکھتا ہے۔ وہ ہمیں سیکھاتے ہیں کہ ہم اپنی رہائی اور صحت کی خبر غروراور شیخی سے نہ دیں۔ بلکہ ایسی صورت میں کہ خداوند کی مخالفت برپا نہ ہو بلکہ آپ کی انجیل کے لئے راہ تیارکی جائے ۔ لوگ معجزہ دیکھ کر خدا کی تعریف کرتے ہیں یہ بات بھی ہم کو ایک سبق دیتی ہے کہ اوروہ یہ ہے کہ ہم خدا کی برکتیں پاکر اپنے خدا کا جلال ظاہرکریں۔ وہی زبان جو کھولی گئی ہے ایسی تعریف کرے جس سے یہ ظاہر ہو کہ ہمارے مولا کے برابر اورکوئی معبود نہیں ہے ۔

۲۔جب ہم بہروں اورگونگوں کو دیکھیں تو لازم ہے کہ ہم اپنے حواس کے لئے خدا کا شکر بجا لائیں اورپاک پروردگار کے لئے استعمال کریں۔

چارہزارکوآسودہ کرنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۱۵باب ۳۲تا ۳۹آیت ،حضرت مرقس ۸باب ۱تا ۹)

اس معجزے میں اوراس دوسرے معجزے میں جس کا مفصل بیان اوپرہوچکا ہے ایسی مشابہت پائی جاتی ہے کہ اس معجزے پر بہت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں گویا یہ دونوں معجزے جیساہم دکھا چکے ہیں مختلف موقعوں پر دکھائے گئے۔ اورنہ ہمیں اس جگہ اس بات کی ضرورت نظر آتی ہے کہ ہم ان فرقوں کا ذکرکریں جن کے بنا پر یہ دونوں معجزے ایک دوسرے سے مختلف سمجھے گئے ہیں کیونکہ ان باتوں کا بھی مفصل بیان اوپر ہوچکا ہے اورماسوائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند ان دونوں کو خود دو مختلف واقعات بتاتا ہے۔ دیکھوحضرت مرقس ۸باب ۱۹تا ۲۰آیت ،ایک بات کا ذکرکرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اوروہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسی قسم کا ایک معجزہ تھوڑا عرصہ ہوا شاگرد دیکھ چکے ہیں مگرپھربھی اس موقعہ وہ وہی حجت کرتے ہیں جو انہوں نے پہلی مرتبہ کی تھی چنانچہ وہ کہتے ہیں "بیابان میں ہم اتنی روٹیاں کہاں سے لائیں کہ ایسی بڑی بھیڑکو سیرکریں۔ "(حضرت متی ۱۵باب ۳۳آیت مقابلہ کریں حضرت مرقس ۸باب ۴آیت کے ساتھ)ان کی اس بے اعتقادی کو دیکھ کرتعجب آتا ہے لیکن واضح ہو کہ ہماری حیرت اس سبب سے ہے کہ ہم انسان کے دل کا حال بلکہ اپنے ہی دل کا حال اورنیزاس بے ایمانی کو جو انسان کے دل میں جڑپکڑے ہے نہیں جانتے او ریہ بے ایمانی مشکلات اورتکلیفات اورگھبراہٹوں کے وقت اوربھی بڑھ جاتی ہے۔ خدا کی قدرت کے پہلے نظارے غائب ہوجاتے ہیں ۔ وہ رہائیاں جو گذشتہ زمانوں میں ہم کو حاصل ہوئیں تھیں بھول جاتی ہیں اورہم خیال کرتے ہیں کہ یہ موجودہ مشکل کسی طرح حل نہیں ہوسکے گی۔ خدا کی قدرت خرچ ہوچکی ہے اوراب ا س میں سے کچھ نہیں بچا۔ کیا یہی ہمارا تجربہ نہیں ؟خدا نے بنی اسرائیل کو بحرہ قلزم میں سے صاف نکال دیا۔ پر وہ عبورکرکے اس جلوہ کو بھول گئے اور شکائت کرنے لگ گئے کہ ہم پیا سے مرجائیں گے ۔ (توریت شریف کتاب خروج ۱۷باب ۱تا ۷آیت)خدا ساری زمین کو بیڑوں سے بھر دیتا ہے (خروج ۱۶باب ۱۳آیت)پر باوجود اس کے حضرت موسیٰ تک یہ مانتے کہ خدا کی ساری جماعت کے لئے گوشت نہیں مہیا کرسکتا (گنتی ۱۱باب ۲۱تا ۲۲آیت)پس صرف وہی شخص جو کہ پختہ ایمان سے بھرپور ہوتا ہے اورشاگردوں کی ابھی یہ حالت نہ

تھی)وہی گذشتہ سے استقبال کے لئے دلیلیں اخذ کرتا ہے ۔ یعنی خدا کی گذشتہ مہربانیوں اورقدرت اورمحبت کے اظہاروں سے بھروسہ کے ساتھ اپنی آئندہ زندگی کے لئے استدلال کرتا ہے (مقابلہ کریں بائبل مقدس ۱سموئیل ۱۷باب ۳۴تا ۳۷آیت ،۲تواریخ ۱۶باب ۷تا ۸آیت)۔

نصیحتوں اورمفید اشاروں کے لئے پانچ ہزارکوآسودہ کرنے کا معجزہ دیکھیں۔

بیت صیدا میں ایک اندھے کو شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت مرقس ۸باب ۲۲تا ۲۶آیت)

اس معجزے میں بھی کوئی ایسی نئی بات نہیں جو تشریح طلب ہو۔ کیونکہ جوکچھ ایک بہرے اورہکلے کے بیان میں تحریر ہوچکا ہے اس کے مطالعہ سے یہ معجزہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے ۔ اسی معجزے کے ضمن میں اسکی طرف اشارہ ہوچکا ہے اوربتادیاگیا ہے کہ کیوں جنابِ مسیح بعض بعض بیماروں کو علیحدہ لے جایا کرتے تھے۔ تاہم دوایک باتیں اس معجزے کے ساتھ خاص ہیں۔ ان کا بیان اورشرح اس جگہ کی جائے گی۔

جنابِ مسیح اس اندھے کو علیحدہ گاؤں سے باہر لے گئے اوروہاں اس کی آنکھ پر تھوک کراپنے ہاتھ اس پر رکھے اوراس سےپوچھا کیا توکچھ دیکھتا ہے۔ (دیکھوآیت ۲۳)وہ جواب دیتا ہے ۔

آیت نمبر۲۵،۲۴۔میں آدمیوں کو دیکھتا ہوں کیونکہ وہ مجھے چلتے ہوئے ایسے دکھائی دیتےہیں جیسے درخت پھر اس نے دوبارہ اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھے اوراس نے غور سے نظر کی اوراچھا ہوگیا اوردورکی ساری چیزیں صاف دیکھنے لگا ؟

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص یک بارگی اچھا نہیں ہوا بلکہ رفتہ رفتہ اس کی آنکھیں روشن ہوئیں۔ اوراس کا سبب بتانے میں بعض نے یہ رائے دی ہے کہ اس شخص میں کافی ایمان نہ تھا اوراس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ شخص مدد کے لئے خود نہیں چلایا۔ بلکہ دوسرے لوگ اسے مسیح کے پاس لائے اوران کے لانے پربھی اس کے دل میں یہ تعین نہیں تھا کہ سیدنامسیح اس کو شفا بخش دیں گے۔ مگر وہ جو کسی کو خالی ہاتھ نہیں پھیرتے پہلے اس کو ذراسی روشنی عطا کرکے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھاتے ہیں اوریوں اس کے دل میں ایمان پیدا کرتے ہیں اورپھر اس کو کامل صحت عطا کرتے ہیں۔

مگر بعض لوگ اس میں بھی خدا کے فضل کے کاموں کی آزادگی کا اشارہ پاتے ہیں۔

پہلی مرتبہ اس کو آدمی درختوں کی طرح چلتے ہوئے نظر آئے۔ یعنی اس کی بصارت ابھی صاف نہیں ہوئی تھی۔ ابھی دھندلا پن باقی تھا۔ آدمیوں کی لمبائی درختوں کی مانند معلوم ہوئی مگران کی حرکت سے پہچانا کہ درخت نہیں بلکہ آدمی ہیں۔

اس میں یہ مطلب نہاں ہے کہ انسان کی روح کس طرح حقیقی بینائی پاتی ہے۔ وہ لوگ جو دنیا کے نوراورآفتاب صداقت کے پاس آتے عموماً رفتہ رفتہ اس کے فضل کے نور سے بہرور ہوتے ہیں۔ پرانی غلطیاں پرانے اعتقاد یک بارگی دورنہیں ہوتے بلکہ رفتہ رفتہ دفع ہوتے ہیں۔ وہ ایک دم صاف صاد دیکھنے نہیں لگ جاتے ۔ بلکہ روحانی بینائی کی صفائی بتدریج وقوع میں آتی ہے ۔ ٹرنچ

نصیتحیں اورمفید اشارے

۱۔مسیح اس وقت بھی جب کہ اپنی صلیب اورموت کی نسبت سوچ رہے تھے ۔ مصیبت زدوں کی آوازکو سن کر روگردانی نہیں کرتے ۔

۲۔یہ معجزہ مسیح کی الہٰی حکمت ظاہر کرتا ہے۔ خود اسی کے متعلق کہ وہ کس طرح سارے کام حکمت اورہوشیاری سے کرتے ہیں جہاں بیمارکو گاؤں سے باہر لے جانا مناسب سمجھتے ہیں باہر لے جاتے ہیں۔ اس مریض کے متعلق اس کو ایسی جگہ لے جاتے ہیں جہاں وہ پہلے اس کودیکھیں اوراس کا ایمان بڑھے۔

۳۔خدا ہماری مصیبتوں کودورکرتا ہے اورکچھ عرصہ کے بعد کامل خوشی عطا فرماتے ہیں۔ چاہئیے کہ ہم صبروبرداشت کریں۔

۴۔جناب ِمسیح نے اسے گاؤں میں جانے سے روکا ۔ مسیح کو قبول کرنے کے بعد تنہائی اختیارکرنا اوردعا میں لگے رہنا اس سے بہتر ہے کہ ہم اپنا وقت ژادہ گوئی میں صرف کریں دیکھو مسیح نے اسے گاؤں جانے سے روکا۔

ایک لڑکے کو جسے مرگی کی بیماری تھی شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۱۷باب ۱۴تا ۲۱آیت ،حضرت مرقس ۹باب ۱۴تا ۲۹آیت ،حضرت لوقا ۹باب ۳۷تا ۴۲آیت)

اس معجزے کا بیان حضرت مرقس کی انجیل میں زیادہ مفصل طور پر پایا جاتا ہے ۔ حضرت متی اورحضرت لوقا میں کسی قدراختصار کے ساتھ مندرج ہے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ جہاں یہ معجزہ واقع ہوا اس پہاڑکے دامن سے لگی ہوئی تھی جہاں ہمارے مولا کی صورت تبدیل ہوئی (حضرت لوقا ۹باب ۳۷آیت)۔

گمان کیا جاتا ہے کہ جس وقت ہمارے مولا حضرت پطرس اور حضرت یعقوب اوریوحنا کے ساتھ پہاڑپر تھے اس وقت آپ کی اور تینوں شاگردوں کی عدم موجودگی میں باقی نو شاگردوں کے پاس اس لڑکے کو اس کا باپ لا یا مگر وہ ان وجوہات کے باعث جن کاذکرآگے کا جائے گا شفا نہ دے سکے اس لئے ان کے درمیان اورفریسیوں کے درمیان جو ہرقسم کی باتو سے جھگڑے کے موقعے ڈھونڈتے رہتے تھے بحث ہونی لگی ۔ اب یہ بحث ہورہی تھی کہ جناب ِمسیح اپنے تینوں شاگردوں کے ساتھ آپہنچنے ۔ اورفوراً ساری بھیڑآپ کو دیکھ کرنہائت

حیران ہوئی اورآپ کی طرف دوڑکرآپ کو سلام کرنے لگی (حضرت مرقس ۹باب ۱۵آیت)اس حیرت کا سبب بعض لوگوں کی رائے میں یہ تھا کہ آپ وہ جلال جس سے آپ کا چہرہ پہاڑپر نورانی ہوا اب تک کسی قدرآپ کے چہرے پر چمک رہا تھا ۔ جس طرح حضرت موسیٰ کا چہرہ جس وقت وہ پہاڑ پر سے اترا (توریت شریف کتاب خروج ۳۴باب ۳۰آیت)تاباں تھا اسی طرح جنابِ مسیح کا چہرہ درخشاں تھا گو اتنا فرق تھا کہ حضرت موسیٰ کے چہرہ کی روشنی میں کچھ ایسی دہشت کی آمیزش تھی کہ دیکھنے والا تاب نہیں لا سکتا تھا مگر جنابِ مسیح کے چہرے میں ایسی دل کشی پائی جاتی تھی کہ دیکھنے والا ہول نہیں کھاتا تھا بلکہ اسے دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ اس موقعہ پر لوگ آپ کو دیکھ کرحیران ہوئے پرتاہم آپ کی طرف کھینچ چلے آئے ۔

لیکن فرق ثانی اس رائے کے برخلاف تھی (حضرت متی ۱۷باب ۹آیت)پیش کرتے ہیں وہاں لکھا ہے "اورپہاڑسے اترتے میں جنابِ مسیح نے انہیں یہ حکم دیا کہ جب تک بنی آدم مردوں میں سے نہ جی اٹھے جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کاذکرکسی نہ کرنا " اس سے وہ یہ دلیل نکالتے ہیں کہ اگر مسیح کا چہرہ اس وقت تاباں ہوتا تو لوگ اس غیر معمولی اظہار کو دیکھ کر اس کی وجہ اس کے شاگردوں سے دریافت کرتے پس وہ جن کو اس راز کے فاش کرنے کی ممانعت کی گئی تھی ان کو کونسا تسلی بخش جواب دیتے ؟ پس اگر مسیح کے چہرے کے غیر معمولی طورپر مدت تک نورانی رہنا تھا تو وہ اپنے شاگردوں کو اسی ممانعت نہ کرتے ۔ لہذا ان کے رائے میں یہ لوگ مسیح کو دیکھ کر اس لئے متعجب نہیں ہوئے کہ آپ کے چہرے پر کوئی غیرمعمولی نورچمک رہا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ وہ یکایک ان کے درمیان نمودارہوا اوراب وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آیا وہ اسے شفا بخش سکتے ہیں یا نہیں۔حضرت مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کی گرم بازاری کو دیکھ کرمسیح ان لوگوں سے جو شاگردوں سے تکرارکررہے تھے پوچھا " تم ان سے کیا بحث کرتے ہو؟" ہمارے مولا اپنے شاگردوں کی مشکل کو دیکھ کر ان کی مدد کے لئے آگے بڑھتے اورجو بات وہ نہیں کرسکتے اس کے پورا کرنے کے لئے خودآگے آتے ہیں۔ گویا وہ یہ کہتے ہیں کہ اب میں آگیا ہوں سو جو کچھ تمہیں پوچھنا منظور ہے مجھ سے پوچھو۔ میرے ساتھ گفتگو کرواورمیں تمہیں تمہاری باتوں کا جواب دوں گا۔ ٹرنچ صاحب کہتے ہیں کہ جس طرح کوئی لائق کپتان جس کی غیر حاضری میں اس کے ماتحت لفٹینٹ قریباً پشت دکھانے پر

آجاتے ہیں میدان جنگ میں نمودار ہوکر وقت کی تمام ضرورتوں کا موزانہ کرتے اوراپنی حضوری کے زور سے بگڑی ہوئی بات کو پھر بناتا ہے اورفتح کے آثار پیدا کرتا ہے اسی طرح اب ہوا" اس موقعہ پر حضرت مرقس کی تازہ بیانی کی نسبت جوکچھ ٹرنچ صاحب نے کہا ہے وہ غورکے لائق ہے ۔ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت مرقس کبھی حضرت متی سے اورکبھی حضرت لوقا سے مختصر طور پر واقعات کونقل کرتے ہیں۔ مگر خود کچھ نہیں لکھتے ۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے اس واقع کی تصویر کھینچ دی ہے حضرت متی اور حضرت لوقا ایسا مفصل بیان تحریر نہیں کرتے ۔ کو ن اس جگہ اور کئی اورمقامات کو جو تفصیل اورتازگی سے پر ہیں دیکھ کر ان پر یہ الزام لگاسکتے ہیں کہ فقط اوروں سے نقل کرتے ہیں اور خود ایک علیحدہ انجیل کا مصنف نہیں ہے ؟

مسیح کا سوال سن کرسب خاموش ہوگئے اوران میں سے صرف ایک شخص بولنے لگا اوروہ اس لڑکے کا باپ تھا۔ حضرت متی بتاتے ہیں کہ " وہ آپ کے آگے گھٹنے ٹیک کر کہنے لگا " (حضرت متی ۱۷باب ۱۴آیت)مراد یہ ہے کہ بڑی عاجزی اورانکساری کے ساتھ اس کو سجدہ کرکے بولا " اے مالک میرے بیٹے پر رحم کریں کیونکہ اس کو مرگی آتی ہے اوروہ دکھ اٹھاتا ہے اس لئے اکثر آگ میں گرپڑتا ہے اور اکثر پانی میں بھی " (حضرت متی ۱۷باب ۱۵آیت)۔

حضرت لوقا بتاتے ہیں کہ یہ لڑکا اس کا اکلوتا بیٹا تھا (حضرت لوقا ۹باب ۱۸آیت) پر وہ چھوٹی عمر کا لڑکا تھا (حضرت متی ۱۷باب ۱۸آیت ،حضرت متی ۹باب ۲۴آیت ،حضرت لوقا ۹باب ۴۲آیت)بیماری کی علامتیں جو انجیل شریف میں بتائی گئی ہیں اور خصوصاً جو حضرت مرقس ۹باب ۱۸آیت میں مفصل بیان کی گئی ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیماری مرگی کی تھی۔ لیکن اس کی تکلیف کا اصل سبب بدروح تھی جو اس کے اندرگھسی ہوئی تھی۔ یا تو اس بیماری کے سبب اس لڑکے میں گھسنے کا موقع ملا یا یہ بیماری اس کے آنے سے پیدا ہوئی ہوگی۔ بہرکیف اس وقت یہ لڑکا اس کے ہاتھوں سے سخت تکلیف میں تھا۔ حضرت مرقس ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ "گونگی روح تھی " (حضرت مرقس ۹باب ۱۷آیت)جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لڑکا اس روح کے آنے سے گونگا ہوگیا تھا۔ پر حضرت لوقا کہتے ہیں کہ وہ " چیخ اٹھتا ہے " (حضرت لوقا ۹باب ۳۹آیت)واضح ہو کہ ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ کیونکہ لڑکا چیخ اٹھتا تھا پر باتیں نہیں کرسکتا تھا۔ حضرت مرقس کے

الفاظ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ لڑکا کیسی تکلیف میں تھا۔ اسکا باپ سیدنا مسیح سے کہتا ہے کہ میں اپنے بیٹے کو جس میں گونگی روح ہے آپ کے پاس لایا تھا۔ وہ جہاں اسے پکڑتی ہے پٹک دیتی ہے اوروہ کف لاتا اوردانت پیستا ہے اورسوکھتا جاتا ہے۔" اورچونکہ یہ تکالیف اس پر ہر وقت اورہر موقعہ پر آسکتی تھی لہذا وہ طرح طرح کے حوادث میں گرفتار ہوچکا تھا اورآئندہ ان میں گرفتار ہونے کے خطرے میں تھا مثلاً اس بدروح نے "اکثر اسے آگ میں اوراکثر پانی میں ڈالا تھا تاکہ اسے ہلاک کرے" حضرت مرقس کے اس بیان سے صاف ظاہر یہ سب باتیں بدروح کے سبب وارد ہوتی تھیں کیونکہ وہ انہیں اسی سے منسوب کرتے ہیں۔ جب اس لڑکے کے باپ نے سیدنا مسیح سے کہا کہ " میں اسے آپ کے شاگردوں کے پاس لایا تھا مگر وہ اسے اچھا نہ کرسکے (حضرت متی ۱۷باب ۱۶آیت)تو جنابِ مسیح نے اس کے جواب میں فرمایا" اے بے اعتقاداورکج روقوم میں کب تک تمہارے ساتھ رہوں گا ؟ کب تک تمہاری برداشت کروں گا ؟ اسے یہاں میرے پاس لے آؤ۔"

مسیح کے اس جواب کے متعلق مفسروں میں اختلاف ہے ۔ بعضوں کی رائے یہ ہے کہ یہ الفاظ شاگردوں پر عائد ہوتے ہیں۔ گویا مسیح اپنے دل میں رنجیدہ ہوکر شاگردوں کو کہتے ہیں کہ میں تھوڑے عرصہ کے لئے تم سے جدا ہوا تھا مگر اسی قلیل سے عرصہ میں تاریکی کی قدرتوں کا مقابلہ کرنے والی طاقت تم سے جاتی رہی اورجب میں تم سے ہمیشہ کے لئے جسمانی طورپر جدا ہوجاؤں گا توپھر تم کیا کرو گے ؟ اوروہ کہتے ہیں کہ حضرت متی ۱۷باب ۲۰آیت میں تشریح کی تائید کرتی ہے ۔"

لیکن دوسرا فریق یہ بتاتا ہے کہ مسیح اس وقت ان لوگوں کی طرف مخاطب ہیں جو وہاں کھڑے تھے اورواقعی لفظ قوم یا پشت سے مراد یہی لوگ ہوسکتے ہیں وہ گویا اس وقت تمام یہودی قوم کی کجروی کا نمونہ تھے۔ اورلڑکے کا باپ بھی اس توبیخ میں شامل تھا۔

ہمیں یہ خیال بہتر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سخت کلام گوبالتخصیص شاگردوں کی طرف مخاطب ہوکر نہیں کہا گیا تھا مگر وہ بھی اپنی کم اعتقادی کے سبب اس ملامت میں داخل تھے۔ کیونکہ وہ بھی اپنے ایمان کی کمی کے سبب گویا اسی ناقص جگہ کھڑے تھے جہاں ان کی قوم کے لوگ کھڑے تھے۔ آپ کے شاگردوں نے ابھی پچھلی سردیوں یا بہار کے موسم میں (حضرت متی ۱۰باب ۱تا ۸آیت) بدروح کو نکالا

تھا۔ اور اب بھی نکالتے اگر ان کے ایمان میں ضعف نہ آیا ہوتا (حضرت متی ۱۷باب ۲۰آیت)۔

اے بے اعتقاد اورکج رو قوم ۔یہ الفاظ توریت شریف کتاب استشنا ۳۲باب ۵و۲۰آیت) کو یا د دلا تے ہیں اوران کا مقابلہ (انجیل شریف خطِ اہل فلپیوں ۲باب ۱۵آیت) سے کرنا چاہئیے واضح ہو کہ اس قوم کے درمیان جو بے اعتقادی پائی گئی تھی وہ گواہی اورشہادت کی کمی کے سبب سے نہ تھی کیونکہ گواہی بہتات سے موجود تھی بے اعتقادی کا سبب ان کی کج روی تھی جس کے سبب سے انہوں نے گواہی کو ردکیا۔یونانی میں جو لفظ کج روی کے لئے آیا ہے اس کے معنی "مڑا ہوا "بالکل "جھکا ہوا "یا بالکل" ٹیڑھا" مراد ہے ۔

میں کب تک تمہارے ساتھ رہوں گا ۔ ٹرنچ صاحب کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے یہ نہیں سمجھنا چاہئیے کہ گویا وہ ایسے شخص کے الفاظ ہیں جو خاکی جامہ اتارنا چاہتا ہے۔ بلکہ انہیں ایک ایسے استاد کے الفاظ سمجھنا چاہئیے جو اپنے شاگردوں کی سستی اورکند ذہنی سے رنجیدہ ہورہا ہے ۔

اسے یہاں میرے پاس لاؤ۔ جوکام شاگردوں سے نہ ہوسکا اسے وہ اب خود کرتے ہیں۔ جیحازی کا عصا جس مردہ کو زندہ نہ کرسکا اسے الیشع نے زندہ کیا۔ اسی طرح ہمارا مولا اس بیمارکوآپ تندرست کرتا ہے۔

مسیح نے اسے جھڑکا اوربدروح اس سے نکل گئی اوروہ لڑکا اسی گھڑی اچھا ہوگیا۔ (حضرت متی ۱۷باب ۱۸آیت)اس جگہ یاد رکھنا چاہئیے کہ جب یہ لڑکا پہلی مرتبہ مسیح کے پاس لایا گیا تو فی الفورروح نے اسے مروڑا اوروہ زمین پرگرا اورکف بھرلا کر لوٹنے لگا" شیطان یا اس کی بدروح میں چھوٹے چھوٹے لڑکوں میں ہوں یا بڑے بڑے آدمیوں میں ہوں جب مسیح کی بادشاہت کے نزدیک آتی ہیں گو گھبرا اٹھتی ہیں اورجتنا نقصان کرسکتی ہیں کرتی ہیں۔ حضرت مرقس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر اس لڑکے کے باپ اور مسیح کے درمیان گفتگو ہوئی۔ اورکیوں ؟ اس لئے کہ لڑکے کے ساتھ تو اس حالت میں گفتگو ہونہیں سکتی تھی مگر اسلئے اس میں ایمان پیدا کیا جائے۔ مسیح اس کے سر پرست کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں بدیں خیال کہ وہ ایمان لائے اوراس کا بیٹا شفا یاب ہوجائے ۔ چنانچہ وہ اس پوچھتے ہیں" یہ اس کو کتنی مدت سے ہوا ۔" باپ جواب دیتا ہے "بچپن سے اوراس نے اکثر اسے آگ میں اور پانی میں ڈالا تاکہ اسے ہلاک کرے اگرآپ کچھ کرسکتے ہیں تو ہم پر رحم کریں۔ اس آدمی میں

یہ خوبی تھی کہ اس نے بھی سورفینکی عورت کی طرح اپنے بیٹے کی زندگی اوراپنی زندگی میں کسی طرح کا فرق نہ رکھا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ " ہم پر رحم کریں" جس طرح اس عورت نے کہا تھا مجھ پر رحم کریں حالانکہ یہ منت اس کی بیٹی کے لئے تھی ۔ (حضرت متی ۱۵باب ۲۲آیت) مگر اس بات میں ایک بڑی کمی بھی تھی اور وہ یہ کہ وہ صاف ایمان کے ساتھ نہیں آیا تھا اس کے دل میں"اگر" نے روک ڈال رکھی تھی اوراسی سے اس کے لڑکے کی شفایابی نا ممکن ہوگئی تھی مگر مسیح کا کلام اس سد رہ کو دورکرتا ہے چنانچہ مسح نے اس فرمایا" اگر توکرسکتا ہے ۔" جو اعتقاد رکھتا ہے اس کے لئے سب کچھ ہوسکتا ہے۔ " (حضرت مرقس ۹باب ۲۳آیت)۔

اگر توکرسکتا ہے ۔گویا مسیح یہ کہتے ہیں کہ تومجھے یہ کہتا ہے کہ اگر توکرسکتا ہے توکر حالانکہ بات سری تیرے اوپر منحصر ہے ۔ اس بدروح میں کوئی ایسی بڑی طاقت نہیں کہ میں اس کو نکال نہ سکوں۔ روک تیرے اندرموجود ہے جب تک ایمان نہ لائے کہ میں تیرے بیٹے کو شفا دے سکتا ہوں تب تک یہ کام نہیں ہوسکتا ۔ میں کرنے کو تیارہوں اورکرنے پر قادرہوں بشرطیکہ تو ایمان لائے ۔ پھر اس نے فرمایا" جو اعتقاد رکھتا ہے اس کے لئے سب کچھ ہوسکتا ہے ۔ مسیح کے یہ الفاظ ایمان پیدا کرنے کے واسطے کہے گئے تھے اورانہوں نے اس میں ایمان پیدا کیا۔ چنانچہ وہ مسیح کا یہ کلام سن کر چونک اٹھا اور کہنے لگا ۔ میں اعتقاد رکھتا ہوں تو میری اعتقادی کا علاج کر " (حضرت مرقس ۹باب ۲۴آیت) "میری بے اعتقادی کا علاج کر" جب اس میں ذرا سا ایمان پیداہوگیا۔ تب اس نے بے اعتقادی کی برائی اور گہرائی کو دیکھا او رکہنے لگا کہ اے مالک میں نے اب بے اعتقادی کی خرابی کو دیکھ لیا ہے تو اس کا علاج کر۔ ہاں جب خدا کے فضل کا جلال جلوہ گرہوتا ہے تب ہی انسان اپنی کمیوں کو دیکھتا ہے اوراپنے گناہوں سے واقف ہوتا اورخصوصاً اپنے ایمان کے نقصوں کو جان جاتا اوران کا علاج طلب کرتا ہے۔

اب جب کہ سب رکاوٹیں دورہوگئیں تب جیسا حضرت متی کہتے ہیں مسیح نے اسے جھڑکا اوربدروح اس سے نکل گئی ۔" لیکن یہاں پر بھی ہمیں پھر حضرت مرقس کی طرف لوٹنا پڑتا ہے کیونکہ وہ ہم کو بتاتا ہے کہ مسیح نے کس طرح اس بدروح کو جھڑک کر نکالا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ " اس نے ناپاک روح کو جھڑک کر اس سے کہا " اے گونگی بہری روح میں تجھے حکم کرتاہوں کہ اس میں سے نکل آ اوراس میں پھر کبھی داخل نہ ہو "(حضرت مرقس ۹باب ۲۵آیت)"میں تجھے

حکم کرتا ہوں "گویا اس سے کہتا ہے کہ اب جو شخص تجھ سے ہم کلام ہورہا ہے وہ نور کا شہزادہ ہے اور وہ تجھے حکم کرتا ہے کہ اس میں سے نکل جا۔ اس وقت وہ کم اعتقاد شاگرد تجھ کو نہیں نکال رہے جن کی بات تو نے نہ مانی اب وہ حکم دے رہا ہے جس کے حکم کے برخلاف تو کچھ نہیں کرسکتی ۔ اورپھر نہ صرف یہی حکم دیا جاتا ہے ا س میں سے نکل جائے بلکہ یہ بھی کہ پھر کبھی اس میں داخل نہ ہو۔ ممکن تھا کہ وہ بدروح اس میں دیر تک رہنے کے سبب سے اس پر پھر قابو پانا چاہتی (حضرت متی ۱۲باب ۴۵آیت)مگر مسیح اسے حکم دیتا ہے کہ وہ اس میں پھر کبھی داخل نہ ہو۔ حضرت مرقس بتاتے ہیں کہ وہ بدروح "چلا کر اور اسے بہت مروڑکر نکل آئی اور وہ مردہ سا ہوگیا ایسا کہ اکثروں نے کہا کہ وہ مرگیا "(حضرت مرقس ۹باب ۲۶آیت)یہ آخری صدمہ ایسا شدید تھا کہ اسے غش آگیا اور وہ ایسا ہوگیا جیسے مردہ ۔ مگر مسیح نے اس کا ہاتھ پکڑکر اسے اٹھایا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا "(حضرت مرقس ۹باب ۲۷آیت)اس مس میں زندگی تھی اور وہ زندگی اس شکستہ جان اورکمزورلڑکے میں پیدا ہوئی۔

"اس وقت شاگردوں نے مسیح کے پاس الگ آکر کہا کہ ہم اس کو کیوں نہ نکال سکے " اس نے ان سے کہا کہ اپنے ایمان کی کمی کے سبب کیونکہ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑسے کہہ سکوگے کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا اور وہ چلا جائے گا اورکوئی بات تمہارے لئے نا ممکن نہ ہوگی " (حضرت متی ۱۷باب ۱۹تا ۲۰آیت) جب مسیح اس بیمار لڑکے کو اچھا کرچکے تو آپ کے شاگردوں نے اس سے تنہائی میں سوال کیا کہ ہم کیوں اس بدروح کو نکال نہ سکے۔ کیونکہ جب ہم نے اس بدروح کو نکالنے کی حامی بھری تو ہم نے اپنے اس اختیار سے جو تونے خود ہم کو دیا ہے تجاوز نہیں کیا۔ (حضرت متی ۱۰باب ۸آیت)اور نہ ہم ہمیشہ ناکام ہی ہوتے رہے ہیں۔ بلکہ آگے ہم برابر بدروحوں کونکالتے رہے ۔ اب اس کو کیوں نہیں نکال سکے؟اس کا کیا سبب ہے ؟ مسیح ا س سوال کا جواب دیتے ہیں۔ "اپنے ایمان کی کمی کے سبب " اورحضرت مرقس اس کے ساتھ یہ بھی بتاتے ہیں کہ مسیح ان کو نہ صرف ان کی ناکامی سے آگاہ کرتے ہیں بلکہ ان کو یہ بھی بتاتے ہیں کہ کس طرح ایسے بڑے معجزے میں آگے کامیاب ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "یہ قسم دعا کے سوا کسی اورطرح نہیں نکل سکتی "کئی نسخوں میں دعا کے ساتھ روزہ کا بھی ذکر ہے ۔مسیح پہلے ایمان ان کے ایمان کی کمی کو ان پر ظاہر فرماتا ہے گویا ان کو یہ بتاتا ہے کہ ایسے

بڑے معجزے کے دکھانے کے لئے جیسی حالت ایمان کی رو سے دل اوردماغ کی ہونی چاہیے تھی وہ تم میں موجود نہ تھی۔ ایسے معجزے کے لئے بہت سی دعا اور دنیاوی وسوسوں سے پورے طور پر آزاد ہونے کی ضرورت ہے حضرت مرقس کہتےہیں کہ " یہ قسم " مفسروں نے اس سے یہ استد لال کیا ہے کہ بدرحوں کے بھی درجہ ہیں اوروہ اس کے ثبوت میں یہ مقام اوروہ مقام پیش کرتے ہیں جو (حضرت متی ۱۲باب ۴۵آیت) میں پایا جاتا ہے جہاں ایک ناپاک روح سات اورروحوں کو لے کرآتی ہے جو اس سے بھی زیادہ شریر تھیں اورنیز خط افسیوں ۶باب ۱۲آیت کو پیش کرتے ہیں جہاں حضرت پولوس گویا بدروحوں کے ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک چڑھتا جاتا ہے پر جس طرح کم اعتقادی کمزوری کا منبع ہے اسی طرح ایمان حقیقی طاقت کا سرچشمہ ہے۔ چنانچہ مسیح فرماتے ہیں کہ " اگرتم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑسے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا اور وہ چلا جائے گا اور کوئی بات تمہارے لئے نا ممکن ہوگی " غالباً مراد معجزہ دکھانے والے ایمان سے ہے ۔ تاہم وہ جو ایمان رکھتے ہیں وہ مسیح کی قدرت سے بڑی بڑی مشکلات کے پہاڑوں کو ہلادیتے ہیں ۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔باپ کا عجیب تجربہ (۱)جگر خراش اورسینہ فگاردکھ کے متعلق (۲)دل شکن ناکامی کے متعلق (۳)ایمان کی لڑائی کے متعلق (۴)بڑی برکت کے متعلق ۔

۲۔ماں باپ کو اپنے بچوں کے لئے دعا کرنی چاہئیے۔ نہ صرف ایسے بچوں کے لئے جو خود دعا نہیں کرسکتے بلکہ ا ن کے لئے بھی جو کرنا نہیں چاہتے۔

۳۔مسیح کم اعتقادی سے رنجیدہ ہوتا ہے۔ (۱)اس لئے کہ یہ صفت ا س کی طبعیت کے موافق نہیں۔ (۲)اس لئے کہ بے ایمانی میں گناہ لپٹا ہوا ہوتا ہے (۳)ا س لئے کہ وہ جانتا ہے کہ لوگ اپنی بے ایمانی کے سبب بہت سی برکتیں کھوئے دیتے ہیں (۴)اس لئے کہ کم اعتقادی ان کوششوں کو جو فائدہ پہنچانے کے لئے کی جاتی ہیں بے اثراوربے پھل رکھتی ہے (۵)اس لئے کہ کم اعتقاد ہونا گویا مسیح کے ساتھ سرد مہری سے پیش آنا ہے (۶)اس لئے کہ بے ایمانی پر فتح پانا مشکل کام ہے۔

۴۔خادمان دین کے لئے ضروری امر ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے مالک کی رفاقت میں زندگی بسر کریں اور اپنی ناکامیوں کے اسباب اس سے دریافت کرتے رہیں۔

۵۔ایمان کی کمی (۱)مفید کاموں کو روکتی ہے (۲)روحانی بینائی کے لئے سدراہ ہے (حضرت متی ۱۶باب ۸آیت)(۳)وہ لوگوں کو خطرے کے درمیان بزدل بناتی ہے (حضرت متی ۸باب ۲۶آیت)(۴)وہ انہیں دنیاوی افکار میں مبتلا رکھتی ہے (حضرت متی ۶باب ۳۰آیت)۔

۶۔اس معجزے کی مشکلات (۱)مرض کی خاصیت (۲)شاگردوں کی کوششوں کی ناکامی (۳)فریسیوں کے کینہ ورسوالات (۴)حیران کی بھیڑ کی موجودگی ۔ (۵)باپ کی کم اعتقادی گو بعد میں ا س کا علاج کیاگیا۔

۷۔چاہئیے کہ مسیح کے شاگرد جب قدرت کوکم ہوتے دیکھیں اسی وقت اپنی کم اعتقادی کا مدراک کریں۔

۸۔شاگردوں کی غلطی ۔ جو شاگرد مسیح کے ساتھ پہاڑ پر تھے وہ اس غلطی میں مبتلا ہوئے کہ کام چھوڑکر گیان دھیان میں لگے رہنا چاہئیے اورجو نیچے تھے وہ بغیر اس گیان دھیان کے جو ایمان سے پیدا ہوتا ہے دنیا کے ساتھ سخت لڑائی میں مصروف ہونا چاہتے تھے۔

۹۔ایمان صرف اسی کام کو انجام دے سکتا ہے ۔ جس کی نسبت وہ قائل ہوگیا ہے کہ وہ خدا کی مرضی اوردعوت کے مطابق ہے۔

۱۰۔ایمان کا یہ طریقہ نہیں کہ پہلے سائنس کی طرح تجربے کرتا پھرے۔ وہ اسی بات کو ہاتھ لگاتا ہے جس کی درستی اورراستی ثابت ہوچکی ہے ۔ اوراسے خدا کی ہدائت اورقدرت سے ملبس ہوکر کرتا ہے ۔

۱۱۔ہم کس طرح پہاڑ دور کریں۔ لازم ہے کہ (۱)پہلے ہم اپنی کم اعتقادی کا پہاڑدورکریں۔ (۲)دوسروں کی کم اعتقادی کا جو ہمارے آس پاس رہتے ہیں (۳)اورپھر دنیا کی بے ایمانی کا ۔

۱۲۔دعا اور روزہ یہ شرائط ہیں جن سے ایمان تاریکی کی طاقتوں پر غالب آتا ہے۔ دعا اورایمان کا ہاتھ ہے جو خدا کی قدرت کو آسمان سے زمین پر لاتا اورروزہ وہ ایمان کا عمل ہے جس سے انسان حقیقی معنی میں تارک الدنیا ہوتا ہے ۔

مچھلی کے منہ سے معجزانہ طورپر سکہ نکالانا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۱۷باب ۲۴تا ۲۷آیت)

اس معجزے کا بیان صرف حضرت متی کی انجیل میں پایاجاتا ہے۔ اوراسکےمتعلق اس بات پر بحث ہے کہ جس مثقال کا ذکر اس بیان میں درج ہے آیا اس سے رومی شہنشاہ کا جزیہ مراد ہے یا وہ نذرانہ جو ہیکل کے اخراجات کے لئے اداکیا جاتا ہے ۔

صحیح خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ آدھا مثقال ہے جو ہیکل کے خرچ اخراجات کے لئے یہودی اداکیا کرتے تھے۔ لفظ محصول یا جزیہ مغالطہ میں ڈالنے والا ہے ۔ لیکن ہمارے نئے ترجمہ میں سرخی اس طرح درج ہے " ہیکل کے محصول کو ادا کرنا " اس مغالطہ کو رفع کرتی ہے۔

اگستین ،اریجن ،اسکندریہ کا کلیمنٹ اورکالون یہ بزرگ اسے سرکاری محصول سمجھتے تھے گو موخرالذکریہ مانتا تھا کہ پہلے یہ روپیہ ہیکل میں دیا جاتا تھا۔ مگر جب ہیکل کی خدمات بند ہوگئیں تو رومی خزانہ میں جانے لگ گیا۔ لیکن ٹرنچ صاحب کہتے ہیں یہ خیال تاریخی صداقت کے بیان کے خلاف ہے کیونکہ جس وقت کا یہ ذکر ہے اس وقت ہیکل کی خدمات جاری تھیں اور"فدیہ " کا روپیہ ہیکل ہی میں ادا کیا جاتا تھا۔ ٹرنچ صاحب اس بات کے ثبوت میں یہ ہیکل کا مثقال ہے یہ دلائل پیش کرتے ہیں۔

(۱)کہ جو رقم یہاں بتائی گئی ہے وہ اس رقم کے برابر ہے جو خروج ۳۰باب ۱۱تا ۱۶آیت کے مطابق ہر یہودی کی طرف سے جو بیس برس سے اوپر تھا ہیکل کے اخراجات کے لئے واجب الادا سمجھی جاتی تھی۔ یہ نذر" فدیہ " کہلاتی تھی۔ البتہ خروج کے مقام مذکورہ بالا کے مطابق صرف اسوقت ادا کی جاتی تھی جب کہ مردم شماری ہواکرتی تھی۔ لیکن چند عرصہ کے بعد یا تو خدا کی ہدائت سے یا کسی رسم کے سبب سے یہ نذرانہ سال بسال ادا ہونے لگ گیا۔ (صحیفہ حضرت نحمیاہ ۱۰باب ۳۲آیت) لوگوں نے عہد کیا کہ وہ مثقال کا تیسرا حصہ ادا کیا کریں گے حالانکہ دستورآدھے مثقال کا تھا۔ اس تحفیف کا سبب غالباً یہ تھا کہ نحمیاہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل تنگ دست ہوگئے تھے ۔ اوراگر کوئی یہ کہے کہ کیا انہوں نے اس رقم کوجو خدا نے مقررکی تھی بدل ڈالا ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے جو بات مقررکی تھی سو یہ تھی کہ آدھا مثقال مردم شماری کے وقت ادا کیا

جائے ۔ اوریہ سالانہ ادائیگی تھی۔ جوسیفس اورفائلو کے زمانہ میں یہ فدیہ کا روپیہ سالانہ ادا کیا جاتا تھا۔

۲۔اگریہ سرکاری محصول ہوتا تو جمع کرنے والے " مثقال لینے والے نہ کہلاتے بلکہ محصول لینے والے کہلاتے کیونکہ جو رومیوں کی طرف سے اس کام کےلئے مقررہوتے تھے وہ اسی لقب سے ملقب ہوا کرتے تھے۔

۳۔پھر ان کے سوال کی صورت بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ روپیہ ہیکل کا تھا۔ کیونکہ سوال سے جبر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ روپیہ کا ادا کرنا اختیاری امرمعلوم ہوتا ہے۔ اگریہ محصول لینے والے سرکاری ملازم ہوتے تو ایسی نرمی سے کلام نہ کرتے ۔

(۴)مگرسب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مسیح حضرت پطرس کی طرف مخاطب ہوکر فرماتے ہیں کہ شمعون تو کیا سمجھتا ہے کہ دنیا کے بادشاہ کن سے محصول یا جزیہ لیتے ہیں؟ اپنے بیٹوں سے یا غیروں سے ؟ جب اس نے کہا غیروں سے تو مسیح نے اس سے کہا" پس بیٹے بری ہوئے" دلیل یہ ہے کہ اگریہ محصول خدا کا نہیں بلکہ سرکاری ہے تو مسیح کے الفاظ " پس بیٹے بری ہوئے " بے معنی ہوجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ مسیح خدا کا بیٹا ہے لہذا اپنی بادشاہت اور اپنے گھر کا مختار ہے ۔ پس زیب نہیں دیتا کہ وہ جس کے حضوریہ جزیہ ادا کرنا چاہئیے خود اسے ادا کرے۔ وہ توخود ہیکل کا مالك ہے لہذا وہ مجبورنہیں کہ خود فدیہ کا روپیہ ادا کرے۔ یہ کہنا کہ وہ یہاں اپنے شاہانہ حسب نسب کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ وہ داؤد کی نسل سے تھا درست نہیں کیونکہ وہ کہتا ہے کہ "کن سے جزیہ لیتے ہیں اپنے بیٹوں سے غیروں سے " مسیح داؤد کا بیٹا تھا مگر قیصر کا بیٹا نہ تھا ۔ پس اس بنیاد پر کہ وہ داؤد کا بیٹا تھا وہ اس محصول سے بری نہیں ہوسکتا تھا۔ پر اگرہم یہ مانیں کہ یہ روپیہ ہیکل کے وسیلے خدا کو جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے ادا کیا جاتا تھا تو یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مسیح کس بنا پر اپنے تئیں اس محصول سے بری ٹھیرانا جائز جانتے تھے۔ روپیہ خدا کو ادا کیا جاتا تھا۔ پر وہ خدا کا بیٹا ہے لہذا اس روپیہ کے ادا کرنے سے آزادی اوربری ہے ۔ اوراگریہ اعتراض کیا جائے کہ مسیح یہ نہیں کہتے کہ " بیٹا بری ہوا " بلکہ یہ کہتے ہیں کہ " بیٹے بری ہوئے " پس تم کس طرح اس سے یہ مراد لیتے ہو کہ مسیح اپنی نسبت آزادی کا دعوے کرتا ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے چونکہ مسیح بادشاہوں " کا لفظ صیغہ جمع میں استعمال کرتے ہیں لہذا زبان کی رعائت سے بیٹوں کا لفظ بھی بصیغہ جمع لاتا ہے۔

آیت نمبر ۲۴۔اور جب کفر ناحوم میں آئے تو مثقال لینے والوں نے پطرس کے پاس آکر کہا کیا تمہارا استاد مثقال نہیں دیتا؟

معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر سیدنا مسیح اورحضرت پطرس اور شائد اورشاگرد بھی کفر ناحوم میں اپنے معمولی دوروں میں سے کسی دورہ کو ختم کرکے لوٹ آئے تھے اورجب مسیح اوران کے شاگرد کسی راستہ سے گذرہے تھے اس وقت مثقال جمع کرنے والوں نے حضرت پطرس سے جو مسیح کے پیچھے پیچھے جارہا ہوگا یہ سوال کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سوال گستاخانہ طورپر کیا گیا اوربعض کی رائے یہ ہے کہ گستاخی سے نہیں کیا گیا تھا۔ بہرکیف انہوں نے حضرت پطرس سے پوچھا کہ تیرا استاد ہیکل کا روپیہ ادا کرتا ہے یا نہیں؟ پطرس اپنی معمولی جلد بازی کے مطابق فوراًجواب دیتا ہے کہ ہاں ادا کرتا ہے ۔ شائد اس نے غیرت مندی سے یہ جواب دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مسیح ان تمام فرائض کو جوشریعت کی راہ سے لازمی تھے پورے پورے طورپر ادا کیا کرتے تھے۔ یونانی میں مثقال کے لئے لفظ دوزخمہ آیا ہے جو برابر ایک مثقال کے ہوتا تھا اورقیمت میں ہمارے روپیہ کے برابر تھا۔ اوردو آدمیوں کے لئے کافی تھا۔ اس نے کہاہاں دیتا ہے۔

آیت نمبر ۲۵۔اور جب وہ گھر میں آیا تو مسیح نے اس کے بولنے سے پہلے ہی کہا اے شمعون تو کیا سمجھتا ہے کہ دنیا کے بادشاہ کن سے محصول یا جزیہ لیتے ہیں ؟ اپنے بیٹوں سے غیروں سے ؟

پطرس نے غیرت میں آکر یہ تو کہا دیا کہ "ہاں دیتا ہے " مگر وہ اپنے اس عجیب اقرار کو بھول گیا جو تھوڑا عرصہ ہوا کیا تھا " توزندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے " (حضرت متی ۱۶باب ۱۶آیت)یا تووہ اس اقرار کی پوری گہرائی سے واقف نہ تھا اوراگر تھا تو اس وقت اسے نظر انداز کرگیا۔ بہرحال اس کو یہ بات یاد نہ رہی کہ میرے مالک کا اصل مرتبہ اورمنصب اس بات کا متقاضی ہے کہ محصول اس کو دیا جائے نہ اس سے لیا جائے ۔ وہ ہیکل سے بڑا تھا پس یہ لازم تھا کہ فدیہ کا روپیہ اس کے حضورادا کیا جاتا نہ کہ اس سے لیا جاتا ۔ اب مسیح قبل اس کے پطرس خود بتائے آپ اس سے پوچھتے ہیں کیونکہ اس پر خفی جلی سب بھید کھلے تھے اوروہ پوشیدہ باتوں سے واقف تھا۔کیا تو سمجھتا ہے کہ دنیا کے بادشاہ وغیرہ" وہ اس سوال سے گویا پطرس کو یاد دلاتا

ہے کہ تو نے ابھی ابھی مجھے زندہ خدا کا بیٹا کہا تھا۔ اورتو جانتا ہے کہ یہ روپیہ جو جمع کیا جاتا ہے خدا کو ادا کیا جاتا ہے ۔ اوریہ بھی جانتا ہے کہ بادشاہ اپنے بیٹوں سے محصول نہیں لیا کرتے بلکہ غیر اور اجنبی لوگ محصول دیا کرتے ہیں۔ اب اگر یہ صحیح ہے تو میں بھی جو خدا کا بیٹا ہوں اس محصول سے آزاد ہوں کیونکہ میں اپنے باپ کے گھر کا مختار ہوں۔ یہ ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ کیوں بیٹے " کہتا ہے اور "بیٹا" نہیں کہتا ۔

آیت نمبر ۲۷۔مگر اسلئے کہ ہم انہیں ٹھوکر نہ کھلائیں تو جھیل پر جاکر بنسی ڈال اورجو مچھلی پہلے نکلے اسے لے لے اورجب اس کا منہ کھولے گا تو ایک سکہ ملے گا۔ وہ لے کر میرے اوراپنے بدلے انہیں دے دینا ۔

سیدنا مسیح اپنے تیئں اس روپیہ کے ادا کرنے سے بالکل بری سمجھتا ہے ۔ مگر چونکہ شاگرد کہہ آیا ہے کہ فدیہ کا روپیہ ادا کیا جائے گا اور چونکہ نہ ادا کرنے سے یہودیوں کو یہ الزام لگانے کا موقع ملتا کہ وہ اور اس کے شاگرد ہیکل کی قدرنہیں کرتے بلکہ شریعت کو توڑتے ہیں لہذا مسیح دو رخمہ دینے کا انتظام کرتے ہیں اوروہ اس طرح کہ اپنے شاگرد کو وہی کام کرنے کو کہتا ہے جس سے وہ خوب مانوس ہے ۔ پیشہ ماہی گیری سے پطرس بخوبی واقف تھا۔ سو مسیح نے اسے بنسی ڈالنے کو کہتے ہیں۔ شائد وہ یہ مقرری رقم اگر چاہتے تو کسی اورطرح سے بھی دے سکتے تھے مگر ایسا کرنے سے وہ مطلب زائل ہوجاتا ہے۔ جو مچھلی کے منہ سے سکہ پانے سے برآمد ہوا۔ جناب مسیح محصول کا روپیہ تو ادا کرتے ہیں مگر وہ روپیہ ایسے طریقے سے دستیاب ہوتا ہے کہ شاگردوں پر بخوبی روشن ہوجاتا ہے کہ مسیح جو روپیہ کا اداکرنے والا ہے واقعی تمام مخلوقات کابادشاہ ہے خشکی اورتری کا مالک انسان اورحیوان کا مالک ہے اوراس لئے اس کا عالی درجہ اور شاہی رتبہ اس کی شوکت اوراس کا جلال خدا کے بیٹے کی طرح ہے ۔ پس اس سے فدیہ کا روپیہ نہیں لینا چاہئیے بلکہ اس کے حضورادا کرنا چاہیئے۔

انہوں نے اس کی تنگ دستی میں اس کی الہٰی دولتمندی کا جلوہ دیکھا۔ واضح ہو کہ مسیح نے بجز اس معجزے کے کوئی اورمعجزہ اپنی حاجت کےپورا کرنے کے لئے نہیں کیا۔ او ریہ بھی ا سکی ذاتی حاجت کی مرافعت کے لئے نہ تھا ۔ اورجو بات یاد رکھنے کے قابل ہے سو یہ ہے کہ یہاں واقعی ایک حقیقی اورسچی ضرورت تھی جس کےرفع کرنے کے لئے اس نے یہ معجزہ کیا۔ اس خیال کے مقابلہ میں وہ معجزات

جو اپاکرفل کتابوں میں درج ہیں اورمسیح سے منسوب کئے جاتے ہیں کیسے بے بنیاد اوربے مزہ معلوم ہوتے ہیں۔

اب رسول یہ نہیں بتاتا کہ پطرس گیا اوراس نے بنسی ڈالی اورمچھلی پکڑی اورسکہ پایا اوراسے مسیح کے پاس لایا وغیرہ یہ سب باتیں مقدرہیں۔ مگر مسیح کا یہ حکم کہ جو سکہ تجھے ملے گا اسے لے کر میرے اوراپنے بدلے انہیں دینا" ظاہرکرتا ہے کہ مسیح نے فرمایا تھا ویساہی ہوا۔

مسیح " میرے اوراپنے بدلے " کہتا ہے ۔ اور"ہم دونوں کے بدلے " نہیں کہتا ۔ بعض لوگوں کی رائے میں یہ تفریق اس واسطے کی جاتی ہے کہ شاگرد مسیح کو اپنے زمرہ میں شامل نہ کریں۔ بلکہ یہ امتیازکریں کہ وہ فدیہ کا روپیہ دینے والا نہیں بلکہ لینے والا ہے ۔ مگرچونکہ اس نے اپنی مرضی سے انسانی صورت اختیارکی اورشریعت کے تابع ہوا اس لئے وہ فدیہ کا روپیہ دیتا ہے تاکہ لوگ ٹھوکرنہ کھائیں۔

یاد رہے کہ معجزہ صرف اس غیب دانی میں تھا کہ فلاں مچھلی کے پیٹ میں سکہ موجود ہے بلکہ اس بات میں بھی کہ اس نے اپنی قدرت سے اسی مچھلی کو پہلی مرتبہ پطرس کی بنسی کے پاس بھیجا جس کے پیٹ میں وہ سکہ پایا جاتا تھا۔ جس طرح اورمخلوقات اسی طرح مچھلیاں اوربحری جانوربھی اس کے تابع اوراسی میں جیتے ہیں (بائبل مقدس صحیفہ حضرت یوناہ ۱باب ۱۷آیت ،۱سلاطین ۱۳باب ۲۴آیت ،۲۰باب ۳۶آیت ،صحیفہ حضرت عاموس ۹باب ۳آیت)اس معجزہ کے متعلق دوباتوں سے خبردار رہنا چاہئیے۔ اول یہ کہ ہم ان تاویلوں سے بچیں جو یہ بیان کرتی ہیں کہ معجزہ وغیرہ کچھ سرزد نہیں ہوا۔ صرف مسیح نے پطرس سے یہ کہا کہ ہاں بھائی کومحصول تو دینا چاہئیے پرکس طرح دیا جائے ۔ بہتر ہے کہ تم جاؤ اورمچھلیاں پکڑو اوران کو بیچ کر جو رقم دینی ہے کمالاؤ۔یہ خیال بالکل لغو اورباطل ہے کیونکہ جن الفاظ میں معجزہ بیان کیا گیا ہے ان میں کوئی بات ایسی نہیں جو اس لچر خیال کی تائید کرے ۔ اورپھر اس کے ساتھ ہم اس تشریح سے بھی اجتناب کریں جو یہ ظاہرکرتی ہے کہ مسیح نے بالکل ازسرنو مچھلی اورسکے کو خلق کیا۔ ہم اس کی خالقیت کے دل وجان سے قائل ہیں۔ ساری چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اورجوکچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیزبھی اس کے بغیر پیدا نہ ہوئی۔" توبھی ان معجزوں کے متعلق یہ ماننا ضروری نہیں کہ تخلیق مطلق وجود میں آئی۔

پھر اس معجزے سے بعض پرانے بزرگوں نے علامتی معنی نکالے ہیں مثلاً یہ کہ مچھلی کہ منہ میں جو سکہ تھا اس سے غرور مراد ہے ۔ اور مچھلی سے گناہ گار انسان جو ایمان لاتا ہے اور پانی سے دنیا کا ویرانہ جس سے گنہگار انجیل کی بنسی سے پکڑا جاتا ہے پس مراد یہ ہے کہ آدمیوں کے ہر مچھوے کو لازم ہے کہ وہ ہر شخص کے منہ سے جو ایمان لاتا ہے غرور کا سکہ نکالے ۔ اس قسم کی تفسیروں کی کچھ ضرورت نہیں۔ معجزہ خود جیسا ہے روحانی معانی سے پر ہے ۔

نصیتحیں اور مفید اشارے

۱۔سیدنا مسیح کیسی احتیاط اور خبرداری سے کام لیتے ہیں تاکہ لوگ غلط فہمی میں نہ پڑیں۔ وہ پطرس کے ساتھ بڑی خبرداری سے گفتگو کرتے ہیں اپنے چلن سے یہودیوں کو کڑکڑانے کا موقع نہیں دیتے ہیں۔

۲۔ہماری دانست میں مسیح کی گفتگو جو پطرس کے ساتھ ہوئی اور جس میں اس نے یہ دعوے کیا میں نیم مثقال کے ادا کرنے سے آزاد ہوں پختہ اور لاجواب ثبوت اس امر کا ہے کہ وہ الہٰی شخص تھا۔ ہم نے تفسیر دکھا دیا ہے کہ وہ اور کسی طرح یہ دعوے نہیں کرسکتا تھا۔ او رپھر یہی بات اس طریقہ سے ثابت ہے جس سے اس نے یہ چندہ اداکیا۔ اس کے وسیلے وہ ظاہر کرتے ہیں کہ تمام بحری اور بری قدرتوں کا مالك اور بادشاہ ہوں۔

۳۔اس معجزے نے یہ بھی ظاہر کردیا کہ وہ کیسا دولتمند ہے اس کی حشمت اس کا جلال عیاں ہے۔ پر ہمارے لئے اس نے غریبی اختیار کی اوراپنے آپ کو پست کیا۔

۴۔مسیح نے کبھی کوئی معجزہ اپنے فائدے یا اپنی ضروریات کے رفع کرنے کے لئے نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ اپنی قوتِ اعجازکو اوروں کی بھلائی کے لئے کام میں لاتا تھا۔ یہ معجزہ بھی اس نے اپنی کسی ذاتی ضرورت کے لئے نہیں کیا۔

۵۔نیچر اور مسیح ۔ وہ ساری نیچر کا عالم (۲)ساری نیچر کا حاکم (۳)اورساری نیچر کا ناظم ہے ۔

لعزرکو زندہ کرنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا ۱۱باب ۱تا ۵۴)

اس معجزہ کا بیان شروع کرنے سے پہلے یہ سوال برپا ہوتا ہے کہ اس کا کیا سبب ہے کہ اتنا بڑا معجزہ جو جناب مسیح کے تمام معجزات سے بڑھ کرتھا اورجس کے نتائج بھی بڑے بڑے تھے صرف ایک ہی انجیل میں جگہ پاتا ہے اورباقی تین انجیلوں میں اس کا کچھ پتہ نہیں ملتا ۔ اس سے بہت لوگوں کو اس معجزے کی حقیقت پر اعتراض کرنے کا موقع ملا ہے اس سوال کے جواب میں ذیل کے قیاس پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱)یہ کہ پہلے تین راوی انجیل شریف کے مصنفوں نے انجیل شریف کو ملک فلسطین میں تحریر کیا اورغالباً اس وقت لعزراوراس کے بعض رشتہ دار جیتے تھے اوران انجیل نویسوں نے مناسب نہ سمجھا کہ اپنی تحریر میں اس معجزے کو درج کرکے مخالفوں کو ان کی طرف متوجہ کریں اوریوں لعزراوراس کے رشتہ داروں کو ان کی ایذارسانی کا نشان بنائیں بعض مفسر اس خیال کے ثبوت میں (حضرت یوحنا ۱۲باب ۱۰آیت) پیش کرتے ہیں جہاں لکھا ہے " پس سردارکاہنوں نے مشورت کی کہ لعزرکو بھی مارڈالیں۔" لیکن اس کے جواب میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ خیال اصل مشکل کی عقدہ کشائی نہیں کرتا کیونکہ حضرت متی کے سوائے باقی دونوں راوئی انجیل کی نسبت پختہ طورپریہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ضرور فلسطین میں لکھی گئی تھیں اوریہ خیال کہ اگروہ اس کا ذکر اپنی انجیلوں میں کرتے تو وہ معرض خطرے میں پڑجاتا وقعت کے لائق نہیں کیونکہ اس وقت مسیحیوں کا ذکر کسی کتاب میں کیا جاتا یا نہ کیا جاتا وہ بہر کیف دشمنوں کے سبب ہر وقت خطرہ میں مبتلا تھے۔ اور اگر بالفرض لعزر کو اس معجزے کے اندراج سے خاص خطرے میں گرفتارہونا ہی پڑتا توتو بھی وہ اپنے بچنے کے لئے اپنے مولا کے نام کی بزرگی اورجلال کے لئے کبھی سدراہ نہ ہوتا ۔ پس ان وجوہات سے خیال مذکورہ بالا بہت زورآورمعلوم نہیں ہوتا۔

(۲)دوسرا خیال یہ ہے کہ چونکہ پہلی تین انجیلوں کے مصنف ان معجزوں کا ذکر یروشلم یا اس کے گرد ونواح میں ہوئے اپنی انجیلوں میں نہیں کرتے ۔ اس لئے انہوں نے اس کو بھی چھوڑدیا۔ مذکورہ بالا خیالات میں بھی کچھ نہ کچھ صداقت پائی جاتی ہے مگر ہمیں رائل صاحب کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ ہر انجیل نویس نے

وہی بات رقم کی جس کے قلمبند کرنے کی ہدائت اس کو خداوند سے ملی ۔ کوئی شخص یہ خیال نہیں کرتا کہ ہمارے انجیل نویس مسیح کی کامل تاریخ تحریر کرنے کا ذمہ لیتے ہیں۔ مسیح نے صرف وہی تین مردے زندہ نہیں کئے جن کا ذکر انجیل شریف میں آتا ہے۔ آپ نے کئی اورمعجزے بھی اس قسم کے دکھلائے ہوں گے ۔ وہ اپنے کام کے شروع میں یوحنا بپتسمہ دینے والے کے جواب میں کہلا بھیجتے ہیں "مردے زندہ کئے جاتے ہیں (حضرت متی ۱۱باب ۵آیت)اور پھر حضرت یوحنا کہتے ہیں کہ "اور بھی بہت سے کام ہیں جو مسیح نے کئے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی "(حضرت یوحنا ۲۱باب ۲۵آیت)پس مناسب ہے کہ ہم یہ مانیں کہ مسیح نے جیسا بہتر سمجھا ویسا ہر ایک انجیل نویس سے لکھوایا ۔ اورمسیح کے وہ کام او رکلمات جو یروشلم میں ظاہر ہوئے ان کا قلمبند کرنا حضرت یوحنا کے سپرد ہوا۔ اور وہی مقرر ہوا کہ عجیب وغریب معجزے کو تحریر کرے جس سے یہودیوں کی سخت دلی پورے پورے طور پر ثابت ہوگئی۔

ہماری دانست میں جو ضروری سوال ہے وہ یہ نہیں کہ اس کو کیوں صرف ایک انجیل نویس تحریر کرتا ہے اور باقی نہیں کرتے ۔ سوال اصل یہ ہے کہ آیا یہ معجزہ ایک حقیقی تواریخی واقعہ ہے یا نہیں۔ غیر متعصب شخص کے لئے اس معجزے کی حقیقت اس معجزے کے بیان میں موجود ہے ۔ جس طرح اس معجزے کا دکھانا گویا ایک طرح سے یہودیوں کے لئے اخلاقی معیار تھا۔ اسی طرح اس کا بیان پڑھنے والے کے لئے بھی ایک کسوٹی ہے ۔ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لئے زندگی کی خوشبو اورتسلی کا باعث ہے ۔ پر جو ایمان نہیں لاتے ان کے لئے ٹھوکر کا باعث ۔سچی تشریح کے بر خلاف چارتاویلیں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ کہ لعزرصرف غش کے عالم میں تھا۔ لیکن وہ مقامات جہاں لعزرکی موت کا صاف بیان کیا گیا ہے ۔ اس قیاس کی تردید کرتے ہیں۔ بہنیں کہتی ہیں اگر آپ یہاں ہوتے تو ہمارا بھائی نہ مرتا ۔ وہ سمجھتی ہیں کہ وہ مرگیا ہے اورآیت ۳۹میں صاف اس کو مردہ کہا گیا ہے ۔ وہ چاردن سے ایک قبر میں پڑارہا جس کے منہ پر پتھر رکھا تھا۔ یروشلم سے یہودی ماتم پرسی کے لئے آئے ۔ بہنیں اوران کے ہمدرد مہمان اس کو مردہ سمجھ کر آنسو بہاتے تھے۔ ان سب لوگوں کو پورا یقین تھا کہ وہ مرگیا ہے ۔ پر وہ لوگ جو ۱۷یا ۱۸سو برس بعد

تفسیریں لکھنے بیٹھتے ہیں ان کو ان گواہوں کی بات کا یقین نہیں۔ ان کے زعم میں وہ ابھی نہیں مرا۔ بلکہ صرف غش میں پڑا ہے۔ (۲)سٹراس صاحب اپنی کتاب "حیات المسیح" کی پہلی ایڈیشن میں یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ یہ قصہ گویا قدیم عیسائیوں کی قوت واہمہ کا کھیل ہے جو شاعرانہ طرز میں ظاہر ہوا۔ مگر اسی کتاب کی دوسری ایڈیشن میں لعزر کے اس تاریخی بیان کو فکشن (کہانی) بتاتے ہیں جو ان کے زعم میں حضرت لوقا کی تمثیل موسومہ "لعزر اوردولتمند" پر مبنی ہے ۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اس آدمی کے قیاس کی کیا وقعت کی جائے جو خود اپنی رائے کی نسبت مستقل یقین نہیں رکھا۔ پہلی ایڈیشن میں کچھ رائے دیتا ہے اوردوسری میں کچھ اور۔ ایسے آدمی کی ساری باتیں خود وہی قیاسات پر مبنی ہیں۔ اس کے وہم کی نسبت ہمیں انجیل نویس کا بیان زیادہ وقعت کے لائق معلوم ہوتا ہے ۔ وہ تاریخی بیان ہے اورسٹراس کی طرح قیاسی دعوے نہیں ہے ۔ (۳)کہ یہ ایک تمثیلی بیان ہے جس میں مسیح موت پر غالب آنے والا ظاہر کیا گیا ہے تاکہ اس کا جلال ظاہر ہو۔ یہ خیال بھی درست نہیں۔ کیونکہ طرز بیان سے ہر گز ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ ایک تمثیل ہے انجیل مسیح کی تمثیلیوں سے بھری ہوئی ہے کوئی تمثیل لو

اورا سکا مقابلہ اس بیان سے کرو فوراً معلوم ہوجائے گاکہ تمثیل کا طرز ہی کچھ اورہوتا ہے۔ مگر بیان زیر نظر سے صاف روشن ہے کہ لکھنے والا ہم پر یہ نقش کرنا چاہتا ہے کہ جو کچھ میں تم کو بتلا رہا ہوں وہ ایک حقیقی تاریخی واقعہ ہے (۴) یہ کہ سارا قصہ جھوٹ کا فساد ہے ۔ یا ملائم الفاظ میں یوں کہیں کہ یہ قصہ دیندارانہ فریب کا نتیجہ ہے ۔ کہ مسیح مریم اورمارتھا اورلعزر کے ساتھ مل جاتا ہے تاکہ اس فریب سے یہودیوں کو قائل کرے۔ ایسا خیال کرنا کیسی شرارت ہے ۔ کیا بہنوں کے آنسو اس خیال کی تائید کرتے ہیں ؟ کیا لعزر چاردن تک قبر کے اندرجس پر پتھر دھرا تھا پڑا رہ سکتا تھا ؟ کیا مسیح کا سنجیدہ کلام اوراس کے عظیم دعوے جو وہ اپنے کام اوراپنی شخصیت کی نسبت اس بیان میں کرتا ہے اوراس کی دعا جو وہ باپ سے مانگتا ہے کیا یہ سب باتیں اس فریب کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں؟ یہ سب فضول دعوے اس خیال سے پیدا ہوئے ہیں کہ فوق العادت نا ممکن ہے معجزے کی تاریخی صحت اورصداقت بیان کی سادگی اورسچائی اورتفصیل سے ٹپکتی ہے ۔ اورمسیح اوراس کے شاگردوں کی صداقت لعزرا وراس کی بہنوں کی دیانت داری سے مترشح ہے ۔ لوگ ہم کو یہ طعنہ دیا کرتے ہیں کہ ہم بڑے زوراعتقاد

ہیں۔ مسیح کے معجزوں کو جلد مان لیتے ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ منصف مزاج لوگ فیصلہ کریں کہ زوداعتقاد لوگ کون ہیں۔ عیسائی یا ان کے مخالف ؟ہماری رائے میں مذکورہ بالا قیاسوں کے ماننے کے لئے زیادہ رود اعتقادی کی ضرورت ہے ۔

آیت نمبر ۱۔جس گھرانے کا ان آیات میں ذکر ہے اس کے یہاں ہمارے مولا اکثر فروکش ہوا کرتے تھے ۔ یہ لوگ نہ فقط آپ کو اپنے گھرمیں جگہ دیتے تھے بلکہ اپنے دلوں میں بھی آپ کی محبت رکھتے تھے۔ اورآپ بھی ان کو بہت پیا رکرتے تھے چنانچہ آیت ۵میں آیا ہے اور" مسیح مارتھا اوراس کی بہن اورلعزر سے محبت رکھتے تھے۔"

بیت عینا کا گاؤں یروشلم سے تھوڑے فاصلہ پر واقعہ تھا کہتے ہیں کہ وہ پونے دومیل سے زیادہ نہ تھا۔ مسیح غالباً دن کے وقت اس مخالف شہر میں جاکر کام کیا کرتے تھے اوررات کے وقت بیت عینا میں مارتھا کے گھر (حضرت لوقا .۱باب ۳۸آیت)آکرپناہ گزین ہوتے تھے ۔ (حضرت متی ۱۱باب ۱۱تا ۱۹آیت)یا یوں کہیں کہ اپنے اعدا کی مخالفت اوران لوگوں کی صحبت سے جو بارباراس کے کلام کی تحقیر کرتے اوراس کے الفاظ کا مطلب بگاڑتے تھے فارغ ہوکر اس گھر میں آتے اوریہاں تازگی اورتفریح کے سامان پاتے تھے۔ یہاں مریم جس نے عطر ڈال کر اپنے بالوں سے آپ کے پاؤں پونچھے تھے آپ کے پاؤں کے پاس بیٹھ کر آپ کاکلام معجز نظام سنا کرتی تھی۔ یہاں مارتھا کبھی اپنی بہن کی طرح اس کی زندگی بخش باتوں کی طرف کان جھکاتی اورکبھی لوازمات مہمان نوازی بجالا کر اپنا حسن عقیدت دکھاتی تھی اوراسی طرح آپ کا دوست لعزراپنی صدق دلی سے آپ کے دل کو شاد کیا کرتا تھا۔

لعزربیمار تھا۔ اس خوش حال خاندان پر بھی تھوڑی دیر کے لئے غم کا بادل چھا گیا یعنی لعزرکسی مرض میں گرفتار ہوا ۔ یاد رہے کہ اس دنیا میں مسیح کے دوست بھی غم اورتکلیف کے بادلوں سے جو بنی آدم کی زندگی میں ضرورآتے ہیں آزاد نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اوروں پر آئیں یا نہ آئیں ان پرضرورآتے ہیں۔ دکھ اور بیماری کے وسیلے مسیح اپنے بندوں کو پاک کرتے ہیں اوران میں برداشت کا پھل پیدا کرتے ہیں۔ جب اس کے بندے دکھ اورثابت قدم رہتے ہیں تو ثابت ہوجاتا ہے کہ وہ مسیح کو دنیاوی نعمتوں اورجسمانی عیش وعشرت کی افرائش کے لئے پیارنہیں کرتے بلکہ اس لئے کہ وہ ان کا مالک ہے ۔ شیطان نے حضرت ایوب پر یہی الزام لگایاکہ وہ دینوی

کشائش کے سبب خدا کی راہ پر چلتا ہے۔ اورمریم اورمارتھا پر بھی شائد یہی الزام لگتا اگریہ دکھ ان پرنہ آتا۔

لعزرکی بیماری کی نسبت کچھ پتہ نہیں کہ وہ کیا تھی۔ مگر چونکہ بڑی تیزی کے ساتھ بڑھی اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ شائد وہ کسی سخت قسم کا بخار ہوگا۔ بعض مفسروں کا خیال ہے کہ لعزر سردی کے موسم اورایسٹر کے درمیان کسی وقت بیمار پڑا۔

لعزر۔ یہ الیعزرکی دوسری صورت ہے ۔ اس شخص کی نسبت بعض کی یہ رائے ہے کہ وہ وہ شخص تھا جو مسیح کے پاس یہ کہتا ہواآیا تھا کہ میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ مگر مسیح کا جواب سن کر لوٹ گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ بعد میں وہ مسیح پر ایمان لایا۔ مگر یہ نتیجہ صرف قیاسی ہے ۔ تاہم اس شخص کے بارے میں بہت کچھ نہیں جانتے ۔

آیت نمبر ۲۔یہ وہی مریم تھی جس نے مسیح پر عطر ڈال کر اپنے بالوں سے آپ کے پاؤں مبارک پونچھے تھے۔

اس آیت میں یہ جملہ معترضہ مریم کی تخصیص کے لئے داخل کیا گیا ہے تاکہ وہ دوسری مریموں سے امتیاز کی جائے ۔ مسیح کے شاگردجانتے تھے کہ مسیح کے زمانہ میں کم ازکم چارعورتیں اس نام سے موسوم تھیں (۱)آپ کی والدہ ماجدہ(۲)کلیوفس کی بیوی (۳)مریم مگدلینی (۴)مارتھا کی بہن مریم ۔

اس بات پر بڑی بحث ہے کہ یہ مریم کون تھی اورکہ ہمارے مولا پر کتنی دفعہ عطر ملا گیا ؟ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ ہمارے مولا پر تین دفعہ عطر ملاگیا۔ ایک مرتبہ حضرت لوقا ۷باب میں) شمعون فریسی کے گھر ایک مرتبہ بیت عینا میں شمعون کوڑھی کے گھر۔ اورپھر ایک مرتبہ بیت عینا میں مارتھا اورمریم کے گھر۔ بعض کی یہ رائے ہے کہ عطر تین مرتبہ ملا گیا۔ مگر مارتھا کی بہن مریم نے دومرتبہ ملا۔

بعض یہ مانتے ہیں کہ صرف دو مرتبہ عطر ملا گیا۔ ایک دفعہ فریسی کے گھر (حضرت لوقا ۷باب) اورایک مرتبہ بیت عینا میں شمعون کوڑھی کے گھر جہاں مرتھا اورمریم اورلعزررہتے تھے یہ معلوم نہیں کہ کیوں وہاں رہتے تھے شائد شمعون اس کا رشتہ دار تھا۔ بعض کا گمان ہے کہ وہ مرتھا کا شوہر تھا۔

بعض اشخاص کی رائے ہے کہ صرف ایک مرتبہ عطر ملاگیا۔ وہ کہتے ہیں کہ شمعون فریسی اورشعمون کوڑھی ایک ہی شخص کے نام ہیں اورکہ یہ واقعہ بیت عینا میں سرزد ہوا۔ ان کے خیال میں لوقا اس

واقعه کا بیان ترتیب وقت مطابق نہیں کرتے ۔ اس خیال میں یہ
مشکل ہے کہ مریم اپنی پہلی زندگی میں بدکار اور گنہگار عورت ثابت
ہوتی ہے۔ حالانکہ جوکچھ اس کی خصلت کی بابت ہم کو معلوم ہوتا
ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک نیک بخت اور خدا پرست
عورت تھی رائل صاحب کی رائے میں اگر تین دفعہ عطر کا ملنا تسلیم
کیا جائے تو تمام دقتیں دفع ہوجاتی ہیں۔ کم ازکم دو دفعہ ماننا تو لازمی
امر ہے ۔ مفصل بیان کے لئے ان کی تفسیر کو دیکھنا چاہئیے۔

آپ کے پاؤں پونچھے تھے۔ آیت زیر نظر کو پڑھتے وقت ایسا خیال گذرتا
ہے کہ گویا لعزر کے جلانے سے پہلے مسیح کے پاؤں عطر سے دھوئے
گئے تھے۔ حالانکہ یہ واقعہ لعزر کے زندہ ہونے کے بعد وارد ہوا۔ اس
کا حل یہ ہے کہ حضرت یوحنا اپنی انجیل ان دونوں واقعات سے
بہت مدت بعد تحریر کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ سب مسیحی اس
بات سے واقف ہیں کہ مریم نے مسیح کے پاؤں پر عطر ملا اور ان کو
اپنے بالوں سے پونچھا۔ لہذا وہ اس وقوعہ کی طرف اشارہ کرکے اس
مریم کو دوسری مریموں سے امتیاز کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۳۔پس اس کی بہنوں نے آپ کو یہ کہلا بھیجا کہ
اے مالک دیکھئیے جسے آپ عزیز رکھتے ہیں وہ بیمار ہے۔

اپنے بھائی لعزر کی تکلیف اور خطرے کو دیکھ کرانہوں نے مسیح کے
پاس ایک قاصد بھیجا۔ مسیح غالباً اس وقت اپنے دشمنوں کی
مخالفت سے پناہ گزین ہونے کے لئے یردن کے پار دوسری طرف چلے
گئے تھے (حضرت یوحنا ۱۰باب ۳۹و۴۰آیت مقابلہ کریں حضرت
یوحنا ۱باب ۲۸آیت) مگر مریم اور مارتھا کو وہ مقام جہاں آپ رہتے
تھے معلوم تھا۔ اور چونکہ انہوں نے مسیح کو ہر موقعہ پر مدد کے
لئے تیار اور لوگوں کے دکھوں کو دور کرنے پر مستعد د پایا تھا لہذا مریم
اور مارتھا آپ کے پاس یہ پیغام روانہ کرتی ہیں " اے مالک دیکھئیے
جسے آپ عزیز رکھتے ہیں وہ بیمار ہے "ان بہنوں کا ایمان کیسا
مضبوط تھا اور وہ کیسا پکا بھروسہ اس پر رکھتی تھیں۔ وہ یہ نہیں
کہتی ہیں کہ اے پیغام بر تو وہاں جاکے مالک کو بہت تاکید کرنا او
رکہنا اے مالک میں تو آپ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا ۔ وہ آپ کی
محبت پر کامل بھروسہ رکھتی ہیں اور جانتی ہیں کہ اسے صرف اتنا
کہنا کافی ہوگا کہ جسے آپ عزیز رکھتے ہیں بیمار ہے " اور چونکہ بیت
عبارہ بیت عینا سے صرف ایک دن کی راہ ہے لہذا انہیں امید تھی کہ
آپ جوان کو پیار کرتے ہیں۔ کبھی نہیں چھوڑتے جلد مدد کے لئے آئیں
گے۔ دیکھو وہ کیا نام اپنے بھائی کو دیتی ہیں۔ وہ یہ نہیں کہتی ہیں کہ

ہمارا بھائی بیمار ہے ۔ اور نہ یہ کہتی ہیں کہ وہ جو آپ کو پیار کرتا ہے۔ بلکہ یہ کہ جسے آپ پیار کرتے ہیں وہ بیمار ہے (لعزر کا نام گویا "جسے آپ پیار کرتے ہیں" ہے ۔

آیت نمبر ۴۔مسیح نے سن کر کہا یہ موت کی بیماری نہیں بلکہ خدا کے جلال کی ہے تاکہ اس کے وسیلے سے خدا کے بیٹے (سیدنا مسیح) کا جلال ظاہر ہو۔

یہ موت کی بیماری نہیں۔ یہ الفاظ مسیح نے قاصد کا پیغام سن کر اپنی زبان مبارک سے نکالے۔ اوراپنے شاگردوں کے روبرو بیان فرمائے۔ یہ الفاظ گویا بہنوں کے پیغام کا جواب تھے مسیح چاہتے ہیں کہ وہ قاصد لعزر کی بہنوں کے پاس آپ کا جواب لے جائے اوران سے کہہ دے کہ مسیح نے کہا کہ " یہ موت کی بیماری نہیں " اس جواب نے ان کو سخت حیرانی اورتشویش میں ڈال دیا ہوگا۔ کیونکہ لعزر غالباً اس قاصد کے واپس آنے تک جیسا کہ ہم آگے چل کردیکھیں گے جان بحق ہوگیا تھا۔ اب وہ مسیح کے اس پیغام کو سن کر سوچتی ہوں گی کہ اس کا کیا مطلب ہے ۔ لعزر مرگیا ہے پر وہ کہتا ہے کہ یہ بیماری موت کی نہیں۔ کیا اس نے ہم کو فریب دیا یا خود فریب کھایا ہے۔وہ کہتی ہوں گی کہ اگر اس کا مطلب درحقیقت یہ تھا کہ لعزر نہیں مرے گا تو وہ خود کیوں نہ آیا ؟ اوراگر کوئی ضروری بات سدراہ تھی تو وہاں سے کیوں نہ کہہ دیا کہ وہ اچھا ہوجائے گا ؟ کیونکہ وہ تو اپنے کلام سے دوردور کے بیماروں کو شفا بخشتا ہے اورہم نے خود اسے اجنبیوں کو اس طرح اچھا کرتے دیکھا۔ لعزر تو اس کا دوست تھا۔ جس طرح ہم خدا کے عجیب وعدوں کی نسبت اپنی کم اعتقادی سے یہ خیال کر بیٹھتے ہیں کہ وہ اب ہمارے حق میں پورے نہ ہوں گے اورجس طرح ہم اس کی محبت کی گہرائی اورقدرت کو نہیں پہچانتے بلکہ اسے محدود کردیتے ہیں۔ اسی طرح اس وقت شائد مسیح کے وعدہ کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے اس کے کلام کی سچائی کو جب تک کہ واقعہ نے اسکی تصدیق نہ کی نہ پہچانا پروہ شروع ہی سے انجام کو جانتے تھے اورلعزر کی بہنوں نے بھی بعد میں معلوم کیا کہ اس دیر کا کیا مطلب تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ لعزر نہ صرف جسمانی زندگی واپس پائے بلکہ اس کے ساتھ وہ اعلیٰ زندگی بھی اس کو نصیب ہو جو آگے اس کو نصیب نہ تھی۔ کیونکہ جب مسیح کہتے ہیں کہ " یہ بیماری موت کی نہیں بلکہ خدا کے جلال کی ہے " اوراس کی شرح اس طرح کرتے ہیں کہ " اس کے وسیلے سے خدا کے بیٹے کا جلال ظاہر ہو" تو اس میں ضروریہ خیال مضمر تھا کہ لعزر کی روحانی زندگی بھی زیادہ کاملیت حاصل

کرے گی اورایسا ہی ہوا۔ اب جس بات سے اس کی روحانی زندگی نے ترقی پائی اس نے دنیا کے سامنے مسیح کا جلال ظاہر کیا یایوں کہیں کہ خدا کے بیٹے کا جلال پہلے لعزرمیں عیاں ہوا اورپھر اس کے وسیلے دنیا کے سامنے اس کی بزرگی ظاہر ہوئی ۔(مقابلہ کرو حضرت یوحنا ۹باب ۲تا ۳آیت)۔

آیت نمبر ۵۔اورجنابِ مسیح مرتھا اوراس کی بہن اورلعزر سے محبت رکھتے تھے ۔

اس آیت کو بعض نے آیات ماقبل سے ربط دیا ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ کیوں ان بہنوں نے اس کے پاس پیغام بھیجا ۔ یعنی ان کو پیغام بھیجنے کی جرات اوراس کے قبول کئے جانے کا یقین اس لئے ہوا کہ وہ " مرتھا اوراس کی بہن اورلعزرسے محبت رکھتا تھا" پر بعض اسے چھٹی آیت سے ملاتے اوریہ معنی مستنبط کرتے ہیں کہ حضرت یوحنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں آئتوں میں جو دوخیال پائے جاتے ہیں اوران میں جو مقابلہ پایا جاتا ہے وہ بخوبی ظاہر ہوجائے ۔ پانچویں آیت میں اس کی محبت کا اورچھٹی آیت میں ا سکی دیرکا ذکر ہے یا یوں کہیں کہ حضرت یوحنا ایک طرف تو یہ بتاتے ہیں کہ وہ بیت عینا کےمصیبت زدہ خاندان کو پیارکرتے تھے اوردوسری طرف یہ کہ باوجود اس پیار کے وہ ان کا پیغام سن کردودن تک دیرلگاتے ہیں۔ گویا وہ چاہتے ہیں کہ پڑھنے والا ا س بات سے واقف ہوجائے کہ اس عجیب محبت میں جو اپنا کام کرنے سے پہلے اتنی دیرتک خاموش رہی کیاکچھ پایا جاتا ہے۔مگر بعض اس آیت کو مابعد کی دوآئتوں سے مربوط کرتے ہیں اوریہ معنی لیتے ہیں کہ " مسیح مارتھا ۔۔وغیرہ " کو پیارکرتا تھا پس جب آپ نے سنا کہ لعزربیمار ہے توآپ دودن جہاں تھے وہیں رہے مگر پھر اس کے بعد آپ نے شاگردوں سے کہا کہ آؤ یہودیہ کو پھر چلیں۔" اس آیت سے ظاہر ہے کہ تمام گھرانا مسیح کا پیرو تھا۔ یہ کیسا مبارک گھرانا تھا۔جو مسیح کے لطف اورکرم کا مورد ہے ۔ واضح ہو کہ پیار کے لئے جو لفظ تیسری آیت میں آیا ہے اور ہے ۔۔۔وہ متی ۲۶باب ۸ ۴آیت ،مرقس ۱۴باب ۴ ۴آیت ،لوقا ۲۲باب ۷ ۴آیت میں بوسہ یا چومہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

آیت نمبر۷،۶۔پس جب آپ نے سنا کہ وہ بیمار ہے تو جس جگہ تھے وہیں دودن اوررہے ۔ پھر اس کے بعد شاگردوں سے فرمایا کہ آؤیہودیہ کو پھر چلیں۔

جس جگہ تھے وہیں دودن اوررہے ۔ اس تاخیرکا اصل مطلب یہ تھا کہ اسے ایک عجیب معجزہ دکھانے کا موقعہ ملے نہ یہ کہ وہ اس

وقت کسی بڑے ضروری کام میں مصروف تھے (حضرت یوحنا ۱۰باب ۴۱،۴۲آیت)جس کے سبب سے اپنے دوستوں کی دعوت کو قبول نہ کرسکا ۔ او ریہ آخری سبب اس واسطے درست نہیں کہ اگر بفرض محال وہ کام کی شدت سے خود نہیں آسکتے تھے توکیا اپنے کلام سے بھی اسے شفا بخش نہیں سکتے تھے ؟ اگرکرسکتے تھے توکیوں نہ کیا ؟ پس اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ یہ دیرآپ نے دیدہ دانستہ کی تاکہ نہ صرف ایک مریض کو شفا دے بلکہ چا ردنوں کے مردے کو زندہ کرکے ایک عظیم الشان معجزہ وجود میں لائے ۔ اوراب جب دیر مطلوبہ پوری جاتی ہے تووہ یہودیہ کی طرف جانے کا ارادہ اپنے شاگردوں پر ظاہر کرتا ہے۔

آیت نمبر۸۔۱۰۔شاگردوں نے آپ سے کہا اے مولا ابھی تو یہودی آپ کو سنگسارکرنا چاہتے تھے اورآپ پھر وہاں جاتے ہیں ۔ مسیح نے جواب دیا کیا دن کے بارہ گھنٹے نہیں ہوتے ۔ اگرکوئی دن میں چلتا ہے تو ٹھوکرنہیں کھاتا کیونکہ وہ دنیا کی روشنی دیکھتا ہے ۔ لیکن اگرکوئی رات میں چلتا ہے تو ٹھوکر کھاتا ہے کیونکہ اس میں روشنی نہیں۔

جب شاگردوں نے دیکھا کہ مسیح پھریہودیہ کو جانا چاہتے ہیں تو وہ آپ کو بتاتےہیں کہ وہاں کیسے خطرے موجود ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ انہیں خطروں کے سبب سے ابھی ابھی یہاں آئے تھے۔ یہودی آپ کو سنگسارکرنا چاہتے تھے لیکن اب پھر وہاں جانا چاہتے ہیں۔ شاگردوں کے الفاظ میں کچھ کچھ محبت اپنی جھلک دکھا رہی ہے مگراس کے ساتھ ہی ذاتی حفاظت کا خیال بھی نہاں ہیں جو آیت ۱۶میں توما کے الفاظ کے وسیلے ظاہر ہوتا ہے " پس توما نے جسے توام کہتے تھے اپنے ساتھ کے شاگردوں سے کہا کہ آؤہم بھی مسیح کے ساتھ مرنے کو چلیں " کیاآٹھویں آئت سے معلوم نہیں ہوتاکہ مسیح کے شاگردآپ کے حضوربڑی آزادی اوربے تکلفی سے رہا کرتے تھے ۔ اپنے خیالات کو بڑی آزادی سے بیاں کردیا کرتے تھے ؟ وہ اگران کے خیالات کو غلط پاتے تھے توان کی اصلاح کردیا کرتے تھے۔ دینی رہبروں کواس خصوص میں مسیح کا نمونہ اختیارکرنا چاہئیے۔ مسیح ان کو جواب دیتے ہیں کہ کیا دن کے بارہ گھنٹے نہیں ہوتے اگرکوئی دن میں چلتا ہے وغیرہ " اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ دن میں

پورے بارہ گھنٹے ہوتے ہیں اوران میں سے کبھی کوئی گھنٹہ غیر معمولی طورپر مارا نہیں جاتا ۔ یعنی رات کبھی ایک یا دو گھنٹے پہلے آکردن کے بارہ گھنٹوں میں سے کوئی گھنٹہ کم نہیں کردیتی ۔ اور لوگ ان میں سے ہر ایک گھنٹہ میں بے ٹھوکر کھائے چلتے پھرتے اوراپنا کام کرتے ہیں کیونکہ ان کو " دنیا کی روشنی " یعنی سورج روشن کرتا ہے ۔ اسی طرح میرے پاس بھی ایک دن ہے جسے کوئی بادل تاریک نہیں کرسکتا اورمیں بھی اپنے باپ کی روشنی میں بے ٹھوکر کھائے چلتا اوراس کا کام بجالاتا ہوں اورجب تک دن کے بارہ گھنٹوں کی طرح وہ زمانہ جو میرے باپ نے میرے لئے مقررکیا ہے ختم نہ ہوجائے اورجو کام مجھے کرنے کو دیا گیا ہے پورا نہ ہوجائے تب تک ٹھوکر کا کوئی خطرہ نہیں۔ میں ہر طرح محفوظ ہوں اورتم میری صحبت میں محفوظ ہو۔ (مقابلہ کروں حضرت یوحنا ۶باب ۴آیت کے ساتھ)۔

آیت نمبر۱۱۔مسیح نے یہ باتیں کہیں اوراس کے بعد ان سے فرمایا کہ ہمارا دوست لعزرسوگیا ہے اورمیں اسے جگانے جاتاہوں۔

اب مسیح اپنے شاگردوں کو اس مقصد سے آگاہ کرتے ہیں جس کے سبب سے وہ یہودیہ جاناچاہتے ہے لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئیے کہ مسیح نے اس وقت کوئی ایسا تازہ پیغام بہنوں سے نہیں پایا تھا کہ لعزر مرگیا ہے اوراس کے دوستوں کا گھر ماتم کدہ بن گیا ہے بلکہ آپ نے اپنی روح کی قدرت سے جانا کہ آپ کا دوست کوچ کرگیا ہے۔ مگر وہ انہیں پہلے یہ نہیں کہتے کہ وہ مرگیا ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ سوگیا ہے اورمیں اسے جگانے جاتاہوں موت کو اکثرسونے سے تشبیہ دی جاتی ہے (توریت شریف کتاب استشنا ۳۱باب ۱۶آیت ،بائبل مقدس صحیفہ حضرت دانیال ۱۲باب ۲آیت ،حضرت متی ۲۷باب ۵۲آیت ،اعماالرسل ۷باب ۶۰آیت ،۱۳باب ۳۶آیت وغیرہ)غیر قوموں میں بھی یہ تشبیہ مروج ہے ۔ مگر فقط مسیحی ہی حقیقت میں جسمانی موت کو سونے سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔

ہمارا دوست لعزر۔ اس سے وہ پیارا اورمبارک رشتہ ظاہر ہوتا ہے جو مسیح اوراس کے بندوں میں پایا جاتا ہے۔ وہ اس کے دوست ہیں نوکرنہیں۔ (مقابلہ کرو حضرت یوحنا ۱۵باب ۱۳تا ۱۵آیت)غریب سے غریب مسیحی ایک دوست رکھتا ہے جو بادشاہوں سے زورآوراور دولتمندوں سے زیادہ دولتمند ہے۔ جو ابد تک اپنی دوستی نباہے گا۔

دیکھو مسیح کا دوست لعزرمرجاتا ہے مگر موت ان دونوں کو جدا نہیں کرسکتی چنانچہ وہ اب بھی دوست ہیں۔ نہ موت نہ زندگی نہ فرشتے نہ حکومتیں نہ قدرتیں اورنہ حال کی نہ استقبال کی چیزیں نہ بلندی اورنہ پستی او رنہ کوئی دوسری مخلوق ہم کو اس کی محبت سے جداکرسکتی ہے ۔

آیت نمبر ۱۲۔پس شاگردوں نے آپ سے کہا ۔ اے مالک اگر سوگیا توبچ جائے گا۔

ہمارے مولا نے جوکچھ کہا تھا کنایتہً کہا تھا۔ مگروہ اسے معمولی بات سمجھے وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سوگیا ہے۔ اور چونکہ بعض سخت سخت بیماریوں میں سونا عموماً صحت کا باعث یا نشان ہوتا ہے لہذا وہ سمجھتے ہیں کہ اگرسوگیا ہے توبہت اچھا ہواکیونکہ یقین ہے کہ وہ بچ جائے گا۔ پر اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی اپنے دل میں کہتے ہوں گے کہ اب ضرور نہیں کہ ہمارا خداوند اپنی اور ہماری جان کو خطرے میں ڈالے کیونکہ اب لعزرمسیح کے گئے بغیر ٹھیک ہوجائے گا۔ توما کےکلام سے جو آیت ۱۶میں درج ہے معلوم ہوتا ہے کہ خطرے کا اندیشہ ابھی تک ان کے دلوں میں جاگزین تھا۔

آیت نمبر ۱۳تا ۱۵۔مسیح نے تو اس کی موت کی نسبت کہا تھا۔ مگروہ سمجھے کہ آرام کی نیند کی بابت کہا۔ مسیح نے ان سے صاف فرمایا دیاکہ لعزر مرگیا۔ اور تمہیں تمہارے سبب سے خوش ہوں کہ وہاں نہ تھا۔ تاکہ تم ایمان لاؤ۔ لیکن آؤہم اس کے پاس چلیں۔

ان آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے مالک ان کی غلط فہمی کو دور کرتے ہیں اوران کو صاف صاف طورپر بتادیتے ہیں کہ لعزرمرگیا ہے۔ مگر یہ خیال کرکے کہ مبادا میرے شاگرد مجھ سے یہ کہیں کہ اے مالک اگر آپ کو وہاں جانا ہی تھا تو اس وقت کیوں نہ گئے جب کہ لعزر زندہ تھا اورکیوں اس وقت جاکر اسے شفا بخشی ۔ آپ ان کو فرماتے ہیں کہ "میں تمہارے سبب سے خوش ہوں کہ وہاں نہ تھا " وہ اس واسطے خوش تھے کہ آپ کی غیر حاضری کے سبب ایسا موقعہ پیدا ہوا جس میں خدا کا جلال زیادہ کثرت سے ظاہر ہونے پر تھا۔ اوراس کی نسبت معلوم ہونے کو تھا کہ وہ زندگی کا مالک اورمنبع ہے اورآپ کے شاگرد ایمان کے اعلیٰ سے اعلیٰ منزلوں تک پہنچائے جانے کو تھے۔ اگرآپ شروع میں وہاں ہوتے تو آپ کی ہمدرد اوررحیمانہ طبیعت آپ کو مجبورکرتی کہ لعزرکو مرنے نہ دیں۔

آیت نمبر ۱۶۔پس توما جسے توام کہتے تھے اپنے ساتھ کے شاگردوں سے کہا کہ آؤہم بھی مسیح کے ساتھ مرنے چلیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے کم ازکم ایک کے دل میں یہ خیال جاگیر ہورہا تھاکہ اگرہم وہاں گئے تو ہرگز نہیں بچیں گے۔ بلکہ ہم میں سے ہر ایک موت کا لقمہ بنے گا۔ توما میں اعتقاد اور بے اعتقادی کی عجیب ترکیب اورآمیزش نظر آتی ہے ایمان اس بات میں جلوہ نمائی کررہا ہے کہ وہ اپنے پیارے مالک کو اکیلا چھوڑنا گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے ساتھ مرمٹنے کو تیار ہے۔ مگر اس کے بالمقابل ایک قسم کی بے اعتقادی بھی دکھائی دے رہی ہے کہ وہ اس بات پر گرفت پیدا نہیں کرتا کہ جب تک اس کے خداوند کا کام تمام نہ ہو تب تک کوئی اس پر ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔ بلکہ برعکس اس کے وہ یہ مانتا ہے کہ اس کا کام انجام پائے یا نہ پائے ممکن ہے کہ کام کرنے میں وہ اوراس کے شاگرد جان سے مارے جائیں۔ شک کرنا اس کی طبعیت کا خاصہ تھا۔ اورمعلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہر بات کے تاریک پہلو کو دیکھا کرتا تھا اوریہ اس کے لئے مشکل تھا کہ جوکچھ وہ ایک مرتبہ اپنے ذہن میں جما چکا تھاا س کی نسبت اپنی رائے کو تبدیل کرلے۔

آیت نمبر ۱۷۔پس مسیح کو آکر معلوم ہواکہ اسے قبر میں رکھے ہوئے چاردن ہوگئے تھے۔

لکھا ہے کہ مسیح کوآکرمعلوم ہوا" اسکا یہ مطلب نہیں کہ بیت عینا میں آنے سے پہلے مسیح کو خبرنہ تھی کہ لعزرکو جان بحق ہوئے چار دن گذرگئے ہیں۔ کیونکہ جو شخص یہ جانتا تھاکہ وہ مرگیا ہے اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اسے مرے ہوئے چاردن ہوگئے ہیں۔ حضرت یوحنا صرف عام طورپر ذکرکرتا ہے کہ جب مسیح یہاں آیا تو لوگوں نے اس کو خبری دی کہ لعزرکو مرے ہوئے چاردن ہوگئے ہیں۔

چاردن ہوگئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مریم اورمارتھا نے اسی وقت پیغام بھیجا جس وقت ان کا بھائی قریب المرگ ہوگیا تھا اوروہ غالباً اسی دن مرگیا جس دن قاصد گیا تھا۔ ورنہ چاردن کا شمارپورا ہونا مشکل ہے ۔ کیونکہ مسیح دو دن تک جہاں تھے وہیں رہے۔ پس ایک دن قاصد کے جانے میں لگا ۔ دو دن مسیح جہا ں تھے وہاں رہے او رایک دن میں بیت عبارہ سے بیت عینا کو آیا۔ اس طرح چار دن ہوئے۔ اورمعلوم ہوتا ہے کہ جس دن وہ مرا اسی دن یہودی دستور

کے مطابق دفن کیا گیا۔ وہ دستور یہ تھا کہ یہودی مردے کو مرنے کے بعد فوراً دفن کردیتے تھے اورلعزر کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہی ہوا کیونکہ آیت ۳۹ کے مقابلہ سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ وہ جس دن مراسی دن دفنایاگیا۔ نیز مقابلہ کرو(اعمالرسل ۵باب ۶تا ۱۰آیت)۔

آیت نمبر ۱۸، ۱۹۔بیت عینا یروشلم کے نزدیک تخمیناً دو میل کے فاصلے پر تھا اوربہت سے یہودی مرتھا اورمریم کو بھائی کے بارہ میں تسلی دینے آئے تھے ۔

اب اس حقیقی تسلی دہندے کے آنے سے پہلے یروشلم سے کئی لوگ تسلی دینے کے لئے پہنچ تھے۔ یہودیوں میں دستور تھا کہ جب کوئی مرجاتا تھا اس کے پس ماندگان کو تسلی دینے اوران کے ساتھ سوگ کرنے کے لئے لوگ جمع ہوجایا کرتے تھے۔ ماتم پرستی کے لئے آتے تھے اور دس دس دن تک ان کے پاس رہتے تھے (۱تواریخ ۷باب ۲۲آیت) کہتے ہیں کہ سوگ کے تیس دن ہوتے تھے۔ ان میں سے پہلے تین دن رویا کرتے تھے پھر سات دن تک ماتم ہوا کرتا تھا اورباقی بیس دن میں سوگ کیا جاتا تھا۔

لیکن اس بیت عینا کے غم زدہ گھرانے میں ایک شخص آتا ہے جو حقیقی تسلی دے سکتا ہے اورغم زدوں کی آنکھوں سے غم کے آنسو پونچھ سکتا ہے۔ مگر چونکہ اس وقت یہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو شائد اس کے سخت مخالف تونہیں مگر تاہم اس سے ہمدردی نہیں رکھتے لہذا وہ ان ناموافق لوگوں کے درمیان اوراس غم کے عالم میں پہلی مرتبہ غم زدہ بہنوں کے ساتھ ملاقات کرنا پسند نہیں کرتا۔ پس باہر ٹھہر جاتا ہے شائد کسی جگہ لعزرکی قبر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اوروہاں سے اپنے آنے کی خبربہنوں کے پاس بھیج دیتا ہے۔ ہم نے کہا لعزرکی قبر کے پاس بیٹھ گیا یہ خیال مہمان یہودیوں کے قیاس سے پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب مریم مسیح کی ملاقات کے لئے نکلی اس وقت انہوں نے خیال کیاکہ وہ لعزرکی قبرکو جاتی ہے پس مسیح بھی کہیں اسی طرف اورغالباً جہاں لعزرمدفون تھا کہیں اسی جگہ کے پاس کھڑا تھا۔ یہودیوں کامریم اورمارتھا کو تسلی دینے آنا پختہ ثبوت اس بات کا ہے کہ لعزرمرگیا تھا۔ اگروہ نہ مرا ہوتا تویہ لوگ ہرگز ہرگز عیادت کے لئے نہ آتے۔

آیت نمبر ۲۰تا ۲۷۔ ان آیات میں مسیح اور مرتھا کی ملاقات اور باہمی گفتگو کا ذکر مندرج ہے ۔ اورہم دیکھتے ہیں کہ مارتھا کی بات

کے جواب میں مسیح کیسی عظیم صداقتیں اپنی ذات اورشخصیت کی بابت بیان فرماتے ہیں۔

آیت نمبر۲۰۔پس مارتھا مسیح کے آنے کی خبرسن کران سے ملنے کو گئی لیکن مریم گھرمیں بیٹھی رہی ۔

مریم کے گھرمیں بیٹھے رہنے سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئیے کہ وہ بیٹھنا پسندکرتی تھی۔ اس کے بیٹھنے کا ذکردوجگہ آتا ہے ایک اس جگہ اورایک لوقا ۱۰باب ۳۹آیت)میں اس آخری مقام میں جو اس کے بیٹھنے کا ذکرپایا جاتا ہے اس کا سبب یا اس کی کشش یہ تھی کہ وہ مسیح کی زندگی بخش باتیں سننا چاہتی تھی نہ یہ کہ وہ چلنے پھرنے سے تنگ آئی ہوئی تھی۔ اورحضرت یوحنا کے اس مقام سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مارتھا جواپنی طبعیت کے مطابق غالباً اس غم اور سوگ کے عالم میں بھی مہمانوں کی تواضع میں لگی ہوئی تھی اوراس سبب سے اندرباہرآتی جاتی تھی اس نے مسیح کے آنے کی خبرپہلے پائی اورپاتے ہی اس سے ملنے چلی گئی اورمریم جوجواندربیٹھی تھی پہلے معلوم نہ ہوا۔ اوراگرہوتا توفوراً مسیح سے ملنے جاتی جیسا کہ بعدمیں خبرپاکرگئی (دیکھوآیت ۲۹)۔

آیت نمبر۲۱۔مارتھا نے مسیح سے کہا اے مالک اگرآپ یہاں ہوتے تو میرا بھائی نہ مرتا ۔

جب ہم ۲۳آیت کوپڑھتے ہیں توہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب مریم مسیح کے پاس آتی ہے تواس کے پاؤں پرگرپڑتی ہے ۔ لیکن مرتھا کی نسبت نہیں کہا گیا کہ وہ بھی اس کے پاؤں پرگری۔ نا ممکن نہیں کہ وہ بھی گری ہومگرکلام میں ذکرنہیں کیا گیا بعض وقت کلام کی خاموشی بھی پر مطلب اور پر لطف ہوتی ہے۔ مگرگومرتھا کے سجدہ کی نسبت کچھ نہیں لکھا گیا ۔ پرجولفظ اس نے کہے وہ" مرقوم ہیں اوروہ وہی ہیں جروم نے بھی کہے ۔ پہلی بات جومرتھا کی زبان سے نکلتی ہے یہی ہے کہ اے مالک اگرآپ یہاں ہوتے تومیرا بھائی نہ مرتا "معلوم ہوتا ہے کہ جن خیالات سے ان کے غم کا پیالہ لبریزہورہا تھا ان میں سے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جب لعزربیمارتھا اس وقت مسیح پاس نہ تھا۔ کیونکہ وہ خیال کرتی تھیں کہ اگروہ موجود ہوتے تو ہماراگھرآج ماتم کدہ نہ ہوتا۔ بلکہ بھائی کی مہلک بیماری سے شفا پانے کے سبب عشرت کدہ دکھائی دیتا ۔

آئت نمبر۲۲۔اوراب بھی میں جانتی ہوں کہ جوکچھ خدا سے مانگے گا وہ تجھے دے گا۔

مرتھا اب بھی امید رکھتی ہے کہ مسیح جو چاہے سوکرسکتا ہے ۔ لیکن اس امید میں کسی قدرکمزوری بھی پائی جاتی ہے ۔ اس کے تصور میں مسیح کی نسبت اعلیٰ اورادنےٰ دونوں طرح کے خیالات مشتمل ہیں۔ ایک طرف وہ اس بات کی قائل ہے کہ مسیح اپنی دعا کے وسیلے سب کچھ کرسکتا ہے مگر دوسری جانب اس میں یہ نقص نظر آتا ہے کہ وہ یہ نہیں سمجھتی کہ جو کچھ وہ دعا کے وسیلے پاتا ہے وہ درحقیت باپ کے ساتھ ایک ہونے کے سبب اسی کے اختیارمیں ہے ۔ پس جو چاہے سو اپنی قدرت سے کرسکتا ہے ۔مارتھا کی یہ خوبی غورطلب ہے کہ وہ دعا کی تاثیرکی قائل ہے اس سوال کے جواب میں "مسیح نے اس سے کہا کہ تیرا بھائی جی اٹھے گا "آیت ۲۳) ہمیں اب معلوم ہے کہ مسیح کا کیا مطلب تھالیکن لعزرکے مردوں میں سے جی اٹھنے سے پہلے مرتھا کے لئے یہ الفاظ ایک طرح ذومعنی تھے۔ پس ان لفظوں نے یہ آرزو کہ لعزرجی اٹھے اس کے دل میں پیدا کردی مگر یہ یقین اس کو نہ آیا کہ وہ ابھی مردوں میں سے جی اٹھے گا۔ بلکہ اس نے خیال کیاکہ بے شک جب اورسچے اسرائیلی قیامت کے دن اٹھیں گے اس دن وہ بھی جی اٹھے گا۔ مگر اسمیں میرے لئے کیا تسلی ہے چنانچہ وہ کہتی ہے ۔

"میں جانتی ہوں کہ قیامت میں آخری دن جی اٹھے گا" (آیت ۲۴)۔یہ یقین تو اسے تھا کہ ایک دن آئے گا۔ جب میرا بھائی مردوں سے جی اٹھے گا۔ لیکن یہ خیال اس کے لئے بہت تسلی دہ نہ تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ ابھی جی اٹھے مگراس کے ساتھ یہ بھی سوچتی تھی کہ یہ نا ممکن ہے۔ چنانچہ مسیح اسے فرماتے ہیں کہ تو یہی خیال کرتی ہے کہ جب قیامت آئے گی تب تیرا بھائی زندہ ہوگا۔ اورنہیں جانتی کہ۔

"قیامت اور زندگی تو میں ہوں۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے گو وہ مرجائے توبھی جیتا رہے گا اورجوکوئی جیتا ہے اورمجھ پر ایمان لاتا ہے وہ ابد تک کبھی نہ مرے گا ۔کیا تو ایمان اس پر رکھتی ہے (آیت ۲۵،۲۶)۔

گویا مسیح اسے یہ کہتے ہیں کہ جو قدرت موت کو مغلوب کرنے والی ہے وہ مجھ میں پائی جاتی ہے وہ مجھ سے دورنہیں ہے جیسا تو خیال کرتی ہے کہ قیامت میں وہ قدرت نمودارہوگی۔ اورنہ وہ مجھ سے جدا ہے جیسا تو خیال کرتی ہے کہ میں دعا کے وسیلے اسے کسی غیر سے پاتاہوں نہیں" قیامت اورزندگی میں ہوں" یہ چیزیں مجھ میں ہیں اور مجھ سے جدا نہیں۔میں ہی موت کو فتح کرنے والاہوں اور ہمیشہ کی زندگی مجھ ہی میں پائی جاتی ہے۔ اگرتو ایمان لائے توتجھ

وہ برکت ملے گی جو موت کو موت نہیں بلکہ نفح سمجھتی ہے۔ میں موت کو فتح کرنے والا ہوں اورجسموں کا نجات دہندہ ہوں۔ میں زندگی کا سرچشمہ ہوں پس ابدی اورروحانی اورجسمانی زندگی مجھ ہی سے نکلتی ہے۔ ایک بات ان لفظوں سے روزروشن کی طرح واضح ہے کہ یہ الفاظ سوائے اس کے جو اپنے تیئں خدا جانتا تھا اورکوئی استعمال نہیں کرسکتا تھا۔

قیامت وہ زندگی ہے جو موت کا مقابلہ کرتی ہے اوراس پر غالب آتی ہے۔ یہ زندگی کی موت ہے ۔ یہ زندگی گویا موت کا مقابلہ اس صورت میں کرتی ہے جو اس کی سب بھیانک صورتوں میں زیادہ بھیانک ہے ۔ جب بدن سڑجاتا ہے اورعناصر جدا جدا ہوجاتے ہیں اورموت فتح مندوں کی صورت اختیارکرکے یہ کہتی ہے کہ اب میرے قبضے سے میرے شکارکو کون چھڑاسکتا ہے اس وقت جو قدرت اس پر غالب آتی ہے وہی قیامت ہے وہ اسے چکنا چورکرتی ہے مگر ہم کو ابھی اس زندگی کا بیعانہ ملا ہے ۔ ابھی فنا کو بقا نے نگلا نہیں۔ ابھی ساری چیزیں اس کے پاؤں کی چوکی نہیں بنی ہیں (خط اول کرنتھیوں ۱۵باب ۲۵تا ۲۶آیت)پس کیا ہم یہ کہیں کہ ہم کو اس سے کیا فائدہ؟ کیونکہ یہ صداقت بھی ایسی ہے جو بے قیاس مدت کے بعد وقوع میں آنے والی ہے ۔ ہم ایسا خیال نہ کریں کیونکہ وہ جو مردوں کی قیامت ہے زندگی بھی ہے۔ وہ زندوں کی بھی زندگی ہے وہی اکیلا زندگی کا سرچشمہ ہے "کیونکہ جس طرح باپ اپنے میں زندگی رکھتا ہے اسی طرح اس نے بیٹے کو بھی یہ بخشا کہ اپنے آپ میں زندگی رکھے " (حضرت یوحنا ۵باب ۲۶آیت)پس جو اس زندگی کے چشمے سے زندگی نہیں پاتے وہ نہ صرف جسمانی موت کے پنجہ میں گرفتارہیں بلکہ روح کی زندگی سے بھی محروم ہیں۔

اب جنابِ مسیح یہ بتاکر کہ میں کیا ہوں اورجو مجھ پر ایمان لاتے ہیں وہ کیا بن جاتے ہیں ۔ اس سے پوچھتے ہیں "کیا تو اس پر ایمان رکھتی ہے ؟ کیا تو اس بات کو قبول کرتی ہے کہ میں ہی زندگی اورموت کا بادشاہ اورمالک ہوں میں جو تیرااستاد ہوں خدا ہوں اورزندگی اور موت کی کنجیاں اپنے ہاتھ میں رکھتا ہوں۔ کیا تو یہ مانتی ہے یا صرف مجھے ایک نبی جانتی ہے ؟کیا تو مانتی ہے کہ موت کے بعد قیامت اور زندگی کے متعلق جو صداقتیں پائی جاتی ہیں ان کا مرکز میں ہوں؟ اس کے جواب میں "اس نے مسیح سے کہا ہاں اے مالک میں ایمان لاچکی ہوں کہ آپ خدا کے بیٹے مسیح جو دنیا میں آنے والے تھے آپ ہی ہیں۔ (آیت ۲۷)۔

آیت نمبر۲۹تا ۳۲۔وہ سنتے ہی جلد اٹھ کراس کے پاس آئی مسیح ابھی گاؤں میں نہیں پہنچا ۔ بلکہ اس جگہ تھے جہاں مرتھا انہیں ملی تھی جویہودی گھرمیں اس کے پاس تھے اوراسے تسلی دے رہے تھے کہ یہ دیکھ کرکہ مریم جلد اٹھ کرباہر گئی۔ اس خیال سے اس کے پیچھے ہولئے کہ وہ قبرپر رونے جاتی ہے جب مریم اس جگہ پہنچی جہاں مسیح تھے اوراسے دیکھا توان کے پاؤں پرگرکر کہا ۔ اے مالک اگرآپ یہاں ہوتے تو میرا بھائی نہ مرتا۔

یہ خبرسنتے ہی وہ اس طرف جدہر مسیح تھے روانہ ہوئی ۔ اوراسے جاتے دیکھ کران لوگوں نے جواسے تسلی دے رہے تھے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ اپنے بھائی کی قبرپر رونے چلی ہے ۔ کیونکہ یہودی عورتوں کے درمیان یہ دستورتھا وہ اپنے سوگ کے پہلے چند ایام میں رشتہ داروں کی قبروں پرجاکررویاکرتی تھیں۔ لہذا وہ لوگ بھی اس کے پیچھے ہولئے مگر درحقیقت ان کا جانا انتظام ربی کے مطابق تھا کیونکہ خدا کومنظورتھا کہ یہ عجیب معجزہ بہت سے گواہوں کے روبرو وقوع میں آئے۔

جب مریم اس جگہ پہنچی جہاں مسیح تھے توآپ کے پاؤں پر گرکر کہنے لگی ۔ اے مالک اگرآپ یہاں ہوتے تو میرا بھائی نہ مرتا" یہ وہی الفاظ ہیں جو اس کی بہن مرتھا نےمسیح کودیکھتے ہی کہے تھے اور دونوں بہنوں کے ایک ہی بات کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چاردنوں کے عرصہ میں یہی بات ان کے وردزباں ہورہی تھی۔ انہوں نے باربارایک دوسرے سے کہا ہوگا کہ اگرمالک یہاں ہوتے تو ہمارا بھائی نہ مرتا ۔ اورچونکہ یہ خیال ان کے دل اورزبان پر چڑھا ہوا تھا اس لئے مریم نے بھی اسے دیکھ کریہی کہا " اے مالک اگرآپ یہاں ہوتے تو میرا بھائی نہ مرتا" ۔

آیت نمبر۳۳،۳۴۔جب مسیح نے اسے اوران یہودیوں کو جو اس کے ساتھ آئے روتے دیکھا تو دل میں رنجیدہ ہوا اورگھبرا کر کہا تم نے اسے کہاں رکھا ہے۔ انہوں نے کہا اے مالک آکردیکھیں۔

لکھا ہے کہ جب مسیح نے مریم کو اوراس کے ساتھ بعض یہودیوں کو روتے دیکھا تو دل میں رنجیدہ ہوا۔ یونانی لفظ جس کا ترجمہ "رنجیدہ ہوا" کیا گیا ہے اصل میں معنی خفا ہونے کے رکھتے ہیں۔ اور کبھی اظہارغم کے لئے نہیں آتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس موقع پر مسیح غصہ ہوئے؟ اس کے جواب میں کئی باتیں بتائی گئی ہیں۔

(۱)یہ کہ وہ اس موقع پر اپنے آپ سے غصہ ہوا کیونکہ کو روتے دیکھ کراس کے دل میں ایک قسم کی رقت پیدا ہوئی ۔ مگراس نے اس رقت

کو اپنی شان کے بر خلاف سمجھا اوراپنے ساتھ غصہ ہوا۔ مگر یہ خیال قبول کرنے کے لائق نہیں۔ مسیحی مذہب یہ نہیں سکھاتا کہ ہم روئیں نہیں یاکہ ہمدردی کے خیالات کا اظہار بذریعہ آنسو کے نامناسب ہوتا ہے۔ بلکہ ہم کو یہ حکم دیتا ہے کہ جو روتے ہیں ان کے ساتھ روئیں۔ جس بات کی ہدائت کی گئی ہے وہ ایک بزرگ کے الفاظ میں یوں ادا کی جاسکتی ہے کہ " ہم یہ نہیں چاہتے کہ غم کا دریا بالکل خشک ہوجائے بلکہ اسے باندھ کر کناروں کے اندر رکھنا چاہتے ہیں "(۲) دوسرا قیاس یہ ہے کہ مسیح اس واسطے رنجیدہ ہوئے کہ آپ نے دیکھ لیا کہ یہودی جو حاضر تھے وہ اس کے معجزے کو مخالفت کی نظر سے دیکھیں گے اورکبھی قبول نہ کریں گے ۔ (۳)اس لئے غصہ ہوا کہ اس نے مریم اور مرتھا وغیرہ کو دیکھا کہ وہ رونے سے بازنہیں آتے ہیں اوراس طرح ظاہر کرتی ہیں کہ گویا وہ اسے مردوں سے زندہ نہیں کرسکے گا۔ پر یہ خیال بھی درست نہیں کیونکہ ان کے آنسوؤں میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے وہ ناراض ہوتا۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں مسیح خود روئے۔ سب سے زیادہ اور صحیح خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہاں گناہ کے نتیجہ کو دیکھا اوراس بربادی کوجو گناہ کے سبب دنیا میں آئی ہوئی ہے معائنہ کیا۔ اوراپنے دل میں اس سے جو اس بربادی اورغم کا موجد تھا غصہ ہوا۔ بے شک وہ اس وقت لعزرکو زندہ کرنے پر تھا۔ پر وہ جانتا تھا کہ لعزرکو یہ تلخ پیالہ پھر پینا پڑے گا۔ اس کی بہنوں کے آنسوں اب پونچھے جائیں ۔ مگر چند دن کے بعد پھر بہینگے ۔ صحیح خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبرانی محاورہ ہے جو غم اور ہمدردی کے موقعہ پر دلی حالت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ پس یہ گھبراہٹ غم کی گھبراہٹ تھی (مقابلہ کرو۱سموئیل ۳۰باب ۶آیت ،۲سموئیل ۱۲باب ۱۸آیت) پس مسیح اس وقت گناہ کے بانی سے غصہ ہیں اوراب زیادہ دیر کئے بغیراس کے ساتھ مقابلہ کرنے کو تیارہوجاتے ہیں اورپوچھتے ہیں تم نے اسے کہاں رکھا ہے ۔ وہ کہتے ہیں اے مالک آکر دیکھیں۔

آیت نمبر ۳۵۔مسیح کے آنسو بہنے لگے ۔ پرانے ترجمہ میں " مسیح روئے " ۳۳آیت میں جو لفظ رونے کے لئے آیا ہے وہ اورہے۔ اس میں چلانا اورنالہ کرنا بھی شامل ہے۔ مگر جس لفظ کا ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد آنسو بہانا ہے ۔ اس ہمدردسردارکاہن کی آنکھوں سے ان کی مصیبت اور غم کو دیکھ کر آنسو نکل آئے۔ وہ سچی ہمدردی کے جوش کو روک نہ سکا۔ ہم اوپر دکھا آئے ہیں کہ اس طرح ہمدردی کو ظاہر کرنے میں کوئی بات اس کی شان کے بر خلاف نہ

تھی بلکہ ان آنسوؤں میں یہ آئت دو لفظوں سے مشتمل ہے ۔ پر کیسے بیش قیمت خزانے اس میں نہاں ہیں۔ حالانکہ مسیح جانتے ہیں کہ میں ابھی لعزر کو زندہ کروں گا تاہم وہ ان کے موجودہ غم میں شامل ہوتے ہیں پر اس کا اظہار غم اعتدال کے ساتھ ہوتا۔ وہ نالاں نہیں ہوتا۔ ایک اور بات اس سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ کہ الہٰی اظہار سے پہلے انسانی ذات کا اظہار اپنا جلوہ دکھاتا ہے پہلے روتا اور پھر لعزر کو زندہ کرتا ہے غور کیجئے جو انجیل مسیح کی الوہیت کے ثبوت میں لکھی گئی وہی اسکی انسانیت کا بڑے سے بڑا ثبوت پیش کرتی ہے ۔ پر صحیح خیال یہی معلوم ہوتا ہے کہ بہ سبب ہمدردی کے روئے۔

آیت نمبر ۳۶تا۳۷۔پس یہودیوں نے کہادیکھو وہ اس کو کیسا عزیز تھا۔ لیکن ان میں سے بعض نے کہا کیا یہ شخص جس نے اندھے کی آنکھیں کھولیں یہ نہ کرسکا کہ وہ مرتا بھی نہیں ؟

یہودیوں میں جو اس وقت حاضر تھے دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو مسیح کے آنسوؤں اور ہمدردی کو دیکھ کر نیک نیتی سے اس کی اس محبت پر جو وہ لعزر سے رکھتا گواہی دیتے ہیں۔ دوسرے وہ جو عیب جوئی کی راہ سے یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص جواب آنسو بہارہا ہے اور جس نے اندھوں کو آنکھیں دیں کیا اس کو مرنے سے بچا نہ سکا ؟ اگر کوئی پوچھے کہ انہوں نے اندھوں کی آنکھیں کھولنے کی مثال کیوں دی ۔ اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ شخص جس نے مردوں کو زندہ کیا کیا لعزر کو مرنے سے نہیں بچاسکتا تھا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے مسیح نے ایک جنم کے اندھے کی آنکھیں جیسا ہم پڑھ چکے ہیں یروشلم میں روشن کی تھیں۔ اوراس معجزے کے سبب سے یہودیوں کی طرف سے بڑی تحقیقات ہوئی تھی۔ لہذا یہ یہودی یروشلم کے رہنے والے تھے اس واقعہ کو نہیں بھولے تھے۔ پر مردوں کو زندہ کرنے کے معجزے جو گلیل میں سرزد ہوئے ان کی یاد میں ایسے تازہ نہ تھے۔ پس جس معجزہ کا حال ان کو بخوبی یاد ہے ۔ اس کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔ اوران کا ایسا کرنا ایک پختہ ثبوت اس بات کا ہے کہ انجیل نویس چشم دیدواقعہ تحریر کررہا ہے ۔ کیونکہ یہ انجیل اگر دوسری یا تیسری صدی میں تحریر کی جاتی تو مصنف ضرور مردوں کو زندہ کرنے کی مثال لاتا۔ اوریوں کہتا کہ " ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ شخص جس نے مردوں کو زندہ کیا یہ نہ کرسکا کہ وہ مرتا بھی نہیں۔

آیت نمبر ۳۸۔مسیح اپنے دل میں پھر رنجیدہ ہوکر قبر پر آئے ۔ وہ ایک غارتھا اوراس پر پتھر دھرا تھا۔

اب مسیح قبر پر آتے ہیں۔ پھر ایک مرتبہ وہی رنجیدگی جس کا بیان اوپر کیا ہے ان کے دل میں ہے وہ قبر جس میں لعزر مدفون تھا شہر کے باہر ایک غار میں تھی کبھی اس قسم کی غار قدرتی ہوتی تھی (توریت شریف کتاب پیدائش ۲۳باب ۹آیت)اور کبھی مصنوعی یعنی لوگ اپنی محنت سے چٹان میں اسے تراشا کرتے تھے (یسعیاہ ۲۲باب ۱۶آیت اورحضرت متی ۲۷باب ۶۰آیت)کبھی باغ میں ہوتی تھی (حضرت یوحنا ۱۹باب ۴۱آیت)کبھی کسی کھیت میں جو کسی خاندان کے قبضہ میں ہوتا تھا ۔ بعض بعض جگہ ان قبروں کا منہ زمین کی سطح سے ہموارہوتا تھا۔ اوربعض جگہ سیڑھیوں کے وسیلے نیچے اتر کر قبر تک جانا پڑتا تھا۔ ان قبروں کے منہ پر پتھر اس لئے رکھا جاتا تھاکہ درندے اور خصوصاً گیدڑ اندر نہ جانے پائیں۔ کیونکہ خطرہ تھاکہ کہیں وہ قبر میں گھس کر مردے کو پھاڑنہ ڈالیں۔ اوریہ پتھر ایسے قدآور ایسے وزن کا ہوتا تھاکہ اسے آسانی سے ہلانہیں سکتے تھے (حضرت مرقس ۱۶باب ۳آیت)۔

آیت نمبر۳۹۔مسیح نے کہا کہ پتھر اٹھاؤ۔ اس مرے ہوئے شخص کی بہن مرتھا نے مسیح سے کہا ۔ اس میں سے تو اب بدبو آتی ہے کیونکہ چاردن ہوگئے۔

سوال برپا ہوتا ہے کہ مرتھا کا ذکر آگے کئی مرتبہ آچکا ہے۔ اب یہ بتانا کہ وہ مرے ہوئے کی بہن تھی کیا ضرورت تھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشریح اس واسطے کی کہ پڑھنے والے کو معلوم ہوجائے کہ جب مسیح نے پتھر ہٹانے کا حکم دیا اس وقت اوروں کی نسبت جو اس اس کے رشتہ دار نہ تھے اس کو جو اس کی بہن تھی زیادہ صدمہ گزرا کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ چہرہ جو زندگی کے زمانہ میں صحت اورتندرستی کے سبب سے چمکتا اورخوب صورت معلوم ہوتا تھا مگر اب موت کے سبب سے سڑنے اورگلنے لگ گیا تھا اوربد صورت ہوگیا تھا۔ لوگوں کی نظروں کے سامنے لایا جائے ۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب تک پورے طورپرنہیں سمجھتی کہ مسیح اسے مردوں میں سے جلانے لگا ہے۔ بلکہ یہ خیال کرتی ہے کہ شائد مسیح پتھر ہٹوا کر اس کا منہ دیکھنا چاہتے ہیں ۔ سووہ انہیں پتھر ہٹوانے سے منع کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اسے تو مرے ہوئے چاردن ہوگئے ہیں۔ گرم ممالک میں اتنے عرصہ کے اندر سراہٹ اپنا عمل جاری کردیتی ہے ۔ دو تین باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں (۱)یہ کہ جب ہم مارتھا کی زبان سے یہ سنتے ہیں کہ اس میں سے تو اب بدبو آتی ہے تو ہم یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ اس سے پہلے مرتھا نے کسی وقت اس کو خود آکر دیکھا تھا اوراپنے

تجربہ سے معلوم کیا تھا کہ اس میں سے بدبو آرہی ہے ۔ بلکہ وہ یہ نتیجہ اس کے چارن دن تک قبر میں رہنے سے نکالتی ہے ۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اس عرصہ میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے۔ (۲)ضرورت نہیں کہ اس نے جو اسے اٹھانے والا تھا اپنی الہٰی قدرت سے اس کے جسم کو اس سڑاہٹ سے محفوظ رکھا ہو۔

آیت نمبر ۴۰۔مسیح نے اسے فرمایا کیا میں نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ اگر تو ایمان لائے گی تو خدا کا جلال دیکھے گی۔

ان لفظوں سے صادر ہے کہ مسیح مرتھا کی کم اعتقادی کو دھمکاتے اوردباتے ہیں ۔ اس آیت کےمتعلق بھی ایک بات دریافت طلب ہے اوروہ یہ کہ مسیح کونسی گفتگو کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جس میں سے اس نے یہ الفاظ مرتھا کی طرف مخاطب ہوکر اپنی زبان مبارک سے بیان فرمائے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اسی گفتگو کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اوپر قلمبند ہے ۔ گو اس میں یہ الفاظ تو نہیں پائے جاتے پر یہ مطلب پایا جاتا ہے کیونکہ وہ گفتگو ایمان کی اس طاقت کےمتعلق ہے جو ان برکتوں کوجو مسیح میں موجود ہیں لیتا ہے اور یوں خدا کا جلال ظاہر کرتا ہے۔ یہ سن کر مارتھا خاموش ہوجاتی ہے۔

آیت نمبر ۴۱،۴۲۔پس انہوں نے اس پتھر کو اٹھایا پھر مسیح نے آنکھیں اٹھاکر کہا اے پروردگارمیں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تونے میری سن لی۔ اورمجھے تو معلوم تھا کہ تو ہمیشہ میری سنتا ہے مگر ان لوگوں کے باعث جوآس پاس کھڑے ہیں میں نے یہ کہا تھا کہ وہ ایمان لائیں کوتونے ہی مجھے بھیجا ہے۔

اب جب کہ کم اعتقادی کی رکاوٹ دورہوگئی اورمرتھا کے سکوت سے ظاہر ہوا کہ وہ پتھر کے ہٹانے سے نارضا مند نہیں تو مسیح نے اپنی آنکھیں اٹھائیں اورکہا "اے باپ میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تونے میری سن لی ۔مگر اس خیال سے کہ مبادا اس شکر گزاری کی دعا کوجواجابت الہٰی کے صلہ میں ادا کی گئی سن کر اس کےشاگرد اوران کے بعد کلیسیا جس کے پاس یہ الفاظ میراث کے طورپر پہنچنے کو تھے یہ نتیجہ نکالے کہ ممکن تھا خدا اس کی دعا نہ سنتا یا وہ یہ الفاظ اضافہ کرتا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ تو میری ہمیشہ سنتا ہے اوراب جو میں نے تیرا شکریہ ادا کیا وہ اس لئے کہ وہ جو موجود ہیں ان کو معلوم ہو جائے کہ مردوں کو زندہ کرنے کی طاقت جومجھ میں پائی جاتی وہ سحریا جادو کی جانب سے نہیں۔ بلکہ تیری طرف سے ہے او ریہ جان کر وہ ایمان لائیں کہ تونے ہی مجھے بھیجا ہے ۔ ہمارے

مالک پر جیسا ہم دیکھ آئے ہیں ان کے دشمن یہ الزام لگایا کرتے تھے کہ وہ اپنے معجزے بعل زبول کی مدد سے کرتا ہے۔ اب مسیح جب آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر خدا سے دعا کرتے ہیں تو اس فعل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو طاقت مجھ میں اورمیرے وسیلے کام کرتی ہے وہ الہٰی طاقت ہے ممکن ہے کہ اس وقت مسیح کو وہ یہودی جو یروشلم سے آئے ہوئے تھے مدنظر تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اس قسم کےمعجزات سے اس کے شاگردوں کا ایمان ضرورمضبوط ہوتا تھا۔

آیت نمبر ۴۳۔یہ کہہ کرمسیح نے بلندآوازسے پکارا کہ اے لعزرنکل آ۔

بعض بزرگوں کا مثلاًکری ساسٹم صاحب کا خیال ہے کہ جب مسیح دعا مانگ رہے تھے اس وقت لعزر میں جان آگئی تھی۔ مگر کلام کےمطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کا جی اٹھنا خدا کے بیٹے کی آوازسے مربوط کیا گیا ہے مثلا حضرت یوحنا ۵باب ۲۸آیت میں آیا ہے۔ وہ وقت آتا ہے کہ جتنے قبروں میں ہیں اس کی آوازسن کرنکلیں گے اورپھر ۱تھسلنکیوں ۴باب ۱۶آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے مسیح کی "للکا ر" اورپھر مردوں کا جی اٹھنا وجود میں آئے گا ۔ اور نا ممکن نہیں کہ ۱کرنتھیوں ۱۵باب ۵۲آیت کا "آخری نرسنگا" بھی خدا کی آوازپر دلالت کرتا ہو جو موت کے تمام احاطہ میں سنائی دے گی ۔ پس وہ زندگی بخش طاقت جس کے طفیل سے لعزراٹھ کھڑا ہوا ۔ خدا کے بیٹے کی آوازیا حکم میں موجود تھی۔

آیت نمبر ۴۴۔جو مرگیا تھا وہ کفن سے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے نکل آیا۔ اوراس کا چہرہ رومال سےلپیٹا ہوا تھا۔ مسیح نے ان سے کہا اسے کھول کر جانے دو۔

بعض بزرگوں (مثلاً بزرگ میسل) نے یہ خیال کیا ہے کہ یہاں ایک نیا معجزہ وجود میں آیا یعنی مسیح نے پہلے لعزرکو زندہ کیا اورپھر اسے جو کفن میں ایسا لپیٹا ہوا تھا کہ باہر نہ نکل سکتا تھا اپنی معجزانہ قدرت سے باہر آنے کی طاقت عطا فرمائی ۔ مگر ایسا قیاس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ کفن کا کپڑا ڈھیلا ہو اور حرکت کرنے کونہ روکتا ہو۔ یا ممکن ہے کہ وہ مصری دستور کے مطابق دفنایا گیا ہو۔ وہ دستوریہ تھاکہ مصری اپنے مردوں کے ایک ایک عضو کو علیحدہ کپڑے سے لپیٹتے تھے۔ حتیٰ کہ چھلنگیا پر بھی ایک جدہ ٹکڑا کپڑے کا لپیٹا کرتے تھے۔

آیت نمبر ۴۶،۴۵۔ پس بہترے یہودی جو مریم کے پاس آئے تھے اور جنہوں نے مسیح کا یہ کام دیکھا تھا اس پر ایمان لائے بعض نے فریسیوں کے پاس جاکر مسیح کے کاموں کی خبردی۔

رسول ہم کو اس خوشی اورخورمی کی بابت جو لعزر کے جی اٹھنے کے بعد اس کے خاندان کو حاصل ہوئی کچھ نہیں بتاتا۔ ہم خود قیاس کرسکتے ہیں کہ وہی گھر جہاں ماتم اورنوحه کا بازارگرم تھا اب جشن کی جگہ بن گیا ہوگا۔ رسول ہم کو اس عجیب وغریب معجزے کے نتائج کی خبردیتا ہے کہ لوگوں پر اس کا کیا اثر ہوا اورآخر کارکس طرح یہودیوں کی دشمنی اوربغاوت میں متنج ہوا ۔وہ بتاتا ہے کہ کس طرح یہاں ان واقعات میں کڑی کی طرح جا لگا جن کا انجام خدا کے ازلی ارادے کےمطابق یہ ہوا کہ سیدنا مسیح ہمارے عوض میں کائفا کے پر مطلب کلام کے مطابق امت کے بدلے صلیب پر چڑھایا گیا۔ اس معجزے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض یہودی ایمان لائے " کہ سیدنا عیسیٰ مسیح موعود " ہے لیکن بعض نے جاکر یروشلم میں فریسیوں کو خبردی کہ مسیح نے ایسا معجزہ دکھایا ہے۔ سوال برپا ہوتا ہے کہ انہوں نے کس نیت سے ان کو خبردی ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے انہوں نے اس ارادے سے خبردی کہ وہ بھی اس پر ایمان لائیں جس نے ایسا عجیب معجزہ دکھا کر ثابت کردیاکہ میں منجانب اللہ ہوں لیکن حضرت یوحنا کا بیان اس خیال کی تائید نہیں کرتا ۔ کیونکہ وہ ہم کو بتاتے ہیں کہ یہودی مریم کے گھر میں آئے ہوئے تھے ان میں سے کئی ایمان لائے "مگر ان میں سے بعض نے " کن میں سے ؟کیا ان میں سے جو ایمان لائے تھے "بعض نے فریسیوں کے پاس جاکرمسیح کے کاموں کی خبردی " اوران کا مطلب یہ تھا کہ مسیح کے جانی دشمنوں کو برانگیختہ کریں اورانہیں اکسائیں کہ وہ سرگرمی سے اس کی مخالفت پر آمادہ ہوں۔ اورکارروائی فریسیوں نے ان سے خبرپاکر کی اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے نیک نیتی سے ان کو خبرنہیں دی ۔ ۴۷تا۵۳آیت تک ان آیات سے ہم کومعلوم ہوتا ہے ۔ کہ یہ خبر پاکر وہ لوگ گھبرائے انہوں نے دیکھ لیا کہ ا س عجیب معجزے کا اثر لوگوں کے اوپر پڑا ہوگا (اوریہ قیاس ان کا غلط نہ تھا)دیکھو حضرت یوحنا ۱۲باب ۱۰تا ۱۱آیت اور۱۷تا ۱۹آیت)۔

آیت نمبر ۴۷و۴۸۔ پس سردارکاہنوں اورفریسیوں نے صدرعدالت کےلوگوں کو جمع کرکے کہا ہم کیا کریں۔ یہ آدمی تو بہت معجزے دکھاتا ہے ۔اگرہم اسے یوں ہی چھوڑدیں تو سب اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اوررومی آکر ہماری جگہ اورقوم دونوں پر قبضہ کرلیں گے ۔

یہ کونسل مسیح کے برخلاف منصوبے باندھنے کے لئے کی گئی۔ غور کا مقام ہے کہ وہ یہ بات دریافت نہیں کرتے کہ آیا وہ شخص جس کے بر خلاف ہم سازش کررہے ہیں۔ سچ مچ خدا کی قدرت سے ایسے عجیب معجزے دکھاتے ہیں۔ یا نہیں وہ اپنی زبان سے اقرارکرتے ہیں وہ تو بہت سے معجزے دکھاتے ہیں مگراس پر ایمان نہیں لاتے ۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ انہیں اس کے منجانب اللہ ہونے کی اتنی پروا نہیں جتنی فکر اس بات کی ہے کہ اگر یہ شخص مسیح ماناگیا تو ہمارے حلوے مانڈے میں فرق آجائے گا۔ پس وہ کہتے ہیں کہ " اگر ہم اسے یوں ہی چھوڑدیں تو سب اس پر ایمان لے آئیں گے اور رومی آکر ہماری جگہ اورقوم دونوں پر قبضہ کرلیں گے " اب غورطلب بات یہ ہے کہ اگرمسیح کو وہ لوگ اپنا مسیح قبول کرلیتے تو اس سے کس طرح رومی طاقت مخالفت پر آمادہ ہوتی ؟ کونسل کا یہ مطلب تھا کہ " اگریہ شخص مسیح مانا گیا تو ضرورہے کہ وہ قوم کا پیشوا بنے یا لوگ اسے جبراً اپنا بادشاہ بنائیں (حضرت یوحنا ۶باب ۱۵آیت)اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رومی بادشاہت کی مخالفت کی جائے گی تاکہ غیرقوم کا جوا اتارا جائے ۔ لیکن اس بغاوت کو دیکھ کر رومی اپنے لشکر لےکر چڑھ آئیں گے اورجتنی آزادی اور رتبہ اور قدرت ہم کو اور ہماری قوم کو اب حاصل ہے وہ بھی چھین لئے جائینگے یا اگرلوگ اس مسیح کے ماتحت بغاوت پر کمربستہ نہ بھی ہوں تو بھی اندیشہ ہے کہ اس کو فقط مسیح ماننا ہی رومیوں کےدلوں میں ظن پیدا کردے گا۔ اوروہ اسے بغاوت سمجھ کر ہماری جگہ اورقوم دونوں پر قبضہ کرلیں گے "بزرگ آگسٹن اس کا مطلب اوریہی طرح بیان کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس وقت اس بڑی بغاوت کے جوڑتوڑمیں لگے ہوئے تھے۔ جو کچھ عرصہ بعد واقع ہوئی تاکہ رومی سلطنت کے جوئے تلے ہوئے سے نکل آئیں۔ مگرمسیح کی صلح جو اورامن آفرین تعلیمات ان کی مرضی کے مطابق نہ تھیں لہذا انہوں نے کہا کہ اگرہم اسے اپنا پیشوا بنائیں تو ہم اس قصد کو کبھی پورا نہیں کرسکیں گے ۔ واضح ہو کہ صرف آگسٹن صاحب اس خیا ل کو مانتے تھے اورباقی سب مفسر خیالی مذکورہ بالا کوترجیح دیتے ہیں۔

آیت نمبر ۴۹،۵۰۔اورکائفا نام ایک شخص نے جو اس سال سردار کاہن تھا اس نے کہا تم کچھ نہیں جانتے اورنہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے بدلے مرے نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو۔

اس کونسل میں لوگ طرح طرح کی تجویزیں پیش کرتے ہوں گے ۔ کوئی کہتا ہوگا کہ اس کی بات بالکل نہیں سننی چاہیئے۔ اور کوئی کہتاہوگا کہ جو کوئی اسے مسیح کہے وہ خارج کیا جائے (حضرت یوحنا ۹باب ۲۲آیت)مگر کائفا جو سردارکاہن تھا کہتا ہے کہ تم کچھ نہیں جانتے یہ سب باتیں جو تم کہہ رہے ہو ہم آزما چکے ہیں او رہم نے دیکھا کہ کوئی خاطر خواہ نتیجہ ان سے برآمد نہیں ہوا۔ بلکہ یہ سب باتیں ناکام نکلی ہیں جواصل طریقہ اس کے اثر اورکام کو روکنے کا ہے وہ تم نہیں سوچتے ۔ "تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے بدلے مرے نہ کے ساری قوم ہلاک ہو۔ " پس میری رائے یہ ہے کہ ہم قوم کی بہبودی کے لئے اس کو جان سے مارڈالیں اوریوں ایک کے ہلاک ہونے سے ساری قوم کوہلاکت سے بچائیں۔

جو اس سال سردارکاہن تھا۔ کائفا جو یہ صلاح دیتا ہے صدوقی تھا (اعماالرسل ۵باب ۱۷آیت)اوردس برس تک سردارکاہن رہا۔ مگر حضرت یوحنا کے ان الفاظ سے کہ وہ " اس سال سردارکاہن تھا " یہ مغالطہ پڑتا ہے کہ گویا سردارکاہن کا عہدہ صرف ایک سال کے لئے ہوتا تھا۔ حالانکہ یہ عہدہ عمر بھر کے لئے ہوتا تھا اورموروثی ہوتا تھا۔ پر اس مشکل کا حل یہ ہے کہ رسول یہاں ا س عہدہ کی مدت کی نسبت کچھ نہیں کہتے بلکہ الفاظ" اس سال" سے تخصیص اس برس کی کرتا ہے جس میں مسیح کے مصلوب ہونے کا عدیم المثال واقعہ سرزد ہوا۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ جس سال مسیح مصلوب ہوا اس سال کائفا سردارکاہن تھا ممکن ہے کئی سال آگے سے سردارکاہن مقررکیاگیا ہو اورکئی سال بعد تک رہا ہو۔

آیت نمبر۵۲،۵۱۔ مگر یہ اس نے اپنی طرف سے نہیں کہا مگر اس سال کا سردارکاہن ہوکر نبوت کی کہ مسیح اس قوم کے واسطے مرے گا ۔ اورنہ صرف اس قوم کے واسطے مرے گا بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا کے پراگندہ فرزندوں کو جمع کرکے ایک کردے ۔

مگر یہ اس نے اپنی طرف سے نہیں کہا مگر اس سال کا سردارکاہن ہوکر نبوت کی " ان لفظوں میں ایک دقت ہے جس کا حل ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے اوریہ کہ حضرت یوحنا کہتے ہیں کہ کائفا نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ یہ اس نے نبوت کی تھی یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ برے لوگ بھی نبوت کرسکتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ خدا نے برے لوگوں کے وسیلے نبوتیں کروائی ہیں۔ مثلا بلعام نیک شخص نہ تھا مگر خدا نے اسی کے وسیلے سے اپنے بندوں کی اقبالمندی وغیرہ کی خبر لوگوں کو پہنچائی۔ مگر مشکل اس امر میں ہے کہ آیا

سردارکاہن کے عہدے کے ساتھ نبوت لازمی تھی یا نہ تھی۔ کلام سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کام بھی سردارکاہن کے عہدے سے متعلق تھا۔ البتہ یوریم اور تھومیم کے وسیلے ان کو نزدیك معاملات یا واقعات پر خبرکسی قدرملا کرتی تھی مگرپہلی ہیکل کے تباہ ہونے پر یہ حق بھی ان سے لے لیا گیا تھا۔ اورہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ہمارے خداوند کے زمانہ میں سردارکاہن کسی وسیلہ سے آئندہ کی خبر دے سکتا تھا۔ پس سوال یہ ہے کہ حضرت یوحنا کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہے کائفا نے "اس سال کا سردارکاہن ہوکر نبوت کی" اس کا مطلب کچھ کچھ اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے ۔

مگریہ اس نے اپنی طرف سے نہیں کہا" اس نے یہ بات ایك عجیب قدرت سے مغلوب ہوکر بیان کی گووہ اس وقت نہ جانتا تھا کہ مجھ سے کون یہ بات کہلوارہا ہے ۔ یہ بات جو اس کی زبان سےنکلی اس مطلب سے جو اس نے سوچا تھا کہیں گہرا مطلب رکھتی تھی۔

بلکہ اس سال کا سردارکاہن ہوکر نبوت کی " یہ الفاظ جو اس کی زبان سے نکلے نبوت کے طورپر تھے جیسا کہ بعد میں واقعہ کےسرزد ہونے سے ثابت ہوا۔ اورچونکہ یہ اس کی زبان سے اس وقت نکلے جب کہ وہ سردارکاہن تھا اس لئے پیچھے جب یا دآتے تھے تووہ اوربھی عجیب معلوم ہوتے تھے۔

"کہ مسیح اس قوم کے واسطے مرے گا" اس نے واقعی یہ نبوت کی کہ مسیح قوم کی بھلائی کے واسطے مرے گا۔ گویہ نبوت اس کے خیال اور ارادے کے بالکل برخلاف پوری ہوئی۔

"نہ صرف اس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے وغیرہ" اوراس نے اس بات کی نبوت بھی کہ جوبعد میں وقوع میں آئی گواس کا وجود میں آنا کبھی اس کے خیال سے بھی گذرا تھا۔ اوروہ نبوت یہ تھی کہ مسیح نہ صرف یہودی قوم کے لئے مرے گا بلکہ خدا کے تمام فرزندوں کے (مراد غیرقوم) جو دنیا میں تتربترتھے۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔وہ گھرانا کیسا مبارك گھرانا ہے جہاں مسیح کی آمدورفت ہے ۔ اس گھرانے میں خدا کی عجیب قدرت طرح بطرح دکھائی دیتی ہے۔ اس پر اگردکھ آتا ہے تو وہ ہلکا کیا جاتا ہے ۔اگرآزمائشیں آتی ہیں تو وہ بھی دور کی جاتی ہیں اگرموت کا غم وارد ہوتا ہے تو وہ قیامت کے یقین سے دفع کیا جاتا ہے ۔

۲۔پر ہم یا درکھیں کہ خدا کے بندے تکلیفوں اوردکھوں سے مستثنیٰ
نہیں۔ بیمار ہونا خدا کی فرزندیت کے خلاف نہیں مسیحیوں کے دکھ
بڑا کام کرتے ہیں ۔ وہ خدا اوراس کے بیٹے کا جلال ظاہر کرتے ہیں ۔

۳۔لعزر کی بہنیں مسیح کووہ محبت یادلاتی ہیں جو وہ لعزر کے ساتھ
رکھتا ہے۔ ہماری دعائیں اسی وقت عمدہ اوردرست ہوتی ہیں جب
کہ وہ اس محبت پر مبنی ہوتی ہیں۔

۴۔وہ جو لعزر کے مرنے اوراس کی بہنوں کے غم سے واقف تھا۔ اب
بھی آسمان پر سے اپنے بندوں کی تکلیفوں کو جانتا ہے ۔

۵۔موت مسیح کے بندوں کے لئے نیند ہے ۔ مسیح کے پاس آنے سے
نیچرل موت ایک نئی صورت اختیار کرتی ہے۔ وہ نیند سے تشبیہ دی
جاتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے بندے پھر جاگ اٹھیں
گے ۔

۶۔مسیح کے آنسو ظاہر کرتے ہیں۔ دوست کی موت کا غم مسیح کے
دل میں موجود ہے۔

۷۔یہ سبق بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن کے جی اٹھنے کی ہم امید
نہیں رکھتے ممکن ہے کہ وہ مسیح کی نظر میں زندہ ہونے کے قابل
ہوں۔ مسیح آخر تک بچاسکتے ہیں۔ ہم کسی گنہگار سے نا امید نہ
ہوں۔

یریحو میں دو اندھوں کی آنکھوں کو روشن کرنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۲۰باب ۲۹تا ۳۴آیت ،حضرت مرقس ۱۰باب ۴۶تا ۵۲آیت ،حضرت لوقا ۱۸باب ۳۵تا ۴۳آیت)

اس معجزے کے ان تینوں بیانوں کوجو انجیل شریف میں پائے جاتے ہیں جب ہم ملاکرپڑھتے ہیں توان میں کچھ کچھ فرق نظرآتا ہے لہذا ان کی باہمی مطابقت دکھانا ضروری امر معلوم ہوتا ہے کیونکہ جو فرق پایا جاتا ہے اس کے سبب سے بعض لوگوں نے ان کو دوبلکہ تین معجزے قراردیا ہے ۔

(۱)دوسری مشکل یہ ہے کہ حضرت متی اورحضرت مرقس بتاتے ہیں کہ یہ معجزہ اس وقت سرزد ہوا جبکہ مسیح یریحو سے نکل رہے تھے۔ مگر حضرت لوقا کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت وقوع میں آیا جبکہ وہ یریحو میں داخل ہورہے تھے ۔ یہ مشکل طرح طرح سے حل کی گئی ہے ۔ مگر وہ خیال سب سے بہتر معلوم ہوتے ہیں اوران کو ہم یہاں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ اول یہ ہے کہ مسیح جب یریحو میں داخل ہورہے تھے اس وقت اس کو فقط ایک اندھا ملا جس نے یہ دعا کہ میری آنکھیں کھولی جائیں۔ مگرمسیح نے اس کی آنکھیں اس وقت نہ کھولیں کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ پہلے اس کے ایمان کی مضبوطی اورترقی ہو۔ مگر جب دوسرے دن یریحو سے نکلے توپھر وہی اندھا اوراس کے ساتھ ایک اوراسے ملا اوراس وقت اس نے ان دونوں اندھوں کی آنکھیں کھولیں۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ جہاں اندھوں کی آنکھیں کھولئی گئیں نئے اورپرانے یریحو کے درمیان واقع تھی لہذا دونوں بیان درست ہیں۔ یعنی یریحو سے نکلنا اوریریحو میں داخل ہونا دونوں طرح کہنا درست ہے ۔ کیونکہ وہ ایک سے نکل کر دوسرے میں داخل ہورہے تھے۔

آیت نمبر ۲۹۔اورجب وہ یریحو سے نکلتے تھے تو ایک بڑی بھیڑآپ کے پیچھے ہولی۔

یریحو۔ اس وقت ہمارے مولا اوران کے شاگرد اوروہ لوگ جو عید فسح کے لئے یروشلم کو جارہے تھے یردن کو عبورکرکے یریحو پہنچ گئے تھے۔ یریحو سے یروشلم قریباً ایک دن کی راہ تھا۔ شہریریحو کا حال جو بنی اسرائیل کے ملک کنعان میں داخل ہونے کے وقت خوب آباد تھا اورجسے اسرائیل نے معجزانہ طورپر برباد کیا تھا یشوع کی کتاب میں قلمبند ہے۔ اوروہ لعنت جو یشوع (بائبل مقدس کتابِ یشوع ۶باب ۲۶آیت)کے وسیلے اس شخص پر بھیجی گئی تھی جو اسے ازسر

نو بنانے کا بیڑا اٹھائے اخیاب کے زمانہ میں پوری ہوئی (۱سلاطین ۱۶باب ۳۴آیت) راحب اسی جگہ کے رہنے والی تھی۔ جس میدان میں یہ شہر واقعہ تھا وہ سبزپھولوں اورپھلوں سے پھلا پھولا رہتا تھا۔ ہمارے مالک کےلئے یہ تمام باتیں بڑی فرحت اور دلچسپی کا باعث تھیں۔ وہ رات بھر وہاں رہے ۔ حضرت لوقا زکی کا جس کے گھر میں آپ تشریف لے گئے بڑا دلچسپ قصہ بیان کرتے ہیں (حضرت لوقا ۱۹باب ۱تا ۲۸آیت)۔

نکلتے تھے ۔ ہم اس کی شرح اوپر کرچکے ہیں۔

ایک بڑی بھیڑاس کے پیچھے ہولی۔ یہ بھیڑان لوگوں سے مشتمل تھی جو یروشلم کو عید فسح کے لئے جارہے تھے۔

آیت نمبر۳۰۔ دیکھو دو اندھوں نے جو راہ کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے یہ سن کر مسیح جارہے ہیں چلا کر کہا اے مالک ابن داؤد ہم پر رحم کریں۔

حضرت مرقس اور حضرت لوقا اندھا بتاتے ہیں۔ (دیکھو اوپر کی سطریں) حضرت مرقس اس کا نام بھی دیتے ہیں۔ وہ تمائی کا بیٹا برتمائی تھا۔ یہ دونوں انجیل نویس فقط اس شخص کا حال بیان کرتے ہیں جو زیادہ مشہور تھا اورجو کم مشہور تھا اس کا ذکر نہیں کرتے۔ علم تاریخ میں وقائع نویسی کے متعلق یہ طریقہ یااصول اختیارکرنا روا ہے اور ہمیشہ استعمال میں لا یا جاتا ہے ۔ یعنی مورخ جس شخص کا ذکرکرنا مناسب سمجھتا ہے کرتا ہے اورجس کا مناسب نہیں سمجھتا نہیں کرتا۔

حضرت مرقس کہتے ہیں کہ یہ شخص فقیر تھا۔ اور حضرت لوقا بتاتے ہیں کہ وہ راہ میں بھیک مانگ رہا تھا۔

یہ سن کرکہ مسیح جارہے ہیں۔ حضرت مرقس اورحضرت لوقا میں " یسوع ناصری " آیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے آقا ومولا غالباً اسی نام سے مشہور تھے۔

ابن داؤد۔ اس لقب سے مراد مسیح موعود ہے۔ ہم یہ نہیں بتلاسکتے کہ ان اندھوں نے کس طرح معلوم کیا کہ یسوع ناصری مسیح موعود ہے ۔ اغلب ہے کسی نہ کسی طرح یہ بات ان کے کان تک پہنچ گئی ہوگی کہ یسوع ناصری مسیح موعود ہے۔ اوراسی طرح انکو یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ وہ اندھوں کو بینائی بخشتا ہے ممکن ہے ان کو اس معجزے کی جوگلیل میں دکھایا گیا تھا (حضرت متی ۹باب ۲۷آیت) یا اس کی جو یروشلم میں (حضرت یوحنا ۹باب۱آیت) واقع ہوا تھا خبرپہنچ گئی تھی۔

اگر وہ ابن داؤد کااصل مطلب سمجھتے تھے تو ان میں دوباتوں کا ایمان پایا جاتا تھا۔ ایک اس با ت کاکہ یسوع ناصری ہم کو بینائی دے سکتا ہے اوردوم اس بات کا کہ یسوع ناصری ایک عام نبی نہیں ہے۔ بلکہ وہ خاص نبی ہے جس کا ذکر حضرت یسعیاہ نے اپنے صحیفہ میں کیا ہے اورجس کا کام ہی یہی ہے کہ اندھوں کو بینا کرے ۔ اگر ہم ان اندھوں کا اس جنم کے اندھے سے جس کا بیان حضرت یوحنا کے نویں باب میں پایا جاتا ہے مقابلہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ وہ بھی ان باتوں کا مقر ہے جن کا اقراریہ اندھے کرتے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ وہ شفا پانے کے بعد ان باتوں کا اقرارکرتے ہیں۔ یہ شفا پانے سے پہلے ان کا اعتراف کرتے ہیں اورماسوائے اس کے ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جنم کا اندھا رفتہ رفتہ اپنے اقرارمیں ترقی کرتا ہے۔

آیت نمبر ۳۱۔لوگوں نے انہیں جھڑکا تاکہ چپ رہیں لیکن وہ اوربھی چلا کربولے ۔ اے مالک ابن داؤد ہم پر رحم کریں۔

حضرت متی بتاتے ہیں کہ " لوگوں " نے انہیں جھڑکا ۔ حضرت مرقس کہتے ہیں کہ" بہتوں نے " اورحضرت لوقا بتاتے ہیں کہ" جو لوگ آگے جاتے تھے وہ اس کو (اندھے کو) جھڑکنے لگے۔ "

جھڑکا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان اندھوں کو اس لئے جھڑکا کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسیح ناصری کو ابن داؤد کا خطاب دیا جائے کیونکہ یہ بڑی عزت کا خطاب تھا اوراس سے مسیح موعود مراد تھا۔ جو اس شرح کومانتے ہیں وہ (حضرت لوقا ۱۹باب ۳۹آیت) پیش کرتے ہیں۔ اس مقام میں فریسیوں کی بابت یہ لکھا ہے کہ جب انہوں نے لوگوں کو مسیح کی تعریف کرتے دیکھا تو ان کو ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش کی ۔ اور وہ اس طرح کہ بجائے خود روکنے کے انہوں نے مسیح سے درخواست کی کہ وہ انہیں روکے۔لیکن آئت زیر نظر سے معلوم ہوتا کہ اس موقعہ پر فریسی نہیں پر لوگ ان اندھوں کو ابن داؤد کہنے سے روکتے ہیں۔ اس سے بہتر خیال یہ ہےکہ جو لوگ یہاں موجود تھے وہ فریسیوں کی طرح کینہ وراورمتعصب نہ تھے بلکہ سادہ لوح اورسیدھے سادے تھے۔وہ مسیح کی عزت کرتے تھے اوراس کی باتیں سننا چاہتے تھے۔ پس اغلب ہے کہ جب ان اندھوں نے شورمچا نا شروع کیا تو انہوں نے ان کو اس لئے ڈانٹا کہ اس کے کام اورکلام میں خلل اندازی نہ ہو۔

لیکن ان کےدھمکانے سے یہ اندھے چلانے سے بازنہ آئے بلکہ اورزور سے چلانے لگے چونکہ وہ بہت محتاج تھے اورامید رکھتے تھے کہ مسیح

ان کی سنے گا اوران کو شفا بخشے گا لہذا وہ اوربھی زیادہ چلا نے لگے ۔ حضرت مرقس اورحضرت لوقا نے جو فعل چلا نے کے لئے استعمال کیا ہے وہ یونانی میں استمرار کی صورت رکھتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا چلانا بند نہ کیا۔ بلکہ اسے برابر جاری رکھا۔ یعنی برابر چلا تے رہے ۔ یہ حقیقی دعا کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

اس بیان سے کئی عمدہ نصیحتیں اخذ کی گئی ہیں۔ مثلاً بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ اس بیان میں کئی لوگوں کے روحانی تجربوں کی ایک سچی تاریخ پائی جاتی ہے جب وہ اپنی خرابی کو دیکھ کر اوردنیا کے متنفر ہوکرمسیح کی طرف راجع ہوتے ہیں تو سینکڑوں رکاوٹیں درپیش آتی ہیں اوروہ مسیح کے دشمنوں کی طرف سے نہیں آتی ہیں۔ بلکہ ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے تیئں اس کے دوست اور رفیق سمجھتے ہیں۔ پر جب لوگ ان مشکلات پر غالب آجاتے ہیں اور مسیح کا پیچھا نہیں چھوڑتے تو مسیح ان کو بلاتے ہیں۔ اس کے بعد وہی لوگ جو پہلے ان کی دل شکنی کا باعث تھے اب ان کو تسلی دیتے اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔

آیت نمبر۳۲۔مسیح نے کھڑے ہوکر انہیں بلایا اور کہا ۔ تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے کروں؟

کھڑے ہوکر۔ یعنی کچھ عرصہ تک ان کے ایمان کی آزمائش کرکے اور انہیں سرگرم پاکر آخر کار وہ ان کی مدد کے لئے ٹھیر گئے۔ وہ کبھی کسی کو خالی ہاتھ نہیں بھیجتے تھے۔

انہیں بلایا۔ حضرت مرقس کہتے ہیں کہ" مسیح نے کھڑے ہوکر کہا ۔ اسے بلاؤ ۔ پس انہوں نے یہ اندھا جس کا نام برتمائی تھا" اپنا کپڑا پھینک کر اچھل پڑا اورمسیح کے پاس آیا" معلوم ہوتا ہے کہ برتمائی نے اپنا کپڑا اس لئے پھینک دیا کہ مسیح کے حکم کو بجالائے اورکوئی چیز اس کے چلنے کی تیزی کو نہ روکے۔ کیا اس سے ہم یہ نہیں سیکھتے کہ ہمارا فرض ہے کہ مسیح کے پاس آنے کے لئے ہر چیز کو ہر تعلق کو ہر قسم کے مال واسباب کو جو بوجھ بن کرہم کو چلنے نہیں دیتا ترک کردیں۔ (دیکھو حضرت متی ۱۳باب ۴۴تا ۴۶آیت اور خط فلپیوں ۳باب ۷آیت)۔

تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے کروں ؟ جب وہ اندھے مسیح کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے یہ سوال کیا" تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے کروں ؟اس سوال سے اس کی رضامندی ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی اس سے مترشح ہے کہ وہ برکت دینے کو تیار ہے۔ اورنیز یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ دعا مانگنے والوں کا ایمان اورامید

تازہ اور مضبوط ہوجائے۔ علاوبریں اس کو یہ منظور تھاکہ وہ عام طور پر رحم کے لئے دعا نہ کرے بلکہ اپنی خاص ضرورت کو محسوس کرکے اسے اس کے روبروپیش کریں۔

آیت نمبر ۳۳۔ انہوں نے مسیح سے کہا اے مالک یہ کہ ہماری آنکھیں کھل جائیں۔

اب اس کے سوال کے جواب میں انہوں نے ایک خاص برکت جس کی ضرورت ان کو تھی اس کے سامنے پیش کی ۔ اب تک وہ عام طور چلارہے تھے۔ اب آنکھوں کی بینائی مانگنے لگے۔

آیت نمبر ۳۴۔مسیح کو ترس آیا اوراس نے ان کی آنکھوں کوچھوا اور وہ فوراً دیکھنے لگے اوراس کے پیچھے ہولئے۔

آنکھوں کے چھونے کا ذکر حضرت مرقس اور حضرت لوقا نہیں کرتے۔ آنکھوں کو چھونا ان اندھوں کے لئے اس بات کا نشان تھا کہ جس نے ان کی آنکھوں کو چھوا ہے وہی ان کو بینائی بھی بخشنے والا ہے ۔حضرت لوقا وہ الفاظ بھی رقم کرتے ہیں جومسیح کی زبان سے نکلے۔ "پھر بینا ہوجا" یہ الفاظ مسیح کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں اور حضرت مرقس اور حضرت لوقا یہ الفاظ بھی قلمبند کرتے ہیں " تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا" تونے اپنے ایمان کے سبب سے شفا کی برکت حاصل کی۔

آپ کے پیچھے ہولئے۔ حضرت مرقس بتاتےہیں کہ برتمائی راہ میں اسے کےپیچھے ہولئے۔ حضرت لوقا بتاتے ہیں کہ " خدا کی بڑائی کرتا ہوا اس کے پیچھے ہولیا" اورسب سے اچھی بات یہ ہوئی کہ انہوں نے بینائی پاکر مسیح کی پیروی اختیارکی۔ اورنہ صرف خود خدا کے نام کی بڑائی کی بلکہ اوروں سے بھی کروائی ۔کیونکہ حضرت لوقا ہمیں بتاتے ہیں کہ سب لوگوں نے دیکھ کر خدا کی حمد کی ۔"

نصیتحیں اورمفید اشارے

۱۔اس معجزے سے ہم کئی باتیں سیکھتے ہیں (۱)لوگ اکثراوقات کئی اشخاص کونظر حقارت سے دیکھتےہیں اورانہیں مسیحی ہونے کے قابل نہیں سمجھتے۔ مگرانجام کارانہیں لوگوں سے خداوند کا جلال ظاہرہوتا ہے۔ (۲)اکثراوقات تہذیب کو چھوڑکر گہری سرگرمی سے کام لینا پڑتا ہے۔ (۳)اکثراوقات جوروک سدراہ ہوتی ہے وہی خدا کی برکت کے متلاشیوں کے لئے زیادہ اشتعال کا باعث ہوتی ہے

۲۔مسیح دکھ کی آوازکو سن لیتے ہیں خواہ کیسا ہی شورکیوں نہ ہوتا ہو۔

۳۔مگروہ ہرچلانے والے سے یہی پوچھتے ہیں "تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے کروں" ہماری دعاؤں میں اکثر اوقات یہ نقص پایا جاتا ہے کہ ہم رٹے ہوئے لفظوں اور حفظ کئے ہوئے محاوروں کو اپنی ضرورت محسوس کئے بغیر دعاؤں میں استعمال کرتے ہیں۔ مسیح چاہتے ہیں کہ ہم پہلے اپنی خاص ضرورت کو محسوس کریں۔ اورپھر دعا کریں۔

بے پھل انجیر کے درخت کا سوکھ جانا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت متی ۲۱باب ۱۹تا ۲۲آیت ،حضرت مرقس ۱۱باب ۱۲تا ۱۴اور۲۰تا ۲۴آیت)

حضرت متی کے بیان کو پڑھ کر یہ خیال گزرتا ہے کہ جس وقت ہمارے مولا نے اس درخت کو سوکھ جانے کا حکم دیا وہ اسی وقت سوکھ گیا اوراسی وقت شاگردوں نے مسیح کےکلام کو پورا ہوتے دیکھا۔ لیکن حضرت مرقس کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاگردوں نے دوسرے دن کی صبح کو مسیح کے کلام کا نتیجہ مشاہدہ کیا۔ کیاان دونوں بیانوں میں اختلاف نہیں پایا جاتا ؟ نہیں ان میں اختلاف نہیں ہے۔ یہ معجزہ مسیح کی زندگی کے آخری ہفتہ کے پیر کی صبح کو واقع ہوا ۔ اتوار کے روز ہمارے مولا شاہانہ شوکت سے یروشلم میں داخل ہوئے۔ شام کے وقت بیت عنیا کو لوٹ آئے۔ پیر کی صبح پھر یروشلم کو گئے۔ راستہ میں یہ معجزہ سرزد ہوا ۔ مگراس وقت مسیح نے اس درخت پرا سکی بے ثمری کے سبب سے ملامت بھیجی ۔ اوراغلب ہے کہ اسی وقت سے اس کا مرجھانا او رکملانا شروع ہوگیا ۔ لیکن مسیح اپنے شاگردوں کو ساتھ لے کر یروشلم کی طرف چلےگئے۔ اورجب شام کو بیت عینا کی طرف واپس آئے تو

اندھیرا ہوگیا تھا اس لئے شاگرد اس درخت کو اس وقت نہ دیکھ سکے ۔ مگر جب منگل کی صبح کو یروشلم کی طرف روانہ ہوئے تو راہ میں اس درخت کو جڑتک سوکھا ہوا پایا۔

حضرت مرقس اس تمام ماجرے کو تفصیل واربیان کرتے ہیں۔ مگر حضرت متی اس کے اندرونی مطلب کو دیکھتے ہیں اورچونکہ وہ اسی اندرونی مطلب کو بیان کرنا چاہتے ہیں لہذا وہ وقت کی تفصیل اور ترتیب کو چھوڑکرکل ماجرے کو مسلسل واقعہ کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

انجیر کا ایک درخت راہ کے کنارے دیکھ کر اس کے پا س گئے ۔ اور پتوں کے سوا اس میں کچھ نہ پاکر اس سے کہا آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے ۔ اورانجیر کا درخت اسی دم سوکھ گیا۔

انجیر کا ایک درخت ۔ غالباً یہی ایک درخت اس موقعہ پر موجود تھا۔ اورچونکہ سبز سبز پتوں سے بھرا پڑا تھا۔ لہذا آتے جاتے لوگوں کی نظر اسی پر پڑتی تھی۔

اس جگہ یہ دقت پیش آتی ہے کہ حضرت مرقس صاف بتاتے ہیں کہ ان دنوں انجیر کا موسم نہ تھا۔ مگرپھر بھی وہ اورحضرت متی دونوں یہ کہتے ہیں کہ مسیح جو اس وقت بھوکے تھے اس انجیر کے درخت کے نزدیک اس غرض سے گئے کہ اس سے پھل توڑکر کھائے۔ اب سوال برپا ہوتا ہے کہ کیا مسیح نہیں جانتے کہ اس درخت میں پھل نہیں ہے ؟اوراگر جانتے تھے توکیا یہ تجاہل عارفانہ جو اس بیان سے مترشح ہے اس کی شان کے لائق تھا؟ ہمیں سب جوابوں سے بہتر اورمدلل یہ جواب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مولا کی الہٰی شخصیت میں دو ذاتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک الہٰی اوردوسری انسانی اورچونکہ وہ کامل انسان ہے اس لئے ا س کی انسانی ذات میں وہ تمام قیود انسانیت کی موجود ہیں جو بنی آدم سے خاص ہیں۔ اس کا بھوکا ہونا اوربھو کے سبب سے پھل کی تلاش کرنا جس طرح اس کی بشریت کے خلاف نہیں اسی طرح اس کے انسانی علم کا محدود ہونا بھی اس کی انسانی ذات کے خلاف نہ تھا۔ اس کی انسانی دانائی بڑھتی گئی (حضرت لوقا ۱۲باب ۵۲آیت) ہاں وہ دانائی جو اس کی دوسری آمد کے دن اورگھڑی کو نہیں جانتی تھی۔ (حضرت مرقس ۱۳باب ۳۲آیت)ایک محدود دانائی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اس کو روح پاک بے اندازہ طورپر دی گئی تھی۔ تاہم یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم کبھی اس بات کو نہ بھولیں کہ اس میں انسانی ذات اپنی تمام خاصیتوں کے ساتھ پائی جاتی تھی اب رہی یہ کہ بات جب حضرت مرقس صاف صاف کہتے ہیں کہ

انجیر کے پھل کا موسم نہ تھا۔ تو پھر مسیح کیوں پھل کی تلاش میں اس درخت کے پاس گئے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض ممالک میں انجیر کا پھل پہلے پیدا ہوتا ہے اور پیچھے پتے لگت ہیں۔ پینی کہتا ہے کہ اس کے (یعنی انجیر کے درخت) پتے پھل سے پیچھے نکلتے ہیں ۔ ایک اور عالم جس کا نام ٹرسٹرم ہے یوں بیان کرتا ہے۔ کہ فلسطین میں "پھل پتو سے پہلے نکلتے ہیں۔" ٹامسن صاحب کہتے ہیں کہ "پھل اکثر پتوں کے ساتھ نکلتے ہیں۔" بلکہ پتوں سے بھی پہلے لگ جاتا ہے "پس مرقس کے یہ الفاظ کہ" دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا " یہ ظاہر کرتے ہیں کہ پتوں کی موجودگی پھل کی موجودگی پر دلالت کرتی تپی۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے چند دن پہلے یریحو کے میدان میں جو بحرہ اعظم سے بہت نیچے ہونے کے سبب سے بہت گرم تھا اور جہاں گرمی کے سبب سے پھل کسی قدر پہلے لگ جاتا تھا انجیر کا پھل کھایا تھا۔ اوراگرچہ ابھی اس پہاڑ پر انجیر کا موسم نہ تھا۔ تاہم یہ درخت جو تنہا ایک طرف کو کھڑا تھا مستشنیٰ تھا۔ جس میں وقت سے پہلے پتے لگ گئے تھے اور پھل کی خبر دے رہے تھے۔ ٹامسن صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے لبنان پر مئی کے مہینے میں انجیریں کھائی ہیں۔ واضح ہو کہ یروشلم میں لبنان سے ایک ماہ پہلے یہ پھل پکتا ہے۔ پس نا ممکن نہیں کہ کوہ زیتون کے کسی گرم حصے میں اپریل کے شروع ہی میں کسی خاص قسم کی انجیر کے درخت میں پھل لگ گیا ہو یا پتے نکل آئے ہوں اور پھلوں کی خبر دیتے ہوں۔

آئندہ تجھ میں کبھی پھل نہ لگے ۔ حضرت مرقس بھی یہی کہتے ہیں پطرس اسے لعنت کہتا ہے (حضرت مرقس ۱۱باب ۲۱آیت)یاد رہے کہ مسیح نے اس جگہ غصہ میں آکر یہ لعنت نہیں بھیجی تھی۔ ایسا خیال کرنا نہ صرف بے ادبی بلکہ بڑی حماقت ہے۔ مسیح ہر چیز سے صداقتوں کو توضیح کے لئے مثال نکال لیتے تھے۔ مثلاً کھانے او رپانی سے کپڑے کے پیوندوں اور مے کی بوتلوں سے ۔بونے اور کاٹڑے سے موسموں کے تبادلہ اوردن کے گھنٹوں سے ۔جانوروں اور پھولوں سے پودوں اور درختوں سے تمثیلیں اخذ کیا کرتے تھے ۔ اس کے ہاتھ میں ہر چیز کچھ نہ کچھ سبق سکھاتی تھی۔ اوراس موقعہ پر جب آپ نے دیکھا پتے تو ہیں پھل بالکل نہیں توایک عجیب سنجیدہ سبق اپنے شاگردوں کو سکھانا چاہا۔ اوراس سبق کو اس درخت کی حالت کے وسیلے ان کے دلوں پر نقش کردیا ۔ یہ درخت اپنے پتوں کے وسیلے یہ ظاہر کررہا تھا کہ مجھ میں پھل لگا ہوا ہے حالانکہ اس میں ذرا پھل نہ

تھا۔ یہ بات اس اقرار کی مثال ہے جو ایمان اوردینداری کا دعویٰ کرتا ہے مگر درحقیقت اس میں ایمان اوردینداری کے پھل نہیں ہوتے ۔ اس میں شک نہیں کہ مسیح کا اشارہ اس جگہ یہودی قوم کی طرف ہے ۔ جوخارجی رسوم پر نازاں تھے اوراپنی دینداری پر فخر کیا کرتے تھے مگر درحقیقت سوائے رسم پرستی کے ان میں اورکچھ نہیں پایا جاتا تھا۔

بعض مفسروں کا یہ خیال ہے کہ یہودیوں میں ابھی پھل نہیں لگا تھا کیونکہ ابھی پھل کا وقت نہیں تھا۔ ان کے پھل دار ہونے کا وقت مسیح کا زمانہ تھا۔ پر جب مسیح جو ان کو پھلداری بنانے والا تھا آیا توانہوں نے اس کو رد کیا کیونکہ وہ اپنے بڑے بڑے اقراروں کے وسیلے یہ دعوے کرتے تھے کہ ہم میں توپھل پہلے ہی سے لگا ہوا ہے۔

پر اس میں نہ صرف یہودی قوم کے لئے سبق ہے بلکہ عیسائیوں کے لئے بھی اوروہ یہ کہ مسیح محض اقرار سے خوش نہیں ہوتے بلکہ اقرار کے ساتھ پھل طلب کرتے ہیں۔ پتے اپنی جگہ پر لازمی ہیں۔ ان کی اشد ضرورت ہے پر اگر پتے ہی پتے ہوں او رپھل نہ ہوں تو درخت اپنے اصل مدعا کو پورا نہیں کرتا ۔ یہ درخت پتے دکھا کر جھوٹ موٹ پھل کا دعویٰ کرتا تھا کیونکہ ہم اوپر دکھا آئے ہیں کہ انجیر میں پھل پتوں سے پہلے لگتا ہے ۔ پس اس لعنت کے وسیلے جو اس پر بھیجی گئی وہ درخت ان سب کے لئے جو انجیل سنتے ہیں ایک علامت ہے ۔ ایک سنجیدہ سبق سکھا رہا ہے اورسکھاتا رہے گا۔

ایک اور بات غورطلب ہے اوروہ یہ ہے کہ اکثر اوقات یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے یہ درخت ایک بے جان اورغیرذی عقل شے تھا۔ پس اس کو مسیح نے کیوں لعنت دی ؟ اگریہ اعتراض اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ اس نے درخت کو سکھا کر کسی شخص کا نقصان کیا تو اس کا یہ جواب ہے کہ یہ درخت لب سڑک واقع تھا۔ لہذا یہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہ تھا۔ اگر ہوتا تو یہ بھی اعتراض کی جگہ نہ تھی۔ کیونکہ اگر درخت کے سوکھ جانے سے ایسا سنجیدہ سبق سکھایا جائے جیسا کہ مسیح نے سکھایا تو درخت کا سوکھ جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ ماسوائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح اپنی شاہانہ مرضی اوراختیار کے مطابق قریباً ہر روز درختوں کو بیُج وبن سے اڑاتا اورطرح بطرح ہمارے مال کے نقصان کے وسیلے ہم کو تنبیہ کرتا ہے۔ کیا ہم اسی طرح کا اعتراض اس کی باقی کارروائی پر بھی کیا کرتے ہیں؟

اور پھر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ چونکہ وہ درخت ذی عقل مخلوق نہ تھا لہذا اپنے پھل کے لئے ذمہ دار نہ تھا اور اس واسطے اس پر لعنت بھیجنا فضول کام تھا۔ ہم اس اعتراض کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ گویا یہ درخت ذی عقل مخلوق نہ تھا مگر جیسا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ذی عقل اور ذی روح انسان کو جو درختوں اور جانوروں سے ہزارہا درجہ بہتر ہے ایک عمدہ اور روحانی سبق سکھانے کے لئے سکھایا گیا۔ اور ماسوائے اس کے یہ بھی روزروشن کی طرح واضح ہے کہ یہ درخت بھی اپنے ظاہر وباطن میں یکسا نہ تھا۔ اس میں پتے لگے ہوئے تھے اور وہ پتے ظاہر کرتے تھے کہ اس میں پھل بھی ہے مگر در حقیقت اس میں پھل نہ تھا۔ پس یہ درخت اپنی زندگی کے اصول وقواعد کے مطابق اپنی ذات میں سچا نہ تھا۔ اور نہ اس سے یہی امید تھی کہ درخت اس سے پیدا ہوں اور وہ ان کے وسیلے اپنے تیئں محفوظ رکھے۔ کیونکہ اس میں پھل نہ تھا اور پھل نہ ہونے کی وجہ سے بیج نہ تھا اور ہم جانتے ہیں کہ نوع کو قائم رکھنے کے لئے بیج ضروری شے ہے ۔ مسیح کا فتویٰ یا لعنت گویا ایک اظہار حقیقت ہے جو کسی شے یا بشر کی اس تباہی کو ظاہر کرتا ہے جو بہ سبب اس کے ذاتی نقصوں کے اس پر حادث ہوتی ہے۔

قدیم بزرگوں نے کہا ہے کہ مسیح نے دو کو چھوڑ کر باقی سب معجزے اپنی رحمت اور فضل کو ظاہر کرنے کے لئے دکھائے۔ انہیں دو سے اس نے اپنی سختی کو ظاہر فرمایا تاکہ لوگ یہ نہ سوچیں کہ وہ سزا دے ہی نہیں سکتا۔ تاہم یہ دو معجزے بھی ایسے تھے جو بنی آدم پر حادث نہیں ہوئے بلکہ ان میں سے ایک سوروں پر اور دوسرا ایک درخت پر تھا۔

اور انجیر کا درخت اسی دم سوکھ گیا۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ سارا درخت اسی وقت سوکھ گیا۔ اور نہ یہ کہ منگل کی صبح کو سوکھا جب شاگردوں نے اسے دیکھا۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ جب منگل کے روز شاگردوں نے اس کو دیکھا وہ اس سے پہلے سوکھ گیا تھا۔ پس جو کچھ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں وہ اس مشکل کا اصل حل ہے۔ جب مسیح نے اس درخت کو سوکھنے کا حکم دیا وہ اسی وقت سوکھنے لگ گیا۔ اور شاگردوں نے کچھ کچھ آثار اس کے سوکھ جانے کے اسی وقت دیکھے مگر پورے طور اس کی بربادی منگل کے روز صبح کے وقت دکھائی دی۔

آیت نمبر ۲۰۔شاگردوں نے یہ دیکھ کر تعجب کیا اور کہا یہ انجیر کا درخت کیونکر ایک دم میں سوکھ گیا؟

حضرت مرقس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درخت کا سوکھ جانا ان پر منگل کے روزظاہرہوا حضرت متی اس اثر کا ذکرتا ہے جو اس سانحہ کو دیکھ کر شاگردوں پر طاری ہوا۔ وہ وقت کا ذکر نہیں کرتے اور نہ حضرت مرقس کے بیان کی تردید کرتے ہیں۔

کیونکر ایک دم میں سوکھ گیا؟ مراد ہے ۔کس طرح اتنی جلدی چوبیس گھنٹے کے اندریہ درخت بیج وبن سے جاتا رہا ۔ایک دم سے دفعتہ مراد نہیں۔ ایک ہرے بھرے درخت کا چوبیس گھنٹے کے اندراندرسوکھ جانا انسانی محاورے کے مطابق ایک دم سوکھ جانا ہے۔ مسیح نے یہ نہیں کہا تھا کہ درخت دفعتہ سوکھ جائے گا بلکہ یہ کہ اس میں آگے کو کبھی پھل نہیں لگے گا ۔ (حضرت مرقس ۱۱باب ۲۱آیت سے معلوم ہوتاہے کہ پطرس ہی نے سب سے پہلے اس بات کی طرف توجہ کھینچی ۔ مگرمسیح نے جواب سب کو دیا۔

آیت نمبر۲۲،۲۱۔مسیح نے جواب میں ان سے فرمایا ۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر ایمان رکھو اورشک نہ کرو۔ تو نہ صرف وہ کروگے جو انجیر کے درخت کے ساتھ ہوا بلکہ اس پہاڑ سے ۔۔۔۔۔تو یہ ہوجائے گا اورجوکچھ دعا میں ایمان کے ساتھ مانگو گے وہ سب تمہیں ملے گا۔

مسیح شاگردوں کے سوال کا جواب دیتے ہیں۔ وہ انہیں بتاتے ہیں کہ اگرم تم ایمان رکھو اورشک نہ لاؤ تو اس سے بھی بڑے بڑے کام کروگے۔ اورجوکچھ دعا میں مانگوگے سو پاؤگے ۔

پہاڑسے مراد غالباً کوہ صیہون اورسمندرسے مراد تو بحیرہ اعظم ہے اوربحیرہ مرادر۔ جب مسیح یہ مثال دیتےہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس ایمان کے لئے جو شک وشبہ سے منزہ ہے بڑے سے بڑا معجزہ بھی ناممکن نہیں (حضرت لوقا ۱۷باب ۶آیت) میں اسی قسم کے خیال ظاہر کرنے کے لئے توت کے درخت کےہلنے اور سمندر میں جالگنے کی مثال پائی جاتی ہے۔

مگرہمارے مالک ایمان کی اس قدرت سے جو معجزات دکھانے میں کام کرتی ہے گذرکر ایمان کی اس قدرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو عام طورپر اجابت دعا میں ظاہرہوتی ہے۔ (حضرت مرقس ۱۱باب ۲۴آیت) میں آیا ہے " یقین کرو کہ ہم کومل گیا اور تمہارے لئے ہوجائے گا۔" ہم کو مل گیا یہ غورطلب الفاظ ہیں۔ مطلب ہے کہ جب تم نے دعا میں مسیح سے کوئی برکت مانگی تو یہ یقین کروکہ وہ تم کومل گئی اوراگریہ یقین صادق اورراست ہے تو جوکچھ تم چاہتے ہو وہ ہوجائے گا۔

پر ہم یاد رکھیں کہ کلام کے پڑھنے سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہی دعائیں قبول ہوتی ہیں جو خدا کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں۔ اس مضمون پر حضرت یوحنا ۱۴باب ۱۳آیت ،۱۵باب ۱٦آیت ،۱٦باب ۲۴آیت) کو بھی دیکھنا چاہیئے۔

یہ بھی یاد رہے کہ حضرت مرقس (۱۱باب ۲۵آیت)یہ بھی بتاتا ہے کہ اگر ہم خدا سے معافی مانگتے ہیں تو لازم ہے کہ ہم ان کو معاف کریں جنہوں نے ہمارا قصور کیا ہے اوریہ وہی حکم ہے جو حضرت متی اپنی انجیل کے ٦باب ۱۴آیت میں مسیح کی دعا کے متعلق درج کرتے ہیں۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔یہ معجزہ کیا سکھاتا ہے (۱)یہ کہ اقرار بے عمل بے فائدہ ہوتا ہے۔ (۲)اقرار بے عمل نہ خدا کو اور نہ انسان کو خوش آتا ہے (۳)خطرہ ہے کہ جو اقرار بے عمل ہے وہ ہمیشہ بے پھل اور بے عمل رہے ۔(۴)مگر یہ لازمی نہیں کہ اگر عمل ہو تو اقرار جاتا رہے۔ بلکہ جہاں عمل ہے وہاں اقرار ضرور ہوتا ہے۔ جہاں پھل ہے وہاں خوبصورت پتے ضرورت ہوتے ہیں۔

۲۔دیکھیں جو اس درخت کا قصور یا نقص تھا وہی اس کی سزا ٹھیرا۔ وہ بے پھل تھا اوریہی سزا اس کو دی گئی کہ ہمیشہ بے پھل رہے ۔ افسوس اگر کسی شخص کے گناہ کی سزا اس کو یہی دی جائے کہ وہ اس میں چھوڑا جائے تاکہ اس کا زیادہ مرتکب ہو۔

۳۔پھل اس لئے طلب کیا جاتا ہے کہ اس میں زندگی ہوتی ہے ۔اس میں بیج ہوتا ہے جو اپنے میں زندگی رکھتا ہے۔ اوریہ زندگی اپنے نوع کو قائم رکھتی ہے۔ ہر ایماندار کو اس دنیا میں پھلدار بننا چاہیئے تاکہ وہ زندگی کا بیج جو اس میں قائم ہے اوروں کو زندگی بخشے۔ اوریوں کثرت سے پھل پیدا کرے۔

۴۔ہر مومن کی یہی دعا ہونی چاہیئے کہ اے مالک مجھے بے پھل رہنے سے بچائیے۔

۵۔یہ معجزہ مسیح کی الوہیت اورانسانیت دونوں ذاتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ ایک طرف اس کی عدالت کرنے والی خاصیت اوراس کی الہٰی قدرت عیاں ہیں دوسری طرف اس کی بھوک اس کی انسانیت پر دال ہے۔

٦۔مسیح پر محبت معجزوں کے بعد منصفانہ فتویٰ کو ظاہر کرنے والا ایک معجزہ بھی دکھاتا ہے تاکہ ظاہر کرے کہ وہ بنی آدم کی

عدالت کرنے والا ہے۔ اورگنہگاروں کو جو اپنی زندگی کے مقصد کو پورا نہیں کرتے سزا دینے کااختیاررکھتا ہے۔ مگریہ معجزہ کسی انسان کے اوپر وارد نہیں ہوا بلکہ بے جان چیزپر۔ ہم اس کی محبت کی تعریف کریں پریہ جان کرکہ وہ جو محبت کرتا ہے وہی عدالت بھی کرنے والا ہے ہم اس کی تعظیم بھی کریں۔ اورسچا خوف ہمارے دلوں میں پایا جاتا ہے۔

ملخس کے کان کو شفا بخشنا

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت لوقا ۲۲باب ۴۹تا ۵۱آیت)

سب حواری اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ سردارکاہن کے نوکرکا کان تلوار سے کاٹا گیا۔ مگرمعجزہ کرنے کا ذکر صرف حضرت لوقا کرتے ہیں۔ یایوں کہیں کہ وہی اکیلے ہم کوبتاتے ہیں کہ مسیح نے اس کے کان کو اپنی معجزانہ قدرت سے شفا بخشی۔ حضرت لوقا غالباً اس بات کا ذکر دو سببوں سے کرتے ہیں۔ ایك یہ کہ وہ خود حکیم تھا اور چونکہ یہ ایسا معجزہ ہے کہ اسکا تعلق کسی قدرجراحی کے ساتھ بھی ہے لہذا وہ اس کو اپنی انجیل میں درج کرتا ہے مسیح نے اب تك تلواروں کے زخموں کو اچھا نہیں کیا تھا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ چاہتا تھاکہ مسیح کی نرمی اوربرداشت اورکشادہ دلی کو اس معجزے کے وسیلے ظاہرکرتے تاکہ لوگ جانیں کہ جو شخص اسکی جان کا خواہاں تھا۔ اس نے اس کے ساتھ رحیمانہ برتاؤکیا۔

مگرحضرت لوقا ہم کویہ نہیں بتاتے کہ کان کاٹنے والا کون تھا۔ اورنہ حضرت متی اورحضرت مرقس ہم کو اس بات کی خبر دیتے ہیں ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انہوں نے اس واسطے اس کا نام اپنی انجیلوں میں درج نہیں کیاکہ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ

خطرے میں پڑ جائے ہم پختہ طورنہیں کہہ سکتے کہ یہ خیال صحیح ہے یا نہیں ۔ حضرت یوحنا ہمیں بتاتے ہیں کہ جس نے سردارکاہن کے نوکر کا کان کاٹا وہ پطرس تھا اوراگر وہ بھی نہ بتاتا تو شائد ہمیں خود پطرس کی جلد بازی اورتیزی سے یہ نتیجہ نکالنا پڑتا کہ یہ کام ضرور پطرس کا ہوگاجو شائد اس وقت اپنے مالک کو خطرے سے چھڑانا چاہتا تھا۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوحنا ہم کو بتاتے ہیں کہ وہ شخص جس کا کان کاٹا گیا تھا اس کا نام ملخس تھا۔ ممکن ہے کہ دوسرے حواریوں کو اس کا نام معلوم نہ تھا۔ مگر حضرت یوحنا جو سردارکاہن اور اس کے گھرانے سے واقفیت رکھتا تھا۔ اس کا نام جانتا تھا (حضرت یوحنا ۱۸باب ۱۵آیت)اس کی واقفیت سردارکاہن کے خانگی تعلقات تھے۔

آیت نمبر۔۴۹،۵۰۔مسیح کے ساتھیوں نے معلوم کیاکہ کیا ہونے والا ہے تو کہا اے مالک کیا ہم تلوار چلائیں۔ اوران میں سے ایک نے سردارکاہن کے نوکرپرتلوارچلاکراس کا دہناہاتھ اڑادیا۔

یہ فعل پطرس کی طبعیت سے عین مناسبت رکھتا ہے جس طرح وہ سب سے پہلے کلام کیا کرتا تھا اسی طرح اب اپنی معمولی تیزی اورجلد بازی کے مطابق سب سے پہلے تلواربھی چلاتا ہے ۔ دوسرے شاگردوں میں بھی اس وقت اپنے مالک کی محافظت کے لئے تلوار چلانے کی خواہش پائی جاتی تھی پروہ پہلے مسیح سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ لیکن پطرس اجازت کا انتظارنہیں کرتا۔ وہ تلوارتو اس نے غرض سے چلائی ہوگی کہ سرسے پاؤں تک اس کے بدن میں سے پھر جائے اور اس کو دوٹکڑے کرڈالے مگراتفاق سے وہ صرف ملخس کے کان پرلگی ۔ حضرت لوقا اورحضرت یوحنا ہم کو بتاتے ہیں کہ وہ کان جو کاٹا گیا دہنا کان تھا۔

آیت نمبر۵۱۔مسیح نے جواب میں کہا۔ اتنے پرکفائت کرو اوراس کے کان کو چھوکراس کو اچھا کیا۔

پطرس کی طرف مخاطب ہوکر جو الفاظ اس وقت مسیح نے بیان فرمائے وہ مختلف حواریوں نے مختلف صورتوں میں رقم کئے ہیں۔ مگر جوکچھ انہوں نے لکھا ہے اس سے کافی طورپر معلوم ہوجاتا ہے کہ کل کلام جو اس وقت خداوند کی زبان مبارک سے نکلا ا سکا کیا مطلب تھا۔ حضرت متی ان باتوں کو مسیح نے کہیں ذرا مفصل طور رقم کرتا ہے۔ چنانچہ وہ بتاتا ہے کہ " مسیح نے اس سے کہا اپنی تلوار کو میان میں کرلے۔ کیونکہ جو تلوارکھینچتے ہیں وہ سب تلوار سے

ہلاک کئے جائیں گے ۔ آیا تو نہیں سمجھتا کہ میں اپنے باپ سے منت کرسکتا ہوں اوروہ فرشتوں کے بارہ تمن سے زیادہ میرے لئے ابھی موجود کردے گا ؟ مگر وہ نوشتے کہ یوں ہی ہونا ضرور ہے کیونکر پورے ہوں گے ۔"

حضرت متی کے ان الفاظ کو پڑھ کر اوران کے ساتھ ان باتوں کو جو دیگر انجیل نویسوں نے تحریر کی ہیں دیکھ کریہ خیال گذرتا ہے کہ اس موقعہ پر جبکہ مسیح کو گرفتار کرنے کی جلدی مچ رہی تھی اس کو کہاں اتنی لمبی تقریر کرنے کا وقت ملا ہوگا؟ اس دقت کو رفع کرنے کے لئے دو خیال پیش کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ جب مسیح ملخس کے کان کو چنگا کررہا تھا۔ اس وقت ان سے یہ باتیں کہتا جاتا تھا۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ چونکہ اس کی یہ تقریر اس کی حمائت کرنے والوں کو حملہ کرنے سے روکنے والی تھی اس لئے اس کے مخالفوں نے اس کی باتوں کو اپنے حق میں مفید سمجھ کر خاموشی اختیار کی اور اسے بولنے دیا۔ جو تلوار کھینچتے ہیں وہ سب تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے۔ بعض لوگوں نے ان لفظوں کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مسیح پطرس کی طرف مخاطب ہوکر کہتا ہے توکا ہے کو اپنی تلوار استعمال کرتا ہے۔ اس میان میں کرلے۔ یہ شخص تلوار لے کر مجھ پر چڑھ آئے ہیں۔ پر میں تجھے کہتا ہوں کہ انجام کار یہ خود تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے ۔ کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں وہ سب تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے۔

پر بعض مفسروں کو یہ شرح بہت موزون معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ ان لفظوں سے جن میں مسیح نے پطرس کو یہ کہا کہ اگر میں چاہوں تو بارہ تمن فرشتوں کے میری مدد کے لئے حاضر ہوسکتے ہیں۔ مطابقت نہیں رکھتے۔ پس ان لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کا یہ مطلب تھا کہ پطرس اس بات کو محسوس کرے کہ اس کا مالک اپنے چھٹکارے لئے اس کی تلوار کی مدد کا محتاج نہیں۔ پس اصل شرح یہ ہے کہ ہمارا مالک اس قدیم شریعت یا قانون کی طرف اشارہ کرتا ہے جو خون بہانے کے معاملے میں ان لفظوں سے ظاہر ہے "جو کوئی آدمی کا لہو بہاوے ۔آدمی ہی سے اس کا لہو بہایا جائے گا ۔

آیا تو نہیں سمجھتا کہ میں نے اپنے باپ سے منت کرسکتا ہوں۔ اوروہ فرشتوں کے بارہ تمن سے زیادہ میرے پاس ابھی موجود کردے گا ۔ (حضرت متی ۲۶باب ۵۳آیت)۔

ان لفظوں کو پڑھ کر وہ نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے جو ۲سلاطین ۶باب ۱۷آیت میں درج ہے وہاں ہم پڑھتے ہیں کہ جب شاہ

ارام کے لشکر نے دوتین کا محاصرہ کیا اورالیشع صبح کے وقت باہر نکلا تو مخالف کے لشکروں کو دیکھ کر ڈرگیا اور جب واپس آیا تو نبی کو اس خطرے سے مطلع کیا۔ مگر نبی نے اس کے لئے دعا کی اور اس کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے اردگرد کے پہاڑ کو آتشی رتھوں اور گاڑیوں سے بھرا ہوا دیکھا۔ اب وہ الیشع سے بڑا تھا اپنے مغموم اور دہشت زدہ شاگرد کو بتاتا ہے کہ میں تیری مدد کا محتاج نہیں کیونکہ اگر میں چاہوں تو بارہ تمن فرشتوں کے ابھی میری مدد کے لئے حاضر ہوجائیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان لفظوں میں کچھ وہی خیال عکس دے رہا ہے جو آزمائش کے وقت اس کے دل میں گھسنا چاہتا تھا۔ یعنی یہ خیال کہ وہ باپ کی مدد کو استعمال کرے اور تمام مخالفتوں کو دور کر ڈالے۔ مگر جوں ہی یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے دوں ہی رد کیا جاتا ہے ۔ اور یہ خیال کہ جو باپ کی مرضی ہے سو پوری ہوجاگزین ہوتا ہے ۔ چنانچہ وہ سوچتا ہے کہ اگر میں فرشتوں کے بارہ تمن اپنی مدد کے لئے حاضر کرلوں تو پھر وہ" نوشتے جن کا یوں ہی ہونا ضرور ہے کیونکر پورے ہونگے " (حضرت متی ۲۶باب ۵۴آیت)۔

وہ نوشتے کہ یوں ہی ہونا ضرور ہے کیونکر پورے ہوں گے ۔ مسیح کا مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتوں کی مدد استعمال میں لا ئی جائے تو پھر خدا کا وہ ازلی ارادہ باپ کی وہ مرضی جس کا ذکر کلام میں پایا جاتا ہے ۔ اور جس کا اظہار الفاظ "یوں ہی ہونا ضرور ہے " کے وسیلے کیا گیا ہے کس طرح پوری ہوگی ؟(مقابلہ کروزکریا ۱۳باب ۷آیت کے ساتھ)حضرت یوحنا کی انجیل میں فرشتوں کی مدد کو ترک کرنے اور باپ کی مرضی بجالانے کو مسیح ایک اور صورت میں ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "جو پیالہ باپ نے مجھ کو دیا کیا میں اسے نہ پیوں"یہ محاورجو رضامندی کے اظہار کے لئے استعمال کیا گیا ہے کلام میں اکثر آیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو پیالہ پینے کے لئے دیا گیا ہے خواہ وہ کیسا ہی تلخ کیوں نہ ہو تا ہم پینے والا اسے پیتا ہے تاکہ جس نے پینے کو دیا ہے اس کی مرضی پوری ہو۔ (حضرت متی ۲۰باب ۲۲تا ۲۳آیت ،۲۶باب ۲۹آیت سے مقابلہ کریں۔)

حضرت لوقا کی آیت میں ہم نے یہ الفاظ پڑھے تھے۔ "اتنے پر کفائت کرو۔ " یہ الفاظ غالباً شاگردوں کی طرف مخاطب ہوکر فرمائے گئے تھے۔ اورمطلب مسیح کا یہ تھا۔ کہ اے شاگردجو کچھ تم مقابلہ کی صورت میں اب تک کرتے رہے ہو اس سے باز آؤ۔اوراس راہ میں قدم

نہ بڑھاؤبعضو نے یہ خیال کیا ہے کہ مسیح نے یہ الفاظ اپنے مخالفوں کی طرف مخاطب ہوکربیان فرمائے تھے اورمقصد یہ تھا کہ ان کو جتائے کہ جوکچھ تم اب تک میرے گرفتارکرنے میں کرچکے ہو اس کو کافی سمجھو اورآئندہ اپنی ناسزا حرکتوں سے بازآؤ۔پریہ خیال درست معلوم نہیں ہوتا۔ لہذا اغلب ہے کہ یہ الفاظ شاگردوں ہی کو کہے گئے تھے۔ اورجب وہ باتیں کہہ چکے توملخس کی طرف متوجہ ہوئے اوراس کے کٹے ہوئے کان کواچھا کیا۔ اوراس فعل کے وسیلے اس تعلیم کا جوآپ نے دشمنوں کو پیارکرنے اورنفرت کرنے والوں کی بھلائی چاہنے کے بارے میں دی تھی ایک عمدہ نمونہ دیا۔

نصیحتیں اورمفید اشارے

۱۔مسیح اس معجزے میں کس طرح نظر آتے ہیں؟(۱)آپ کی شانتی سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ خطرے کے وقت میں وہ اوسان باختہ نہیں ہوئے۔ (۲)اس مخالفانہ حملے کے وقت بھی اس کی برداشت کرنے والی محبت میں فرق نہیں آیا۔ (۳)اس بپت کے وقت بھی شاگردوں کو سکھانا اوران کی اصلاح کرنا نہیں چھوڑا۔

۲۔آپ کے نمونہ سے ہم سیکھتے ہیں کہ تاریکی کی طاقتوں کا مقابلہ کس طرح کرنا چاہیے۔

۳۔بعض اوقات ہم کئی کام حضرت پطرس کی طرح ایسے کر بیٹھتے ہیں کہ ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم خدا کی مرضی بجالا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ خدا کی مرضی نہیں ہوتی بلکہ ہماری مرضی ہوتی ہے۔

۴۔ہتھکڑیاں پہننے سے پہلے اس کے ہاتھوں کو دیکھو۔ جب تک وہ آزاد رہتے ہیں نیکی کے کام نہیں چھوڑتے ۔ہاں وہ اپنے دشمنوں سے بھی نیک سلوک کرتے ہیں۔

۵۔دیکھو ا سکی خود انکاری کو دشمن اس کے مبارک بدن کی تحقیر وتکفیر میں لگے ہوئے ہیں۔ اوروہ دیکھتا ہے کہ فرشتوں کے تمن مدد کے لئے موجود ہیں۔ مگرتاہم وہ اس مدد کوکام میں نہیں لاتا۔ کیونکہ باپ کی ازلی مرضی کوپورا کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کوپورا کرنے کے لئے وہ اپنے حقوق کو بھی ترک کردیتا ہے۔ کون اس کی جلالی فرمانبرداری کودیکھ کراس کے پاؤں پر نہ گرے گا اوربوسے دے دے کر اپنے آنسوؤں سے نہ دھوے گا؟

مچھلیوں کے پکڑنے کا دوسرا معجزہ

(انجیل شریف بہ مطابق حضرت یوحنا ۲۱باب ۱۴آیت

آیت نمبر۱۔اس کے بعدسیدنامسیح نے پھر اپنے آپ کو تبریاس کی جھیل کے کنارے شاگردوں کو دکھایا۔ اوراس طرح ظاہر ہوا۔

حضرت یوحناکی انجیل کے اکیسویں باب کی نسبت مختلف رائے پائی جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت یوحنا نے پہلے اپنی انجیل بیسویں باب تک ختم کردی۔ مگر بعد میں اکیسواں باب بھی درج کردیا کیونکہ اس کے دوستوں نے جن کے سامنے اس نے اکیسویں باب کے واقعات زبانی بیان کئے تھے غالباً اس سے درخواست کی کہ وہ ان کو بھی اپنی انجیل میں درج کرے ان لوگوں کا یہ قیاس بیسویں باب کی آخری دو آئتوں سے پیدا ہوا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا انجیل ختم ہوگئی ہے۔

مگر بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ باب پیچھے نہیں لکھا گیا وہ کہتے ہیں کہ بیسویں باب کی آخری آیتوں میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جس سے یہ ظاہر ہوکہ حضرت یوحنا سیدنا مسیح کے معجزوں کا بیان بند کرچکے تھے یا ان آئتوں کو لکھ کر انجیل کو ختم کر بیٹھے تھے وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قدما میں سے کسی نے کبھی یہ گواہی نہیں دی کہ یہ باب بعد میں لکھا گیا تھا۔ ہمیں یہ خیال زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اپنے آپ کو تبریاس کی جھیل کے کنارے شاگردوں کو دکھایا۔ واضح ہو کہ یہ معجزہ مسیح کے مردوں میں سے جی اٹھنے کے بعد وقوع میں آیا۔ اور یہ الفاظ جو اجنبی سے معلوم ہوتے ہیں اسی سبب سے استعمال کئے گئے ہیں۔ اگر چہ ہمارے مالک شخصیت اور ذات کے اعتبار سے وہی تھے جو مرنے سے پہلے تھے۔ مگر پھر بھی مردوں میں سے جی اٹھنے کے بعد آپ کے جسم مبارک میں ایسی جلالی اورپر راز تبدیلی آگئی تھی کہ انسانی آنکھ اس کو نہیں دیکھ سکتی تھی جب تک وہ خود اپنے تیئں ظاہر نہیں کرتے۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھنے کے بعد چالیس دن تک اپنے شاگردوں کو دکھائی دیتے رہے مگر اسکا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہرروز ان کو ملتا تھا یا ہر وقت ان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ مطلب صرف یہ ہے کہ چالیس روز کے عرصہ میں وہ ان کو نظر آتا رہا اوراس کے بعدآسمان پر اٹھایا گیا۔

تبریاس جھیل کے کنارے ۔ یہ جھیل اس کے ظاہر ہونے کے لئے ایک نہائت موزون جگہ تھی کیونکہ مصلوب ہونے سے پہلے اس جھیل پر اس نے اپنی قدرت اورمحبت کے گوناں گوں کرشمے اپنے شاگردوں کو

دکھائے ۔یہیں مسیح نے مچھلیوں کا پہلا معجزہ دکھا کر پطرس اور یعقوب اور یوحنا کو آدمیوں کا مچھوا بننے کے لئے بلایا۔ یہیں وہ سمندر کی لہروں پر چلا۔ یہیں پطرس نے سمندر پر چلنے کی کوشش کی ۔یہیں مسیح نے موجوں کو اپنے کلام معجز نظام سے تھمایا۔ یہیں سے محصول کا سکہ برآمد ہوا۔ غرضیکہ اس قسم کے کئی واقعات اس جھیل سے وابستہ تھے۔ پس آپ نے اپنے تیئں ظاہر کرنے کے لئے ایک ایسی جگہ تجویز کی جہاں آپ کے شاگرد وں نے آپ کی محبت او رحکمت اور قدرت کے بے شمار نظارے دیکھے تھے اور آپ جانتے تھے کہ اس جھیل کی یاد شاگردوں پر فوراً اس بات کو ظاہر کردے گی کہ وہ ان پر اس وقت ظاہر ہوا ہے وہ کون ہے ۔

اوراس طرح ظاہر ہوا ۔ ان لفظوں کا تعلق سارے بیان کے ساتھ ہے ۔ یایوں کہیں کہ رسول ان لفظوں کے وسیلے ہماری توجہ ایک ایک بات کی طرف جو وہ معجزے کے متعلق بیان کرتا ہے کھینچنا چاہتا ہے ۔

آیت نمبر۲۔شمعون پطرس اورتوما جو توام کہلاتا ہے اورنتھانیل جو قانائے گلیل کا تھا اورزبدی کے بیٹے اوراس کے شاگرد وں میں سے دو اورشخص جمع تھے۔

اس وقت یہ سب شاگردیہاں موجود تھے۔ ان کے اس جگہ اکھٹے ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ غالباً اسی نواح کے رہنے والے تھے۔ ان میں سے چار کی نسبت ہم کو بخوبی پتہ ہے کہ وہ اسی علاقہ کے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کو حکم کیا گیا تھا کہ وہ گلیل کو جائیں کیونکہ مسیح ان کوگلیل میں ملنا چاہتے تھے۔

توما۔ صرف حضرت یوحنا اس رسول کی بابت تحریر کرتے ہیں۔ (دیکھو ۱۱باب ۱۶آیت،۱۴باب ۵آیت ،۲۰باب ۲۴آیت)ہم اس رسول کی بابت ایک جگہ پہلے بھی کچھ تحریر کرچکے ہیں۔

نتھانئیل (دیکھو حضرت یوحنا ۱باب ۴۵آیت)

زبدی کے بیٹے ۔ مراد یعقوب اوریوحنا سے اپنا اوراپنے بھائی کا نام نہ لکھنا حضرت یوحنا کے معمول کے مطابق ہے ۔ وہ اپنے نام کو ظاہر نہیں کرتا ۔

دو اورشخص۔ ان کی نسبت بعضوں کا یہ خیال ہے کہ وہ فیلبوس اور اندریاس تھے۔ مگر بعض یہ کہتے ہیں۔ کہ اگر یہ دو شخص فیلبوس اوراندریاس تھے تو ان کے نام تحریر کرنے میں کیا نقصان تھا۔ سووہ خیال کرتے ہیں کہ یہ شخص دورسولوں میں سے نہ تھے بلکہ شاگردوں میں سے تھے۔ توما کی نسبت ایک بزرگ کہتا ہے کہ وہ جو مسیح کے

جی اٹھنے کو پہلے مانتا نہیں تھا۔ اب اس کو ایک مرتبہ دیکھ کر پطرس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اوراظہاروں کا منتظر ہے۔

آیت نمبر۳۔شمعون پطرس نے ان سے کہا کہ میں مچھلی کے شکارکو جاتا ہوں۔ انہوں نے اس سے کہا ہم بھی تیرے ساتھ چلتے ہیں ۔او رنکل کرکشتی پرسوارہوئے۔ مگراس رات کوکچھ نہ پکڑا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس وقت پطرس اپنی اعلیٰ بلاہٹ کو چھوڑ کرادنیٰ بلاہٹ کی طرف متوجہ ہوا۔ اوراس نے دنیاوی کام کی طرف رخ کیا۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ رسولوں کا اصل کام مسیح کے آسمان پر چڑھ جانے کے بعد شروع ہوا۔ اوراگر اس وقت سے پہلے اس نے اپنے کام کو جس میں کوئی خرابی نہ تھی شروع کیا تواس میں کوئی عیب نہ تھا۔ اگراس کا مچھلیاں پکڑنا معیوب تھا تو اسی طرح پولوس کا اپنے ہاتھ سے خیمہ دوزی کرکے اپنی روٹی کمانا بھی قابل اعتراض تھا۔

واضح ہو کہ پطرس شاگردوں سے یہ نہیں کہتا کہ بھائیو جو تمہارا جی چاہئیے سو کرو۔ میں تو اب مچھلی پکڑنے کا کام کیا کروں گا۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ میں مچھلی پکڑنے چلاہوں۔ اگر تم میں سے کوئی چاہے تو وہ بھی چلے۔ اورہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس کوجواب دیتے ہیں کہ " ہم بھی تیرے ساتھ چلتے ہیں" جس کشتی پر وہ لوگ سوار ہوئے وہ غالباً وہی کشتی تھی۔ جس کو مسیح اکثراستعمال کیا کرتے تھے (رائل)۔

مگراس رات کچھ نہ پکڑا۔ ہم مچھلیوں کے پہلے معجزے میں بتا چکے ہیں کہ مچھلی پکڑنے کے لئے رات کا وقت عمدہ ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۴۔صبح ہوتے مسیح کنارے پر کھڑے ہوئے تاہم شاگردوں نے نہ پہچانا کہ مسیح ہیں۔

روشنی نمودارہوئی شاگردوں نے ایک آدمی کی شکل کنارے پر دیکھی مگر نہ پہچانا کہ وہ کون ہے ۔ہمارے مالک مردوں میں سے جی اٹھنے کے بعد کبھی یک بہ یک ظاہر اورکبھی غائب ہوجاتا تھا۔ پس اس وقت وہ ان کو جھیل کے کنارے پریک بہ یک دکھائی دیا۔ مگرانہوں نے اس کو نہ پہچانا ۔ مردوں میں سے جی اٹھنے کے بعد جیسا ہم اوپر بتا چکے ہیں ہمارے مالک کی صورت میں کچھ ایسی جلالی تبدیلی آگئی تھی کہ گو اس کا بدن وہی تھا جومرنے سے پہلے تھا مگرتاہم جی اٹھنے کے بعد اس کے شاگرد اس کو نہیں پہچان سکتے تھے۔ مریم نے اس کو نہ پہچانا ۔ دو شاگردو جو اماؤس کوجارہے تھے انہوں نے اس کو نہ پہچانا ۔ پس جب تک اورواقعات ان کے حافظے کی مدد نہیں کرتے تھے

یا مسیح خود ان کی مدد نہیں کیا کرتے تھے تب تک وہ اس کو نہیں پہچان سکتے تھے۔

آیت نمبر ۵۔پس مسیح نے ان سے کہا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔

مسیح گفتگو کا سلسلہ شروع کرنے کے لئے اس جگہ بھی وہی طریقہ استعمال کرتے ہیں جو آپ نے سامریہ کی عورت کے ساتھ بات کرتے وقت اختیارکیا آپ نے اس سے کہا کہ مجھے پانی پلا اسی طرح شاگردوں سے کھانے کی بابت پوچھتا ہے ۔ پس ہم یہ خیال نہیں کہیں کہ اس کو یہ معلوم نہ تھاکہ ان کے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز ہے یا نہیں۔ وہ جو اپنے علم سے یہ جانتا تھاکہ مچھلیا ں کہا ں ہیں وہ یہ بھی جانتا تھاکہ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے ۔کچھ کھانے کو ہے ؟ ا س سوال سے اشارہ مسیح کا غالباً ان کی کامیابی کی طرف تھا۔ یعنی وہ یہ دریافت کرنا چاہتے تھے آیا انہوں نے اب تک کوئی مچھلی کھانے کے لئے پکڑی ہے یا نہیں ؟

بچو۔ یہ ایک مشفتانہ لفظ ہے جس سے بزرگ چھوٹوں کو بلاتے ہیں۔ شاگردوں کے مختصر سے جواب سے معلو ہوتا ہے کہ جب گفتگو ہورہی تھی اس وقت مسیح اور شاگردوں میں خاصہ فاصلہ تھا۔ آٹھویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کشتی خشکی سے قریباً دو سو ہاتھ کے فاصلہ پر تھی پس شاگرد مختصر سے جواب سے زیادہ کچھ نہیں کہ سکتے تھے۔ ہم ان کے چھوٹے سے جواب کو ان کی بدتہذیبی نہ سمجھیں۔

آیت نمبر ۶۔مسیح نے ان سے کہا کہ کشتی کی دہنی طرف جال ڈالو تو پکڑوگے۔ پس انہوں نے ڈالا اورمچھلیوں کی کثرت سے پھر کھینچ نہ سکے ۔

یاد رہے کہ مچھلیاں بعض اوقات دکھائی بھی دے جاتی ہیں ۔ مگر مسیح نے پانی میں کوئی مچھلی ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھی تھی وہ علم غیب سے جانتے تھے کہ مچھلیاں یہاں ہیں۔ گو یہ ممکن ہے کہ شاگردوں نے شروع میں یہ خیال کیا ہو کہ شائد اس اجنبی شخص نے کشتی کی دہنی طرف مچھلیوں کا جھنڈ دیکھا ہے۔ پریہ بھی ممکن ہے کہ اس کے کلام کی ایسی تاثیر ان پر ہوئی کہ انہوں نے بے جون وچرا ا س کی بات مان لی وہ اس وقت صبح کی روشنی کے سبب سے غالباً اپنے جال وغیرہ تہ کرکے کنارے کی طرف آرہے تھے۔

اورتعجب نہیں کہ اس کے اس حکم نے یوحنا کے دل میں جس نے اسے پہلے پہچانا اس موقعہ اوروقت کی یاد پیدا کردی ہو جس وقت

انہوں نے ایک مرتبہ پہلے اس کے حکم کی متابعت کے صلہ میں بہت بڑی مچھلیاں پکڑی تھیں۔ اس معجزے میں جال نہیں ٹوٹا۔

آیت نمبر ۷۔اس لئے اس شاگرد نے جس سے مسیح محبت رکھتا تھا پطرس سے کہا یہ تو مسیح ہے پس شمعون پطرس نے یہ سن کر کہ مولا ہیں کرتہ کمر سے باندھا کیونکہ ننگا تھا اورجھیل میں کود پڑا۔

اس آیت میں وہ فرق جو حضرت یوحنا اور حضرت پطرس کی طبیعتوں میں پایا جاتا ہے کیسی خوبصورتی سے نمایاں ہوتا ہے۔ حضرت یوحنا کی بلند نظری اورحقیقت شناسی اس بیان سے کیسی خوبی سے ٹپک رہی ہے وہ گیان دھیان اورسوچ اور فکر کا آدمی تھا۔ سووہی مسیح کو پہلے پہچانتا ہے۔ مگر پطرس جو ہر بات میں تیزی اوردلیری سے کام لینے والا تھا جب اس بات سے واقف ہوجاتا ہے کہ جو شخص کنارے پر کھڑا ہے وہ میرا مولا ہے تو اسی وقت سب سے پہلے کرتہ کمر سے باندھ کر جھیل میں کود پڑتا ہے۔

حضرت یوحنا اپنے معمول کے مطابق اپنا نہیں بتاتا۔ پر یہ کہتا ہے کہ جس نے اسے پہچانا اورپطرس کو خبردی وہ وہی شاگرد تھا" جس سے مسیح محبت رکھتے تھے " محبت کی آنکھ بہت تیز ہوتی ہے وہ اپنے دوست اورمحبوب کوفوراً پہچان لیتی ہے۔ جب مسیح نے پھر جال ڈالنے کا حکم دیا اورجب اس حکم کی تعمیل کے سبب سے مچھلیاں کثرت سے جال میں آئیں تو یوحنا نے فوراً جان لیا کہ یہ تو اس قسم کا واقعہ ہے جو تین سال پہلے اسی جگہ وارد ہوا تھا۔ پس یہ شخص جس کے حکم کی تعمیل سے یہ سب کچھ ہوا ہمارے مولا ہیں۔

اب دوسری طرف حضرت پطرس کو دیکھو کہ جوں ہی وہ حضرت یوحنا سے یہ سنتا ہے کہ جو شخص کنارے پر کھڑا ہے وہ مسیح ہے تو زیادہ ثبوت کی انتظاری نہیں کرتا۔ فقط ایک بات ایک لفظ اس کے دل کو حرکت میں لانے کے لئے کافی ہے۔ اوراس اشتیاق ملاقات اب اس غائت کو پہنچا ہوا ہے کہ وہ ایک منٹ کی دیر نہیں کرسکتا۔ پس وہ مسیح کے قدموں میں پہنچنے کے لئے فوراً جھیل میں کودپڑتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی دلیری سے وہ محبت ٹپکتی ہے جس کا اقرارا سنے بارباراپنے مالک سے تھوڑی دیر کے بعد کیا اس کا جوش جو اس وقت نمایاں ہوا اس جوش سے جوملخس کا کان کاٹنے میں ظاہر ہوا بہت فرق رکھتا ہے۔ وہ جوش جو اس وقت ظاہر ہوا واقعی قابل تعریف تھا۔

کرتہ کمر سے باندھا کیونکہ ننگا تھا۔ اس کرتہ سے وہ کپڑا مراد ہے جو مچھوے پہنا کرتے تھے۔ اورمچھلیاں پکڑتے وقت اتاردیتے تھے۔

آیت نمبر ۸۔باقی شاگرد اس ڈونگی پر سوار ہوکرمچھلیوں کا جال کھینچتے ہوئے آئے کیونکہ وہ کنارے سے کچھ دورنہ تھے بلکہ تخمیناً دوسو ہاتھ کا فاصلہ تھا۔

کنارے سے بہت دور نہ ہونے کے سبب سے انہیں کشتی آہستہ آہستہ چلا نی پڑی۔ کیونکہ کنارے کے نزدیک پانی بہت گہرا نہ تھا۔ پریہ بھی یاد رہے کہ باہم گفتگو کرنے کے لئے یہ فاصلہ خاصی دورتھا جیساکہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ وہ لوگ شائد اس واسطے پطرس کے ساتھ نہیں آئے کہ انہوں نے مچھلیوں کوبھی کھینچ کرلانا تھا۔

آیت نمبر۹۔جس وقت کنارے پراترے توانہوں نے کوئلوں کی آگ اوراس پرمچھلی رکھی ہوئی اورروٹی دیکھی۔

بعض مفسروں کا خیال ہے کہ مسیح نے اس معجزے میں ایک اورمعجزہ دکھایا۔یعنی اس وقت اپنے تھکے ہوئے شاگردوں کے لئے جسمانی خوراک تیارفرماتا ہے تاکہ وہ جان جائیں کہ اسے نہ صرف ان کی روحانی زندگی کی فکر ہے بلکہ ان کی جسمانی ضرورت کا بھی خیال ہے ۔

آیت نمبر۱۰۔مسیح نے ان سے کہا جومچھلیاں تم نے ابھی پکڑی ہیں ان میں سے کچھ لاؤ۔

ایک بزرگ نے کیسا عمدہ خیال اس سے نکالا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو لفظ اس جملے میں تاکید یہ ہے وہ ابھی ہے ۔ مسیح نے انہیں فرمایا تھاکہ "کشتی کی دہنی طرف جال ڈالو۔" اس کے بعد وہ چپ رہا اورجب اس نے اپنی زبان پھر کھولی تو یہی الفاظ جوآیت نمبر۱۰میں مرقوم ہیں بیان فرمائے۔اورلفظ ابھی پر زوردیا۔ گویا مسیح یہ کہتے ہیں کہ میں نے تمہیں کشتی کی دہنی طرف جال ڈالنے کو کہا تھا۔ اور تم نے میرا حکم مان کر اپنا جال ڈال دیا۔ اب میں تم سے کہتا ہوں کہ میرے حکم کی تعمیل سے جو مچھلیاں تم نے ابھی پکڑی ہیں وہ نکالواوراس سے یہ سیکھو کہ کامیابی میرے حکم کی فرمانبرداری پر منحصرہے۔ اگرتم چاہتے ہوکہ کامیاب ہواکروتو میرے حکم پر عمل کیاکرو۔

آیت نمبر۱۱۔ شمعون پطرس نے چڑھ کر ایک سو ترپین (۱۵۳)بڑی مچھلیوں سے بھرا ہوا جال کنارے پر کھینچا مگر باوجود مچھلیوں کی کثرت کے جال نہ پھٹا۔

اب پطرس پھر کشتی پر چڑھ گیا تاکہ مچھلیوں کا جال کھینچے ۔ پر یاد رہے کہ وہ اکیلا نہ تھا۔ دوسرے شاگرد بھی ا س کی مدد کرتے ہوں گے۔

جال نہ پھٹا۔ گومچھلیاں بہت سی تھیں تو بھی جال نہ ٹوٹا ۔ مچھلیوں کی تعداد ۱۵۳بتائی گئی ہے ۔اوراس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے نے اس تمام ماجرے کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔

جال اورمچھلیوں کو دیکھ کر رسولوں کو وہ وقت ضروریاد آیا ہوگا جس وقت انہوں نے ایک مرتبہ آگے مسیح کے کہنے سے جال ڈالا تھا۔ اوراتنی مچھلیاں پکڑیں کہ جال ٹوٹ گیا۔ اوران کوہ تمثیل بھی یاد آئی ہوگی جس میں آسمان کی بادشاہت کو اس جال سے تشبیہ دی ہے کہ جو سمندر میں ڈالا جاتا ہے (حضرت متی ۱۳باب ۴۷آیت)۔

آیت نمبر۱۲۔مسیح نے ان سے کہا آؤکھانا کھالو۔ اورشاگردوں میں سے کسی کو اتنی جرات نہ ہوئی کہ ان سے پوچھتے کہ آپ کون ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسیح ہی ہیں۔

کھانا کھانے کے لئے بلانے کا ایک تو غالباً یہ مقصد تھا کہ ان تھکے ماندوں کو سیری نصیب ہو اورکچھ یہ بھی تھاکہ وہ ان پر ظاہر فرمائے کہ گو مردوں میں سے جی اٹھا ہوں تاہم تمہارے ساتھ وہی بے تکلفانہ تعلق رکھتاہوں جو باہم کھانے پینے سے ظاہرہوتا ہے۔ (مقابلہ کرو۔ انجیل شریف کتاب مکاشفہ ۳باب ۲۰آیت)۔

اورشاگردوں میں سے کسی کواتنی جرات نہ پڑی ۔ وغیرہ وہ سارے ماجرے کو دیکھ کر اب قائل ہوگئے تھے کہ جو شخص ہم سے باتیں کررہا ہے مسیح ہے۔ اورسوال کرنے کی جرات اس واسطے نہ رکھتے تھے کہ اس کی پر رازحضوری سے ان پر ایک قسم کا رعب اورخوف چھا گیا تھا۔

آیت نمبر ۱۳۔مسیح آئے اور روٹی اٹھا کر انہیں دی پھر مچھلی بھی دی۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ ان متحیر شاگردوں کا میزبان ہمارا مولا ہے۔ اگر یہ درست ہے کہ ہمارے مولا نے بھی اس وقت ان کے ساتھ مل کر کھایا اوربہت لوگ مانتے ہیں کہ آپ نے ایسا ہی کیا تو شاگردوں کے لئے یہ بات ا س کے مردوں میں سے جی اٹھنے کا ایک پختہ ثبوت تھی۔

آیت نمبر۱۴۔مسیح نے مردوں میں سے جی اٹھنے کے بعد تیسری بار اپنے آپ کو شاگردوں پر ظاہر کیا۔

الفاظ" تیسری بار" پر بحث ہے ۔ کیونکہ ایک طرح یہ اس کا تیسرا اظہار نہ تھا بلکہ ساتواں (۱)پہلے وہ مریم مگدلینی کو دکھائی دیا(۲)پر یوانہ اور دوسری عورتوں کو (۳)پھر شمعون پطرس کو (۴)پھر دو

شاگردوں کو جو اماؤس کو جارہے تھے (۵)پھر دس شاگردوں کو مگر اس وقت توما حاضر نہ تھا۔ (۶)پھر اس وقت جب کہ توما اوردیگر شاگربھی حاضرتھے۔

اب یہ دقت درپیش ہے کہ جب مسیح اتنی دفعہ دکھائی دے چکا تھا توپھر کس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس وقت جھیل پر صرف تیسری باردکھائی دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گووہ کئی باردکھائی دیا۔ تاہم شاگردوں کے اکھٹے مجمع کو اس سے پہلے صرف دو ہی مرتبہ دکھائی دیا۔ اورجب پھرتیسری باران پرظاہرہوا۔ ماسوائے اس کے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے دکھائی دینے کا یہ تیسرا دن تھا۔ پہلی پانچ مرتبہ وہ اسی دن دکھائی دیا جبکہ مردوں میں سے جی اٹھا۔ پھر ایک ہفتہ بعد دکھائی دیا تاکہ توما اس کے جی اٹھنے پر ایمان لائے۔ اور اب یہ تیسرا دن تھاکہ وہ پھران سات کو نظرآئے۔

اس کے بعد وہ دلچسپ اورنصحیت خیرگفتگو آتی ہے۔ جو پطرس اورمسیح کے درمیان ہوئی۔ جب وہ ان کو اس معجزے کے وسیلے یہ سکھا چکا کہ کامیابی کس طرح حاصل ہوتی ہے اورفرمانبرداری کا اجر کس طرح ملتا ہے تو وہ ان پر اس گفتگو کے وسیلے یہ ظاہر فرماتا ہے کہ میری خدمت کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ مجھ سے محبت ہو دوسری کہ خدا کے لئے سب کچھ مال وجان تک قربان کرنے کے لئے رضامندی پائی جائے۔

نصیتحیں اورمفید اشارے

۱۔ ہرکام یا پیشے میں مسیح اوراس کی روح سے ملاقات ہوسکتی ہے۔ یہ سات شاگرد جن کا حال ہم نے پڑھا مچھلیاں پکڑرہے تھے جب مسیح ان پر ظاہر ہوا۔ ضرورت نہیں کہ انسان جنگلوں اورغاروں میں قیام اختیارکرے۔ مسیح کودیکھنے کے لئے ایمان کی آنکھ کی ضرورت ہے۔

۲۔اکثراوقات مسیح کے خادموں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری محنت رائگاں جارہی ہے پر جس وقت وہ اپنی کمزوری اوراپنی ناکامی کو دیکھ کرغم کھاتے ہیں ۔ بسا اوقات مسیح عین اسی وقت نمودار ہوتا اورنئے طریقوں اورنئی تجویزوں سے ان کو اپنی برکتوں سے مالا مال فرماتے ہیں۔

۳۔ہم یہ سیکھیں کہ جب وہ ہمیں کوئی کام کرنے کو کہتا ہے توآپ ہی ان سامانوں کی فکرکرتا ہے جو ہمارے جسم کی طاقت کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔

۴۔مسیح کے معجزوں کے آخر میں اس معجزے کا ذکر نہائت موزون ہے وہ مردوں میں سے زندہ ہوکر اپنے شاگردوں پر ظاہر کرتا ہے کہ میں مردہ نہیں بلکہ زندہ ہوں اور وہی معجزانہ قدرت جو مصلوب ہونے سے پہلے مجھ میں پائی جاتی تھی اب بھی موجود ہے۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہاری محنتوں اور تمہاری ناکامیوں کو دیکھتا ہوں اورتمہاری مدد کے لئے تیارہوں۔

اس کے عجیب معجزوں کے مطالعہ کے آخر میں ہمارے لئے یہ ایک سنجیدہ سبق ہے اورہمیں کبھی اس سبق کو بھولنا نہیں چاہیے۔ کہ ہمارا مسیح زندہ مسیح ہے جو موت پر غالب آیا جو ہم کو دیکھتا ہے اورہماری مدد کے لئے تیار ہے ۔ پس ہماری کامیابی اور بھلائی اسی میں ہے کہ ہم ایمان سے اس کی فرمانبرداری کریں تاکہ ہم اس دنیا میں کامیابی کی برکت سے مالا مال ہوں۔ اورآخر مردوں میں سے جی اٹھ کر اس کے اور ابراہیم ،اضحاق اور یعقوب اور دیگر مقدسوں کے ساتھ آسمانی ضیافت میں شریک ہوں۔ آمین۔